مواعظ
دار العلوم ماٹلی والا

جلد: اول

خطبات

(حضرت مولانا مفتی) اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب

(مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ)

مرتب

مولانا قاری ذاکر صاحب ولنوی

(خادم التجوید والقرآت: دار العلوم ماٹلی والا)

تفصیلات

نام کتاب: مواعظ دارالعلوم ماٹلی والا

خطبات : حضرت مولانا مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (دامت برکاتہم)
(شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا)

مرتب : مولانا قاری ذاکر صاحب ولنوی
(خادم التجوید والقرأت: دارالعلوم ماٹلی والا)

صفحات : ٦٠٨

سن طباعت: ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۰ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ: ابوبکر ربیع بن صبیح بصری

دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا

عیدگاہ روڈ، بھروچ، گجرات، انڈیا۔۳۹۲۰۰۱

فہرست

(۲) نکاح اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہے

(۳) فتنۂ شکیل بن حنیف کی حقیقت

(۴) استقامت دین حالات حاضرہ کے تناظر میں

(۵) قوموں کا عروج وزوال

(۱۰) عدل وانصاف کا معیار

(۱۱) قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے
مسلمان اپنی حفاظت کیسے کریں؟

(۱۲) شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی سوانح حیات اور ہمارے لئے سبق

(۱۳) ملک شام کے احوال اور مسلمانوں کو ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟

(۱۵) حجۃ الوداع کا پیغام

(۱۶) اسلام کا بینکنگ (Banking) نظام

(۱۷) حالات حاضرہ

قادیانیت کی ریشہ دوانیاں

(۱۸) اسلام کا نظام عدل وانصاف

(۱۹) اسلام میں امانت کا مفہوم

(٢٠) قوموں کی فتح یابی اور ناکامی کے اسباب موجودہ حالات کے تناظر میں

(۲۱) اصلاح معاشرہ

(۲۲) طلاق ثلاثہ اور سپریم کورٹ

(۲۳) اصلاح معاشرہ

علمائے کرام کی ذمہ داری

(۲۴) نکاح کے فوائد اور زنا کے نقصانات

(۲۵) موجودہ حالات میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز اور حکیم کا استحضار کریں

(۲۶) فتنۂ مہدویت کا تاریخی و علمی جائزہ

(۲۷) اسلام کا ایجوکیشن سے کیا تعلق ہے؟

(۲۸) مذہب اسلام اور جدید سائنس

(۲۹) اسکول اور کالج کے طلباء وطالبات کی دینی تعلیم و تربیت

(۳۰) حج اور قربانی کا فلسفہ

(۳۱) حالات آزمائش کے لئے آتے ہیں

(۳۲) اسراء اور معراج (قسط اول)

(۳۳) اسراء اور معراج (قسط دوم)

(۳۴) سالِ نو کا پیغام؛ وقت کی قدر کیجئے

●●●●●

ابتدائیہ

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین،امابعد!

قرآن وحدیث میں خطابات ووعظ کی بڑی اہمیت ذکر کی گئی ہے:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴿۵۵﴾(ذاریات:۵۵) فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴿۱۷۶﴾(اعراف:۱۷۶)وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴿۶۳﴾ (نساء:۶۳) اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (نحل:۱۲۵)عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴿۴﴾(رحمٰن:۴)نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴿۱﴾ (قلم:۱)

اورحدیث شریف میں ’’ان من البیان لسحرا‘‘ ذکرکیا گیاہے۔

دعوتی خطوط،غزوۂ حنین کے موقع پر انصارکوجمع کرکے جوادبی،علمی اورنفسیاتی وعظ فرمایا وہ آج بھی ایک عمدہ ادبی شاہکار کے طور پرمحسوس کیا جارہاہے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صفا پہاڑی کا وعظ بھی عمدہ نمونہ ہے، حدیث شریف میں صحابۂ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعظ کو موعظۃ بلیغۃ سے تعبیرکیا ہے۔

تقریرکےاجزائے ترکیبی: موضوع،وقت،تسلسل،تاثیر،تکمیل۔

موضوع مرتب ہو، بھرپور تیاری ہو،اہم فالاہم کوترتیب دے، اصول پہلے ہواورنتائج بعد میں ہو،تسلسل ضروری ہے،حافظہ کا بھی اس میں دخل ہے، وقت کا لحاظ بھی ضروری ہے، مقررہ وقت کے بعد کہی ہوئی بات کتنی قیمتی وعمدہ ہو؛لیکن سامعین کی نظر گھڑی پر ہوتی ہے،

تسلسل تقریر کی جان ہے، سامعین پر وہ گہرا اثر ڈالتی ہے، عام آدمی ایک منٹ میں ۵۰۰ الفاظ سن سکتا ہے، مقرر ۱۵۰ الفاظ کی رفتار سے تقریر کرتا ہے، تقریر مؤثر ہونی چاہئے، ذہنوں کو خیالات سے کیسے متأثر کیا جاوے؛ یہ بھی فن ہے۔

تأثر پیدا کرنے والے چندلوازمات ہیں: جسمانی حرکت و چہرے کے تأثرات، آواز کی دلکشی، اتار چڑھاؤ۔ عوامی رجحانات وضروریات کا خیال۔ مقرر کا اخلاص و پرزور اظہار خیال، مقرر کی پختگی و عقلی دلیل۔ اسٹیج پر باوقار کھڑا ہونا۔

تقریر میں ۷ فی صد حصہ جسمانی اشارات کا، ۵۵ فی صد مواد کا اور آواز کا ۳۸ فی صد حصہ ہوتا ہے، ناک سے آواز نہ نکالی جاوے، سامعین کی طرف دیکھنا بھی ضروری ہے، بیان کا مواد مکمل ہو، ادھوری بات نہ ہو، تقریر کا آغاز واختتام اہم ہے، اس کی تیاری کرنی چاہئے، آیات کی تفسیر، احادیث کی تشریح، واقعات، سماجیات اور دیگر ادیان یا سماج کا تقابل کر کے اسلام کی آفاقیت ثابت کرنا ہے، ان سب کے لئے علمی پختگی، مطالعہ کی گہرائی، ہمہ جہتی مطالعہ، طالب علمی کے زمانے سے تکرار و مطالعہ کی عادت ضروری ہے، یہ تفہیم کی صلاحیت کو اجاگر کرتا ہے، اسرائیلی روایات سے پرہیز کرے، اپنی تقریر کے اہم موضوع کی کاپی بنائے، چھوٹی دائری زیادہ مناسب ہے، خوب مواد تلاش کر کے موضوع کے مناسب مضامین کو ضبط تحریر میں لے آئیں۔

حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری کے چند مختصر عنوانات کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

(۱) حکمت و مصلحت (۲) نکیر ہو، تحقیر نہ ہو (۳) ریا کاری نہ ہو (۴) بے عمل نہ ہو
(۵) تکلف نہ ہو (۶) دقیق مضامین نہ ہو (۷) بے سند باتیں اور موضوع روایات نہ ہو
(۸) عجب وخود پسندی نہ ہو (۹) انبیاء کرام کا اسوہ اور طرز گفتگو ہو۔

یہ چند بیانات کا مجموعہ ہے جو استاذ تجوید وقرأت عزیزم قاری ذاکر ولنوی صاحب نے ریکارڈ کر کے طلبۂ عزیز سے تحریر کروائے ہیں۔ اور پھر اس کی تصحیح کر کے بار بار سن کر کمپوز

کرواکر میرے سپرد کئے۔

اس سے پہلے محترم قاری صاحب نے جب ان بیانات کو ضبط تحریر میں لانے کی اجازت مانگی تھی تو شروع میں مجھے انشراح نہیں تھا؛ کیوں کہ تقریر و تحریر میں بڑا فرق ہوتا ہے، تقریر و خطاب عوام الناس کی فہم کے مطابق ہونا ضروری ہے اور گجرات میں زیادہ تر گجراتی زبان کا ہی رواج ہے؛ حتی کہ اہل علم کے درمیان بھی عموماً گجراتی زبان میں ہی بات چیت ہوتی ہے، لہٰذا عوام کی فہم کے مطابق بول چال کی زبان کا خیال کرتے ہوئے سادہ کلمات استعمال کرنے ہوتے ہیں، پھر مبتدا خبر اور اضافت والے کلمات میں تقدیم و تاخیر بھی ہوتی ہے، جس سے بے ربطگی محسوس ہوتی ہے اور پھر ان کو ضبط تحریر میں لانا کارے دارد۔

بندہ طالب علمی کے زمانے میں استاذ محترم حضرت مولانا ایوب قاری بندے الٰہی صاحب کی نگرانی میں حضرت مولانا سید عبدالمجید ندیم صاحب کے بیانات کو کیسٹ سے تحریر کرنے والے حضرات کے ساتھ شریک کار تھا، اس وقت اس کا تجربہ کر چکا تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر میں نے عزیزم قاری ذاکر صاحب کو کوئی جواب نہیں دیا؛ لیکن قاری صاحب نے بار بار تذکرہ کیا اور کام کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے چند بیانات خود ہی لکھکر مجھے پیش کئے۔

جب ان تحریر شدہ بیانات کو پڑھا تو مجھے خود اپنے بیانات میں بے ربطگی کا احساس ہوا؛ لہٰذا پھر اس کام کو ملتوی کرنے کا ارادہ کیا اور اتنی فرصت تھی نہیں کہ سب کو درست کیا جاوے۔ کوئی نیا کام کرنا آسان ہوتا ہے؛ لیکن لکھے ہوئے کو درست کرنا مشکل ہوتا ہے۔ عزیزم قاری صاحب نے تو کام کو وسیع کرتے ہوئے مختلف طلبۂ عزیز کے سپرد کر دیا تھا اور میرے سامنے ہفتہ دس دن میں کچھ بیانات آجاتے تھے، میں نے بھی یہ سوچا کہ ایک مرتبہ ضبط تحریر میں آجائے؛ یہ بھی غنیمت ہے۔

اتفاق سے ان ہی دنوں میں طاعون (کرونا) کی وجہ سے لوک ڈاؤن ہو گیا اور زندگی معطل ہو گئی، تو ذہن میں آیا کہ ان فرصت کے ایام میں بیانات پر نظر ثانی کر کے بے ربطگی

دور کر لی جاوے، نظر ثانی کے بعد بھی دل میں انشراح نہیں تھا کہ سب باتیں اتنی قیمتی ہو کہ لوگوں کے سامنے اس کو تصنیفی شکل میں پیش کیا جاوے؛ لیکن قاری ذاکر صاحب کے مسلسل اصرار اور قاری صاحب کا خود ہی تحریر شدہ بیانات کو کمپوز کروا کر ان کی ترتیب اور عناوین لگانے کے بعد پروف کے لئے عزیزم مولانا رشید صاحب کو پہونچانا اور پھر اصلاح شدہ بیانات کو عزیزم مولانا ذاکر پارکھیتی صاحب کے حوالے کر کے اس کو آخری مرحلے تک پہونچانے کی سعیٔ مشکور نے اس کے شائع کرنے پر مجبور کر دیا۔

درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد سے ہی مسلسل ایسے مواقع فراہم ہوئے کہ ہر جمعہ کو تقریر کی تیاری کرنا ضروری ہو گیا، تو بندہ نے اسی وقت سے کاپی میں ہر موضوع کے متعلق آیات واحادیث اور تاریخی واقعات وسائنسی تحقیقات کو تحریر کرنا شروع کر دیا تھا اور دوسو (۲۰۰) کے قریب بیانات کے اشارات محفوظ ہو گئے تھے۔

بندہ نے ان بیانات کے اشارات والی کاپیاں مولانا ذاکر پارکھیتی صاحب کے سپرد کر دی، مولانا خود بھی اچھے سلجھے ہوئے مقرر ہیں اور اطراف وجوانب میں آپ کے بیانات سے لوگ استفادہ کرتے ہیں، تو انہوں نے کاپیوں کے جو موضوع ان بیانات کے مناسب تھے ان کو بہت عمدہ سلیقے سے آیات کی تخریج اور عناوین کے ساتھ ان میں شامل کر دیا ہے، البتہ اتنی وضاحت ضروری ہے کہ ان اشارات میں قدرے اجمال اور اشتباہ ہے، یہ صرف چند اشارات ہیں جو مقرر حضرات کو کم وقت میں بیان کی تیاری میں معین ومددگار ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا اس اجمال واشتباہ کی نسبت میری طرف ہوگی، مولانا ذاکر صاحب کی طرف نہیں ہوگی۔

اس وقت یہ ۳۶ بیانات چھپنے کے لئے جارہے ہیں، میں اس موقع پر قاری ذاکر صاحب اور مولانا ذاکر صاحب دونوں ذاکرین سے نیک فالی بھی لیتا ہوں کہ قرآن شریف میں بھی وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۵۵﴾ (ذاریات:۵۵) آیا ہے اور اس تذکیر میں بھی ذاکرین کا فکر وعمل معین ومددگار رہا ہے۔

اللہ پاک کے دربار عالی سے یہ امید ہے کہ وہ اس کو میرے لئے اور تمام پڑھنے والوں، سننے والوں کے لئے نفع بخش بنائے۔آمین!

اس موقع پر میں عزیزم مولانا رشید صاحب منوبری کا بے حد ممنون ومشکور ہوں جو میری تمام عربی ، اردو، گجراتی تحریرات کے مسودات کی تبییض اور حوالہ جات کی تلاش وتحقیق میں خندہ پیشانی وقلبی انشراح کے ساتھ بڑا اتعاون فرماتے ہیں۔

اسی طرح احادیث کی تخریج کا کام مولانا عبداللہ لاجپوری صاحب نے محنت کے ساتھ انجام دیا، میں ان کا بھی ممنون ومشکور ہوں،عزیزم مولانا مفتی عبدالمتین صاحب ٹنکاروی اور عزیز طلبہ جن کے نام قاری ذاکر صاحب نے تحریر فرمائے ہیں؛ان کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے محنت اور جاں فشانی کے ساتھ تقریر کو تحریر میں منتقل کرنے کی خدمات انجام دی۔

حق تعالیٰ شانہ ان تمام حضرات کے علمی ،عملی و روحانی درجات میں ترقی نصیب فرمائے۔آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(حضرت مولانا) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (دامت برکاتہم)
مہتمم وشیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات، الہند
مؤرخہ ۸رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ=مطابق ۲۸راگست ۲۰۲۰ء

عرض مرتب

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و أصحابہ أجمعین. و بعد!

دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین: ایک بابرکت اور عظیم الشان مشن ہے، جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت کا بنیادی مقصد اور بندگان خدا کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا سب سے اہم اور افضل ذریعہ ہے۔

انبیاء کرام کی بڑی خصوصیت ان کے پیغام کی ہم آہنگی اور یک آہنگی ہے، یعنی وہ سب ایک ہی بات کہتے ہیں، یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ. ان کے جانشینوں کی بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی تمام تر کاوش اور ان کی زندگی کا بنیادی ہدف ایک ہی ہوتا ہے اور وہ ''دعوت الی اللہ'' ہے، درس و تدریس، وعظ و تقریر، تصنیف و تالیف اور سلوک و تصوف سے مقصود مخلوق خدا کو اللہ کی طرف بلانا اور اللہ سے ملانا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

اور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: **فو اللہ لأن یھدی اللہ بك رجلا واحدا خیر لك من حمر النعم.** (بخاری و مسلم)

بھلائی کی تلقین و ترغیب اور برائی سے روک تھام کا مؤثر ذریعہ ''زبان اور قلم'' ہے، اس لئے وہ خطباء و دعاۃ اور مبلغین لائق صد تحسین ہیں، جو اس پر فتن دور اور تاریک ترین ماحول

میں دعوت الی اللہ کا عظیم فریضہ بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں اور بزم عالم میں کتاب وسنت کی شمع کو فروزاں کیے ہوئے ہیں اور شب وروز لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں، رب کریم ان کی مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت عطا کرے اور مزید خدمات دین کے مواقع میسر فرمائے، آمین!

الحمدللہ زیر نظر کتاب ''مواعظ دارالعلوم ماٹلی والا'' ایک صالح معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کے لیے اور خواب غفلت میں سوئی ہوئی انسانیت میں بیداری کی روح پھونکنے کے لیے مؤثر ہیں۔

محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی خطیب کے خطبات کو اس کی حیات ہی میں کتابی شکل مل جانا، اس کے تجربات، مشاہدات، حالات وواقعات اور اس کی علمی وفکری خدمات کا منصۂ شہود پر آ جانا، ہم جیسے طلبۂ عزیز کے لیے بیش بہا نعمت خداوندی اور قیمتی سوغات کی حیثیت رکھتا ہے۔

آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ جب کہ اس خطیب کی زبان کی سلاست عالمانہ وادیبانہ ہے، عقل کی گہرائی فقیہانہ ہے، انداز بیان مفسرانہ ومحدثانہ ہے اور قلب وجگر کا سوز تصوفانہ ہے، رات دن اپنی تحقیقات ومحدثانہ شان سے طالبان علوم نبوت کو سیراب کرنے والا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حالات حاضرہ پر گہری بصیرت رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید چیلنجز (Challenges) کا اپنی زبان وقلم کے ذریعہ، اس کے مثبت ومنفی پہلوؤں کو اجاگر کر کے معترضین کے شکوک وشبہات کا مناسب ومعقول جواب دینے والا ہے۔

زیر نظر کتاب'' مواعظ دارالعلوم ماٹلی والا''میں قارئین'' حضرت الاستاذ مدیر محترم حضرت مولانا مفتی اقبال صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم (مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ) کی ذات گرامی کو ان تمام کمالات واوصاف سے متصف پائیں گے، **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.**

محترم قارئین! درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصوف وسلوک اور بیعت وارشاد کی طرح

وعظ وتذکیر بھی امت کی صلاح وفلاح اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کا نہایت اہم، مفید اور مؤثر ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ (اعلیٰ:۹) اور ایک مقام پر وعظ وتذکیر کی اہمیت وافادیت اور اس کے نفع بخش ہونے کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (ذاریات:۵۵) حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری صاحب (دامت فیوضھم) فرماتے ہیں:

بسا اوقات تصنیف وتالیف یا تدریس وتعلیم سے وہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا جو ایک عالم ربانی کی وعظ ونصیحت سے پہنچتا ہے۔

اسی خاص داعیۂ قلبی کے تحت حضرت والا کے مواعظ کو تحریری شکل دینے کا جذبہ پیدا ہوا، البتہ بے بضاعتی اور ناتوانی کی بنا پر کچھ عرصہ تک توقف کیے رہا؛ لیکن جب جب حضرت الاستاذ کی جمعہ یا کسی مخصوص موقع پر کی ہوئی اصلاحی باتوں کو مستقل سننے کا موقع ملتا (حضرت الاستاذ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود تقریباً ۲۰۱۶ء سے مستقل ہر ماہ دو جمعہ میں وعظ وتذکیر کے لیے گارڈن مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور عوام الناس کو مستفیض فرماتے ہیں اور احقر بھی اسی وقت سے گارڈن مسجد میں منصب امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے، اس سے پہلے بھی اسی گارڈن مسجد میں کافی عرصہ تک حضرت کے وعظ کا سلسلہ جاری رہا ہے۔) تو شدت کے ساتھ دل میں داعیہ پیدا ہوتا کہ اگر حضرت والا کے خطبات (جو کہ اس پرفتن دور میں موجودہ اذہان کی اصلاح ودرستگی اور ایک سماج اور سوسائٹی کے نظام کو بہتر سے بہتر بنانے میں انوکھا کردار ادا کر سکتے ہیں) کو تحریری شکل دے کر عملی جامہ پہنایا جائے تاکہ خطباء وعلماء اور خصوصاً وہ اہل علم جو تحقیقی مزاج رکھتے ہیں ان کے لیے کافی کارآمد ثابت ہوں گے۔ (ان شاء اللہ العزیز)

چنانچہ سب سے پہلے راقم الحروف نے صلوٰۃ الاستخارہ پڑھی اور حضرت والا سے اجازت طلب فرما کر متوکلاً علی اللہ موبائل سے ریکارڈ کیے ہوئے بیانات کو اپنے چند طلبۂ عزیز کے

ساتھ مل کر تحریری شکل دینا شروع کیا، دیکھتے ہی دیکھتے چھتیس (۳۶) خطبات پر مشتمل ایک ضخیم علمی ذخیرہ جمع ہو گیا۔

خصوصیات مواعظ

ان خطبات کی ویسے تو بہت ساری خوبیاں ہیں، مگر چند خوبیاں مشت نمونہ از خروارے قارئین کی نظر کرتا ہوں:

● **آیات اللہ اور توحید:** خطبات میں جگہ جگہ آیات اللہ، انفس و آفاق میں قدرت کی نشانیاں اور اکثر مقامات پر توحید الٰہی کو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے اور یہی اصل چیز ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مشن بھی یہی ہے، اس لیے کہ جب تک زمین پر توحید کی جڑوں کو مضبوط نہ کیا جائے اور شرک کی تمام جڑیں اور اس کی باریک سے باریک رگیں اکھاڑ نہ دی جائیں؛ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے دین کا پودا لگ نہیں سکتا۔

● **قرآنی قصص و تاریخی واقعات:** کئی مقامات پر قرآنی قصوں کا تذکرہ ہے اور قارئین اس میں تکرار بھی پائیں گے، چوں کہ سنت اللہ اور عادت اللہ بھی یہی ہے؛ چنانچہ رب تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں سیدنا حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہم انبیاء کرامؑ کے قصے کو علیحدہ علیحدہ مقامات پر کثرت سے ذکر فرمایا ہے، پوری سورت صرف جناب سیدنا حضرت یوسفؑ کے متعلق نازل فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں ذکر کردہ واقعات محض داستانیں نہیں ہیں، جن میں پچھلے لوگوں کی اور ان پر گذرے ہوئے حالات و واقعات کو معمولی صورت میں پیش کیا گیا ہو؛ بلکہ یہ قصص خیر و شر کے مابین پیش آمدہ معرکہ آرائیوں کی بہترین عکاس ہیں، جو قاری کے سینہ میں ایک اور ولولہ پیدا کرتے ہیں۔ بنابریں قرآن وحدیث میں گذشتہ امم کے واقعات کو مختلف انداز میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چوں کہ حصول عبرت کے لیے تاریخی واقعات بڑے مؤثر ثابت ہوتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے: لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ط

(یوسف:۱۱۱)اوران آیات واحادیث کی روشنی میں حالات حاضرہ کا بہترین انطباق کیا ہے،اور اس کی روشنی میں حل بھی پیش کیا ہے۔

● حضرت والا کے انداز بیاں کی بڑی خوبی اس کی جامعیت ہے کہ الفاظ تھوڑے ہوں جو اپنے اندر معانی کے سمندر لیے ہوئے ہوں، یہ مواعظ درحقیقت دریا بکوزہ کے مصداق ہیں، جگہ جگہ ایسے تاریخی واقعات کو بڑی جامعیت و مانعیت سے مختصر انداز میں بیان فرمایا ہے کہ اس قدر مضامین کو سمجھنے کے لیے کئی صفحات کا مطالعہ درکار ہوتا ہے۔ **فللہ درہ.**

● حتی الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کی تخریج کردی گئی ہے۔

● خطبات ہر قسم کے رطب و یابس سے پاک اور افراط وتفریط سے محفوظ ہیں، ہر ہر بات میں احتیاط کے تقاضوں کی رعایت کی گئی ہے اور شرعی اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

تشکر وامتنان:

اولاً حق سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں،جس نے اپنے اس نحیف وناتواں بندے کے حصہ میں اتنی بڑی سعادت مقدر فرمائی،اسی سے دعا ہے کہ وہ اسے قبول فرمالے،آمین۔

ثانیاً حضرت الاستاذ (صاحب خطبات) معروف عالم وفقیہ حضرت مولانا مفتی اقبال صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم (مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ) کا صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہوں کہ حضرت والا نے احقر کی نااہلیت کے باوجود اپنے بیانات کوتحریری شکل دینے کی اجازت مرحمت فرما کر ذرہ نوازی فرمائی۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی	-	منت شناس ازو کہ بخدمت بداشت

درحقیقت حضرت والا نے اپنی تمام تر تدریسی وانتظامی مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت فارغ فرمایا اور ذاتی طور پر ٹیپ شدہ بیانات کے تحریری مضامین کو حرف بہ حرف، بالاستیعاب بنظر غائر پڑھا اور متعدد جگہ اصلاح فرما کر عبارات کی تنقیح فرمائی، **فجزاھم اللہ**

تعالیٰ أحسن الجزاء. آمین!

قارئین کرام! احقر کی حیثیت ان خطبات کو ترتیب دینے میں محض ترجمان کی سی ہے، مواعظ کے سارے مضامین حضرت والا (صاحب خطبات) کی زبان سے نکلے ہوئے فکری خیالات اور اپنے وسیع مطالعہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، رب تبارک وتعالیٰ حضرت والا کے سایۂ عاطفت کو ہم سب پر قائم دائم رکھے۔ آمین!

راقم الحروف نے اس میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا اور نہ ہی احقر اس کے لائق ہے، محض فضل خداوندی اور حضرت الاستاذ کی ذرہ نوازی ہے، بس ترتیب ناچیز کی ہے؛ لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ ترتیب دینے میں کوئی غلطی یا کوتاہی محسوس ہو تو نشان دہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اسی طرح بیانات کو تحریری شکل دیتے وقت بعض طلبۂ عزیز کا جو تعاون رہا، وہ قابل تحسین ہے، چند طلبۂ عزیز کے اسماء قابل ذکر ہیں:

(۱) محمد عاطف بھروچی	متعلم	درجہ عربی/۷	جامعۂ ہٰذا
(۲) نعمان بڑودوی	//	//	//
(۳) مبین منوبری	//	//	//
(۴) محسن ولنوی	//	//	//
(۵) سلمان کھنڈالی	//	//	//
(۶) لقمان ہنگلوٹی	//	عربی/۵	//

رب کریم تمام کو دنیا وآخرت میں سرخ روئی عطا فرمائے اور مزید خدمات دین کے مواقع میسر فرمائے، آمین۔

اسی طرح کمپوزنگ کے جمیع امور کی انجام دہی کے لیے عزیزم حضرت مولانا مفتی عبدالمتین صاحب ٹنکاروی سلمہ اور رفیق محترم، ملنسار حضرت مولانا ذاکر صاحب پارکھیتی سلمہ

(استاذ: تحفیظ القرآن الکریم جامعۂ ہٰذا) اور پروف ریڈنگ کے جمیع امور کی انجام دہی کے لیے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب منوبری (استاذ: تدریب الافتاء جامعۂ ہٰذا) کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں کہ ان تمام حضرات نے اپنا قیمتی وقت فارغ کیا اور آخری مرحلہ تک تصحیح ومراجعت کا کام بہت ہی تن دہی سے انجام دیا۔اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ صاحب لاجپوری (استاذ: تخصص فی الحدیث جامعۂ ہٰذا) کا بے حد ممنون ومشکور ہوں کہ جناب موصوف نے مواعظ کے درمیان ذکر کردہ احادیث نبویہ کی تخریج فرمائی۔فجزاهم الله خيرا احسن الجزاء في الدارين. آمین!

● یہ کتاب چھتیس (۳۶) خطبات پر مشتمل ہے، ان شاء اللہ اس کی دوسری جلد بھی بہت جلد منظر عام پر آئے گی۔

اخیر میں دعا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام وتام فرمائے اور حضرت الاستاذ (صاحب خطبات) کی محنتوں کو قبول فرمائے اور ہم تمام کو ان سے اکتساب فیض کی توفیق عطا فرما کر ہم سب کے لیے اس کتاب کو صدقۂ جاریہ بنائے، آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

احقر: ذاکر بن عبداللہ ولنوی
خادم التجوید والقرأت: دارالعلوم ماٹلی والا
بھروچ، گجرات
مؤرخہ: ۸/محرم الحرام/ ۱۴۴۲ھ
مطابق: ۲۸/اگست/ ۲۰۲۰ء بروز جمعہ

(۱) ماہ محرم الحرام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ○ (پ:۱۰،سورۃ التوبۃ:۳۶)

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۔ ○ (پ:۲۶،سورۃ الفتح:۲۹)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوْبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ۔(بخاری شریف : کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ و الشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

اسلامی سال کے اعتبار سے ایک سال پورا ہوا اور دوسرا نیا سال شروع ہوا، یہ سب سے پہلے ہمیں سبق دے رہا ہے کہ انسانی زندگی کے یہ ایام ختم ہونے جا رہے ہیں اور ہم آخرت کی طرف جا رہے ہیں، دنیا کے فانی ہونے کی طرف یہاں اشارہ ہے، سال ختم ہوتے ہیں، نیا سال آتا ہے، پھر یہ بھی ختم ہوتا ہے، اس طریقہ سے زندگی کی یہ گھڑیاں بھی ختم ہوتی چلی جا رہی

ہیں، یہ جو مبارک اوقات ہے جو اللہ تعالی نے ہمیں کام کے لئے دیئے ہیں، یہ ختم ہو رہے ہیں، یہ ہمیں عبرت اور نصیحت کر رہے ہیں۔

اسلامی سال کی ابتداء محرم الحرام سے کیوں اور کیسے؟

اسلامی سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ کے پاس ایک خط پہنچا، حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا، اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے گورنروں کے نام خطوط لکھے، اس میں اسلامی مہینہ اور اسلامی تاریخ تو ہوتی تھی، لیکن اسلامی سال نہیں ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے جزیرۃ العرب اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں لوگوں نے اپنے اعتبار سے کسی سال کو اپنے لئے شروع کیا تھا کسی کے مرنے، کسی کے زندہ ہونے، کسی بڑے واقعے کے رونما ہونے پر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک سال چل رہا تھا، ''عام الفیل'' ہاتھیوں کا سال، یعنی ابرہا کا لشکر جب آیا تھا مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے کے لیے، گرانے کے لئے، اس موقع پر اللہ پاک کی طرف سے جس معجزے کا ظہور ہوا، اس کو قریش کے لوگ اپنے لئے بہت نیک فال سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے ابتداء عام الفیل سے کی تھی، ہاتھی والے سال، لیکن یہ زیادہ رائج نہ ہوسکا۔

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خط آیا اور آپ کا خط دوسرے صحابہ کے پاس گیا، تو ان کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کے لئے بھی کوئی ایک سال شروع ہونا چاہئے، جس میں ہم اپنے اسلامی سال کی ابتدا کریں، مہینے موجود تھے، تاریخیں موجود تھیں، لیکن سال کون سا؟ یہ متعین نہیں تھا، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے عیسوی سن کو رائج کیا، مسلمانوں نے جب مشورہ کیا کہ ہم کوئی نام متعین کریں، کوئی تاریخ ہمارے پاس موجود ہو تو صحابہ میں سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا سال بتلایا، کسی نے آپ کے رخصت ہونے کے سال کو بتلایا، کسی نے فتح مکہ کو، کسی نے غزوہ بدر کو، اس طرح مختلف رائے پیش کیں۔

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہوئی کہ مسلمان

ہجرت سے اپنے سال کو شروع کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں نبی بننے کے بعد ۱۳ سال رہے، آپ کی عمر ۵۳ سال کی ہوئی اور نبوت کا تیرہواں سال ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی، اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ قومیں جو زندہ رہتی ہیں، یہ اپنی قربانی اور مجاہدے کو یاد رکھتی ہیں، عیش وعشرت یا کسی کی پیدائش اور وفات کو یادگار بنانا یہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے، اور زندگی کا ایک پیغام اور مستقبل کے لیے کسی لائحہ عمل کو طے کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ قومیں ایسے سال سے ابتداء کریں اور ایسے واقعے سے اپنی ابتداء کریں، جو زندگیوں میں انقلاب لانے والے ہوں۔

محرم الحرام کا پیغام

اس لیے ہجرت کا سال مسلمانوں کو متوجہ کر رہا ہے کہ ہر وقت اللہ کے دین کے لیے ہجرت اور نصرت یہ مسلمانوں کی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے، گاڑی کے جس طرح دو پہیے ہوتے ہیں، اس طرح اسلامی زندگی کے لئے، اللہ کے دین کے لیے کبھی قربانی دینی پڑے اور کبھی ہجرت کرنی پڑے، تو مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی بھی موجود ہو، جو اللہ کے ان بندوں کی نصرت کرنے کے لیے تیار ہو، یہ دونوں ہجرت اور نصرت اس پر اس دین کی بنیاد ہے، پرندہ کے جس طرح دو پر ہوتے ہیں، پر کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا، اسلامی نظامِ زندگی میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ہجرت کے سال سے ابتداء کر کے امت کو یہ سبق دیا، یہ امت اسلامیہ کے لئے جو قربانیاں دینی پڑیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے اعلان کے بعد یہ مسلسل پریشانیاں اور تکلیفیں آئیں، مجبور ہو کر صحابہ کرام کو حبشہ ہجرت کرنی پڑی اور اس کے بعد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچی۔

دین کی بنیاد ہجرت پر ہے

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ ہجرت اس دین کا ایک جزء ہے، سیدنا حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے، وہاں سے اللہ پاک نے ہجرت کروا کر اس دنیا میں بھیجا، حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کی، والد محترم کو کہا جب ان کے والد نے کہا کہ جاؤ، (یہاں ہمارے درمیان سے) کہا : سَلَٰمٌ عَلَيۡكَۖ سَأَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّيٓۖ (مریم:۴۷) اپنے والد سے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں، تو یہ ہجرت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی، حضرت یوسف علیہ السلام کو کنعان سے مصر کی طرف اللہ پاک نے ہجرت کروائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کر کے شام کی طرف بیت المقدس کا سفر کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے زندہ جاوید جسم مع الروح (روح اور جسم کے ساتھ) آسمانوں میں اٹھایا، یہ بھی ایک طرح کی ان کی ہجرت تھی، تو یہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے ان دنوں کو جوان کے اوپر محنت اور مشقت والے آئے، ان کو یاد رکھ کر اپنے مستقبل کی زندگی کو سرخ رو بناتے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت یاسر، حضرت عمار، حضرت بلال، حضرت صہیب اور نہ معلوم خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عورتوں نے بھی اس دین کے لئے قربانیاں دیں اور ہجرتیں کیں، دو دو ہجرتیں کرنے والی عورتیں بھی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی بشارت سنائی، حبشہ کی بھی ہجرت کی، پھر مدینہ منورہ بھی آئیں، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی گفتگو ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وہ گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم کو دو ہجرتوں سے نوازا، تمہارا دوگنا ثواب ہے، یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اس دین کی بنیاد ہجرت پر ہے۔

نئے سال کے موقع پر گزرے ہوئے سالوں کا جائزہ لینا

دوستو اور بزرگو!

سال ختم ہو رہا ہے اور نیا سال شروع ہوتا ہے، لوگ اپنے اپنے حسابات کرتے ہیں مارچ کے آخر میں (اینڈنگ میں)، ہمارے تاجر حضرات کا سرکاری سال پورا ہوتا ہے تو حساب کرتے ہیں، پورے سال کا ایک حساب تو وہ ہے جو سی اے (C.A) کو دینا ہوتا ہے، اور ایک حساب وہ ہوتا ہے جو اپنے اعتبار سے ایک تاجر کرتا ہے کہ اس سال مجھے کتنا نفع ہوا؟ اور

کتنا نقصان ہوا؟ کن کن چیزوں سے مجھے نقصان ہوا؟ اور کن طریقوں سے مجھے نفع اور فائدہ ہوا؟ ان دونوں باتوں کا وہ گہرا جائزہ لیتا ہے اور اس کے بعد جن چیزوں نے اس کو نقصان پہنچایا ہے، آئندہ تجارت میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اور جن سے نفع ہوا، اس کی طرف رغبت کرکے اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہ تاجر اپنی ایک دنیوی زندگی کے لئے جو اس کے جسم کی غذا ہے اس کے لیے تاجر ہر سال حساب کرتا ہے، اسی طرح ایک مؤمن اور ایک مسلمان کو سال ختم ہونے پر اشارہ کیا گیا کہ ایک طرف تیری زندگی کا ایک سال ختم ہوا اور آخرت کی طرف اب تو نئے سال میں داخل ہوا، اس لئے اس آخرت کی تیاری کے لئے اپنا حساب کتاب اب کرلے کہ ذی الحجہ کا مہینہ پورا ہوا، پورے سال میں محرم سے لے کر ذی الحجہ تک میں کون سے ایسے اعمال کئے جو میرے اللہ کو راضی کرنے والے ہیں اور کون سی ایسی چیزیں کیں جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں، میرے حساب کتاب کے اعتبار سے جو چیزیں مجھے جنت کی طرف لے جانے والی ہیں، ان میں اب اور زیادہ اضافہ کروں اور جو چیز جہنم کی طرف لے جاتی ہیں، اس سے بچنے کے لئے میں اور زیادہ اپنے آپ کو تیار کروں۔

دوستو اور بزرگو! اسلامی زندگی میں اللہ پاک کے اس کائناتی نظام میں کوئی چیز بغیر حکمت اور مصلحت کے نہیں ہے، اس لئے یہ سالوں کا ختم ہونا اور دنوں کا آنا اور جانا ہمیں اللہ کے دین کی طرف اور آخرت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

ہجرت کے اقسام اور احکام

ہجرت کے سلسلے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"المهاجر من هجر ما نهى الله عنه"** (بخاری: کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) ایک ہجرت تو وہ ہے کہ جو صحابہ نے کی، اپنے مال اور اپنی جان اور وطن اور رشتہ دار سب کو چھوڑ کر کی، اور ہر زمانے میں ایسے حالات آتے رہے ہیں، اور دین کی نسبت سے امت کو قیامت تک ایسے حالات پیش آئیں گے اور گزریں گے۔ ابوداود شریف میں ایک روایت ہے:

" لا تنقطع الهجرة حتی تنقطع التوبة" (ابو داود: کتاب الجهاد، باب فی الهجرة هل انقطعت) جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوگا، اس امت کے لیے ہجرت ہوتی ہی رہے گی، اس میں دونوں قسم کی ہجرتیں ہیں۔ "المهاجر من هجر ما نهی الله عنه" ایک ظاہری ہجرت ہے اور ایک دوسری ہجرت ہے کہ آدمی ان چیزوں کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالی نے روکا ہے، ہجرت کے معنی ہے چھوڑنا، اپنے وطن کو چھوڑ کر صحابہ دوسری طرف چلے گئے، اس کو ہجرت سے تعبیر کیا، "انی مهاجر الی ربی" انبیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہم اپنے رب کی طرف ہجرت کرتے ہیں، تو یہ ایک ہجرت ہمارے لئے ہے کہ اپنے ہی وطن میں رہیں، لیکن گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں، یہ بھی ایک ہجرت ہے، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما نهی الله۔ جن چیزوں سے اللہ پاک نے ہم کو روکا ہے ان چیزوں سے ہم اپنے آپ کو روکنے کی اور اس سے دور رہنے کی کوشش کریں، یہ بھی ایک قسم کی ہجرت ہے، تو یہ ہجرت ہمیں ان چیزوں کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

محرم کے مہینہ کا تذکرہ قرآن میں

جو میں نے آپ حضرات کے سامنے آیت کریمہ پڑھی، إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ مِنْهَآ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا۟ فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَٰتِلُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَٰتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ (التوبہ :۳۹) اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اس میں چار عظمت والے حرمت والے مہینے ہیں، ان چار ماہ میں ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام یہ ایک ساتھ تین ہے اور رجب کا مہینہ۔ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری اللہ تعالی نے، اور صحابہ نے اس کی حقیقت کو سمجھا۔

عاشورہ کا روزہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم کی فضیلتیں ذکر فرمائیں، عاشورہ کا روزہ جب مدینہ تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ یہودی اس دن روزہ رکھتے ہیں، ان سے پوچھا تو کہا کہ یہی وہ مقدس مہینہ ہے، جس میں اللہ پاک نے موسی علیہ السلام کو اور آپ کے امتیوں کو فرعون سے نجات

دی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فنحن احق و اولی بموسی منکم'' (مسلم شریف: کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء) ہم موسیٰ علیہ السلام سے تمہارے مقابلے میں زیادہ قریب ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کا حکم فرمایا اور رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کے روزے امت کے اوپر فرض تھے، پھر رمضان کے روزے آئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا اور اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی یہ بات سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صوموا یوم عاشوراء، وخالفوا فیه الیهود، صوموا قبله یوماً او بعده یوماً'' (مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۱۵۴، مسند عبداللہ بن عباس: ۵۲/۴) نویں کا روزہ رکھو اور دسویں کا، یا دسویں اور گیارہویں کا روزہ رکھو، ''وخالفوا فیه الیهود'' اس میں یہود سے اپنے آپ کو الگ رکھو۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مکمل واقعہ

دوستو اور بزرگو!

عبادت جیسے اس معاملہ میں امت کو یہود سے اور دنیا کی ان قوموں سے جن کو آسمانی مذہب دیا گیا، روزہ رکھنے میں ان سے مخالفت کا حکم فرمایا، یہ اس بات کی شہادت ہے کہ وہ دنیوی معاملہ جو ان کے یہاں بھی اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں، اور وہ گناہ جن کو وہ بھی گناہ سمجھ رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود دنیا میں فحاشی، بے حیائی، عریانی اور ناچ گان کی جو مجلسیں انہوں نے قائم کی، اس سے تو مسلمانوں کو کتنا دور رہنا چاہئے؟ اس کے ساتھ اس ماہ کی بہت ہی فضیلتوں میں سے اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا، سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب مسئلہ آیا یزید کی خلافت کا، تو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ سے مختلف لوگوں کے خطوط آنے شروع ہوئے، کہ ہم یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا نہیں چاہتے، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شروع میں تو اس کی طرف توجہ نہیں کی، لیکن مسلسل خطوط اتنے آئے، ایک

ایک دن میں شیعہ روایت کے مطابق چھ سو سات سو خطوط آنے لگے، ستائیس ہزار آدمیوں نے آپ پر خطوط لکھے، اور کہا کہ ہم آپ کے لئے تیار ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بڑی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے پہلے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجا، حضرت عقیل حضرت علی کے بڑے بھائی تھے، ان کے صاحب زادے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن جب یزید کے آدمیوں کو پتہ چلا اور انہوں نے کوفہ کے اوپر اپنا لشکر مسلط کرنا چاہا، کوفہ کے حالات بدل گئے اور وہ لوگ جنہوں نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی تھی، انہوں نے آپ کے بچاؤ کے لیے کوئی سامان مہیا نہ کیا اور نہ کوئی انتظام کیا اور پھر آپ کو شہید کر دیا، ادھر حضرت حسین بن علیؓ کو اس کا پتہ نہیں چل سکا، پہلا جو خط حضرت حسین کو پہنچا، مسلم بن عقیل کی طرف سے اس میں بھی لکھا تھا کہ آپ کا یہاں استقبال ہو رہا ہے، آپ تشریف لائیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نکل رہے تھے تو مدینہ منورہ کے صحابہ میں سے جو صحابہ موجود تھے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور اس طرح کے کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم آپ کے کوفہ جانے کو پسند نہیں کرتے، اس وجہ سے کہ کوفہ والوں نے آپ کے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا، آپ کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا اور اب بھی ہمیں خطرہ ہے کہ کوفہ والے آپ کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حضرات کو خطوط بتلائے اور کہا کہ جب اتنی بڑی مقدار میں میرے اوپر خطوط آئے ہیں، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ اسلامی سلطنت کے اندر حق وصداقت اور عدالت کا نظام قائم ہو، خلافت کا صحیح منہج قائم ہو، اس کوشش کے ساتھ میں جا رہا ہوں۔ مگر جب حسین رضی اللہ وہاں پہنچے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو مسلم بن عقیل کے ساتھ ہوا۔ کوفہ والے جنہوں نے آپ کو اتنے لمبے چوڑے خطوط بھیجے تھے، آپ سے وفاداری کا اعلان کیا تھا، لیکن ان میں سے کسی نے آپ کا ساتھ نہیں دیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبق

دوستواور بزرگو!

یہ ایک واقعہ اسلامی تاریخ میں پیش آیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہمیں اس بات کا سبق دیتی ہے کہ جب پورا ماحول کسی باطل کے مقابلے میں کھڑے ہونے کا نہ ہو، اس وقت ایک حق وصداقت کا علمبر دار، خاندان نبوت کا چشم و چراغ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ کا پھول، اس نے یہ کوشش کی کہ اللہ کے دین کے لئے اوراس کی بلندی کے لئے باطل کے مقابلے میں کھڑا ہونا یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''**کلمة حق عند سلطان جائر**'' (**مسند احمد: رقم: ۱۱۱۴۳، ۱۷/۲۲۷، مسند ابی سعید**) اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افضل جہاد فرمایا، اس واقعے پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ پاک نے شہادت نصیب فرمائی۔

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی بہت پڑھے لکھے آدمی تھے، شروع میں دین سے بہت دور تھے اوراس کے بعد اللہ تعالی نے ان کو دین کی توفیق نصیب فرمائی، آپ پہلے الحاد، لادینیت اور اللہ کے انکار کی طرف گئے، اللہ پاک نے کیسے ایمان کی طرف پہنچایا، ان کا ایک مضمون ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سلسلہ کا، جس میں آپ نے فرمایا کہ سوگ کس پر منایا جاتا ہے؟ سوگ مردے پر منایا جاتا ہے، ہمارے حسین تو زندہ ہیں، ان پر سوگ نہیں منایا جاتا! قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ** (سورۃ البقرۃ: ۱۵۴) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جو شہید ہوں ان کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الخُدُودَ**. وہ ہم میں سے نہیں ہے جو اپنے رخسار پر طمانچہ مارے، **وَشَقَّ الجُيُوبَ** اور اپنے گریبان کو پھاڑے، **وَدَعَا بِدَعْوَى الجَاهِلِيَّةِ**. (**بخاری: کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود**) اور جاہلیت کی چیزوں کا دعوی کرے، اس

لئے کہ یہ سوگ منانا اور رونا، چلانا یہ جاہلیت ہے، کسی کے انتقال پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے سوگ سے منع فرمایا، اتفاقی طور پر جو رونا آجائے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، لیکن قصد وارادہ سے اور اس زمانہ میں تو کرایہ سے عورتیں لائی جاتی تھی اور ان کے پاس اس طریقہ کا نوحہ کروایا جاتا تھا، وہ روتی اور چلاتی اور گریبان پھاڑتی، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

حضرت زین العابدینؒ کی درد انگیز نصیحت

ایک اور چیز کی طرف میں آپ حضرات کی رہنمائی کرنا چاہتا ہوں، جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اس کے بعد کچھ لوگ آئے اور اسی طرح کرنے لگے، اپنے گریبان کو پھاڑنے لگے، اپنے رخساروں کو طمانچے مارنے لگے، نوچنے لگے، تو آپ کے صاحبزادے حضرت زین العابدینؒ ان کا ایک جملہ آج تک تاریخ اور عقائد کی کتابوں میں موجود ہے، فرمایا: إن هولاء يبكون علينا، فمن قتلنا غيرهم؟ (الاحتجاج: ۲/ ۲۹) یہ تو رورہے ہیں تو ہمیں قتل کس نے کیا؟ یہ چیز سمجھنے کی ہے، آج بھی امت میں اس طرح کے لوگ آرہے ہیں، حق اور دین پر جم کر رہنے والے لوگوں سے بغاوت کرکے اور سامنے والے بڑے لوگوں کو راضی کرنے کے لئے، دنیا کی سپر پاور طاقتوں کو راضی کرنے کے لئے، مسلمانوں سے آج بھی غداریاں ہورہی ہیں، اور کہاں ہورہی ہے؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملک میں ہورہی ہے، یہ سب کچھ ہورہا ہے، عرب ملکوں کے سربراہوں کی طرف سے، یہی حال دوسرے لوگوں کی طرف سے ہے۔

شہادت حسینؓ کا عمومی سبق

یہ امت کو سبق دیا جارہا ہے کہ جب نیک اور دیندار لوگ آگے بڑھتے ہیں تو کچھ لوگ ان کے مقابلے کے لئے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں، یہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو تو ہم لوگ ذکر کرتے ہیں، لیکن شہادت کا سبب کیا ہے؟ کن لوگوں نے آپ کو وہاں بلایا؟ اور کیوں بلایا؟ پھر مدد کیوں نہیں کی؟ ۲۷ ہزار خطوط لکھے گئے، تو آبادی کتنی ہوگی؟ اور سامنے

یزید کا لشکر کتنا؟ یزید تو آیا نہیں تھا، انہوں نے اپنے آدمیوں کو ابن زیاد اور دوسرے لوگوں کو بھیجا، ۲۷ ہزار مقابلہ کے لئے کھڑے ہوتے تو سامنے والے لشکر کی ہمت نہ ہوتی، تو یہی وہ لوگ ہیں جو آواز لگا رہے ہیں یا حسین ہم نہیں تھے، یہ وہ جملے ہیں جو ان کے باپ داداؤں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ غداری کرنے کے بعد افسوس کرتے ہوئے یہ کہے تھے، ایک جماعت کھڑی ہوئی، التوابون، توبہ کرنے والے، اور چلانے لگے یا حسین ہم نہیں تھے۔ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ تم رو رہے ہو تو ہمیں شہید کس نے کیا؟ ہمارے خاندان کو کس نے اجاڑا؟

امت کو غداروں سے نقصان زیادہ پہنچا ہے

دوستو اور بزرگو! امت میں اس قسم کے ناموں کے ساتھ، اس قسم کی حرکتوں کے ساتھ آج بھی لوگ امت کی خیر خواہی کے نام پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہمیں اس بات کا سبق دیتا ہے کہ امت ایسے غداروں سے، ایسے بے دین لوگوں سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ ان کے ظاہری کاموں سے، ظاہری الفاظ سے دھوکے میں نہ آئے اور اپنے دین اور اپنی شریعت کی حفاظت کریں، ورنہ ہر زمانے میں امت کا ایک ایسا طبقہ رہا ہے جو بے دینی اور الحاد میں لگا رہا ہے، وہ ہمیشہ امت کے ساتھ امت کو بیچنے کے لیے میر جعفر اور میر صادق بنے ہوئے ہیں، اس طرح کے واقعات اس ملک میں بھی پیش آئے، سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کے ساتھ اس ملک کے مسلمانوں کے ساتھ ان دونوں کے ساتھ غداریاں ہوئیں، میر جعفر اور میر صادق ان دونوں نے ان کے ساتھ غداریاں کیں، اس ملک کو انگریزوں کے حوالے کیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ المناک اور دردناک واقعہ پیش آیا، آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے شہادت کی عظیم دولت سے نوازا، وہ حضرات تو تھے ہی سر پر کفن باندھ کر چلنے والے، صحابہ کرام اور پوری جماعت ایسی تھی، اس لئے میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ تلاوت کی، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الخ۔ اس میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف بیان کی ہے، یہ دن وہ ہوتے ہیں کہ صحابہ کی قربانیوں کو یاد کیا جائے، نہ کہ ان میں سے کسی کا نام لے کر ان کو گالی گلوچ کیا جائے، یہ چیزیں امت کے لئے اچھی نہیں ہے، جو میں نے آیت پڑھی، اس کے آخر میں ہے لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّار۔ صحابہ کے بارے میں کہا کہ اللہ کا غصہ ان لوگوں پر ہوتا ہے جو صحابہ کے مقام کو دیکھ نہیں پاتے، اللہ نے ان کی مثال دی تورات اور انجیل میں، یہ کیوں دی؟ تاکہ نافرمانوں کو غصہ آئے ان کے مقام کو دیکھ کر، اس سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلہ مستنبط کیا کہ صحابہ کے خلاف جو بھی بولے گا، وہ اس آیت کا مصداق ہوگا، صحابہ کی ترقی ہمارے لئے ترقی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو اس قسم کے غداروں سے محفوظ فرمائیں اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام غلط تھا؟

جہاں تک حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کا تعلق ہے تو آپ کو دنیوی جاہ واقتدار کی ہوس نے ہرگز یزید کے خلاف آمادہ نہیں کیا؛ بلکہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل اور خلافت کی جگہ بادشاہت کے طرز عمل نے آپ کو کلمۂ حق کے لئے آمادہ کیا اور جہاں تک بغاوت کا تعلق ہے تو واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ یزید میں شرائط خلافت پائے جانے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں اختلاف تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک شرائط خلافت موجود تھیں، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک شرائط خلافت کے فقدان کی وجہ سے یزید کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی تھی، دوسری بات یہ کہ بذریعۂ بیعت انعقاد خلافت کے لئے سب اہل حل وعقد کا اتفاق ضروری ہے، یزید کے بارے میں سب کا اتفاق نہیں ہوا، لہٰذا بذریعۂ بیعت بھی خلافت منعقد نہ ہوسکی، بالآخر بذریعۂ استیلاء وتغلب خلافت منعقد ہوگئی تھی، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ جس وقت یزید کے مقابلہ میں نکلے تھے، اس وقت تک یزید کا پورے طور پر استیلاء وتغلب نہیں ہوا تھا، نہ حجاز میں نہ عراق میں، بلکہ حضرت معاویہ کے مقرر کردہ گورنر وامراء بھی آئندہ خلیفہ کے

بارے میں مذبذب تھے، مگر حضرت حسین کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حالات میں اس قدر تیز رفتاری سے تغیر واقع ہوگیا کہ اس اقدام کی شرعی حیثیت بالکل بدل گئی، اور کوفہ وحجاز میں یزید کے لئے نہایت تیزی سے حالات سازگار ہوگئے، اور لوگوں سے طوعاً وکرھاً یزید کے لئے بیعت لی گئی، حضرت حسینؓ کو جب یزید کی حکومت منعقد ہونے کا علم ہوا تو آپ نے خلافت سے دست بردار ہوکر واپس مدینہ منورہ آنے کا فیصلہ کرلیا تھا، مگر دشمن فوجوں نے آپ کی جماعت کو گھیرے میں لے کر مدینہ منورہ واپس جانے نہ دیا، حضرت حسینؓ نے عبیداللہ ابن زیاد کے فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے تین تجویزیں پیش کی تھیں:

(۱) مجھے مدینہ منورہ واپس جانے دو، (۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو، تاکہ باقی زندگی جہاد میں گذاردوں، (۳) مجھے یزید سے ملنے دو میں خود اس کا فیصلہ کرلوں گا، عمرو بن سعد نے یہ تجویزیں ابن زیاد کو لکھ بھیجیں، اور مشورہ بھی دیا کہ کوئی تجویز قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا جاوے، مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے یہ تجاویز مسترد کردیں، اور حضرت حسینؓ کو اہل وعیال سمیت قید کرنے کا حکم بھیجا، اس وقت آپ کے لئے صرف دو ہی راستے تھے (۱) خود کو اہل وعیال سمیت گرفتار کرواکر ذلت قبول کرلیں (۲) مردانہ طریقہ سے مقابلہ کر کے شہید ہوجائیں، شریعت کسی کو اپنے نفس اور اہل وعیال کو ظالموں کے قبضے میں دینے پر مجبور نہیں کرتی، لہٰذا حضرت حسینؓ نے کمال عزیمت کا راستہ اختیار کر کے شہادت قبول کی، حضرت حسین کو یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا، لہٰذا آپ نے کسی بھی اسلامی قانون یا خلیفۂ عادل کی خلاف ورزی کر کے ہرگز نعوذ باللہ بغاوت کا ارتکاب نہیں کیا، ہاں! ظالم تو وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ کی شرعی اور واجبی تجاویز مسترد کر کے آپ کو شہادت پر مجبور کیا۔

افتتاح سال نو، ہجرت

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (محمد:۷) دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ (توبہ:۳۶)

حدیث میں ہے: **والمُهاجِرُ مَن هجَرَ ما نَهى الله عنه**. (بخاری: کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده) **أفضَلُ الصِّيامِ بعدَ رمَضانَ شهرُ الله المُحرَّمُ.** (مسلم شریف: کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم)

ہجرت کا واقعہ انصار مدینہ منورہ کی ایثار وقربانی کی یاد تازہ کرتا ہے، مہاجرین کی ہجرت کے یاد کرانے کے ساتھ، فجر اسلام سے لے کر آج تک ساری کامیابیوں کا راز بھی اسی ہجرت و نصرت میں ہے۔

مسلمانوں کی پستی کا سبب بھی ان سے غفلت کرنے پر ہے، ہجرت کا مفہوم صرف ترک وطن نہیں ہے، بلکہ ترک معاصی وترک ذنوب ہے۔

ہجرت کا اول معنیٰ ہنگامی حالات کے ماتحت ہے اس کے ختم ہونے پر ہجرت بھی ختم ہے، فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو چکی، **لاهجرة بعد الفتح**. (بخاری: کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد)؛ لیکن ثانی ہجرت دائمی ہے، ابوداود کی روایت **لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة.** (ابوداود: کتاب الجهاد، باب في الهجرة هل انقطعت) ہجرت اسلامی مساوات کی دعوت دیتا ہے۔

یہ ہجری سن ہر سال گردش کا چکر کاٹ کر ہم کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے اور فرائض کی یاد دلاتا ہے، باجے، ڈھول تاشے سارنگی نقارے مٹانے کا حکم دیا۔ **إنَّ اللهَ تعالى — بعثني رحمةً، وهدًى للعالمِينَ، وأمرني ربي — عز وجل — بمحقِ المعازفِ، والمزاميرِ، والأوثانِ، والصُّلُبِ، وأمرِ الجاهليةِ.** (مسند احمد: رقم: ۲۲۲۰۸، ۲۶۶/۱۶)

حسینی عظمت کا راز

بہیمی غلامی سے انسانی حریت، دنیا میں خدا کی بادشاہت کا اعلان، حق و باطل کی کشمکش اور باطل کی طاقت سے حق کا نہ ڈبنا ہے۔ جب راہ حق میں قدم ڈگمگاتے ہیں تو شہادت حسین سہارا دیتی ہے، دولت وقوت کی فرعونیت بے وسیلہ لوگوں پر عرصۂ دراز تنگ کرتی ہے تو شہادت حسین

ثبات قدم کا سبق دیتی ہے، جب جماعتی زندگی کا فساد فرد کو بے حقیقت بنا دیتا ہے تو شہادت حسین فرد کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلاتی ہے، چاہے اس میں جماعت اس کو زہر کا پیالا پلائے یا سر تن سے جدا کرے، زندگی کے حریصوں کو حضرت حسین یاد دلاتے ہیں کہ زندگی ہر حال میں جیئے جانے کا نام نہیں ہے، کبھی جاں اور کبھی تسلیم جان ہے زندگی، حضرت حسینؓ کی ظاہری ناکامی کے سامنے باطل کی ساری فتحمندی شرمسار نظر آتی ہے۔

ہجرت قربانی اور صبر وضبط کی اعلیٰ مثال ہے؛ اسی لئے اسلام نے اپنے کیلنڈر کا آغاز واقعہ ہجرت سے کیا تاکہ مسلمان ان کو فراموش نہ کریں کہ ان کا دین ہجرت ونصرت کی بنیاد پر قائم ہے، ورنہ مسلمانوں کی تاریخ میں یوم ولادت، فتح مکہ، بدر واحد کی کامیابی جیسے اہم واقعات موجود ہیں، مگر سچ یہ ہے کہ جشن کے مقابلہ میں ایثار ومحن کو یاد رکھنا ہے اور اس کا صحیح تصور ہجرت میں پوشیدہ ہے، جشن کا مظاہرہ ان قوموں کا وطیرہ ہے جو چمک دمک میں کھوگئی ہو، زندہ قومیں ہمہ وقت مجاہدہ کو یاد رکھتی ہیں، اگر صحابہ کی یہ ہجرت نہ ہوتی تو دین کسی طرح اس پیمانہ پر نہ پھیلتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بااثر چھوڑ کر انہوں نے مدینہ منورہ چھوڑا، سارے عالم میں پھیل گئے۔

۱۵ ویں صدی کے یہ ۴۰ سال ختم ہوئے اور ۴۱ واں سال شروع ہوا، دیکھتے دیکھتے یہ ختم ہوگا؛ لیکن تیزی کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات میں اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو سوائے حسرت اور افسوس کے کچھ نظر نہیں آتا، احادیث میں ہے کہ قرب قیامت ماہ وسال دن رات کی طرح گذریں گے اور اوقات ولمحات کی خیر وبرکت ختم ہوجائے گی، یہی شب وروز میں اللہ والے کیا کام کر گئے؟ کتابیں تصنیف کیں، وعظ ونصیحت، ذکر وتسبیح کر گئے۔

محرم کا معنی حرمت وعظمت والا، جاہلیت میں بھی اس کی عظمت تھی، جان ومال، لڑائی وغیرہ سے امن تھا، اسلام نے بھی عظمت باقی رکھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت روزہ رکھتے خاص کر عاشورہ کا روزہ، بعضوں کے نزدیک رمضان سے پہلے عاشورہ کا روزہ ہی فرض تھا، ہجرت کے بعد مدینہ میں یہود کو دیکھا کہ وہ بھی روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے روزہ کا حکم فرمایا؛ لیکن تشبہ سے

منع فرمایا، عن عبداللہ بن عباس: صُومُوا یومَ عاشوراءَ، وخالفُوا فیه الیهودَ، صومُوا قبلَهٗ یومًا، أو بعدَهٗ یومًا۔ (مسند احمد: رقم: ۲۱۵۴، ۴/۵۲)

جب عبادات میں بھی اشتراک کو آپ نے پسند نہیں فرمایا تو رسم و رواج میں اشتراک کیسے برداشت ہوسکتا ہے۔

صحابۂ کرام کی قربانی، حضرت بلال، خبیب، عمار بن یاسر کی والدہ، خود آپ، عبداللہ بن حذافہ سہمی، اسی طرح حضرت حمزہ ؓ کی شہادت سن کر بھی رونگتے کھڑے ہوجاتے ہیں، جسم کے بند بند الگ کردیئے، صنف نازک نے دل کو چبایا، چھوٹے اعضاء کی مالا بنا کر گردن میں ڈال دیا، ایسی مظلومیت کی موت کس کی ہوسکتی ہے، حضرت جعفر طیار موتہ کے شہید، عبداللہ بن رواحہ، اسی طرح اسماء، خولہ، سمیہ، عائشہ، صفیہ، خنساء وغیرہ دین کے خاطر ان کی قربانیوں کو پڑھنا چاہئے اور سوچیں کہ میں نے دین کے خاطر کیا کیا؟

آج بھی یزید زندہ ہے، ظالم قوی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم مصلحت کے رنگ میں بدلی جاتی ہے، نصاب تعلیم اسلامی تعلیم کو ختم کرنے والا، پرسنل لاء میں تبدیلی، اسلامی نشانات ختم کرنے کی کوشش، یکساں سول کوڈ، یہ مسائل درپیش ہیں، آج پھر زمانہ حضرت حسین کی تلاش میں ہے۔

حضرت حسین ؓ نے غلط حکمران کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر کے اسلام کے عزم و ہمت کی صحیح مثال قائم فرمائی، اگر یہ نظیر نہ ہوتی تو تاریخ اسلام پر ایک بدنما داغ ہوتا۔

اسلام کے زندہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ اس نے شب و روز سے متعلق واقعات پر بھی ہمیں غور و فکر کی دعوت دی۔

سال کے اختتام پر لوگ کاروبار کا جائزہ لیتے ہیں، نفع و نقصان کا حساب کرتے ہیں، کیا کمایا کیا گنوایا؟ لیکن افسوس کہ اپنے اعمال کا حساب نہیں لیتے، زندگی کے قیمتی اوقات کو کہاں خرچ کیا، کتنے کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی یا ناراضگی والے کئے؟ اعمال نامے میں کیا درج ہوا؟ یوم یبعثهم الله جمیعا (مجادلہ:۶) ہم میں کس کو اپنا انجام معلوم ہے، یہ زندگی

محدود ہے، عمر کا ایک سال ختم ہوا، کتنے لوگوں نے پچھلے سال کا حساب کیا کہ اس میں اتنی توبہ کی، مال کی زکوٰۃ دی، نماز پڑھی، گناہوں پر کس کو رونا آیا؟

ہم اپنے دل میں خوف خداوندی پیدا کریں، اعمال صالحہ کو زادراہ بنائیں، اسی دن حضرت موسیٰ کو نجات دلائی، شان کبرائی دیکھئے کہ جس جگہ دشمن کو ہلاک کیا وہیں سے اپنوں کو نجات دی۔

ہجرت ربیع الاول میں ہوئی؛ لیکن محرم سے ابتدا ہوئی، کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب میں سال کا پہلا مہینہ محرم کو قرار دیا جاتا تھا اور مہینوں کے نام (محرم الحرام، صفر، ربیع الاوّل، ربیع الثانی، جُمادی الاولیٰ، جُمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ) کلاب بن مرّہ کے زمانہ میں تقریباً اسلام سے دوسوسال پہلے متعین کیے گئے تھے؛ اس لیے صحابۂ کرام نے جب ہجرت کے سال سے سن کی ابتداء کی، تو سن کے مہینے کے لیے محرم الحرام کے مہینے کا انتخاب کیا؛ تاکہ نظامِ سابقہ بھی اپنی اصلی حالت پر باقی رہے اور نظام میں کوئی گڑبڑی نہ ہو۔

ہجرت سے دنیا کا رخ مڑتا ہے تاریخ کا دھارا بدلتا ہے، ہم نے عیسوی کو ہر کام میں لگایا، ہجری کو بھول گئے، ہمیں پھر کیا عبرت ہوگی؟ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہجرت سے صحیح رخ اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۲) نکاح اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہے

(بمقام وستی کھنڈالی، ضلع بھروچ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ○ (سورۂ روم:۲۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور میرے ایمان والے بھائیو!

آج کی یہ ہماری مجلس نکاح کے سلسلے کی مجلس ہے، اللہ پاک نے نکاح اور شادی بیاہ کے مسئلہ کو اپنی نشانی فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے درمیان شادی بیاہ کا رشتہ قائم فرمانے کے لئے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں سے حضرت حوّا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ○ (روم:۲۱) اللہ پاک فرماتے ہیں: أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا، تمہارے ہی اندر سے اللہ پاک نے جوڑا پیدا فرمایا، اللہ پاک یہ بھی کر سکتے تھے کہ انسان اور جنات کا رشتہ ہو، یا

انسانوں اور کسی دوسری مخلوق کا رشتہ ہو، لیکن اس میں الفت ومحبت آپس کا تعلق باقی نہ رہتی، مزاجوں کا فرق، طبیعت اور خمیر میں جو مادہ ہےاس کا فرق اور اس کے نتیجے میں اس کے اثرات بھی مختلف ہوتے ،اس لئے اللہ تبارک وتعالی نے انسانوں کے لئے انسانوں کو ہی پیدا فرمایا، یہ اللہ پاک کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا۔ نکاح کے رشتے کو باقی رکھنے کیلئے اللہ پاک نے جو نظام فرمایا، یہ مرد اور عورت کا آپسی تعلق ہے، ایک ہی سے دوسرے کو پیدا فرمایا، نکاح کی آیات میں يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (سورۃ النساء:۱) ایک ہی باپ سے اللہ پاک نے انسانوں کو پیدا فرمایا۔ مِن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ۔ یہ اللہ تبارک وتعالی بتانا چاہتے ہیں کہ میری نشانی نکاح کیسے؟ پورا قرآن کریم اللہ پاک کی آیتوں سے، نشانیوں سے ، قدرت سے ،دعوت سے، طاقت سے بھرا پڑا ہے، انسانوں کو اللہ پاک نے پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا ہے، بلکہ سب پر نگرانی، توجہ وعنایت اور رحمتیں ہیں، اسی میں سے ایک رحمت ہے کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے میاں بیوی کا جو سلسلہ جاری فرمایا ہے، اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے مختلف آیتوں میں اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس کی اہمیت، اس کے احکام وغیرہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

نکاح کے آیت اللہ ہونے کا مقصد

ان سب کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ اللہ پاک کی جو نشانی ہے، اس کو ہم اس طریقے سے بجا لائیں، جس طریقہ سے اللہ پاک نے اس کی نشانیوں کو ظاہر فرمایا، جو اللہ تعالی کے انعامات اور قدرت میں سے ہے، یقینی بات ہے کہ اللہ تعالی کی توجہ، انعامات ہماری طرف متوجہ ہو رہی ہیں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم کو ایک پاک اور صاف ستھرا رشتہ عنایت فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت تک جو سلسلہ چلے گا، اس کے ذریعے اللہ تبارک وتعالی پاکیزہ، حلال اور طیب اولاد کا ذریعہ بناتے ہیں اور اس کی بنیاد پر احکام جاری کئے۔

نکاح اللہ پاک کی نشانی کیسے؟

دوستو اور بزرگو! اس سلسلے میں ہم لوگ بہت سی باتیں سنتے بھی رہتے ہیں، لیکن اس کا اللہ پاک کی نشانی ہونا، یہ جو قرآن کریم میں ذکر فرمایا اس طرف سوچا جائے، جب ایک مرد ایک عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے، اجنبی گھر پر لڑکی آرہی ہے، لڑکی اپنے گھر کو، اپنے رشتہ داروں کو، اپنے پورے سماج اور سوسائٹی کو چھوڑ کر جب ہمارے خاندان کا ایک جز بن رہی ہے، یہ اس کی طرف سے بہت بڑی قربانی ہے، اس موقع پر جب یہ قربانی دی جارہی ہے تو ماں باپ کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بچی کو ضروری احکام اور آداب پوری طرح سکھائیں، ہمارے دیہاتوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ ''لڑکی تو پرائے گھر کا دَھن ہے'' لیکن یہ مثل ان سماج اور سوسائٹی میں تو صحیح ہے جہاں لڑکی کو شرعی طور پر حصہ نہیں دیا جاتا، اس کا سلسلہ نسب شوہر سے نہیں چلتا ہے، بلکہ اپنے باپ سے ہی چلتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم لوگ سرکاری آفسوں میں اپنے کاغذات میں شوہر کا نام لکھتے ہیں، لیکن شرعی نقطہ نظر سے اس کا تعلق اس کے والدین کے ساتھ اور بھائیوں کے ساتھ ہے، یہ تصوراب ہمارے یہاں نہیں ہونا چاہیے کہ شادی کے بعد ہمیں لڑکی کی کوئی فکر نہیں ہے، یہ تو دوسرے گھر کی ہے، یہ تصورات اس سماج میں ہوتے ہیں جہاں ان کے حقوق ادا نہیں کئے جاتے۔ خیر! بتلانا یہ ہے کہ جب یہ لڑکی وہاں سے یہاں آرہی ہے، ماں باپ کو چاہیے کہ اس کو اخلاق وآداب سکھائیں، جن کی روشنی میں ان کو اپنے سسرال میں رہنا ہے، سسرال میں آئی ہے تو یہاں والوں کے لئے بھی جب وہ قربانی دے کر آرہی ہے تو اس کا خیال اور لحاظ کرنا ہے، اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں آگے عورتوں کا بھی ذکر فرمایا، اسی طرح جہاں حقوق کو ذکر فرمایا وہاں فرمایا: ان پر تمہارے حقوق ہیں اور ان کے بھی تم پر حقوق ہیں، آپس کے مسائل میں بھی فرمایا: لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۳) ایک دوسرے کو پریشان نہ کیا جائے، اولاد کو بنیاد بنا کر لڑکی بھی شوہر کا استحصال نہ کرے اور لڑکا بھی نہ کرے، یہ سارے مسائل اللہ پاک کی نشانیوں

میں سے ہے اور نکاح اسی نشانی کا ایک جز ہے، اس لئے ہم ان چیزوں کو ایک سماجی بندھن اور قید نہ سمجھیں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اللہ پاک نے آپ کے بھیجنے کے مقاصد ذکر فرمائے، اس میں اللہ پاک کی آیات کی تلاوت، اس پر عمل اور احکام بتلانا اور ان کے دلوں کو صاف کرنا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں سے اللہ پاک نے فرمایا، قرآن میں اللہ پاک نے مختلف آیات میں ذکر فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (سورۃ الشمس:۹-۱۰) کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے دل کو صاف کیا اور برباد ہوگیا وہ جس نے اپنی خواہشات کی اتباع کی۔ اور دوسری آیتوں میں اللہ تبارک وتعالی نے ان باتوں کو بار بار ذکر فرمایا۔

لفظ ''حکمت'' کی حکمت اور مصلحت

جہاں قرآن کریم نے بعثت کا لفظ ذکر فرمایا، اسی آیت میں حکمت کا لفظ بھی آرہا ہے، حکمت کا معنی کیا ہے؟ حضرات مفسرین فرماتے ہیں: اس سے مراد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہے اور احادیث تو بہت ساری ہیں، لیکن قرآن کریم کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے جہاں حکمت کا لفظ ذکر فرمایا ہے، وہاں اللہ پاک نے احکام کا ذکر فرمایا ہے۔

پندرہویں پارے سورہ بنی اسرائیل کے اس رکوع میں بھی اور اس کے بعد والے رکوع میں بھی اللہ پاک نے انسانی زندگی کے جتنے حالات، اصول اور اخلاق ہیں، آپس میں برتنے کے جو مسائل ہیں، ان تمام کو تفصیل سے ذکر فرمایا، ماں باپ کا حق ذکر فرمایا، قریبی رشتہ داروں کا حق ذکر فرمایا، آپس میں ایک دوسرے سے کیسے ملاقات کی جائے، ایک دوسرے سے کیسے برتا جائے، اللہ تبارک وتعالی نے ان تمام کو ذکر فرمایا، زمانۂ جاہلیت میں اولاد کو قتل کر دیتے تھے، اللہ پاک نے اس سے بھی منع فرمایا، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کا حق ان تمام چیزوں کو ذکر فرمایا، ایک ایک چیز کو اللہ پاک نے ذکر فرمایا اور سب سے زیادہ جو توجہ دی گئی وہ اخلاق کی ہے اور اسی لئے آیت کے اخیر میں اللہ پاک نے فرمایا ہے: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط (اسراء:۳۹)

اسی طرح سورۃ لقمان میں حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت فرما رہے ہیں، اللہ پاک نے

وہاں بھی یہ ذکر فرمایا کہ ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا فرمائی اور آگے جو چیزیں ذکر کی، قرآن کریم نے توحید کو ذکر فرمایا، اللہ پاک کی طاقت اور قدرت کو ذکر فرمایا اور اس کے فوراً بعد تکبر سے منع فرمایا، آپسی تعلقات کے سلسلے میں آپس میں آواز اونچی نہ کی جائے اور لوگوں کو ستایا نہ جائے، گھمنڈ سے چلا نہ جائے، یہ ساری چیزیں اللہ پاک نے ذکر فرمائی، وہاں بھی حضرت لقمانؑ کے لئے اللہ پاک نے ذکر فرمایا کہ ہم نے لقمانؑ کو حکمت عطا کی۔

اخلاق کی اہمیت وافادیت

دوستو اور بزرگو!

سماجی زندگی اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ہے، سماج سے مراد صرف میاں بیوی مراد نہیں ہے، ہم میں سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان جب دنیا میں آیا تو آنے کے بعد یہاں کی کوئی نہ کوئی چیز سے کوئی نہ کوئی تعلق رہا، سب سے پہلے ماں باپ سے رہا، بھائیوں بہنوں سے رہا، پھر اس کے بعد اسکول میں جا رہا ہے، مدرسہ میں جا رہا ہے، وہاں اپنے ساتھیوں سے، اپنے اساتذہ سے تعلقات ہوئے، اور انسان سماجی زندگی میں رہا، کاروبار میں لگا، کھیتی باری میں لگا، پڑوس میں کوئی ہے اور دوسرے تعلق والے ہیں، حتی کہ قریب میں رہنے والا بھائی اور تھوڑی دیر سفر میں ہمارے ساتھی رہے، ۱۵ - ۲۰ منٹ کے بھی ساتھی رہے یا پھر آپ مسجد میں صف میں ایک دوسرے سے قریب میں بیٹھے ہیں، تو اس میں بھی دوسروں کے حقوق ذکر فرمائے، آپ کے پڑوس والے کا آپ پر کیا حق ہے؟ اور آپ کا اس پر کیا حق ہے؟ **والصاحب بالجنب** (نساء:۳۶) قرآن کریم نے یہ ساری چیزیں ذکر فرمائی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آپسی تعلقات کو برتنے کا نام ہے اخلاق، حقوق کو ادا کرنے کا نام ہے اخلاق، اور یہی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑی چیز لے کر آئے۔ "**انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**" (**مجمع الزوائد: ۹/۱۸، باب فی حسن خلقه**) کہ اللہ پاک نے مجھے اخلاق مکمل کرنے کے لئے بھیجا ہے، ان اخلاقیات کا

سب سے بڑا حصہ انسانی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد جو اللہ پاک نے آپ کے ذریعے ذکر فرمایا: **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.** اخلاق تو اور انبیاء کرام بھی لے کر آئے ہیں، اور انہوں نے اس کو برتا، لیکن آپ ﷺ کے ذریعے اب قیامت تک نبی آنے والے نہیں ہے اس لئے اللہ پاک نے اخلاق مکمل فرمایا، اب کسی اور تعلیم کی، اور چیز کی ضرورت نہیں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی چیزیں بتلائیں اس کو ہم پڑھ لیں، سمجھ لیں اور اس پر عمل کرلیں، زندگی کا چین وسکون اور امن وعافیت اسی میں ہے۔

آپسی تعلقات کے سدھار کا طریقہ

اس وقت ہماری سماجی زندگی میں جو کچھ کرواہٹیں ہیں، آپس کے تعلقات میں جو بگاڑ ہے، صحابہ کرام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چل رہی تھی، اسلامی حاکم اور اسلامی گورنر کے بارے میں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اگر وہ ہمارے حقوق ادا نہ کریں، تو آپ نے فرمایا: اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ (بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام) یہ ہے اسلام کی تعلیم! جب ہم دوسرے کا حق ادا کرنے کی فکر کریں گے، تو خود بخود دوسرا بھی ہمارا حق ادا کرے گا، لیکن ہم اپنے حق وصول کرنے کی کوشش کریں گے اور دوسروں کے حقوق ادا نہ کریں گے، جیسا کہ اس وقت دنیا میں بداخلاقیاں پھیلائی جارہی ہے اور لوگوں نے تنظیمیں اور یونینیں بنائی ہیں، ان سب کا مقصد یہ ہے کہ اپنا حق وصول کرنا، ہم ادا کر رہے ہیں یا نہیں، کوئی بات نہیں، سرکاری ملازمین یا پرائیویٹ آفسوں میں کام کرنے والے اپنے اوقات پورا کرتے ہیں یا نہیں؟ اس کی ان کو فکر نہیں ہوتی، لیکن اپنی فکر ضرور ہوتی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے یہ بتلایا ہے کہ تم آپس میں اپنے حق کو ہی وصول کرنے کی بات کرتے ہو اور تمہارے ذمہ جو حق ہے اس کو ادا نہیں کروگے تو سماج کا بیلنس باقی نہیں رہے گا اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ فتنہ وفساد ہوگا، یہ چیزیں جس طرح پورے انسانی سماج یا برادری کے لئے ہے، اسی طرح ایک چھوٹا سا خاندان یا ایک

چھوٹی سی اکائی، جس میں لڑکا لڑکی دونوں ساتھ میں ہوں، ان کے لئے بھی ہے۔

میاں بیوی سے متعلق حقوق

لڑکی کے خاندان والوں کے ساتھ بھی حقوق متعلق ہیں، لڑکی کو اپنے سسرال میں اپنے شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات نبھانے ہیں، یہ دونوں چیزیں وہ ہیں کہ اگر وہ اپنا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے، حق وصول کرنے کی فکر نہیں کریں گے، تو اللہ پاک سامنے والے کے دل میں بھی حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں گے، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کی چھوٹی سے چھوٹی اور باریک سے باریک چیز تک کو نقل فرمایا، یہاں تک کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے بال ٹھیک نہیں تھے، بکھرے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ کیا اسے اپنے بالوں کو سنوارنے کے لئے کوئی چیز نہیں ملتی؟ (ابوداود: کتاب اللباس، باب فی غسل الثوب...) اور تم کیسے لگ رہے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گویا شوہر کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کے ساتھ کس طرح رہنا ہے، تاکہ تو اس کی نگاہ میں پسندیدہ رہے اور اگر تو اس طرح رہے کہ وہ تجھے پسند کرتی ہے، لیکن دوسرے مرد اور دوسری عورتیں لڑکی کو طعنہ دیں، یہ پسندیدہ نہیں ہے، فقہاء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کس کس صورت میں اپنی بیوی کی وجہ سے آدمی کو اپنے آپ کو مہذب کر کے رکھنا ہے، یہ کیوں ہے؟ یہ اس لئے ہے کہ آپس میں دونوں کے تعلقات درست رہے۔ اس لئے یہ نکاح کی مجلس ہے اور نکاح تو ہمارے وہاں ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن اصل مسئلہ اس کے بعد کا ہے، نکاح کے بعد آپس کے جو مسائل ہیں ان میں ہم کو کس طرح پیش آنا ہے۔

دوستو اور بزرگو!

بہت افسوس کے ساتھ میں آپ کے سامنے کہوں گا کہ گذشتہ دو تین مہینے میں مرد اور عورت کے تعلقات کے عدمِ استوار ہونے کے، آپس میں جھگڑے اور فتنوں کے، ایک دوسرے کے خلاف مقدمہ کرنے کے جتنے کیس صرف ہمارے بھروچ شہر اور اطراف کے دیہات میں آئے،

پندرہ سے بیس کیس آ چکے ہیں۔اب ایک نئی شکل نکلی ہے،لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاتی ہےاور وہاں سے کیس کرتی ہے،اپنے لئے بھرن پوشن (نفقہ) کا،اس طرح کے گزشتہ پندرہ بیس دنوں میں پانچ سے سات کیس سامنے آئے، یہ ہم کو مجموعی طور پر سوچنا ہوگا کہ کہاں سے بگاڑ آیا ہے! لڑکی کے والد کو بھی سوچنا ہے، ذرا سوچیں! جن کو اپنی لڑکی کی زندگی درست کرنے کی فکر نہیں ہوتی ہے، بلکہ مال اور دولت کے لالچ میں یا سامنے والا قانونی طور پر پھنس چکا ہے،تو اس طرح اس سے رقم وصول کی جائے، یہ نکاح کو مہنگا اور زنا کو عام کرنے کا دروازہ کھولنا ہے۔

دوستو اور بزرگو!

جو اخلاق اور تعلیم قران وحدیث نے دی ہے،اس میں بیلنس (Balance) ہے،سب کے لئے اعتدال اور برابری ہے، اور جو بھی اس طریقہ کو چھوڑ کر کسی اور طریقے کو اپنائے گی، قرآن کریم نے جو اصول اور ضابطے ذکر فرمائے ہیں، جب ہم اس کو توڑ کر دوسری چیزوں میں جائیں گے،تو تھوڑی دیر کے لئے تو دنیا آ رہی ہے لیکن مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۔(سورۃ شوریٰ:۲۰) جو آخرت کی کھیتی چاہیں گے،اس کے لیے ہم بڑھائیں گے، جو دنیا چاہیں گے ہم اس کو دنیا عطا کردیں گےاور دوسری آیت میں فرمایا: وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ من نَّصِيۡبٍ ۔(شوری:۲۰) آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے،اس لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لڑکی والے اور لڑکے والے یہ کوئی دھندا اور پیشہ نہیں ہے کہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے،اللہ پاک نے اسے اپنی آیات (نشانیاں) فرمایا ہے،اس پر سوچنا چاہئے کہ ہم اللہ کی نشانی کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف اپنے مفاد اور فائدے کے لئے غلط طریقے سے استعمال کریں گے،تو سب سے پہلے اللہ پاک ناراض ہوں گے، نکاح کا سسٹم قرآن اور حدیث میں سماجی زندگی کے لیے بتلایا ہے، جب ہم اس کو اپنی خواہش سے چلائیں گے،تو یہ اللہ پاک کی ناراضگی والا عمل ہے، اللہ پاک کی آیات اور نشانیوں کو ہم اپنی

طرف سے بدلیں، یہ اللہ پاک کے عذاب کو لانے والا ہے، یہ اتنی بڑی نشانی ہے کہ ایک لڑکی اور لڑکا دونوں اجنبی گھر کے، دونوں کا نکاح سے پہلے ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں اور اب یہ دو جُڑ جاتے ہیں اور کیسے جُڑ جاتے ہیں!! ایک کا نفع اور نقصان اور ایک کی راحت اور تکلیف دوسرے کی تکلیف اور راحت بن جاتی ہے، یہ کیا ہے؟ یہی ومن آیاتہ، اللہ پاک کی نشانی ہے، أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ۔ تمہارے اندر سے اللہ نے مرد اور عورت ایک ہی جنس سے کہ انسان ہی میں سے تمہارے اوپر اللہ پاک نے احسان فرمایا کہ یہ جوڑا تیار کیا، لِتَسْكُنُوٓا إِلَيْهَا تا کہ تم اپنے گھر میں آ کر سکون حاصل کرو اور آج گھروں میں سے سکون چھین لیا گیا، اس لئے کہ ہم نے اللہ کی نشانی کو نشانی ہی نہیں سمجھا۔

نعمت کے بقدر پوچھ ہوگی

جتنی بڑی اللہ پاک کی نعمت ہوتی ہے اس کی ناقدری کا وبال بھی اتنا ہی بڑا ہوتا ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے زمانے میں قوموں نے نبی سے معجزہ مانگا، اللہ کے نبیوں نے کہا کہ اللہ پاک کا معجزہ آئے گا، لیکن پھر اس کی ناقدری کرنے پر تم چھوڑے نہیں جاؤ گے، حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرمایا، لیکن جب قوم نے ان سے اونٹنی کا مطالبہ کیا، اللہ پاک نے پتھر میں سے دس مہینے کی گابھن اونٹنی نکالی، لیکن جب قوم نے اس کی اللہ کے احکام کے مطابق قدردانی نہیں کی اور ایک کھڑا ہوا اور اس نے اونٹنی کے کونچے کاٹ دیئے، اللہ تعالی کے نبی صالح علیہ السلام نے فرمایا : اب اللہ تعالی کا عذاب آئے گا، یہ قرآن کریم کی آیات اور نشانیاں جو اللہ پاک کی نعمت ہیں اس نعمت کی جب ناقدری ہوتی ہے، تو اللہ تعالی کی طرف سے اسی طرح کا وبال آتا ہے، جس طرح اونٹنی اللہ کی نشانی کی ناقدری پر قوم صالح پر آیا۔

نکاح بھی ایک بڑی نعمت ہے

اس طریقہ سے نکاح کو اللہ پاک نے آیت فرمایا، اس لئے اس کو سمجھنا ہے اور سماجی زندگی میں ایک جماعت ہمارے یہاں بڑے لوگوں کی ایسی ہونی چاہیے کہ جب بھی کسی گھر میں

آپس میں کسی کا جھگڑا ہو، سب سے پہلے تو اس لڑکے اور لڑکی کے جو قریبی رشتہ دار ہیں ان کو اس کا فکر کرنا ہے، ہمارے یہاں معاشرے مشترک ہے، تو لڑکا لڑکی شادی بیاہ کر کے آئے، پہلے زمانے کے بڑے لوگ دیکھتے تھے کہ ہمارا لڑکا لڑکی کے ساتھ کس طرح سلوک کرتا ہے اور اسی طریقے سے ماں بھی دیکھتی تھی۔ یہ ساری چیزیں آپس میں ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے جوڑنے والی ہیں، اب چونکہ ہماری نیتوں میں صرف اپنا مفاد ہے اور اپنا فائدہ ہی نظر آرہا ہے، سامنے والے کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ہے، تو اس کے نتیجے میں ری ایکشن ہوتا ہے ادھر سے بھی ادھر سے بھی، اور نتیجہ کورٹ تک پہنچتا ہے، اس لئے ہم ان مسائل کو سمجھیں، حکومت نے ایسے قانون بنا لئے ہوں، جس سے لڑکی والوں کو فائدہ ہوتا ہو تو اس سے وہ ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، یہ حکومت کے قانون ہیں، اللہ پاک اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون نہیں ہیں، جنہوں نے بھی غیر کا طریقہ اپنایا، یورپ میں نکاح کا سسٹم ٹوٹ چکا ہے اور اس کے بعد لمبے لمبے معاملے کے لئے کورٹ- کچہری کی بات آئی، تو مردوں نے سوچا کہ اب شادی کریں تو طلاق کا مسئلہ ہے، اس کی جگہ پر انہوں نے معاہدتی (Contract) نکاح، اور ایک دوسرے سے دوستیاں کرنا شروع کر دیا، اس کے بعد جو کچھ کرنا ہے، اپنی خواہش کو جس طرح چاہے پورا کریں، اس کے نتیجے میں یہ مسائل پیدا ہوئے، تو اس کا حل انہوں نے غیر فطری طریقے سے نکالا، لیکن شریعتِ اسلامیہ میں اللہ پاک نے اتنی بڑی نعمت قرآن پاک کی عطا فرمائی، جس میں ہر ہر جگہ پر احکام و مسائل اشاروں اور کنایوں میں اور صراحتاً ذکر فرمائے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تفصیل سے ذکر فرمایا اور علماء اور فقہاء نے ہر زمانہ میں ان مسائل کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کیا، اس لئے جن بچاروں کے پاس قانون نہیں ہے، ٹھیک ہے، لیکن اللہ پاک نے ہم کو قرآن کریم دستور کی شکل میں، قانون کی شکل میں عطا فرمایا، اسی کے مطابق جب بھی ہم اپنے سماج کے جھگڑوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے، نکاح والا طریقہ اپنائیں گے تو ہمارا معاشرہ، سماج، سوسائٹی (Society) اور خاندان کی اصلاح ہوگی۔

عفت وعصمت کی اہمیت

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ (مائدہ:۵) فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ (نساء:۳۴)وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۝۳۲ (اسراء:۳۲)

زنا سے نسب میں گڑبڑ، میراث کی ادائیگی میں کوتاہی ،حقوق کی پامالی، اخلاقی بگاڑ، انسان وجانور میں کوئی فرق نہیں رہتا، یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں،عورت سے صرف جنسی تعلق ہی مقصود نہیں،؛ بلکہ زندگی کی شاہ راہ پر آنے والے ہزاروں مسائل میں وہ رفیق سفر ہے، ایک نو جوان نے آپ سے زنا کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا،قریب آؤ، پھران کو سمجھانے کے لئے فرمایا کہ تم یہ کام اپنی ماں ،لڑکی ، بہن ، خالہ، پھوپھی کے ساتھ پسند کرتے ہو؟ عرض کیا نہیں،تو آپ نے فرمایا: دوسرے بھی اپنے رشتہ دار کے ساتھ پسند نہیں کرتے، جب اس کا دل صاف ہو گیا تو آپ نے دعا دی، اللّٰهمَّ اغفِرْ ذنبَه وطهِّرْ قلبَه وحصِّنْ فرجَه. (مسند احمد:رقم: ۲۲۲۱۱، ۳۶/۵۴۵) یہ نفسیاتی اثر تھا،زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم ہے،اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۝۲۲

آج ایڈز وغیرہ طاعونی امراض اس کا نتیجہ ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم عفت پر عورتوں سے بیعت کرتے تھے، زنا نہیں کرے گی اس کا عہد لیتے تھے،قرآن میں آپ کو اس کا حکم ملا کہ جو عورتیں آپ کے پاس آئے ان سے یہ عہد لیں: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝۱۲ (ممتحنہ:۱۲)شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے۔حدیث میں زانی کے بارے میں ارشاد فرمایا:عن ابن عباس: لا يَزني الزّاني حينَ يَزني وهوَ مؤمنٌ . (بخاری: کتاب الحدود، باب السارق حین یسرق)دوسری حدیث میں ہے عن أبي هريرة:

إذا زنى العَبدُ خرجَ منه الإيمانُ، فكان فوقَ رأسِه كالظُّلَّةِ، فإذا خرجَ مِن ذلك العَمَلِ؛عادَ إليهِ الإيمانُ. (ترمذی شریف: ابواب الایمان، باب لا یزنی الزانی وھو مؤمن) زنا اتنا بڑا گناہ ہے ایمان کانپ کر اپنا قالب چھوڑ دیتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اعراف:۳۳) سورج گرہن کے موقع پر فرمایا: عن عائشة أم المؤمنين: يا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، ما أحَدٌ أغْيَرَ مِنَ اللهِ أنْ يَرى عَبْدَهُ أوْ أمَتَهُ تَزْنِي، يا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، لو تَعْلَمُونَ ما أعْلَمُ، لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا ولَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا. (بخاری: کتاب النکاح، باب الغیرۃ)

حضرت یوسفؑ کا وہ واقعہ جس میں عزیز مصر کی بیوی نے آپ کو ورغلانے کی کوشش کی اس وقت اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتے ہوئے فرمایا کہ ظالم کو فلاح حاصل نہیں ہوتی۔ یہ واقعہ اس آیت میں بتلایا گیا: وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۝۲۳ (یوسف:۲۳) اس سے معلوم ہوا کہ زنا مظالم کی جڑ ہے، زانی بے حیائی، فریب، جھوٹ، خود غرضی، خیالات کی آوارگی، ذہنی، جسمانی، روحانی امراض کا شکار ہوتا ہے۔ عورت آخر کسی کی بیٹی بہن، بیوی ماں ہوگی، زانی سب کو بے آبرو کرتا ہے، اس کے شوہر کی خیانت، بچہ اگر وجود میں آ گیا تو اسقاط حمل یا بڑے ہو کر کوئی اس کی پرورش کرنے والا نہیں، حضرت یوسفؑ نے کالی کوٹھری کو ترجیح دی زنا کے مقابلہ میں رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ (یوسف:۳۳)

حدیث پاک میں اکبر کبائر شمار کراتے ہوئے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، فقر کے خوف سے اولاد کو قتل کرنا، پڑوسن کے ساتھ زنا کرنا۔ عن عبدالله بن مسعود: قلت: يا رسولَ اللهِ! أيُّ الذنبِ أعظمُ؟ قال: أن تجعلَ للهِ ندًّا وهو خلقك، قال: ثم ماذا؟ قال: أن تقتلَ ولدَك خشيةَ أن يأكلَ معك، قال: ثم ماذا؟ قال: أن تزانِيَ حليلةَ جارِك، وفي روايةِ الذُّهليِّ: أن تزنيَ بحليلةِ جارِك. (سنن بیہقی: ۱۸/۸)

حدیث میں اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والے اعمال میں سود اور زنا کو بھی قرار دیا ہے۔عن عبداللہ بن مسعود: ما ظهر في قومٍ الزِّنا أو الرِّبا إلاّ أحلُّوا بأنفسِهم عقابَ اللهِ.(مسند احمد: رقم: ۳۸۰۹، ۳۵۸/۶)

اسی طرح زنا سے طاعون اور مہلک بیماریوں کو دعوت دی جاتی ہے۔نیز کثرت اموات کا بھی سبب ہے اور قحط سالی کا بھی۔حدیث میں مختلف جگہوں پر اس کا ثبوت ملتا ہے۔ولا فشا الزنا في قومٍ إلا كثر فيهم الموتُ (مؤطا مالک: کتاب الجهاد، باب ماجاء فی الغلول).ایک اور جگہ فرمایا: ما من قومٍ يَظْهَرُ فيهم الزنا إلا أُخِذُوا بالسَّنَةِ.(در منثور: ۱۸۰/۴)

زنا کے نقصانات

بنی اسرائیل کا فتنہ عورت ہی تھی، یورپ، امریکہ میں ہونے والی نئی بیماریاں اکثر زنا کی وجہ سے ہے، شادی تسکین کا سامان ہے، جب جذبہ ہو تو جائز طریقہ سے صحبت کرے، عورت کا آنا جانا شیطان کی صورت میں ہوتا ہے، جب کسی کو کوئی عورت پسند آئے اور دل میں وسوسہ آئے تو اپنی بیوی سے صحبت کرے، اجنبی عورت کا اثر دل سے جاتا رہے گا، عورت کا بغیر ضرورت کے نکلنا فتنہ کا باعث ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ (مومنون:۵) وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ (احزاب:۳۵) فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ (مومنون:۷) وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ (یوسف:۳۲) وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم:۱۲) اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۲۶ (نور:۲۶)

عرش الٰہی کا سایہ انی اخاف اللہ کہنے والے کو ملے گا جب کہ حسین وجمیل عورت اس کو بلائے اور وہ خوف خداوندی میں انکار کردے۔(بخاری: کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء)

اسی طرح جنت کی ضمانت لسان وفرج کو جائز جگہ پے استعمال کرنے پر ہے۔(بخاری:

کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

بنی اسرائیل کے غار والے تین اشخاص کا واقعہ:

ہم سے پہلی امتوں میں سے تین حضرات ایک سفر پر نکلے، دوران سفر رات ہوگئی اور بارش بھی ہونے لگی تو ایک غار میں رات گذارنے کے لیے وہ حضرات داخل ہوگئے؛ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ایک بڑا سا پتھر لڑھک کر نیچے آیا اور غار کے دہانے کو بند کر دیا، یہ دیکھ کر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس ابتلا سے نجات کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مشورہ سے یہی طے ہوا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے نیک عمل کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، چناں چہ انہوں نے اپنے اپنے عمل کے حوالے سے دعائیں کیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے بوڑھے ماں باپ تھے اور شام کو میں سب سے پہلے انہی کو دودھ پلاتا تھا، ان سے پہلے میں اہل وعیال اور غلام وخادم کو نہیں پلاتا تھا، ایک دن میں اپنے جانوروں کے چارہ کی تلاش میں دور نکل گیا اور جب واپس آیا تو ہمارے والدین لیٹ چکے تھے، میں نے دودھ دوہا اور ان کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ گہری نیند میں ہیں، میں نے ان کو جگانا پسند نہیں کیا اور ان سے قبل اپنے اہل وعیال اور غلاموں کو پلانا بھی گوارہ نہیں کیا، میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے، ان کے سرہانے کھڑا، ان کے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا، جب کہ بچے بھوک کے مارے میرے قدموں پر لوٹ پوٹ کرتے رہے، حتی کہ صبح ہوگئی، جب وہ خود بیدار ہوئے تو میں نے انہیں ان کے شام کے حصے کا دودھ پلایا، انہوں نے ماشاء اللہ پی لیا، یا اللہ! اگر یہ کام میں نے صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو اس چٹان نے غار کے منہ کو بند کر دیا ہے اور اس کی وجہ سے ہم غیر متوقع مصیبت میں پھنس گئے ہیں، اس سے ہم سب کو نجات عطا فرما دے، دعا کے نتیجے میں وہ چٹان تھوڑی سی سرک گئی، لیکن باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔

دوسرے شخص نے دعا کی، یا اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی، جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی، حتی کہ وہ محبت اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی، ایک مرتبہ میں نے اس سے اپنی نفسانی

خواہش پوری کرنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ آمادہ نہیں ہوئی اور انکار کر دیا، حتی کہ ایک وقت آیا کہ قحط سالی نے اسے میرے پاس آنے پر مجبور کر دیا، میں نے اسے اس شرط پر ایک سو بیس دینار دیے کہ وہ اپنے نفس پر مجھے قدرت دے دے، وہ آمادہ ہوگئی، جب میں تنہائی میں اسے لے گیا اور وہ میرے قابو میں آ گئی، حتی کہ میں اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے واسطے اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور اس مہر کو ناحق مت توڑ، اس کے ان الفاظ نے یا اللہ تیرا خوف میرے اوپر طاری کر دیا اور میں اس سے دور ہو گیا، حالاں کہ وہ عورتوں میں مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی، میں نے سونے کے وہ دینار بھی اس کے پاس چھوڑ دیے، جو نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے اسے دیے تھے، یا اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا تھا تو چٹان کی صورت میں نازل شدہ مصیبت کو تو ہم لوگوں سے دور فرما دے، چناں چہ وہ چٹان کچھ اور سرک گئی، لیکن باہر نکلنے کا راستہ اب بھی نہیں بنا۔

تیسرے صاحب نے دعا کی، یا اللہ! میں نے کچھ مزدوروں کو اجرت پر رکھا تھا، سب کی اجرت میں نے ادا کر دی، صرف ایک مزدور ناراض ہو کر اپنی مزدوری لیے بغیر چلا گیا، میں نے اس کی مزدوری سے غلہ خریدا، اسے بویا، پھر اس سے بتدریج بکری، گائے اور غلام وغیرہ خریدے، حتی کہ بہت سارا مال جمع ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ اللہ کے بندے! مجھے میری اجرت ادا کر دے، میں نے کہا: یہ اونٹ، گائے، بکریاں اور غلام جو تجھے نظر آ رہے ہیں، یہ سب تیری اجرت کا ثمرہ ہیں، ان سب کے تم مالک ہو، اس نے کہا: اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا: میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں، حقیقت بیان کر رہا ہوں، چناں چہ میری وضاحت کے بعد وہ سارا مال لے کر چل دیا، اور اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا، یا اللہ! اگر میں نے یہ کام صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے، تو یہ مصیبت، جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں، دور کر دے، پس وہ چٹان بالکل سرک گئی اور غار کا منہ کھل گیا اور سب باہر نکل آئے۔

عفت کی نیت سے بیوی کے پاس جانا بھی صدقہ ہے، اس کے بالمقابل حضرت ماعز

اسلمیؓ اور حضرت غامدیہؓ کا گناہ کے صادر ہونے پر اپنے آپ کو بخوشی سزا کے لئے پیش کرنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین گناہ ہے۔

صحابی کا خوف خدا تعالیٰ کا واقعہ

ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ تھا، یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا کر لا یا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے، عناق نامی ایک بدکار عورت مکہ میں رہا کرتی تھی، جاہلیت کے زمانہ میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کیلئے مکہ شریف گیا، ایک باغ کی دیوار کے نیچے میں پہنچ گیا، رات کا وقت تھا، چاند اپنے حسن سے جہاں کو منور کر رہا تھا، اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا، بلکہ پہچان بھی لیا، اور آواز دے کر کہا: کیا تو مرثد ہے؟ میں نے کہا: ہاں مرثد ہوں، اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی، چلو رات میرے پاس گزارنا، میں نے کہا: عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کاری حرام کردی ہے، جب وہ مایوس ہوگئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کیلئے غل مچانا شروع کیا اور آواز دی: اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ، دیکھو چور آ گیا ہے، یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرایا کرتا ہے، لوگ جاگ اٹھے اور آٹھ آدمی مجھے پکڑنے کیلئے میرے پیچھے دوڑے، میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا، یہ لوگ میرے پیچھے ہی غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا، یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے، واللہ! ان کا پیشاب میرے سر پہ آ رہا تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا، ان کی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں، اِدھر اُدھر ڈھونڈ کر واپس چلے گئے، میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا، پھر مکہ کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا، چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے، میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا، میں نے انہیں کمر سے اتار کر ان کے بندھن کھول دیئے اور آزاد کر دیا، اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا، چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کرلوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے،

میں نے دوبارہ یہی سوال کیا، پھر بھی خاموش رہے اور یہ آیت اتری: زانی، زانیہ یا مشرکہ ہی سے نکاح کرے، زانیہ عورت سے زانی یا مشرک ہی نکاح کرے، اور مسلمانوں پر یہ نکاح حرام ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے مرثد ! زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے۔ (ابو داود: کتاب النکاح، باب فی قولہ تعالیٰ: الزانی لاینکح إلا زانیة) تو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پاکبازی کی دعائیں مانگی، **اللّٰهُمَّ إِنِي أَسْأَلُك الهُدَى، وَالتُّقَى، وَالعفَافَ، والغنَى.** (مسلم شریف: کتاب الذکر والدعاء.، باب التعوذ من شر عمل ومن شر مالم یعمل) واقعۂ معراج میں آپ نے تندور دہکتا ہوا دیکھا، اس میں مرد وعورت ننگے گریہ و پکار میں ہیں، نیچے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں، یہ زنا کار مرد اور عورتوں کی جماعت تھی۔ **اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا و خیارکم خیارکم لنساءهم.** (ترمذی شریف: ابواب الرضاء، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها) **خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی.** (ابن ماجه: کتاب النکاح، باب حسن معاشرة النساء) ہم سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اٹھاتے ہیں تو نکاح کا صحیح رخ سامنے آتا ہے کہ ایک شوہر اپنی بیوی سے کیسے رہے، آپ کا ازواج مطہرات کے ساتھ محبت کرنا، حضرت خدیجہ کی سہیلیوں میں گوشت تقسیم کرنا وغیرہ **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** (بقرہ:۲۲۸)

نکاح خدا سے قرب کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کو لڑکی دو، اسلام سے پہلے عورتوں پر ظلم ہوتا تھا اور ابھی بھی ہو رہا ہے، حال میں یورپی عورتوں کا ایمان لانا، لباس پردہ کا عورتوں کا قبول کرنا، یہ اسلامی تعلیمات جاننے کی وجہ سے ہے، لڑکیوں کی فضیلت، اور نیک اولاد کی دعاء بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

نکاح مالداری کا ذریعہ ہے

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲ (نور:۳۲)

نکاح کی ترغیب دی، اور فقر سے بچاؤ کا پروانہ سنایا، انسانی فطرت میں شہوت باہ سب سے زیادہ ہے، اس کی تکمیل کے لئے وہ بڑے سے بڑا خطرہ مول سکتا ہے، نکاح سے عفت کا تحفظ ہوتا ہے، حدیث میں فرمایا گیا: **فإنَّه أغَضُّ لِلْبَصَرِ و أَحْصَنُ لِلْفَرْجِ.** (بخاری: کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم) نکاح نگاہ کی حفاظت اور شرمگاہ کے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ نیز وہ افزائش نسل کا سبب ہے اور آپ کا قیامت کے دن فخر کرنا، اور اس سے پاکدامنی حاصل ہوتی ہے، اور پاکدامنی یہ تمام برائیوں سے بچاتی ہے، **عن أنس بن مالك: مَن أرادَ أن يلقى اللهَ طاهرًا مطَهَّرًا، فليتَزَوَّجِ الحرائرَ.** (ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب تزویج الحرائر والولود) ایک اور حدیث میں ہے: **عن أنس بن مالك: إذا تزوج العبدُ فقد كمل نِصْفَ الدِّينِ، فلْيَتَّقِ اللهَ في النصفِ الباقي.** (شعب الایمان: ۳۸۳/۴، فصل فی الترغیب فی النکاح) اور انبیاء کرام کی سنت ہے، سعید ابن جبیر سے ابن عباس ؓ نے سوال کیا کہ شادی کر لی؟ کہا نہیں، تو فرمایا: **فتزوج، فإن خير هذه الامة أكثرها نساء.** (بخاری: کتاب النکاح، باب کثرۃ النساء) قرآن میں ہے: **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً** (رعد: ۳۸) ہم نے ان کو بیویاں اور بچے دیئے، اس کے بالمقابل بے نکاح مرد اور عورت کو حدیث میں مسکین کہا گیا، شہوت توڑنے، عفت نفس، کثرت نسل کے لئے شادی بہت بڑی نعمت ہے۔

حضرت عکاف سے آپ نے آزاد اور باندی کے متعلق پوچھا، انہوں نے باوجود قدرت کے شادی نہیں کی تھی تو آپ نے فرمایا: **فأنت إذن من إخوان الشياطين.** (مجمع الزوائد: ۲۵۳/۴) پھر ان کی شادی کرادی۔ حدیث میں ہے: **عن أنس بن مالك: حُبِّبَ إليَّ من الدُّنْيا النِّساءُ و الطِّيبُ و جُعِلَ قُرَّةُ عَيني في الصَّلاةِ.** (سنن کبری، نسائی: کتاب عشرۃ النساء، حب النساء) عورت اور خوشبو اور نماز محبوب بتلائی۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے **التمسوا الغنى فى النكاح.** (جامع التاویل لابن جریر الطبری: ۲۷۵/۱۷) عورت مال و

دولت کا ذریعہ ہے، برکات کا بھی۔

نکاح کے طبی فوائد

نکاح سے طبی فائدہ بھی ہے کہ مادۂ تولید اگر جسم سے نہ نکلے تو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتا ہے، اس کے نکلنے پر سرور ولذت، صحت انسانی کی حفاظت ہوتی ہے، زہر آلود مادہ دل ودماغ کی طرف ردی بخار کو روانہ کرتا ہے، جس سے غشی، مرگی، بدہضمی وغیرہ بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے، بینائی پر اس کا اثر پڑتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: مادہ تولید کی پیداوار زیادہ ہو کر نکلتی نہیں تو اس کا بخار دماغ پر پڑ کر نتیجہ خوبصورت عورت کی طرف رغبت دلاتا ہے، اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے، جماع کی رغبت پیدا ہوتی ہے، شادی نہ ہونے کی صورت میں زنا میں تبدیل ہوتی ہے۔
قاضی عیاض نے فرمایا: شہوت دل کو سیاہ کرتی ہے، مگر جماع سے دل کو روشنی ملتی ہے۔

جنت میں بھی آدمؑ کو عورت کی ضرورت محسوس ہوئی، نکاح سے عفت، محبت، رحمت حاصل ہوتی ہے جیسے قرآن میں ہے: وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَـكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ (روم: ۲۱)

نکاح کے باب میں ولی کو مشورہ کا حق حاصل ہے کیونکہ ان کی رائے پختہ ہوتی ہے، محبت وشفقت والی ہوتی ہے، پھر بھی قبول مشورہ پر بالغ لڑکا لڑکی کو مجبور نہیں کیا ہے۔ لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح سے ممانعت فرمائی، عہد نبوی میں عدم رضاء عورت سے نکاح رد ہوا تھا۔

عورتوں کے انتخاب کے بارے میں حدیث میں ہے: **تُنْكَحُ المَرْأَةُ لأَرْبَعٍ: لِمالِها ولِحَسَبِها ولجَمالِها ولِدِينِها، فاظْفَرْ بذاتِ الدِّينِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ.** (بخاری: کتاب النکاح، باب الأکفاء فی الدین) ایک اور حدیث میں ہے: **عن أبي هريرة: إذا خطب إليكم من ترضوْن دينَه و خُلقَه فزوِّجوه، إلّا تفعلوا تكنْ فتنةٌ في الأرضِ و فسادٌ عريضٌ.** (ترمذی: ابواب النکاح، باب ماجاء اذ جاء کم من ترضون دینه فزوجوه)

آنکھوں کی حفاظت

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (نور:۳۰) اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ (اسراء:۳۶) يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ (غافر:۱۹) اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ (فجر:۱۴)

عن أبي سعيد الخدري: إيّاكُمْ والْجُلُوسَ في الطُّرُقاتِ قالوا: يا رَسولَ اللهِ، ما لنا بُدٌّ مِن مَجالِسِنا نَتَحَدَّثُ فيها قالَ رَسولُ اللهِ ﷺ: فإذا أبَيْتُمْ إلّا المَجْلِسَ، فأعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ قالوا: وما حَقُّهُ؟ قالَ: غَضُّ البَصَرِ، وكَفُّ الأذى، ورَدُّ السَّلامِ، والأمْرُ بالمَعروفِ، والنَّهْيُ عَنِ المُنْكَرِ. (مسلم: كتاب اللباس، باب النهى عن الجلوس فى الطرقات) عن جرير بن عبدالله: سألت رسول الله ﷺ عن نظرة الفجأة فقال اصرف بصرك. (أبو داود: كتاب النكاح، باب مايؤمر به من غض البصر)

اجنبیہ کے ساتھ خلوت سے منع فرمایا، عورتوں کو بھی اجنبی مرد کی طرف دیکھنے سے منع کیا، یہ (بدنظری) ایک ایسی بیماری ہے جس میں اچھے خاصے لوگ مبتلا ہیں، آنکھوں کو بچانا ہر طرف مشکل ہے، چاہے زندہ کو دیکھے یا اس کی تصویر کو دیکھے، اصلاح نفس میں سب سے بڑی رکاوٹ بدنگاہی ہے، بدنگاہی ابلیس کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے، جب تک نگاہ قابو میں نہ آئے اصلاح مشکل ہے، باطن کے خراب کرنے میں آنکھ کو سب سے زیادہ دخل ہے، ہر طرف بے پردگی، عریانی، فحاشی، بے حیائی ہے؛ لیکن ایمان کی حلاوت چاہئے تو اس کڑوے گھونٹ کو پینا ہوگا، باطن کی صفائی، تعلق ومحبت الٰہی منظور ہے تو پھر اس کو چھوڑ دو، یہ عادت پر ہے، لوگ کڑوی چیز کی عادت ڈال دیتے ہیں تو آسان ہوتا ہے جیسے تمبا کو، قہوہ کی کڑواہٹ عادت سے سرور میں بدل جاتی ہے، پھر ایمان کی چاشنی لذت وحلاوت ملے گی، آنکھ مشین ہے، یہ بڑی نعمت ہے، نابینا سے اس کی قدر پوچھو، ساری کائنات اندھیری نظر آتی ہے، دولت خرچ کرنے کے بعد بھی یہ نعمت نہیں ملتی، پتلی اندھیرے میں پھیلتی ہے روشنی میں سکڑ جاتی ہے، اندھیرے اجالے میں آنے

جانے میں آنکھ کے اعصاب سات میل کا سفر طے کرتے ہیں، آنکھ کے ذریعے والدین کو دیکھا تو حج عمرہ کا ثواب ملتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو نگاہ رحمت سے دیکھتے ہیں، صحیح استعمال پر لذت ہی نہیں بلکہ اجرو ثواب بھی ملتا ہے، وکذا عکسہ بدنگاہی سے بچنے کا ایک ہی علاج ہے، ہمت سے کام لینا ہے۔

آرزوئیں خون ہوں، حسرتیں پامال ہوں * اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

پھر مدد آئے گی، اصل کام ہمت کا ہے کہ نہ دیکھے میں کیا حرج ہے؟ اگر شیطان کہے یا دل میں داعیہ پیدا ہو تو یہ تصور کرے کہ کیا میرے والد کے سامنے دیکھوں گا، اولاد کے سامنے دیکھوں گا، بڑے افسر کے سامنے دیکھوں گا؟ جب کہ ان کے دیکھ لینے سے دین دنیا کا نقصان نہیں ہے اور احکم الحاکمین دیکھ لے اور وہ تو يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ (غافر:۱۹) ہے۔

دل کا مائل ہونا گناہ نہیں عمل (نظر) گناہ ہے، سوچ کر لذت لینا بھی حرام ہے، نگاہ نیچی رکھ یہی علاج ہے، ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (اعراف:۱۷) دائیں بائیں آگے پیچھے سے آؤں گا، اوپر نیچے سے آ نہیں سکتا لیکن اوپر دیکھنے میں گرنے اور ٹھوکر کا خطرہ ہے، تو بچاؤ نیچے میں ہی ہے، اور قرآن شریف نے بھی حفاظت شرم گاہ کے لئے ''یغض'' فرمایا، یہی علاج ہے، کسی کے تعویذ سے عشق نہیں جائے گا۔ اس کے لئے ہمت اور رجوع الی اللہ کی ضرورت ہے، حضرت یوسفؑ نے ہمت ورجوع سے کام لیا، حضرت یونسؑ نے مچھلی کی تاریکی میں رب کو یاد کیا، ہم گناہوں کی تاریکی میں اللہ پاک کو یاد کریں۔

محبت ایک نادیدہ شئی ہے جو آنکھ کے راستے سے دل میں اترتی ہے، نگاہوں سے دل چھلنی ہوتا ہے، نگاہ برید العشق ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بخاری شریف میں منقول ہے: عن أسامة بن زيد: ما تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ على الرِّجالِ مِنَ النِّساءِ. (بخاری: کتاب النکاح، باب مايتقى من شؤم المرأة) اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۳) فتنۂ شکیل بن حنیف کی حقیقت

(بمقام گارڈن مسجد، پانچ بتی، بھروچ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ○وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ○ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ○(سورۃ الزخرف:۵۷،۵۸،۵۹)

قال رسول اللہ ﷺ کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم وإمامکم منکم.

(بخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جس آیت کی آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو ذکر فرمایا، اللہ تعالی فرماتے ہیں: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اس سلسلے میں ایمان والا کوئی شک نہ کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: آپ لوگوں کو کہہ دیجئے اس سلسلے میں میری اطاعت کرو، گذشتہ

جمعہ کو آپ حضرات کے سامنے اس فتنہ کے سلسلے میں گفتگو شروع کی تھی اور اس جمعہ کو اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کرنا ہے۔

دوستو اور بزرگو!

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے دین اسلام کے سلسلے کی تمام چیزیں تفصیلی طور پر ذکر فرمائی، قیامت کی نشانیوں کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، جس میں آپ نے قیامت سے پہلے ہونے والی چھوٹی اور بڑی نشانیاں ذکر فرمائی، بڑی نشانیوں میں دجال کا آنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کا پیدا ہونا اور حضرت عیسی علیہ السلام کا آسمان سے نیچے تشریف لانا، یہ آخری علامتوں میں سے ہیں، قیامت سے پہلے آخری بڑی نشانیاں اور بھی دوسری ہیں، ان نشانیوں میں سے یہ سب بڑی نشانیاں ہیں، قرآن کریم کی آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں فرماتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور دوسری نشانی جو میں نے آپ کے سامنے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بخاری شریف کی ایک روایت کے حوالے سے ذکر کی، اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کیف انتم؟“ تمہارا حال کیا ہوگا؟ ”اذا نزل ابن مریم فیکم“ (بخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم) جب کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان سے نیچے اتریں گے، ”وامامکم منکم“ اور اس وقت تمہارا امیر تمہیں میں سے یعنی امت محمدیہ میں سے ہوگا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روایت میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی بشارت ذکر فرمائی۔

حضرت عیسی علیہ السلام، امام مہدی رضی اللہ عنہ، یاجوج ماجوج، دجال یہ چار علامتیں ایک دوسرے کے ساتھ ترتیب سے ہونے والی ہیں اور امت اس میں شک نہ کرے، اسی لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روایات میں امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا، مجموعی

طور پر محدثین نے ان تمام صحیح روایات کو جمع کیا، تو ۷۵ کی تعداد جو مختلف طریقوں سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام اور تابعین نے سن کر ہم تک پہنچائیں، اسی طریقہ سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ پاک نے قرآن کریم میں ۵۰ آیات ذکر فرمائی، جس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، پیدائش سے پہلے کے احوال، پیدا ہونے کے وقت کے احوال اور آپ نے لوگوں کو جو دعوت دی، ان تمام چیزوں کو اللہ تعالی نے قرآن کریم کی پچاس آیتوں میں ذکر فرمایا اور یہ (۵۰) آیات اور (۱۲۷) احادیث جن کی روشنی میں سیدنا عیسی علیہ السلام کا آسمان سے نیچے اترنا، ان کے بال کی ہیئت، ان کا غسل کرنا، ان کے کپڑے پہننا اور اس کے بعد کیا کارنامہ انجام دیں گے، دنیا میں دوبارہ تشریف لا کر، یہ ساری چیزیں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں بھی ذکر فرمائیں، اسی طرح دجال اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کے سلسلے میں قرآن کریم کی آیات بھی موجود ہیں اور احادیثِ مبارکہ میں ان کا ذکر ہے، یہ دو شخصیت حضرت عیسیٰ اور حضرت امام مہدی ان دونوں کے متعلق بشارت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمائی تو ایسا ہوا کہ کچھ لوگ ایسے کھڑے ہوئے جنہوں نے کبھی اپنے مہدی ہونے کے دعوے کو سب کے سامنے مشہور کیا، کچھ لوگ ایسے ہوئے کہ جنہوں نے اپنے آپ کو عیسیٰ ابن مریم کا نام لے کر کہ ہم عیسیٰ بن مریم ہیں اس طرح لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔

بڑی عجیب بات ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شخصیتوں کے متعلق کتنی تفصیل احادیث میں ذکر فرمائی اور (۷۵) احادیث میں (۴۶) حدیث ایک عرب عالم نے پوری سند اور ریسرچ کر کے ذکر کیں، نیٹ پر یہ پورا رسالہ موجود ہے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئی روایات کی تخریج کر کے ذکر فرمائی اور اکثر علمائے کرام نے کئی روایتوں کو جمع کیا اور مجموعی طور پر (۷۵) سے قریب احادیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، اتنی بڑی تعداد میں امام مہدی کی پہچان کروائی اور عیسیٰ علیہ السلام کی پہچان کروائی، یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی تفصیل سے ان دونوں بزرگوں کے متعلق کیوں فرمایا؟

امام مہدی کا دعوی کرنے والے

دوستو اور بزرگو!

اتنا تفصیل سے فرمانے کے بعد بھی امت میں ایسے لوگ پیدا ہوئے، جنھوں نے ایسے لوگوں کو آگے کیا اور ان کو امام مہدی کے نام سے امت میں مشہور کیا، ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور کیا، اسی ہندوستان میں انگریزوں کے دور میں مرزا غلام احمد قادیانی نام کا ایک شخص تھا، اس نے پہلے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، پھر اس کے بعد امام مہدی کا دعوی کیا، پھر حضرت عیسی علیہ السلام کا دعویٰ کیا اور آگے بڑھ کر اپنے آپ کو سب نبیوں سے افضل قرار دیا، اتنی بکواس کی ہے، جس کو سن کر تعجب ہوتا ہے۔

خیر! یہ ایسے بے وقوف کا کلام ہے جس کا قرآن وحدیث سے کوئی واسطہ اور رابطہ نہیں ہے، لیکن ابھی گزشتہ چند سالوں سے، پندرہ سال سے ایک شخص در بھنگا، بہار کا رہنے والا، روزی-روزگار کی تلاش میں دہلی آیا اور دہلی آنے کے بعد اس نے بڑا فتنہ مچایا، جھوٹ، مکاری اور عیاری اس کی طبیعت میں تھی، اس نے آہستہ سے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، وہاں سے بھگا یا گیا، پھر اس کے بعد اورنگ آباد کے علاقے میں شہر سے تھوڑی دور ایک چھوٹا سا علاقہ ہے، وہاں آبادی انہوں نے بنائی، وہاں سے سورت میں اور احمد آباد میں آکر ان کے آدمی لوگوں کو یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لا چکے ہیں اور اس طرح سے اس کا عیسیٰ ہونا ثابت کرنے کے لئے غلط باتیں پھیلاتے ہیں۔

دوستو اور بزرگو! یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ کی تعلیم اور قرآن کریم کی آیت کے خلاف باتیں ہیں، اللہ پاک نے حضرت عیسی علیہ السلام کی اتنی نشانی ذکر فرمائی کہ اس میں ان نشانیوں کا پایا جانا کسی بھی شکل میں ممکن نہیں۔ یہی حال حضرت امام مہدی کا ہے، حضرت امام مہدی کے متعلق آپ نے فرمایا: ان کا نام محمد ہوگا، ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے، (ابو داود: اول

کتاب المهدی، رقم : ۴۲۸۲) بزرگوں نے کہا ہے: ان کی والدہ کا نام بھی آمنہ ہوگا، (عقائد اسلام للکاندھلوی:ص ر ۶۳) خیر یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو روایت میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "کیف انتم" تمہارا کیا حال ہوگا؟ "اذا نزل ابن مریم فیکم"۔ جب تمہارے درمیان عیسی بن مریم نازل ہوں گے، تمہارے امام تم میں سے یعنی امام مہدی ہوں گے، یہ علامتیں اور نشانیاں قرآن کریم اور احادیث میں ذکر کی، لیکن اس زمانہ میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے لئے ان دونوں بزرگوں میں سے ایک ہونے کا دعویٰ کیا، لیکن اکثر یہ دیکھا گیا کہ ایک شخص نے مدت تک امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور تھوڑی مدت کے بعد عیسیٰ بن مریم ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے اس قسم کے دعوی کرنے والوں سے، لیکن امت نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان روایتوں کی روشنی میں ایسے دعویداروں کو دیکھا کہ کسی بھی طریقے سے وہ ان پر فٹ نہیں ہوتی اور سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی یہ کہہ دے کہ میرا نام محمد ہے، میرے والد کا نام عبداللہ ہے اور میں مہدی ہوں، ایسا نہیں ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چہرے بتائے، ان کا مشن و مقصد کیا ہوگا؟ اس لئے آدمی کے سچے اور جھوٹے ہونے کی تلاش کو اور اس کی تحقیق کرنے کے لئے سب سے بڑا پیمانہ قرآن کریم اور احادیث ہیں، جن مقاصد کے لئے اللہ تعالی ان بزرگوں کو قیامت سے پہلے بھیجے گا، اب تک جن لوگوں نے دعویٰ کئے ان لوگوں نے ان مقاصد کو حل نہیں کیا، ظلم اور زیادتی امت میں عام ہو جائے گی، ایسے موقع پر اللہ تعالی امام مہدی کو بھیجے گا، ان سے پہلے مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا، ان کی لڑائی ہوگی اور وہ شہید ہوں گے، ان کی شہادت کے بعد امت پریشان ہوگی اور یہ پریشانی کی حالت میں لوگ مکہ مدینہ کی طرف رخ کریں گے، اس لئے احادیث میں فرمایا کہ دجال سے بھی یہ لوگ محفوظ رہیں گے اور اس قسم کے باطل فتنے سے محفوظ رہیں گے، مدینہ منورہ میں اور مکہ میں نیک اور صالح لوگوں کی جماعت امام مہدی کو تلاش کرے گی، یہ علامتیں حدیث میں ہیں، اس لئے وہ تلاش کرے گی، امام مہدی جو

مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور پھر اس کے بعد جب آپ کو پتہ چلے گا، رات کو سوئیں گے، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ سے روایت نقل فرمائی ہے: ان کو رات میں اللہ تعالی کی طرف سے یہ منصب اور عہدہ دیا جائے گا، صبح میں اٹھیں گے، تو ان کو اپنی طبیعت کے اندر کچھ عجیب وغریب چیزیں نظر آئے گی (البدایة والنهایة: ۱۹/ ۶۲، مسند احمد: رقم: ۶۴۵، ۲/۴۷) اور ادھر ان کو بھی پتہ چلے گا کہ مسلمانوں کا خلیفہ شہید ہو چکا ہے، اب کوئی نہیں۔

حدیث شریف میں امام مہدی کی علامتیں ذکر کی گئی ہیں، آپ یہ سوچیں گے کہ میرے اندر یہ علامتیں پائی جاتی ہے اس لئے لوگ مجھے امام بنائیں گے، اس لئے اس امامت سے بچنے کے لئے آپ مدینہ سے نکل جائیں گے اور مکہ مکرمہ تشریف لے آئیں گے، امام مہدی تو وہ ہوتا ہے، جو خود اپنے امام ہونے کا اعلان نہیں کرتا، اللہ تعالی کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات القاء کی جاتی ہے، لوگ ان کو تلاش کرنے نکلیں گے، عراق کے ابدال اور شام کے ابدال اور مکہ مدینہ کے نیک اور صالح لوگ ہوں گے، یہ بیت اللہ تعالیٰ کا طواف کر رہے ہوں گے، حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بیچ میں، تو لوگ ان کو پہچان لیں گے، لوگ ان کو پکڑ لیں گے اور کہیں گے: آپ ہی مہدی ہیں، آپ ہمارے خلیفہ بنیں، یہ انکار کریں گے اور سب لوگ علامتوں کے ساتھ کہیں گے کہ آپ ہی ہے۔ (ابو داود: اول کتاب المهدی: رقم: ۴۲۸۶)

امام مہدی کی نشانی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاکیزہ زبان مبارک سے ارشاد فرمائی، اس سے زیادہ سچی کسی کی بات نہیں، ایک مؤمن اور ایک مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہئے، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مہدی آئیں گے اور کس مقصد کے لیے آئیں گے؟ اس موقع پر امت کی رہنمائی اور اللہ پاک کی طرف سے سارے مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ بنائے جائیں گے اور اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ پہنچیں گے، مکہ مکرمہ سے جب مدینہ منورہ آئیں گے تو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر صلوۃ وسلام پڑھنے کے بعد آپ مدینہ سے روانہ ہوں گے، اس لئے کہ مسلمانوں کے یہی دو علاقے ہیں جن میں اسلامی

حکومت باقی رہے گی، باقی سارے علاقوں پر عیسائی اور یہودیوں کا قبضہ ہوگا۔

سفیانی جماعت سے جنگ

مسلمانوں میں بھی ایک جماعت ایسی ہوگی جو مسلمانوں سے ہی لڑنے کے لئے کھڑی ہوگی، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اس جماعت کا نام بھی بتلایا ہے، ''سفیانی''۔ ابوسفیان کے خاندان میں سے یہ شخص ہوگا، قبیلہ کلب کے لوگ اس کے ننہالی رشتے والے اس کے ساتھ ہوں گے، اس کو جب پتہ چلے گا کہ امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے تو وہ اپنا ایک لشکر شام کی طرف سے بھیجے گا مقابلے میں، ذوالحلیفہ کے قریب پہاڑ کے پاس جب یہ لشکر آئے گا، تو اللہ پاک کی طرف سے لشکر کے پہلے حصے کو زمین میں ڈھنسا دیا جائے گا، (ابو داود: اول کتاب المھدی: رقم: ۴۲۸۶، ۴۲۸۹) یہ مسلمان ہیں، لیکن مسلمان کے خلاف کھڑے ہونے والے ہوں گے، تو اللہ پاک کی طرف سے اس لشکر کو تباہ کر دیا جائے گا، اس میں اگر کچھ اچھے لوگ ہیں تو ان کو قیامت کے دن ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، لیکن اکثر ان میں وہ لوگ ہوں گے، جو ایمان برحق والوں کے خلاف لڑنے آئیں گے، اللہ پاک کی طرف سے کرامت کا ظہور ہوگا، اور امام مہدیؒ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تبارک وتعالی اس لشکر کے بڑے حصے کو دھنسا دے گا، اب جب سفیانی کو پتہ چلے گا تو وہ حضرت امام مہدی کے مقابلے کھڑا ہوگا، حضرت امام مہدی جہاد کریں گے اور اس کو قتل کر دیں گے اور اس کے بعد قسطنطنیہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہوگا، (استنبول) ترکی کا پہلے اس طرف کوچ کریں گے، پھر وہاں سے یورپ کے ملکوں کی طرف جائیں گے اور روم جائیں گے، وہاں سے واپس آ کر اس سارے علاقوں کو فتح کریں گے۔ (مسلم: کتاب الفتن، باب فی فتح قسطنطنیة)

امام مہدیؒ کا عمل

پھر بیچ میں پتہ چلے گا کہ دجال نکل چکا ہے، یہ شیطانی لوگوں کی طرف سے امام مہدی کو جھوٹی خبر دی جائے گی، امام مہدی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں سے نیک اور پرہیزگار بارہ آدمی کو

روانہ کریں گے کہ اس کی تحقیق کرے، روایتوں میں اور بھی کچھ تعداد ہے، کچھ روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کے نام، ان کے باپ دادا کا نام، ان کے گھوڑوں کا رنگ یہ ساری چیزیں میں جانتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے رسول نے یہ ساری نشانی اور علامات امت کو بتائی ہے، حضرت امام مہدی کا مقصد کیا ہوگا؟ امت پر جو خراب حالات ہوں گے، ان حالات کو ختم کریں گے اور پوری روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: دنیا ظلم سے بھری ہوئی ہوگی، امام مہدی وہ ہوتے ہیں جن کے آنے کے بعد دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے، انصاف قائم ہوتا ہے، برکتوں کا ظہور ہوتا ہے، (ابو داود: اول کتاب المهدی: رقم: ۴۲۸۵) جتنوں نے اب تک دعویٰ کئے ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ کوئی علامت پائی نہیں جاتی۔ یہ سب جھوٹے لوگ ہیں، ایک طرف تو امام مہدی کے متعلق یہ جاننا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ضرور تشریف لائیں گے، لیکن ہر آدمی دعوی کردے، یہ ہو نہیں سکتا، اس لئے جناب نبی اکرم ﷺ نے (۷۵) روایتوں میں تفصیل کے ساتھ مہدی کے بارے میں ذکر فرمایا۔

حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ

یہی حال سیدنا عیسی علیہ السلام کا ہے، حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ پاک نے آسمان میں اٹھا لیا: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (نساء:۱۵۷) بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (سورۃ النساء:۱۵۸) یہودیوں نے رومیوں کے ذریعے عیسی علیہ السلام کو شہید کرنے کی کوشش کی، اللہ پاک فرماتے ہیں: نہ یہ قتل کر سکے اور نہ یہ سولی پر چڑھا سکے، ساری ان کی آرزوئیں تھیں، لیکن اللہ فرماتے ہیں: بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ۔ اللہ پاک نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا، اب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی، اللہ تعالی خود ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، آیت کریمہ میں دو قراءت ہے، ”وانهٗ لَعِلْمٌ للسَّاعَةِ“ (زخرف:۶۱) بھی ہے اور ”وانهٗ

لَعَلَمٌ للساعة'' بھی ہے۔ ''**عَلَمٌ**'' کا معنی نشانی اور آیت کا معنیٰ بھی نشانی، حضرت عیسی علیہ السلام ،علم اور نشانی بنیں گے ، یہ تشریف لائیں گے اس وقت دجال کی خبر سن کر آپ اس کے مقابلے کے لئے جانا چاہیں گے اور ایسے موقع کے اوپر کچھ لوگ آگے ہوں گے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے روایت میں فرمادیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی مسجد کے مشرقی منارے سے تشریف لائیں گے اور فجر کی نماز کا وقت ہوگا اور جیسے ہی حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لائیں گے، امام مہدی رضی اللہ عنہ کہیں گے کہ آپ آگے بڑھو، حضرت عیسی علیہ السلام فرمائیں گے: اب نبی بن کر نہیں آیا ہوں، اس لئے میں امامت کراؤں تو امتی بن کر امامت ہوگی، اس لئے پہلے نماز تو تم کو ہی پڑھانی ہے، اس لئے امت محمدیہ کو امام مہدی اس وقت فجر کی نماز پڑھائیں گے (بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم، ابن ماجه: کتاب الفتن، باب فتنة الدجال)، اس کے بعد کی نماز حضرت عیسی علیہ السلام پڑھائیں گے، لیکن پہلے نماز میں مقتدی بن کر انہوں نے بتلادیا کہ میں مقتدی رہوں گا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی بن کر رہوں گا۔

یہ سارے واقعات احادیث مبارکہ میں موجود ہے، اور ان کے تشریف لانے کے مقاصد ہیں، اس مقصد کے ذریعے اللہ تبارک وتعالی آخری زمانے میں اس پوری روئے زمین کو اسلام سے بھر دیں گے، کوئی یہودی باقی نہیں رہے گا، درخت اور پتھر کی اوٹ میں کوئی گھسنا چاہے گا تو وہ نہیں جا سکتا، اور دجال خود حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھے گا، فجر کی نماز کے بعد دمشق کی مسجد کے باہر ہی دجالیوں کا لشکر آ گیا ہوگا، حضرت عیسی علیہ السلام پر جیسے ہی اس کی نظر پڑے گی، حدیث شریف میں ہے کہ وہ پگھل جائے گا، جیسے نمک پگھلتا ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالی کو اس کو حضرت عیسی علیہ السلام کے ذریعے قتل کروانا ہے، (مسلم: کتاب الفتن، باب فی فتح قسطنطنية) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ فورا پگھلتا، لیکن پتہ نہیں چلتا، اس لئے حضرت عیسی علیہ السلام اس کو دیکھیں گے، تو بھاگنے لگیں گے اور بھاگ کر

مقام لُدّ جہاں اسرائیل کا اڈہ ہے، وہاں ابھی بھی لکھا ہوا ہے باب لد، وہیں پر جا کر حضرت عیسی علیہ السلام اس کو نیزے سے قتل کریں گے۔ (ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب فتنۃ الدجال)

شکیل بن حنیف اور اس کے جھوٹے دعوے

اس لئے کوئی آ کر کہے کہ میں مہدی ہوں، میں عیسیٰ بن مریم ہوں، یہ ہو نہیں سکتا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں ہے، اس لئے حدیث شریف میں ''نزل'' فرمایا: یہ اوپر سے نیچے تشریف لائیں گے۔ اب ہمارے علاقے کے اندر گجرات میں بھی اور اطراف کے علاقے میں شکیل بن حنیف نام کے ایک شخص نے جو ابھی میں نے ذکر کیا، اس نے پہلے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اس کے بعد اس نے عیسیٰ بن مریم کا دعویٰ کیا، احمد آباد کے ایک صاحب اس کے چکر میں آ گئے، ان کا انٹرویو نیٹ پر بھی ہے، انہوں نے کہا کہ صرف مہدی کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اس نے کہا: عیسیٰ ابن مریم آ چکا ہے، تو حضرت عیسی علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے نہیں۔ نعوذ باللہ۔ قرآن کریم نے سب باتیں تفصیل سے بیان کردی ہے، حضرت مریم کے قصے کو سورہ مریم میں بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے، کیسے حضرت عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے؟ ان سے پہلے حضرت مریم کا کیا ہوا؟ پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے فرمایا: قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ (میں اللہ کا بندہ ہوں) میں خدا نہیں ہوں، یہ اعلان کر کے حضرت عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے، قرآن کریم نے ان سب کو ذکر کیا۔

دوستو اور بزرگو!

اس کے مقابلہ میں یہ شخص اپنے آپ کو عیسیٰ بن مریم ثابت کرنا چاہتا ہے، یہ ہندوستان کا ہے، دربھنگا کا ہے، اپنے آپ کو مہدی کہہ رہا ہے، سب سے پہلے اس نے امام مہدی کہا، امام مہدی تو سادات میں سے ہے اور یہ سادات میں سے نہیں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی کی جتنی علامات ذکر کی ہیں، ان میں سے کوئی علامت اس میں نہیں۔

یہودی پالیسی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے دین میں اندر ہی اندر اس طرح کی کچھ اسکیم داخل

کردو، جس سے مسلمان اپنی انرجی، پاور اور طاقت کو ختم کردے اور کوئی اچھے کام نہ کرسکیں، اس لئے تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد اس قسم کا کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے اور امت محمدیہ کو بے وقوف بنانے کے ڈھنڈھے کرتا ہے، جبکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام مہدی اور حضرت عیسی کے متعلق اتنی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہی حال دجال کا ہے، یہی حال یاجوج ماجوج کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں ان سب کو ذکر کیا، لیکن دجال کا دعوی کوئی کرے گا ہی نہیں، وہ آئے گا تب ہی ہوگا، اس کو باندھا ہوا ہے، حدیث شریف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفصیل سے روایت بیان کیا ہے۔ خیر! مجھے یہ بتلانا ہے کہ یہ علامات اللہ پاک نے ان لوگوں میں رکھی ہے۔

حضرت مولانا محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ گجرات کے بہت بڑے محدث ہیں، حدیث شریف کی کتاب ۸ جلدوں میں آپ نے لکھی، "**مجمع بحار الانوار**"، عالم اسلام میں محدثین کے نزدیک حدیث شریف کی سب سے بڑی لغت اور تشریح والی کتاب سمجھی جاتی ہے، ان کے زمانے میں گجرات میں ایک صاحب آئے، انہوں نے مہدی ہونے کا دعوی کیا، جون پور کے تھے اور پھر اس کے بعد حرم شریف میں جاکر بھی اس کا دعوی کیا، اس موقع پر گجرات میں خود مختار سلطنت تھی، جو محمد بن تغلق کے بعد سے لیکر اکبر کے زمانے تک ۱۸۳ سال یہ گجرات کی خود مختار ریاست رہی ہے، یہاں کے بادشاہ احمد شاہ، محمود بیگڑا، مظفر شاہ، بہادر شاہ یہ سارے جو آئے ان کے زمانے کے بعد اکبر کا زمانہ آیا، اکبر نے گجرات پر قبضہ کرلیا تو گجرات خود مختار سلطنت نہیں رہی، دہلی کی مغل سلطنت کے تابع ہوگئی، اس موقع پر اکبر کو پتہ چلا کہ گجرات میں پٹن میں اتنے بڑے محدث ہے! تو اس نے خود عمامہ لیا اور خود عمامہ حضرت کے سر پر باندھا تھا اور آپ کو ہندوستان کا بڑا محدث قرار دیا، اکبر چلے گئے، تھوڑی مدت کے بعد گجرات میں ان لوگوں نے سر اٹھایا، حضرت مولانا محمد پٹنی رحمہ اللہ تعالی جارہے تھے، تو اجّین کے قریب آپ کو شہید کردیا گیا۔

گجرات میں سب سے پہلے یہ فتنہ آچکا ہے آج سے پانچ سو چھ سو سال پہلے اور اب پھر مہدی اور عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کرکے لوگ آتے ہیں، امت کو بے وقوف بنانے آتے ہیں، لیکن جناب نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمادیا ہے، کسی چیز کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، چودہ سوسال پہلے حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین چاروں ائمہ نیز ہر مسلک کے لوگ اس میں سارے لوگوں کا اتفاق ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام قیامت سے پہلے آئیں گے، یہاں تک کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور خلافت تھا، بڑے نیک اور عادل بادشاہ تھے، اس وقت لوگوں کو شک ہوا کہ شاید یہی امام مہدی ہے، اس وقت اکابر تابعین سے پوچھا گیا، انہوں نے کہا: نہیں، حدیث شریف میں قیامت سے پہلے مہدی کے آنے کی بات ہے اور یہ ابھی ہے اس لئے یہ مراد نہیں۔ اس طریقے سے چودہ سوسال سے امت نے اس کو سمجھا ہے اور یہ شکیل غلط قسم کی بکواس اور جھوٹے دعویٰ کرتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حدیث شریف کے متعلق یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ روایت نہیں ہے۔ عربی زبان تو کیا؟ اس کو انگریزی گرامر بھی نہیں آتی اور یہ دعویٰ کرے کہ نعوذ باللہ فلانی حدیث صحیح، فلانی حدیث غلط ہے، تو امت کو اس کی ضرورت نہیں، چودہ سوسال سے صحابہ کرام، تابعین اور محدثین حضرات نے یہ ساری محنت کی ہے، کوئی کسر باقی نہیں رکھی، صحیح حدیث اور ضعیف حدیث کون سی ہے؟ یہ پورا مستقل مسلمانوں کا ایک فن ہے جو دنیا میں کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔

دوستو بزرگو! ہم جو حدیث سناتے ہیں مجھ سے لے کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کی پوری سند موجود ہے، ہم سے لے کر شاہ ولی اللہ تک سند، شاہ ولی اللہ سے امام بخاری اور حدیث کے مرتبین تک، امام بخاری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری سند امت کے پاس صحیح طریقہ سے موجود ہے، اس امت کو کسی کے پاس مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ پاک نے اس امت کو سرسبز وشاداب بنایا، اس لئے یہ سب دعوے جھوٹے ہیں۔

لفظ کافر کی تاویل شکیل بن حنیف کی زبانی

حدیث شریف میں ہے دجال کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا ک ف ر۔ (مسلم: کتاب الفتن، باب ذکر الدجال و صفته و مامعه) یہ کہہ رہا ہے کہ دجال سے مراد کوئی شخص نہیں ہے، دجال سے مراد امریکہ اور فرانس ہے، تو اگر مہدی ہی ہے تو دجال سے لڑنے جا، جہاں بھی ہو، وہ چاہے امریکہ

میں ہو، چاہے فرانس میں ہو، تو وہاں لڑنے جا، یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ مہدی آئیں گے وہ تو مقابلہ کریں گے، وہ تو مجاہد ہوں گے، وہ تمہاری طرح غار میں بیٹھ کر دعویٰ نہیں کریں گے، امریکا اور فرانس دو لفظ ساتھ میں ملا ہوا ہو تو امریکہ کا ''ک'' اور فرانس کا ''ف اور ر''، دونوں کو ملا کر یہ کہہ رہا ہے کافر۔ وہاں تو پیشانی پر لکھا ہوا ہے اور یہاں دو ملکوں کے ناموں کو ملا کر کہہ رہا ہے، اتنا تو بے وقوف ہے، قرآن وحدیث کی کوئی مہارت نہیں۔

یہ فائٹر پلین یعنی ہوائی جہاز اس سے دجال مراد لے رہا ہے، اس طرح کی جھوٹی بکواس جو ذہن میں آرہی ہے، کہہ رہا ہے، جو حدیث اس کے مطابق فٹ ہوگئی ہو اس کو مانے گا اور جو حدیث اس کے مخالف ہوگئی اس کو نہیں مانے گا، حدیث شریف میں کچھ کچھ علامتیں بتلائی ہے، نام محمد تو اس نے کہا کہ میرا نام بھی محمد شکیل ہے، جبکہ یوپی اور بہار میں لوگ نام کے آگے محمد لگاتے ہیں، بہت سے ناموں کے پیچھے، یہ گجرات میں رواج نہیں ہے، اس لئے اس قسم کی باتوں کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

فتنوں کے زمانہ میں اپنے ایمان کی حفاظت ضروری ہے

یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ساتھ بغاوت ہے، اس لئے مسلمانوں کو اپنے ایمان اور اپنے عقیدہ کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے، اس قسم کی کوئی بھی بات ہو اور اس طرح کا کوئی دعویٰ کرے تو ہم حضرات علماء کرام سے پوچھیں کہ یہ اس طرح کی بات کر رہا ہے، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں اتوار کے دن دار العلوم کنتھاریہ میں عوام کو بلایا گیا ہے رات کو عشاء کے بعد اور اسی مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے دیوبند سے مولانا تشریف لائیں گے، آپ سب حضرات سے گذارش ہے، خود بھی پہنچیں اور دوسروں کو بھی اس مجلس میں لے کر حاضر رہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کے عقیدے کو محفوظ فرمائے اور صراط مستقیم پر موت تک باقی رکھے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(۴) استقامتِ دین حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں

(بمقام ولن جمعہ مسجد)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

إِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِکَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِی کُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ○ (سورۃ فصلت: ۳۰)

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ○ الَّذِیْ أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ○

(سورۃ قریش: ۳-۴)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور دینی بھائیو!

استقامت کا معنی

آپ حضرات کے سامنے جو آیت میں نے تلاوت کی، اس میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ پاک کو اپنا رب مان لیا، إِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ------الخ ہمارا پالن ہار اور ہمارا پروردگار، ہماری پرورش وتربیت کرنے والا ایک اللہ ہے، جن لوگوں نے

اس طریقے سے اقرار کرلیا، ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا اور پھر اس کے اوپر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ایمان اور اعمال صالحہ کے اوپر جنہوں نے اپنے آپ کو جمائے رکھا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دین کے اوپر جمے رہے اور حالات آنے پر لومڑی کی طرح ادھر ادھر دین کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی تلاش میں نہیں لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استقامت کی تعریف فرمائی کہ ایمان اور اعمال صالحہ پر جمے رہے اور جب حالات آئے تو انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لئے ان حالات کو برداشت کرنے کے لئے تیار رکھا۔ ایسا نہیں ہوا کہ جیسے اللہ پاک نے خود قرآن پاک میں فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ۔ (سورۃ الحج:۱۱) اللہ پاک فرماتے ہیں: لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ ۔ جو اللہ پاک کی عبادت کرتے ہیں، لیکن ایک کنارے پر کھڑے ہیں، ایمان اور کفر کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں، سرحد پر کھڑے ہیں، فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ ۨاطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ ۨانۡقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تب تو اطمینان سے رہتے ہیں اور اگر کوئی مصیبت اور تکلیف آ گئی، انۡقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ اپنے چہرے کے بل دین سے پھر جاتے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا کہ ایسے لوگوں نے دنیا میں بھی خسارہ اٹھایا اور آخرت کے اعتبار سے بھی خسارے میں ہے، نقصان میں ہے، ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ۔ یہی سب سے بڑی ناکامی ہے۔

استقامت کس کو کہتے ہیں؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کے کچھ بالوں میں سفیدی آ گئی، صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے بال مبارک میں کچھ سفیدی نظر آئی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: شيبتنى الهود وأخواتها . (كنز العمال: ۱/۵۷۳، رقم: ۲۵۸۶) سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے میرے بال سفید کر دیئے، اس جواب میں اشارہ تھا۔ حضرات مفسرین فرماتے ہیں: چونکہ اللہ تعالی نے سورہ ہود میں یہ فرمایا تھا کہ فَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ (ھود:۱۱۲)

آپ اس دین کے اوپر استقامت کے ساتھ رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ جس کی آپ لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں آپ اس کے اوپر خود مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں، اور استقامت کیا ہے؟ حالات کتنے ہی ناخوشگوار آئے، لیکن اس کے باوجود آدمی اپنے ایمان کا سودا نہ کرے، آدمی کو اپنے ایمان پر افسوس نہ ہو کہ اپنے دین اور اپنی شریعت پر کوئی اشکال اور اعتراض نہ ہو، اللہ پاک کی طرف سے اس کے بعد بشارتیں سنائی گئیں، تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلَائِكَةُ (فصلت:۳۰) جب اس طریقے سے اپنے لئے دین کا انتخاب اور دین کو پسند کرلیا اور دین اسلام پر اپنے آپ کو راضی رکھا۔

اسی لئے حدیث شریف میں دعا بتلائی گئی ہے: **رَضِينا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالۡإِسۡلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيّاً**۔ (مسلم شریف: کتاب الصیام، باب استحباب ثلاثة أيام من كل شهر) اللہ پر بطور رب ہونے کے راضی ہوگیا، وہ میرے حق میں جو فیصلہ کرے گا، میری تربیت کے لئے میرے اوپر جس قسم کے حالات آئیں گے، میں نے جب اس کو "**احکم الحاکمین**" مان لیا، سارے فیصلے کرنے والے، حکم دینے والوں میں سب سے بہترین حکم دینے والا اور **ارحم الراحمین** یعنی رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا۔ جب اللہ کو بہترین فیصلے کرنے والا مان لیا کہ **نعوذ باللہ** اللہ کو اپنے فیصلے پر دوبارہ نظر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ پہلے سے کامل اور مکمل ہے، وہ عظیم بھی ہے، وہ حکیم بھی ہے، اس کی طاقت اور قدرت بھی ہے، لیکن محض طاقت اور قدرت ہو اور حکمت نہ ہو تو دنیا میں آپ نے دیکھا ہے بہت سارے طاقتوں اور قوتوں والوں نے ایسے بے وقوفی اور نادانی کے کام کئے ہیں جن کے لئے ان کو بعد میں افسوس کرنا پڑا، ان کو نقصان اور خسارہ اٹھانا پڑا، اللہ پاک نے اپنے لئے فرمایا: ایک طرف وہ عزیز ہے، کائنات کا سارا غلبہ اور ساری قوت اور طاقت اسی کے قبضے میں ہے، وَالۡأَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ۔۔۔الخ (سورۃ الزمر:۶۷) اس نے صاف فرمادیا کہ زمین اس کے قبضے میں ہے، اس کی مٹھی میں ہے اور آسمان بھی اس نے لپیٹ دیا اور آسمان اور زمین کی اتنی بڑی

طاقت اور قوت کے متعلق جب اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں، یہ سب ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے، زمین اور آسمان کہ جب اللہ پاک نے فرمایا: طوعاً و کرھاً کہ تم ہماری بات مان لو خوشگواری کے ساتھ، رضامندی کے ساتھ یا مجبوری اور پریشانی کے ساتھ۔ قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ. (فصلت:۱۱) آسمان اور زمین نے کہا کہ ہم آپ کے فرماں بردار بن کر آئے، یہ طاقت والا، قوت والا اور عزیز بھی ہے، اس کی طاقت کے اوپر کسی کا کوئی غلبہ اور کوئی روک نہیں ہے اور ساتھ میں حکیم ہے، اس کی حکمت میں پوری کائنات کے نظام کو عدل سے قائم رکھنا ہے، اس خداوند قدوس کے ہم ماننے والے ہیں اور جب ہم نے یہ کہہ دیا: رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَباً۔ ہم اللہ پر رب ہونے کے اعتبار سے راضی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ پاک میرے ساتھ انفرادی طور پر جو معاملہ کرے اور اجتماعی طور پر پوری امت مسلمہ کے ساتھ اللہ پاک کے جو فیصلے ہیں، بلکہ پوری انسانیت اور کائنات کے ساتھ جو فیصلے ہوں گے، میں اللہ کے ان تمام فیصلوں پر راضی ہوں، یہ اللہ کو رب ماننا ہے اور جس کو رب ماننا ہے اس کی صفات ربوبیت والی ہے، کائنات میں اس سے بڑھ کر کوئی طاقت والا نہیں ہے، اس سے بڑھ کر کوئی حکمت والا نہیں، جب اس کی طاقت اور حکمت کا یہ حال ہے تو اس نے ایک دین اور شریعت کے ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا اور سب سے اخیر میں نمونہ اور آئیڈیل کے طور پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا ''وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيّاً وَرَسُولاً'' میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول مان لیا۔

حالات تو آتے ہی رہیں گے

دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم کی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جب اللہ کو رب مان لیا جاتا ہے تو اللہ تعالی نے اس دنیا کے نظام کو امتحان والا بنایا۔ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ۔ الخ (سورۃ آل عمران:۱۸۶) اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ ہمارا نظام؛ کس کو کہا جارہا ہے؟ سب سے پہلے یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی اور حضرات صحابہ کرام کی جماعت کو خطاب ہو رہا ہے، کہ اے صحابہ کی جماعت! ہم ضرور بالضرور تم کو

آزمائیں گے، تمہارے مالوں کے اعتبار سے، تمہاری جانوں کے اعتبار سے۔ **وَلَتَسۡمَعُنَّ** الخ تم سے پہلے جن کو آسمانی کتابیں دی گئیں ان کی طرف سے تم سنو گے۔ **وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ أُوۡتُوۡا الۡكِتَابَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ أَشۡرَكُوۡا أَذًى كَثِيۡرًا** (آل عمران:۱۸۶)

دوستو اور بزرگو! یہ عجیب جملہ ہے، **وَلَتَسۡمَعُنَّ** ۔ پہلے تو لکھا جاتا تھا، اب تو واٹس اپ کا زمانہ آگیا ہے، مسلمانوں کے خلاف روزانہ **وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ أُوۡتُوۡا الۡكِتَابَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ** ۔الخ کہیں یورپ اور امریکہ سے آواز آرہی ہے **وَمِنَ الَّذِيۡنَ أَشۡرَكُوۡا**۔تو کہیں اللہ کے مشرک اور نافرمان بندوں کی طرف سے، ہندوستان کو ہم سن رہے ہیں، **أَذًى كَثِيۡرًا**۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: بہت بڑی تکلیف تمہیں پہنچے گی۔

دوسری آیت میں بھی اللہ پاک نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جمعہ کا دن ہے، بہت سارے حضرات نے سورہ کہف پڑھی ہوگی یا جمعہ کے بعد پڑھنے والے ہیں، اس سورت میں اللہ پاک نے چار واقعات ذکر فرمائے، لیکن جو سب سے بڑا واقعہ ہے جس کے اوپر پوری سورت کا نام سورہ کہف رکھا گیا، یہ چند نوجوانوں کو اور جنہوں نے انهم فتية آمنوا ۔ اللہ پاک ہر جگہ پر لفظ ربوبیت کو ذکر فرماتے ہیں، اور کوئی لفظ ذکر نہیں فرمایا۔ اللہ کو رب مان لیا کہ میری پرورش کرنے والا، میرے ہر مسئلے کو حل کرنے والا، میری تربیت کرنے والا ہے، صفت علویت کے بجائے اللہ پاک کی صفت ربوبیت کو ذکر فرمایا، قرآن نے بھی فرمایا: **إِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ** ۔ہمارا رب ایک اللہ ہے، یہاں پر اصحاب کہف چند نوجوان ایمان لاتے ہیں، وہ بھی اس موقع پر یہی جملہ کہتے ہیں، **اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ آمَنُوۡا** (کہف:۱۳) ہم اپنے اللہ پر ایمان لائے، **وَزِدۡنَاهُمۡ هُدًى**۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: جب یہ ایمان لائے اور ایمان کے تقاضوں پر بندہ عمل کرتا ہے تو اللہ پاک اندر سے باطنی قوت عطا فرماتے ہیں، اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور ایسا مضبوط ہوتا ہے کہ اصحاب کہف نے ہمیں عملی اور پریکٹیکلی طور پر بتا دیا کہ یہ چند نوجوان ہے، لیکن جب اللہ پر ایمان لے آئے، ان کے اوپر حالات آئے، بادشاہ وقت اور وہ بھی وقت کا بڑا ظالم

بادشاہ دقیانوس، ان کی طرف سے ان پر ظلم وزیادتی ہورہی ہے، ان کو لالچیں دی گئیں، لالچوں پر نہیں آئے، دھمکیاں دی گئیں اور دھمکیاں برداشت کیں۔

دوستو اور بزرگو! اس وقت بھی یہی حال ہے۔ امت مسلمہ کو لالچ بھی دی جارہی ہے اور دھمکیاں بھی دی جارہی ہیں، بلکہ صرف مسلمان کو ہی نہیں بلکہ اپوزیشن کی جو پارٹیاں ہیں، ان کے جو بڑے بڑے لیڈر ہیں، ان کو بھی اپنی طرف کھینچا جارہا ہے، اس میں یہی دھمکیاں کام کررہی ہے یا لالچیں کام کررہی ہے، یہ باطل کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے۔ فرعون نے بھی دونوں قسم کے طریقے اپنائے، دقیانوس نے بھی یہ دونوں طریقے اپنائے، اور وقت کی ہر ظالم قوتیں اس طریقے سے دونوں حربے استعمال کررہے ہیں، اگر لالچ سے آگئے تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کو دھمکیاں دے کر ستایا گیا۔ اصحاب کہف میں ان دونوں کا انکار ہے، دھمکیوں پر بھی نہیں آئے اور لالچ پر بھی نہیں آئے۔ اب کیا راستہ ہے؟ دھمکیوں کی بنیاد پر ان کو ستایا گیا، ایک غار میں انہوں نے پناہ لی، انہوں نے کیا کہا؟ یہ ہماری قوم ایک اللہ کے علاوہ غیر کی عبادت کرتی ہیں۔ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوبِهِمْ (کہف: ۱۴) ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کردیا، کب کیا؟ جبکہ عملی اور پریکٹیکلی طور پر اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کررہے ہیں اور زبانی طور پر بھی کہہ رہے ہیں: قَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ ہمارا رب صرف ہمارا نہیں ہے، اس پورے آسمانوں کا نظام اور زمین کا نظام سنبھالنے والا وہ ہے، لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلٰهًا (کہف: ۱۴) ہم اس کے علاوہ کسی کو معبود نہیں مانتے۔

سورۂ بروج میں موجود واقعہ

دوستو اور بزرگو!

ہر زمانے میں باطل طاقتوں نے غیروں کی عبادت کے لئے اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو مجبور کرنا چاہا، ایک اللہ کے علاوہ غیروں کی عبادت کی طرف متوجہ کیا، دھمکیاں دیں کہ اگر ایک اللہ کے علاوہ غیر کو نہیں مانو گے تو ہم تمہارے ساتھ یہ کریں گے، اس وقت اس ملک میں ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں، یہ آیت کہہ رہی ہے: وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ

(سورۃ البروج: ۸) اللہ پاک نے سورۃ تکویر میں خندق والوں کا ذکر فرمایا، ان کو یہ کہا گیا کہ اس بادشاہ کو سجدہ نہیں کرو گے، اس کو نہیں مانو گے تو ہم تم سب کو آگ میں جلا دیں گے، ہم تم سب کے لیے خندق کھودیں گے اور اس کو خوب بھر کائیں گے، الْأُخْدُودِ۔ اللہ پاک نے صاف قرآن کریم کی اس آیت کو ذکر فرمایا، ان کا قصور کیا تھا؟ ایک اللہ پر جو الْعَزِيْزِ اور الْحَمِيْدِ ہے اور ساری تعریفیں اسی کے لئے ہے، دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا طاقت ور ہو، وہ حمید نہیں بن سکتا، حکیم نہیں بن سکتا۔ جو غالب اور ساری قوتوں پر قدرت رکھنے والا، اللہ پاک نے اس سورت میں وہی فرمایا جو اصحاب کہف کے لئے فرمایا۔

دوستو اور بزرگو!

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور ان کے ماننے والوں کو ہر زمانے میں یہ کہا گیا اور دھمکیاں دی گئیں، حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا گیا: اگر تم ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور ہمارے دین پر نہیں آؤ گے ۔ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔ (سورۃ الابراہیم: ۱۳) اور واپسی کا جو جملہ بولا جاتا ہے، حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کو اس سے پہلے آج سے تین ہزار یا چار ہزار برس پہلے یہ دھمکی دی جاتی تھی۔ قرآن کریم اللہ پاک کی طرف سے ہمارے لئے وہ آخری کتاب ہے، جو ہماری ہدایت کے لئے نازل کی گئی، عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ کوئی پتّا درخت سے گرتا نہیں، مگر اللہ پاک اس کو جانتے ہیں۔ وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ (انعام: ۵۹) کوئی دانہ زمین کے اندر گرتا نہیں، زمین کی گہرائی میں ہمارے کاشتکار حضرات جانتے ہیں۔ اور آپ نے بیج کو زمین کے اندر ڈالا، آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ اللہ تعالی اس کو کس طریقے سے سرسبز و شاداب درختوں کی شکل میں ظاہر کرے گا، اس کی کونپلیں نکلتی ہیں، پودوں کو زمین کے اندر سے اتنا باریک اور لطیف ،لیکن اتنی بڑی مٹی کو پھاڑ کر وہ اندر سے نکلتا ہے، یہ اللہ تعالی کی طاقت ہے، اس کی قدرت ہے، ''فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى'' (انعام: ۹۵) جو گٹھلی کو زمین کے اندر اور دانہ کو زمین کے اندر سے پھاڑتا ہے، یہ کون ہے؟

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (انعام:۱۰۱) وہی ذات ہے جو آسمان اور زمین کو بے نمونہ پیدا کرتا ہے، ایسی ذات پر جب ہم ایمان لاتے ہیں، تو وہ چاہے تو خود امتحان لیں، اللہ پاک نے خود قرآن کریم میں فرمایا : اگر ہم چاہتے تو ساری دنیا کے انسان ایمان والے ہوتے، وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا (بقرہ: ۲۵۳) لیکن اللہ تعالی نے کسی کو ایمان والا بنایا، کسی کو کفر والا بنایا، یہ اللہ تعالی کی طرف سے اس دنیا میں ایک امتحان ہے، اس لئے وہ اپنے نیک اور ظالم بندوں کو آزماتا ہے اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ اصحاب کہف جب یہ دیکھ چکے کہ اللہ پاک کی طرف سے یہ امتحان ہے، لیکن امتحان کے بعد ان کو کامیابی عطا فرمائی۔

قوم عاد اور قوم ثمود کا واقعہ

قوم عاد بڑی مضبوط قوم تھی اور قوم ثمود بھی بڑی مضبوط قوم تھی، اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا: اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾ (فجر) ایسی مضبوط قومیں تھیں کہ اللہ پاک خود خالق و مالک فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی مضبوط قوم پہلے پیدا نہیں فرمائی، لیکن کیا ہوا؟ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا۔ لیکن جب اللہ پاک کا عذاب آیا تو ایسی مضبوط اور تناور قومیں کھجور کے درخت کے تنے کی طرح گر گئی ہے، اللہ پاک نے سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ (حاقہ:۷) آٹھ دن اور سات راتیں جو اللہ پاک کی طرف سے عذاب آیا، اس کو تہس نہس کر دیا، اللہ پاک فرماتے ہیں: من باقیہ؟ ہے کوئی بولنے والا؟ ہے کوئی وہاں سننے والا؟ کوئی نہیں، بالکل خاموش۔ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (حاقہ:۸) کیا کوئی آواز سن رہے ہیں؟ ان قوموں کی کوئی آواز نہیں، سارے خاموش بوجھے ہوئے، هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ (مریم) یہ دنیا میں اللہ پاک نے فرمایا، آخرت میں بھی جب سب کو موت دے دی جائے گی اور کوئی زندہ نہیں ہوگا، اللہ پاک خود ہی فرمائیں گے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ (غافر:۱۶) وہ صرف اللہ کے لئے حکومت ہے جو تن تنہا ہے، جس کا برابر کوئی نہیں اور ''القہار'' جس کا غلبہ اور جس کی قوت اور جس کی قدرت کے آگے کائنات کی کوئی مخلوق

کام نہیں کرسکتی، وہ خداوند قدوس جب ہم اس پر ایمان لائے۔

دوستو اور بزرگو!

دنیا کی مخلوق اس کے سامنے کیا ہے؟ فرعون کیا ہے؟ نمرود کیا ہے؟ اور اس وقت کی جو طاقتیں تھیں وہ کیا ہے؟ اللہ پاک نے بدر کے میدان میں عجیب وغریب معاملہ فرمایا، مسلمان یہ سمجھ گئے تھے کہ چھوٹا سا تجارتی قافلہ ہے اور اس کا مقابلہ آسان ہے، لیکن اللہ پاک کا نظام دوسرا تھا، اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ۔الخ (سورۃ الانفال: ۴۲) یہ قافلہ تو صحیح سلامت سمندر کے کنارے کے پیچھے کے راستے سے نکل گیا، ابوجہل کو مکہ میں جب پتہ چلا کہ ہمارے تجارتی قافلے کو روکا گیا ہے، اس نے لوگوں کو تیار کیا۔ یہ لشکر جرّار آرہا ہے، وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا ۔(سورہ الانفال:۴۷) تکبر کے ساتھ اتراہٹ کے ساتھ اور بڑے گھمنڈ کے ساتھ اپنے پورے لشکر کو لے کر آیا، یہاں (۳۱۳) اور وہاں ایک ہزار (۱۰۰۰) کا لشکر ہے، ہتھیار سے لیس ہے، یہاں پر کھانے کا ٹھکانہ نہیں اور وہ بھی ایک قافلے کو روکنے کے لئے گئے تھے اور سامنے بڑا لشکر آرہا ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم میں بڑے عجیب وغریب انداز میں فرمایا: وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ (انفال: ۴۴) اللہ پاک نے اس کا عجیب وغریب منظر کھینچا ہے۔ اس طریقہ سے وہاں ابوجہل کو چین نہیں آیا، ابوسفیان نے کہلوا دیا کہ ہمارا قافلہ مسلمانوں کی پکڑ سے صحیح سالم نکل چکا ہے اور اب جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن اللہ پاک نے اس دن کو ''یوم الفرقان'' فرمایا، مکہ کے بڑے بڑے ۷۰ سرداروں کو اللہ تعالیٰ نے وہ چاہے نہ چاہے جمع کردیا۔

یہ مجھے بتانا ہے، اس کی قوت اور طاقت جب ہوتی ہے وہ گھر سے نکلنا نہیں چاہ رہے ہیں، لیکن بھیجا جارہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دھمکی دی کہ میں تجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا، امیہ کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں طواف کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ کے رسول تمہیں قتل کرنے والے ہیں، اس نے پوچھا: کہاں؟ جواب دیا کہ کچھ معلوم

نہیں ہے، صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ تمہیں قتل کرنے والے ہیں اور اللہ پاک نے اس کو میدان میں بھیجا، بتلانا یہ ہے کہ جب اللہ پاک کی طاقت کارفرما ہوتی ہے تو اس وقت انسانی تدابیر کچھ نہیں کرسکتی، آپ نے ہدہد پرندے کا نام سنا ہے جو لکڑیاں کاٹتا ہے، ہمارے یہاں گجراتی میں اس کو લક્કડખોદ کہتے ہیں، یہ پرندہ اوپر سے زمین کے اندر کے پانی کو دیکھ لیتا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے ساتھ رکھا تھا، اس کی وجہ یہی تھی کہ جہاں جہاں پانی کی ضرورت ہوتی تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو کہتے تھے اور وہ بتلا دیتا تھا کہ فلاں جگہ زمین کے اندر پانی ہے، یہ پرندہ زمین کی گہرائی کا پانی تو جان لیتا ہے، لیکن عربی کا ایک شاعر کہتا ہے: زمین کے اوپر شکاری کی بچھائی ہوئی جال کو نہیں جانتا ہے، یہ پکڑ میں آجاتا ہے، نیچے کا جانتا ہے، اوپر کا دکھائی نہیں دیتا ہے۔

اس کائنات میں اللہ پاک نے اپنا ایک نظام رکھا ہے، عزت اور ذلت، حکومتیں اور طاقتیں اور دنیاوی اعتبار سے یہ چیزیں اللہ پاک کے یہاں اصل نہیں ہے، اصل تعلق مع اللہ ہے، ہم میں سے ہر ایک کو اپنی قبر میں جانا ہے، ہر ایک سے حساب اپنے اعتبار سے ہوگا، اس کا اور اپنے خدا کا جو تعلق ہے اس تعلق کی بنیاد پر ہی انسان کے لئے خیر اور شر کے فیصلے ہوتے ہیں، اس لئے مسلمان کسی سیاسی نظریہ سے ڈر جائیں، تو یہاں سیاست کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں، سیاسی نظام کے بارے میں اللہ پاک نے صاف ارشاد فرما دیا: قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ۔ (سورۃ آل عمران: ۲۶) جب وہ چاہے، جس کو چاہے، حکومت دے، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون جیسے ظالم وسرکش کے گھر میں پرورش پا رہے ہیں، قرآن نے فرعون کے بارے میں فرمایا: وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ (فجر: ۱۰) بڑی میخوں والا کیلوں والا تھا، انسان کو وہ دیوار کے ساتھ چپکا دیتا تھا اور پھر موت دیتا تھا، ایسا ظالم تھا کہ اپنی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو یہی سزا دی، قرآن کریم اس ظالم کا حال بیان فرماتا ہے، لیکن جس وقت اللہ تعالی کی طرف سے پکڑ آئی اور پانی میں ڈوب رہا ہے، الآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ (یونس: ۹۱)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام ڈر رہے ہیں اور بنی اسرائیل ڈر رہے ہیں کہ ہم نے دریا میں پانی میں راستہ بنالیا، ہم کنارے پہنچ گئے، موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ کنارے پر پہنچ کر پھر عصا مارے اور یہ پانی واپس آجائے، تاکہ فرعون اس کنارے پر نہ پہنچ سکے، اللہ کا حکم آتا ہے کہ اے موسیٰ! سمندر کو آپ اس کے حال پر رہنے دو، جو بیچ میں سے راستہ ہوا ہے اس کو رہنے دو، فرعون آیا اور بیچ دریا میں اللہ پاک نے پانی کو ملا دیا اور اس کو غرق کر دیا، اس لئے طاقت اور قدرت میں جس کو ہم مان رہے ہیں اس کی طاقت کا استحضار کیا جائے، مخلوق سے نہ ڈرا جائے، اس لئے کہ ہم اپنے لئے ایمان نہیں لائے ہیں، اس خداوند قدوس کو اپنا رب مانا ہے، جس طرح رات کی تنہائی میں حضرت لوط علیہ السلام کو بچایا، حضرت نوح علیہ السلام کو بچایا ہے، جس نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بچایا، اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق فرمایا، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: فَكَيْفَ آسٰى عَلٰى قَوْمٍ كَافِرِيْنَ (اعراف: ۹۳) میں کیسے اللہ کے نافرمانوں پر غم کروں! اور اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا اور نیک بندوں کا ہر زمانہ میں امتحان لیا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جن کو سب سے پہلے یہ مسئلہ پیش آیا، اور آج مسلمانوں کو پکڑ کر مارا جا رہا ہے، یہ پہلا واقعہ نہیں ہے۔

آپ کے سامنے میں نے جو آیت پڑھی، مفسرین فرماتے ہیں کہ حبشہ کا واقعہ کہیں یا جہاں کہیں کا بھی ہو، سورۂ بروج میں اللہ پاک نے فرمایا کہ ایمان والوں کو پکڑا گیا اور مارا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور بنی اسرائیل پر فرعون کی طرف سے برسہابرس ظلم و زیادتی ہوتی رہی، اس طرح کا معاملہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مدینہ منورہ سے دس صحابہ کی ایک جماعت کو دعوت کے لئے بھیجا، اور دوسری جماعت کو بیر معونہ ستر قراء حضرات کی ایک جماعت بھیجی، ان دونوں جماعتوں کو دھوکہ دے کر پکڑ لیا اور ان کو کفر پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی کے پھندے پر چڑھایا جا رہا ہے، ان کو اس وقت پوچھا گیا کہ تمہاری جگہ پر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رکھا جائے تم کیا تو اس کو

پسند کرتے ہو؟ اور بھی دوسرے صحابی ہیں، ان کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا، ان کو پوچھا گیا، انہوں نے کہا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کانٹا بھی چبھے، یہ بھی مجھے پسند نہیں، ایسی دس جانیں میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قربان کرنے کے لیے تیار ہوں، پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جو اشعار پڑھے ہیں؛

لستُ ابالی حین اقتل مسلما　　　علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

ترجمہ: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے جس وقت کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں، کسی کے بھی پہلو میں میرا بچھڑنا ہو۔

و ذلک فی ذات الالہ و ان یشا　　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

ترجمہ: یہ اس لئے ہو رہا ہے کہ جو چاہے تو میرے ایک ایک ٹوٹے ہوئے ٹکرے کو جوڑ دے۔

اس لئے دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم نے خندق کے منظر کو ہمارے سامنے پیش کیا، یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ ۔(سورۃ المائدۃ:۱۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی احد میں شکست ہو چکی تھی، ۷۰ مسلمان شہید ہوئے، مشرکین کے پھر حوصلے بڑھے اور سن ہجری پانچ میں یہ دس ہزار کا لشکر لے کر آئے، غطفان کے قبائل کو یہودیوں نے آمادہ کیا کہ ہم تم کو کھجور کی اتنی پیداوار دیں گے، ان کو بھی تیار کیا، مکہ مکرمہ والے بھی آئے، قرآن کریم نے جن کو یوم الاحزاب فرمایا، ایک جماعت نہیں بلکہ بہت ساری جماعتیں ہیں، ایک دشمن نہیں بلکہ چاروں طرف سے دشمنوں کا مقابلہ تھا، اور خود مدینہ منورہ میں منافقین اور یہود موجود تھے، مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کی حفاظت مشکل ہوگئی، ایسے مشکل مرحلے میں اللہ پاک نے فرمایا: وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (احزاب:۱۱) ایسے حالات ابھی ہندوستان میں نہیں آئے، مدینہ منورہ کو اس طرح سے گھیرا گیا، اور اس طریقہ سے کہ مقابلہ کے لئے خندق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھودنی پڑی۔

خندق کا واقعہ اور سبق

دوستو اور بزرگو!

قربان جایئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمانی جذبہ پر کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ایک جگہ پر سخت چٹان آئی اور ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ معاملہ ایسا ہے، آپ ﷺ نے کدال لیا، اور آپ نے اس کو مارا، بخاری شریف کی روایت ہے کہ وہ چورا چورا ہوگیا۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق)، دوسری حدیث شریف کی کتابوں میں ہے کہ اندر سے آگ نکلی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بشارت دی کہ میری امت ملک شام فتح کررہی ہے، بُصرہ جو ملک شام کا بڑا شہر تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس کے محلات مجھے نظر آرہے ہیں، دوسرا کدال مارا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کسریٰ کو فتح کروگے اور مجھے مدائن اور اس کے محلات نظر آرہے ہیں، تیسری کدال ماری اور فرمایا کہ مجھے یمن اور اس کے محلات نظر آرہے ہیں۔ (مسند احمد: رقم: ۱۸۶۰۰، ۱۴/ ۲۴۵)، ہمارے جیسے کچے ایمان والے ہوتے تو یہ کہتے کہ ابھی مدینہ سے باہر مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں، خندق کھودنا پڑرہا ہے اور دنیا کی سپر پاور کو قبضہ کرنے کی بشارت دے رہے ہیں، لیکن صحابہ تھے، ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر یقین تھا، کسی صحابی نے حضور کی اس بات کا انکار نہیں کیا، سراقہ بن مالک بن جعشم جو ہجرت کے وقت آپ ﷺ کو پکڑنے کے لئے آیا اور اس کا جانور تین تین مرتبہ زمین کے اندر دھنس گیا اور وہ حضور کو نہیں پکڑ سکا، تو سمجھ گیا کہ کوئی گڑبڑ ہے، اس نے کہا: اللہ کے رسول! آپ مجھے امن دے دیجئے، آپ نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے، کسری اس وقت دنیا کی سپر پاور طاقت تھی، اللہ کے نبی فرماتے ہیں کہ اس کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے۔ بات ہوگئی، سراقہ ایمان لے آئے، اور زندگی کے آخری ایام تھے، آج انتقال ہو، کل انتقال ہو، لوگ عیادت کررہے ہیں، سراقہ فرماتے ہیں کہ میری موت اس وقت تک نہیں ہوگی،

جب تک کسریٰ کے کنگن میرے ہاتھ میں نہیں پہنائے جائیں گے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حالت کفر میں مجھے کہا تھا، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ کے ملبوسات حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے سراقہ کو بلا کر کسریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھا اور اس کے کنگن پہنا کر اس کا پٹکا ان کی کمر میں باندھا۔(الاصابۃ: ۲/ ۶۹) لیکن آپ کی بات اس وقت بھی جھوٹی نہیں ہوگی، یہ پورا مکہ جانتا ہے، صادق اور امین سچے اور امانت دار کا لقب اس وقت ملا تھا، جب آپ ظاہری نبی نہیں بنائے گئے تھے۔

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک نے ہمیں اس ملک میں آباد کیا، پورا کا پورا کفر اور شرک سے بھرا ہوا ہے اور اس میں ایمان والوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا ہے، اللہ تبارک وتعالی امتحان لیتے ہیں، دنیا میں مصیبتیں کس کو نہیں ہے؟ بڑے سے بڑے مالدار کو، بڑے سے بڑے سرمایہ داروں کو، بڑے سے بڑے فیکٹری والے کو، حکومت والے کو؛ ہر ایک کو اپنے پرائیویٹ (Private) اور نجی کچھ پرابلم (Problem) ہوتے ہیں، کچھ پریشانی ہوتی ہیں، اس لئے پریشانی کبھی خود سے ہوتی ہے؛ بیماریاں آتی ہیں، کبھی باہر سے آتی ہے، یہ ساری چیزیں جو انسان کی اپنی زندگی سے وابستہ ہے اور ایمان کی بنیاد پر جو مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں، اللہ کی مدد اس کے ساتھ شامل ہے۔

خندق کا واقعہ ہمارے سامنے ہے، خندق میں بہت سا لشکر جمع ہوا تھا، ہر طرف سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، اللہ پاک نے ایسی ہوا چلائی اور آپس میں ایک صحابی کے ذریعہ مشرکین میں پھوٹ ڈالی، کہ جس کی بنیاد پر ابوسفیان کو کہنا پڑا، چلو! چلو! جلدی سے اپنی ہانڈیاں اور سامان لے لو اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا بغیر کچھ نقصان ہوئے۔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۔(سورۃ الاحزاب: ۲۵) اللہ پاک فرماتے ہیں: اللہ نے پوری جماعت کو واپس کر دیا، وہ اپنے اعتبار سے چاہ رہے تھے، لیکن اللہ

پاک نے کچھ نہیں ہونے دیا، اب مسلمان صحیح سالم رہے، اور پھر حضور نے فرمایا: یہ اب کبھی نہیں آئیں گے، اب ہم جائیں گے، اس کے بعد پھر اللہ کے رسول کے ذریعے تین سال نہیں ہوئے تھے کہ اللہ پاک نے مکہ فتح فرمایا۔

حضرت کعب بن مالکؓ کا واقعہ اور سبق

دوستو اور بزرگو!

ایمان اس وقت اللہ کے یہاں زیادہ قابل قبول اور قابل اعتماد ہوتا ہے جبکہ حالات آئے اور آدمی جما رہے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تبوک سے پیچھے رہ گئے ہیں، مدینہ میں ہیں، غسان کے بادشاہ کو پتہ چلا کہ ان کے نبی نے ان کو چھوڑ دیا ہے، لوگوں سے بول چال نہیں ہے، پچاس دن تک ان سے بات چیت کرنا بند کر دیا ہے اور ان کی بیوی کو چالیس دن کے بعد دس دن ان کے میکے میں بھیج دیا ہے، اس نے خط لکھا کہ ہمارے پاس آجاؤ، ہمارا جیسا آج کا جو مؤمن ہوتا ہے جو دیکھ رہے ہیں، دشمن نہیں بلائے تب بھی چلے جاتے ہیں، وہاں یہ ہوا کہ اس نے جب یہ خط دیا، اس کا آدمی آیا اور اس نے خط دیا، آپ نے اس کو تنور میں اور چولہا میں جلا دیا اور یہ کہا کہ دشمن کی یہ ہمت ہوئی کہ میرے ایمان کا امتحان میرے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے رہا ہے، اگر آپ نے مجھے یہ سزا دی ہے تو آپ کے ساتھ میرا معاملہ ہوا ہے، لیکن اس کی اتنی ہمت یہ میرے ایمان کی کمزوری ہے، اس لئے فوراً پھاڑ دیا، اس کو جلا دیا۔

حضرت ایوبؑ کا واقعہ اور سبق

دوستو اور بزرگو!

جس وقت حالات آتے ہیں اس وقت جو لوگ جمے ہوئے رہتے ہیں، مشکل حالات کے وقت میں جو اس دین کی مدد کرتا ہے تو اللہ پاک اس کی مدد کے مطابق اپنی مدد شامل حال فرماتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام جب بیمار ہوئے، سب نے ساتھ چھوڑ دیا، ایک بیوی ساتھ میں رہیں اور ان کو بھی شیطان نے ورغلایا کہ تمہارے شوہر کو اچھا ہو جائے گا، اگر تم میرے پاس شفا

کی بات کرو، شوہر تھے، بیوی کے دل میں ذرا خیال آیا، حضرت ایوب علیہ السلام کو پتہ چلا، انہوں نے قسم کھائی کہ جب اچھا ہو جاؤں گا تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا، اللہ پاک نے آیت نازل فرمائی کہ جس نے تمہارے ساتھ بیماری کے دنوں میں یہ سلوک کیا ہے اور اللہ پاک نے یہ بتلایا کہ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ (سورۃ ص: ۴۴) اللہ پاک نے یہ بتلایا کہ چھوٹا سا گچھا لیا جائے اور ایک مار دیا جائے، قسم پوری ہو جائے، کیوں ہوا؟ اس لئے کہ فرماں بردار عورت ہے، اطاعت شعار بھی، وفادار بھی۔ اللہ پاک کے یہاں وفاداروں کی قیمت ہوتی ہے۔

موجودہ حالات اور ہمارا معاشرہ

میں نے آپ حضرات کے سامنے آیت پڑھی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ کچھ لوگ کنارے پر رہتے ہیں، یہ منافقین کی علامت ہے کہ اگر ادھر کا پلڑا بھاری ہو تو ادھر چلے جائیں گے اور ادھر کا پلڑا بھاری ہو تو ادھر چلے جائیں گے۔ مومن اور مسلمان ایک ہی چیز پر رہتا ہے، اس لئے صبر، تقوی اور اپنی حفاظت کا خود انتظام کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں فرمایا: **المؤمن القوی خیر و أحب إلی اللہ من المومن الضعیف**۔ (مسلم شریف: کتاب القدر، باب فی الأمر بالقوۃ وترك العجز) کہ طاقت والا مؤمن اللہ پاک کے یہاں ضعیف مؤمن سے زیادہ بہتر ہے اور دونوں میں بھلائی ہے، لیکن طاقت والا اپنی طاقت کا کسی مسلمان پر اظہار کرے یہ مراد نہیں، اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں وہ اپنی طاقت کو استعمال کرے؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: مغرب کا وقت کب ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اندھیرا ہو جائے کہ کوئی چیز نظر نہ آئے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم تیر مارو اور جہاں گرے وہ جگہ نظر آئے، تو سمجھ لو کہ مغرب کا وقت ہو چکا۔ (مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب بیان ان اول وقت المغرب عند غروب الشمس) تو نبی رحمت للعالمین بن کر آئے ہیں لیکن مغرب کے وقت کو بتلانے کے لئے تیر سے مثال دے رہے ہیں، امت کو سمجھنا ہے کہ اپنی حفاظت اور اپنے دفاع کو جب سے ہم نے چھوڑ دیا ہے، کرکٹ جیسے بیکار کھیلوں میں، موبائل جیسی

آوارہ چیزوں میں لگ گئے اور ہم نے گویا ہاتھ میں چُوڑیاں نہیں پہنی ہے، لیکن چُوڑیوں جیسے ہم ہو گئے ہیں، ہمیں اپنے آپ کو مضبوط رکھنا تھا، جفاکشی کے کام کرنا تھا، لیکن اپنے آپ کو آرام میں اور عیاشی میں ڈال دیا، نوجوان چوبیس گھنٹے میں سے ڈھائی گھنٹے اس کے موبائل کے پیچھے جائے، تو اپنے گھر کے لئے روزی روٹی کے لئے کیا کرے گا! اپنے گھر کی حفاظت کے لئے کیا کرے گا! اور بے کار کی لغویات کی باتوں سے میاں بیوی کے تعلق بگڑ رہے ہیں، شوہر بیوی ایک دوسرے کو وقت نہیں دے رہے ہیں، موبائل کو وقت دے رہے ہیں، تھوڑے دن پہلے چھوٹا سا قصہ آیا، اسکول میں بچوں کو پوچھا گیا کہ تم کیا بننا چاہتے ہو؟ ہر ایک نے الگ الگ جواب دیا، ایک بچے نے کہا: میں آئی فون (i-Phone) بننا چاہتا ہوں، پوچھا کہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ میں ہر وقت اپنے امی اور ابو کو دیکھتا ہوں کہ وہ موبائل سے لگے ہوئے ہیں، مجھ سے زیادہ محبت اس سے کرتے ہیں، تو میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ میں آئی فون بن جاؤں۔

دوستو اور بزرگو! یہ ہماری زندگی کا آئینہ ہے، اگر ہماری قوم کا یہی حال رہا اور ہم انہیں بیکار چیزوں اور لغویات میں لگے رہے، اپنے اخلاق اور کیریکٹر (character) سے اس امت کو داعی بن کر رہنا ہے، آپ کے سامنے جو آیت میں نے پڑھی، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ (سورۃ حم السجدہ: ۳۳) اس ملک میں ہمارا کام اللہ کے بندے جو اللہ سے دور ہیں ان کو اللہ سے قریب کرنا تھا، لیکن جب ہم نے وہ عمل چھوڑ دیا، اللہ کے بندوں کو اپنے اخلاق سے، زبان سے، عمل سے دین کی دعوت دینا چھوڑ دیا، تو انہیں کو اللہ نے ہم پر مسلط کر دیا، یہ سارے قانون اللہ پاک کے اٹل ہے، انبیائے کرام کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے دعوت دی تو اللہ پاک نے کیسے مشکل حالات میں ان کے لئے حالات بدل دیئے، اس لئے آپ حضرات سے یہی بات ہے کہ اس وقت جو واقعات اس قسم کے ہوتے ہیں، اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں انبیائے کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر چلنا ہے، ان کو طرح طرح کی تکالیف دی گئیں۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، انبیائے کرام کو آروں سے چیرا گیا، اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو کیسے ظالم کے ساتھ رکھا گیا، یہ سب چیزیں اللہ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے ابھی میں نے آپ کے سامنے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا جو شعر پڑھا اس میں بھی یہی تعلیم تھی، اللہ کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنے والے بنیں۔

اس لئے دوستو اور بزرگو!

قرآن نے ایک وعدہ کیا ہے وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (سورۃ آل عمران:۱۳۹) تم کوئی گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں، لیکن یہ شرط بتلائی کہ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ہم اپنے ایمان کو جانچیں، جو ایمان ہمیں مسجد میں نہیں آنے دیتا، وہ ایمان ہمارا کتنا قوت والا ہے؟ اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ بہترین اخلاق ہو، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دے کر گئے، امت کو اس پر واپس آنا ہے اور اپنی حفاظت کے لئے فوراً انتظام کرنا ہے اور سب سے بڑی چیز اللہ پاک سے دعا مانگنا ہے کہ باری تعالی جس زمانے میں آپ نے پیدا کیا، آپ اس کی حکمت جانتے ہیں، لیکن ہم کمزور ایمان والے ہیں، ہم دشمنوں کا اس طرح مقابلہ نہیں کرسکتے، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا۔ (سورۃ البقرۃ:۲۸۶) جو ہم میں طاقت نہیں ہے وہ ہم پر نہ ڈالئے۔ اللہ تعالی ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۵) قوموں کا عـــروج وزوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُور ○ (سورۃ سباء :۱۵)

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (سورۃ فاطر:۲)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ أُولَئِكَ هُوَ يَبُورُ. (سورۃ الفاطر:۱۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

ملک میں الیکشن کے حالات چل رہے ہیں، ہم اس ملک کے باشندے ہیں، اس ملک کے ساتھ دنیا کی دوسری قوموں سے ہمارا پہلے سے رابطہ ہے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں: اگر کچھ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم پانچ ہزار سال سے اس ملک میں آباد ہیں، تو ہمارا تعلق تو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے وابستہ ہے، اس لئے جہاں تک ملک کی وفاداری، ملک سے آپس کے تعلق کا مسئلہ ہے ہم دوسروں سے آگے ہیں، ہماری پوری تاریخ بھری پڑی ہے، افسوس ہے کہ ہماری تاریخ ہمارے نوجوانوں کو معلوم نہیں ہے، خیر! یہ مسئلہ تو میں نے ضمنی طور پر بیان کیا، اصل جو مسئلہ ہے وہ قوموں کے عروج وزوال کا ہے۔

قوموں کا عروج وزوال

کسی قوم کا بلند ہونا اور کسی قوم کا پست ہونا، پھر بلندی اور پستی کا معیار کیا ہے؟ کس کو بلندی کہا جاتا ہے اور کس کو پستی کہا جاتا ہے؟ یہ ہمیں کسی اور سے مانگنے کی اور سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا جو پاک کلام نازل فرمایا، اس کلام پاک میں قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں ذکر فرمائی، قوموں کے عروج وزوال کے اسباب ذکر فرمائے اور اگر زوال ہے تو اس کا علاج کس طرح ہو؟ اور عروج اور ترقی پر کوئی قوم ہو تو اس وقت اسے کیا کرنا چاہیے؟

قومِ سبا کا تذکرہ

میں نے آپ کے سامنے سورۂ سبا کی آیات تلاوت کی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ کا نام سورۂ سبا رکھا، سبا ایک بہت بڑی قوم تھی، جو یمن سے لے کر شام تک پورے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی، تاریخی اعتبار سے ہمارے گجرات اور ہمارے بھروچ کا جو گندھار (ગાંધાર) کا علاقہ ہے، وہاں تک یہ قوم سبا آچکی تھی، قرآن مجید نے فرمایا، ''وَقَوۡمُ تُبَّعٍ ''(ق:۱۴) یہ جو تبع کی قوم ہے حمیر قبیلہ ہے، یہ گندھار تک آچکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے۔ یہ ایسی قوم تھی جس کا تاریخ میں ایک بہت بڑا مقام تھا، اس قوم کو اللہ تعالی نے عروج بھی دیا اور زوال بھی، اور اسی کے دائرے میں اللہ پاک نے مجھے اور آپ کو ہندوستان کے موجودہ حالات سمجھنے اور ہمیں کیا کرنا ہے؟ اس کو کھول کر بیان کیا ہے، اس پوری سورۂ سبا میں اللہ پاک

نے انسانی تہذیب، کلچر اور عروج وزوال کے جو سب سے اعلی معیار ہو سکتے ہیں، دو مثالوں کے ذریعہ اس کو ذکر فرمایا ہے۔

حضرت داود علیہ السلام کا تذکرہ

اللہ پاک ذکر فرماتے ہیں کہ سیدنا داود علیہ السلام نبی ہیں، ہم نے ان کو حکومت کے ساتھ فضل عطا کیا، اللہ پاک نے حضرت داود علیہ السلام کو تسبیح کا حکم فرمایا، آپ جس وقت تسبیح پڑھتے تھے، زبور کی تلاوت کرتے تھے، تو پہاڑ بھی گنگناتے تھے اور پرندے آپ کی آواز کے ساتھ تسبیح بیان کرتے تھے، اور لوہے کو ان کے تابع کردیا تھا، موم سے انسان بہت کچھ بناتا ہے، تو حضرت داود علیہ السلام کے لئے اس زمانے کی ٹیکنالوجی کے حساب سے آپ کے اس معجزے کا ظہور ہوا کہ لوہا اللہ پاک نے آپ کے لئے موم بنادیا، آگے اللہ پاک نے ذکر کیا کہ آپ اس سے کیا کیا چیزیں بناتے تھے؟ وہ سب چیزیں ذکر فرمائی ہے۔

مجھے صرف یہ بتانا ہے کہ انسانی ترقی اور انسانی ٹیکنالوجی کا جو سب سے اعلی معیار ہوسکتا ہے اللہ پاک نے سیدنا داود علیہ السلام کے حصے میں رکھ دیا تھا، آج بھی لوہے سے چیزیں بنائی جاتی ہیں، اس میں کتنی پریشانی ہوتی ہے! قرآن میں ''فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ'' (حدید:۲۵) میں اللہ پاک نے فرمایا، لوہا بڑا سخت اور مضبوط ہوا کرتا ہے، لیکن حضرت داود علیہ السلام کے لئے بڑی بڑی دیگیں بنانا اور بڑے بڑے محلات تعمیر کرنا آسان کردیا اور اس کے بعد فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا، ہوا کے دوش پر آپ سفر کرتے تھے، ہوائی جہاز کی آپ کو ضرورت نہیں تھی، یہ نعمتیں اللہ پاک نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی، ایک ایک مہینہ کی مسافت چند گھنٹوں میں طے کر لیتے تھے، پرندوں کی بولیاں آپ کو سکھلائی تھی، بلکہ اتنا ہی نہیں، آگے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے جو چاہتے تھے بنواتے تھے، وہ جنات سمندر میں غوطہ لگاتے تھے، موتی اور جواہرات نکالتے تھے، بڑی بڑی تعمیر کرتے تھے، حتی کہ جنات کے پاس بیت المقدس کی مسجد بنوائی گئی، محلات تعمیر کروائے گئے، یہ تعمیر کررہے ہیں اور سلیمان

علیہ السلام کا انتقال ہو گیا، ان کو کچھ پتہ نہیں چلا۔

نجومی حضرات اور ہمارے مسلمان بھائی

مجھے آپ کو اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ آج مسلمانوں کے کچھ عقیدے ایسے ہیں کہ غیب کی خبروں کے متعلق ہر غیر کے سامنے اپنا ہاتھ دکھاتے ہیں، جنات اور شیاطین جنہوں نے تابع کرر کھے ہیں، ان کے پاس جا کر اپنا ایمان بیچ دیتے ہیں، اللہ پاک کلامِ پاک میں فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو رہا ہے اور جنات کو معلوم نہیں، اللہ فرماتے ہیں: أَنْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ (سورۃ سبا: ۱۴) کہ اگر ہم غیب کی باتیں جانتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا پتہ چل جاتا تو یہ جو عمارت تعمیر ہو رہی تھی چھوڑ کر چلے جاتے، بہت محنت والا کام تھا، جنات کو پتہ نہ چل سکا اور وہ لکڑی جس کے سہارے آپ کھڑے تھے اس کو کیڑے نے کھا لیا، ''فلمّا خرّ تبيّنت الجنّ'' (سبا: ۱۴)، حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو پتہ چلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ہے، یہ نعمتیں اللہ پاک نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داود علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں۔

بزرگو اور دوستو!

اس کے ذریعہ ایک اور چیز کا اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ پاک کسی قوم کو عروج اور ترقی کے رخ پر چلا دیتے ہیں، اگر وہ اللہ پاک کی مرضیات پر چلتی ہے، شکریہ ادا کرتی ہے، تو اللہ پاک غیب کی چیزوں کو ان کے تابع کر دیتے ہیں اور وہ مخلوق جنہیں انسان اپنے قبضہ میں نہیں لا سکتا، جنات کو نہیں لا سکتا، پرندوں کا تسبیح کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داود علیہ السلام کے لیے کر دیا تھا، یہ معجزہ ہے اور معجزہ نام ہی ہے ان چیزوں کا، جہاں انسانی طاقت عاجز آ جائے اور اللہ پاک اپنی طاقت سے اس کا ظہور فرمائے، اس کو معجزہ کہتے ہیں، یہ ساری نعمتیں اللہ تبارک وتعالی نے حضرت داود اور سلیمان علیہ السلام کو شکر ادا کرنے پر عطا فرمائیں، آپ سنتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے محل بنایا اور اس پر گلاس لگا دیئے

اور نیچے پانی ہے اور بلقیس اس پر چل رہی ہے اور سوچ رہی ہیں کہ پانی ہے تو میں اپنے پائچے اونچے کرلوں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بات ایسی نہیں ہے، یہ تو پانی کے اوپر گلاس لگایا ہے، پھر اللہ تعالی نے اس کو ایمان کی توفیق عطا کی۔

قوم سبا پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور ان کی نافرمانی

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کے اوپر بیس سے زیادہ انبیاء کرام کو بھیجا، مسلسل انبیائے کرام تشریف لائے، لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ (سبا:۱۵) اللہ پاک فرماتے ہیں: قوم سبا کے رہنے کی جگہیں تمہارے لئے نشانی ہے، '' جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَ شِمَالٍ '' (سبا:۱۵)، دائیں اور بائیں جانب اللہ تعالی نے راستے کے کناروں پر شاندار باغ لگادیئے تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہاں کوئی زہریلی چیز مچھر مکھی نہیں تھی، اللہ پاک فرماتے ہیں: كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ (سبا:۱۵) اللہ پاک کا شکر یہ ادا کرو، کھاؤ، پیو اور آرام سے رہو اور وہ علاقہ بھی آرام والا پاکیزہ تھا، اللہ پاک قابل قدر اور قدردانی کرنے والے ہیں، ایسی نعمتیں اللہ کی طرف سے ان پر برسائی گئی تھی، لیکن اس قوم نے نعمتوں کا شکرادا نہیں کیا، اللہ پاک فرماتے ہیں: فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ (سورۃ سبا:۱۶) بند کا سیلاب آیا اور پورے علاقے کو بہالے گیا جس جگہ شاندار قسم کے درخت اگے تھے، اس کی جگہ پر کانٹے دار پیلو کے درخت۔ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ، بیڑی کے درخت اگ گئے تھے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ (سبا:۱۷) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا، یہ ان کے کفر کا ہم نے بدلہ دیا، اور اسی طرح ہمارا نظام چلتا ہے کہ جو ناشکری کرتا ہے ہماری طرف سے اس کی پکڑ ہوتی ہے۔

یمن میں صنعاء سے تین منزل کے فاصلے پر مآرب شہر تھا جس میں یہ آباد تھے، ۱۳/انبیاء کرام نے راہ راست پر لانے کی کوشش کی؛ لیکن لوگ باز نہ آئے، سورج کی عبادت کرتے

تھے، وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللهِ (نمل: ۲۴) تو سیلاب کا عذاب آیا ، دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں شہر آباد تھا، اوپر کے پہاڑ اور دونوں جانب کے پہاڑوں سے بارش کا سیلاب آتا تھا، بلقیس وغیرہ شاہان یمن نے دو پہاڑوں کے درمیان بند بنایا، نہایت مستحکم، بند نے سیلاب کو روک کر کھیتی کو فائدہ دیا، اوپر نیچے تین دروازے بنائے تا کہ آبپاشی ہو سکے، یکے بعد دیگرے دروازے کھولتے، وہ دو باغ نہ تھے؛ بلکہ دو طرف باغ تھے، کثرت سے پھل ہوتے تھے، سر پر خالی ٹوکری لے کر چلتے تو بھی خود بخود بھر جاتی، اعمال صالحہ کی بنیاد پر کھاؤ، شکریہ احکام کی بجا آوری سے کرو۔

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ: سردی گرمی کا اعتدال تھا، مچھر مکھی، پسو، سانپ بچھو نہ تھے بلکہ حال یہ تھا کہ دوسرے مسافروں کی جوئیں یہاں آ کر مر جاتی۔

وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ: شکر گذاری پر آخرت میں بھی ملے گا۔

بند خوشحالی کا ذریعہ تھا وہی تباہی کا ذریعہ بنا، سیل عرم اسی لئے کہتے ہیں جب سد مآرب توڑنے کا فیصلہ کیا تو اندھے چوہے بند کے قریب مسلط کر دیئے، جنہوں نے بنیاد کو کھوکھلا کر دیا، نتیجۃً بارش سے بند ٹوٹ گیا، سب لوگ تباہ ہو گئے، پہاڑوں کے باغات خشک ہو گئے، کتابوں سے ان کو معلوم تھا کہ چوہے سیلاب کی علامت ہے تو بلی پالی مگر چوہے بلیوں پر غالب آ گئے، اور بنیاد میں داخل ہو گئے۔

خمط: اراک کا درخت، بدمزہ تھا، اثل: جھاؤ کا درخت، پھل بدمزہ، یا کیکر کا درخت۔

سدر: جنگلی بیری۔ یہ کفر کا بدلہ تھا، راحت کی جگہ کلفت۔

عذاب عام کفار کے ساتھ مخصوص ہے، کبھی ایمان والوں پر رفع درجات، کفارۂ سیآت کے طور پر ہوتا ہے۔

جَزَاءُ الْمَعْصِيَةِ الْوَهَنُ فِي الْعِبَادَةِ، وَالضِّيقُ فِي الْمَعِيشَةِ، وَالتَّعَسُّرُ فِي اللَّذَّةِ.

حلال لذت نصیب ہو تو بھی کوئی سبب اس کے عیش کو مکدر کر دے، مؤمن کو صورۃً سزا حقیقۃً گناہ

سے پاک کرنا، نہ کہ عذاب دینا ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۱۹﴾ (سبا:۱۹) صبر وشکر کرنے والے کے لئے نشانی ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کا واقعہ محض تاریخی نہیں ہوتا، بلکہ قانون قدرت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق ہوتا ہے، عروج کے فوراً بعد بغیر ظاہری اسباب کے زوال ہونا گناہوں کی پاداش میں ہوتا ہے۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد

دوستو اور بزرگو!

اللہ پاک نے اس ملک میں مسلمانوں کو بسایا ہے، سلطان شہاب الدین محمد غوری رحمۃ اللہ علیہ شکست کھا گئے اور چلے گئے اور اللہ پاک نے سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا، آپ نے دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیا اور بھی متعدد حضرات آئے، اس ملک کو پہلے ایمان کے کلمہ سے لوگوں کے دلوں کو جیتا گیا اور پھر اس کے بعد حکومت آئی، اس ملک میں اور اس سے پہلے ہندوستان کی جنوبی ساحلی پٹری پر مسلمان تاجر آ چکے تھے اور وہاں دعوت وتبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا، ہم اس ملک میں حکومت کے ساتھ نہیں آئے، بلکہ دعوت لے کر آئے، ہمارا داخلہ بھی دعوت وتبلیغ کے ساتھ ہوا، ہمارا تاجر، سیاح اور سفر کرنے والا آیا، وہ بھی دعوت لے کر آیا، جتنے بھی آئے ان کی تاریخ وسفر نامے میں لکھا ہے کہ ہندوستان دریا کنارے پر جو مسلمان آباد ہیں اور وہ اپنے پرسنل لا پر عمل کر رہے ہیں، اپنی شریعت پر عمل کر رہے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس ملک میں ہمارا تعلق سیاسی نہیں ہے، یہ سمجھا جائے کہ یہاں ایک پارٹی جیتی ہے اور دوسری ہاری ہے تو جہاں تک مسلمانوں کو ان کے دین وشریعت پر عمل کرنے کی اجازت ہو، کسی سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ملک میں اچھا اور صحیح نظام قائم ہو، انسانوں کے درمیان چھوٹے اور بڑے کا فرق ختم ہو جائے، ذاتی واد کی بنیاد پر جو لوگوں کو تقسیم کر دیا گیا ہے اس ملک کے برہمن لوگوں نے، ملک کی مذہبی کتابوں نے انسانوں

میں تفریق کر دی تھی، اسلام نے یہ بتایا کہ انسانیت کے تعلق سے یہاں سب کے سب برابر ہیں، اللہ پاک نے فرمایا؛ ''یا ایھا الناس'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان ربکم واحد، ان اباکم واحد'' کہ تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارے باپ بھی ایک ہیں، اس لئے کوئی اونچ نیچ نہیں ہے، اس ملک میں مسلمان سب سے بڑی یہی تعلیم لے کر آئے ہیں۔

پنڈٹ جواہر لال نہرو اپنی کتاب ''ڈسکوری آف انڈیا'' میں صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ شمال مغرب سے آنے والے مسلمانوں نے اس ملک کو جو چیز دی وہ یہاں کا جو بچھڑا ہوا طبقہ ہے، جن کا سماج میں کوئی مقام نہیں تھا، مسلمانوں نے ان کو مساوات اور بھائی چارگی کی تعلیم دی، اس تعلیم کے نتیجے میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عرب و ہند کے تعلقات'' نامی کتاب میں بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ مسلمان جس روپ میں بھی آئے یہاں پچھڑی جاتی کے لوگوں کی جو عورتیں تھیں، ان کے ساتھ مسلمانوں نے شادیاں کیں اور وہ اس ملک میں رہ گئے، ان کے لئے یہ بڑی تعجب کی چیز تھی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کی تاریخ کے سب سے بڑے عالم ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اسلام پھیلنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ان مسلمانوں نے ان کی عورتوں سے شادی کی، جن کو راستے سے گزرنے کے لئے اپنے ساتھ جھاڑو رکھنا پڑتا تھا، اپنے کو بڑی جاتی سمجھنے والے لوگوں نے قوموں کو غلام بنایا تھا، مسلمان اس ملک میں آئے اور انہوں نے توحید اور رسالت کی دعوت پیش کی ہمیں اور آپ کو کچھ پتہ نہیں، ہمارے باپ دادا کون تھے؟ کیا تھے؟ اللہ پاک نے انہیں بزرگوں کو اور انہیں داعی حضرات کے صدقے میں ہمیں اس ملک میں آباد کیا، اس لئے اصل مشن جوامت مسلمہ کا ہے، اللہ پاک نے اس کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچائے، اگر ایک غیر مسلم زندگی گزار رہا ہے اور اس دنیا میں زندگی کو ہی اصل مقصد سمجھ رہا ہے اور ایک مسلمان بھی یہی سمجھ رہا ہے تو پھر ہمیشہ کی جنت کے وعدے اور ہمیشہ کی جنت کی طلب کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے؟

دوستو اور بزرگو! حالات کا آنا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے، لیکن ان حالات میں انبیائے کرام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح چلنا اور گزرنا ان کی سنت ہے، ایسا نہ ہو کہ حالات آئے اور ہمارے ایمان میں کمزوری ہو اور ہم اپنے ایمان کو سمجھتے نہ ہوں، اس لئے اس کا سیاسی شعور بھی اس ملک میں رکھنا از حد ضروری امر ہے، ہمارا وہ نوجوان طبقہ جو اسکول اور کالج میں پڑھتا ہے یا سرکاری ملازمتوں یا اعلی سرکاری پوسٹ پر ہے، وہ احساس کہتری کا شکار ہے، وہ یہ سمجھے کہ میرے اور ان کے درمیان فرق یہ ہے۔

حضرت سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (مسلمانوں کو ایسے ہی حالات سن ۱۹۹۲ء میں پیش آئے، اس وقت مولانا نے مسلمانانِ ہند سے صاف صاف باتیں فرمائی تھی، اس میں یہی فرمایا تھا) کہ تم ایک ایسی امت ہو جس کے پاس اللہ تعالی کا صحیح، صاف ستھرا پیغام موجود ہے، تم ایک ایسی امت ہو جس کے پاس جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت اپنی پوری شفافیت اور تحقیق کے ساتھ موجود ہے، اسلامی مسائل اور اسلامی قانون کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اور دفتر ہمارے پاس ہے۔

دوستو اور بزرگو! زمانہ کتنا ہی بدلتا ہے، رات دن نئے نئے مسائل آرہے ہیں، لیکن علماء کرام کی جماعتیں اور اسلامک فقہ اکیڈمیاں یہ نئے نئے مسائل پر گفتگو کرتی ہیں اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو امت کو پیش آیا ہو اور علمائے کرام قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب نہ دیتے ہوں۔

دنیا میں کسی ملت کے پاس، کسی قوم کے پاس، کسی جماعت کے پاس ایسی چیز نہیں ہے۔ سائنس آئی اور سب کو پیچھے کر دیا، کیوں؟ اس لئے کہ دوسرے مذاہب میں وہ طاقت ہی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے، لیکن اسلام ایک ایسا واحد مذہب ہے جو اس کا مقابلہ کر رہا ہے۔ ڈاکٹر موریس بوکائی نے اپنی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" میں بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ اس وقت سائنس کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر کوئی کتاب موجود ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی طرف بھیجی ہوئی کتاب ہے، أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔ (سورۃ الملک: ۱۴)

دوستو اور بزرگوں! اس لئے ہمارے پاس قرآن و حدیث، سیرت نبویہ اور شریعت اسلامیہ کا اتنا بڑا خزانہ موجود ہے کہ نہ دنیا کی کسی قوم کے پاس، کسی مذہب کے پاس، کسی امت کے پاس، نہ کسی لا اور قانون والوں کے پاس ہے، دنیا کے جو کچھ قانون ہے وہ مخلوق کے بنائے ہوئے ہیں، وہ ایک دو دن میں بدلتے رہتے ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔ (سورۃ آل عمران:۸۵) یہ چیلنج کیوں ہوا؟ اس قانون میں اتنی صلاحیت موجود ہے، اس قانون میں اتنی پختگی موجود ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں: إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الإِسْلَامُ (آل عمران:۱۹) دین تو اللہ تعالی کے نزدیک اسلام ہی ہے، وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ اور اس کے علاوہ جو دین لے کر آئے گا، وہ اللہ تعالی کے یہاں قابل قبول نہیں ہے۔

موجودہ حالات کے مطابق ایک جامع آیت

تو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں قوموں کے واقعات ذکر فرما کر امت محمدیہ کو بتلایا، اور قرآن کریم کی سورۂ قصص کی آیت ہندوستان کے حالات کے بالکل موافق ہے، اور آج ہمارے ہی حالات نہیں، بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے حالات کے مطابق اللہ پاک فرماتے ہیں: وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ (قصص:۵) ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ سماج میں کمزور سمجھے گئے ہیں، ان نمن کہ ہم ان پر احسان کریں، سیدنا موسی علیہ السلام اور بنی اسرائیل الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ۔ زمین میں کمزور سمجھے گئے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ (قصص:٦) یہ پورا پلان کر رہے ہیں، اور ان کے پلان کو اللہ پاک نے فیل کر دیا، اور اسی کے گھر میں سیدنا موسیٰؑ کی پرورش فرمائی۔

دوستو اور بزرگو! یہ سارے واقعات ہمیں یہ بتلاتے ہیں کہ ہم اس ملک میں دعوت کا کام لے کر آئے، اب شریعت مطہرہ پر عمل کرنا ہے، اور ہمارا نوجوان اس ملک میں اپنی ذمہ داری سمجھے، اس وقت ملک پریشانی میں ہے، ماضی میں ایسے موقع پر صوفیائے کرام تشریف

لائے، مسلم سلاطین اور بادشاہ یہاں تشریف لائے اور اس ملک کو انہوں نے بہت ترقی دی ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ ۲۸ فیصد پوری دنیا کا کاروبار محض ہندوستان میں ہو رہا تھا، دنیا کے کاروبار کا پاؤ حصہ صرف ہندوستان سے آتا جاتا تھا، (import-export) میں ہندوستان مرکز بنا ہوا تھا، یہاں کے سارے سمندری بندر تجارتی منڈی سمجھے جاتے تھے، سونے کی چڑیا اس ملک کو کہا گیا، آج تھوڑی سونے کی چڑیا ہے، جب تھی تو وہ مسلم سلاطین کے دور میں تھی، اس لئے کہ انہوں نے اس ملک کو متحد کیا، یہ ملک ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا، سب سے پہلے اس ملک کی شمال اور جنوب کو سلطان علاؤالدین خلجی نے ایک دوسرے کے ساتھ کیا، اکبر آیا اور اس نے اس ملک کو جوڑا اور جب انگریز آئے اس وقت اتنا بڑا ملک تھا، آج اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کو برا بھلا کہا جا رہا ہے، حالانکہ ان کے دور میں سمرقند بخارا تک ہندوستان پھیلا ہوا تھا، یہ ترقی اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کی بنیاد پر ہے، ان کے والد محترم نے ان کو ایسی سخت مہم کے لئے بھیجا، اور یہی حال چائنہ کا ہے کہ وہاں پر بھی بھیجا گیا، اور اس ملک کو مضبوط کرنے میں اسی شخص کا حصہ ہے، ہے کوئی دنیا والوں کے پاس ایسی مثال؟ جو ایسے بادشاہ وقت کی ہو، جس نے اس ملک سے پانچ پیسے بھی نہیں لیا، ناصر الدین جنہوں نے ٹوپیاں بنا کر، قرآن کریم کی تحریر کر کے اپنا پیٹ پالا، حکومت کے خزانے سے پانچ پیسے نہیں لئے، ایسی تاریخ ہندوستان کی کسی قوم کے پاس نہیں ہے، جو مسلمانوں کے پاس ہے۔

دوستو اور بزرگو! اس لئے ان حالات کا آنا اور جانا اصل نہیں ہے، اللہ پاک کو راضی کرنا اصل ہے، میں نے سورۂ فاطر کی وہ آیت پیش کی، مَن كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا (فاطر: ۱۰) عزت مخلوق کے پاس نہیں ملتی ہے، عزتیں اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ملا کرتی ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: مَن كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا عزت چاہیے وہ اللہ ہی کے پاس ملتی ہے، اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ط (سورۃ الفاطر: ۱۰) تم جو لا الہ الا اللہ اور اللہ کا ذکر کرتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہونچتا ہے۔

دوستو اور بزرگو! ہمارے قلب کے لئے سکون اسی ذکر وتلاوت سے ہے، اس فضا کو بھی سکون والی کرتی ہے، جب ایک مسلمان اور مؤمن اللہ کا ذکر کرتا ہے، اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ اور اچھے اعمال جب اوپر جاتے ہیں، فرشتے جنت میں اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اسی لئے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں '' لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ''(انبیاء:۸۷) پڑھ رہے ہیں، فرشتے کہہ رہے ہیں کہ باری تعالی یہ تو ایسی آواز ہے جو پہچانی ہوئی ہے، یہ کیوں ہوا؟ حضرت یونس علیہ السلام کی زبان پر اللہ کا ذکر زیادہ تھا، اسی لئے اللہ پاک آیت میں فرماتے ہیں کہ جو بھی کثرت سے اللہ پاک کی تسبیح اور ذکر اور اللہ پاک کی عظمت اور بزرگی بیان کرے گا، مخلوق سے بے خوف رہے گا۔

اللہ کے نام کی عظمت کا واقعہ

ایک بہت بڑے بزرگ بادشاہ کے دربار میں پہنچ رہے ہیں اور ان کا بیٹا ان کے ساتھ تھا، بادشاہ کا دربار دیکھ کر بیٹا گھبرا گیا، اس بزرگ نے زور سے اللّٰہ اکبر کہا تو بیٹا سنبھل گیا، کیا مطلب تھا؟ کہ ہم جو نمازوں میں اللہ پاک کی بڑائی، کبریائی اور عظمت بیان کرتے ہیں، بادشاہ کا دربار اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ (بقرہ:۲۵۵) یہ آسمان و زمین اتنے بڑے اور وسیع، لیکن اللہ پاک کے عرش اور کرسی کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں فرمایا کہ بہت بڑا میدان ہو، اس میں ایک چھوٹا سا لوہے کا ٹکڑا پڑا ہوا ہو، یہ لوہے کا ٹکڑا اتنے بڑے میدان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، اسی طرح یہ اتنے بڑے آسمان و زمین اللہ پاک کے عرش اور کرسی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں، تو یہ اللہ پاک کی قدرت اور طاقت ہے، اللہ پاک اپنی عظمت اور طاقت بتلاتے ہیں کہ عزتیں میرے پاس ہی ملتی ہیں، مخلوق سے نہیں ملتی ہیں اور عزت کے ساتھ جب اللہ پاک نے عمل کا ذکر کیا، اشارہ ہے اس

بات کا کہ اللہ کی رضامندی والے اعمال میں تمہارے لئے عزت ہے۔

حالات سے بالکل گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے

تیسری ایک آیت آپ حضرات کے سامنے پڑھی، جس میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ جب اللہ پاک کسی کے لئے رحمت کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بندے کے لئے رحمت کھول دیتے ہیں، فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا۔ کوئی اس کو بند نہیں کرسکتا، وَمَا يُمۡسِكۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡ بَعۡدِهٖ۔ (سورۃ الفاطر: ۲) اور جس کو اللہ روک دے، کائنات کی کوئی طاقت اس کو دے نہیں سکتی، اس لئے یقین اور اعتماد ہونا چاہیے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: اگر کوئی قوم مکر کرے جیسے یہود تو اس کی ہلاکت اسی کی طرف جائے گی، اللہ پاک نے اس ملک میں ہمیں رکھا ہے، ان حالات سے مایوس ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ تم مایوس نہ ہونا، إِنَّهٗ لَا يَيۡأَسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ إِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكَافِرُوۡنَ۔ (سورۃ یوسف: ۸۷) اللہ پاک کی رحمت سے مایوس وہ ہوتا ہے جس کو اللہ پاک کی رحمت کا تصور نہیں ہوتا۔

لیکن دوستو بزرگو! ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس ملک کا سیاسی شعور بھی ہم رکھیں، ہم اس ملک کو بچانے کی دل سے نیت کریں، ملک کے حالات کس طرف جارہے ہیں، اقتصادی اعتبار سے ہو یا آپسی ذاتی واد کے اعتبار سے ہو، جو کچھ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، لیکن اس کے ضمن میں مذہبی جنون کس طریقے سے چڑھایا گیا، ملک کا سچا وفادار بتلانے کا ایک اشیو (issue) کھڑا کیا گیا، ان کو تھوڑا ہمیں سمجھنا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں زندگی گزارنی ہے۔

ہندوستان سے ہمارا تعلق دو اعتبار سے ہے

اس ملک سے جو ہم کو تعلق ہے وہ دو حیثیت سے ہے، ایک تو ہم اس ملک کے باشندے ہیں اور دوسرا یہ کہ اللہ پاک نے اس ملک میں ہمارے اکابرین ہمارے بزرگان دین کو بھیجا، انہوں نے اس ملک کے اندر اپنا خون پسینہ بہایا، اس ملک کو آباد کرنے میں بھی روحانی اور دنیوی اعتبار سے بھی مسلمان بادشاہوں نے اپنا کردار ادا کیا ہے، اس لئے دوسروں سے زیادہ ہمارا اس ملک

سے تعلق ہے، ہم نے وفاداری پہلے دن سے رکھی ہے اور ہم کو محبت اسی وفاداری کی بنیاد پر ہے، انگریز یہاں کی قیمتی چیزوں کو لے کر چلے گئے، مسلمان شمال اور مشرق سے چیزیں لے کر آئے اور یہاں آباد ہوئے، باہر سے آنے والوں کے متعلق آتا ہے کہ آم کے درخت یہاں نہیں تھے، انہوں (بابر) نے کہا: یہ کیسا ملک ہے؟ اور فرغانہ وسط ایشیا سے منگوایا اور دوسرے ممالک قزاقستان اور ازبکستان وغیرہ سے بھی لوگ یہاں آئے اور اس ملک کو تجارت دی ہے، اس لئے ہم اپنے دل میں اطمینان رکھیں، یہ سب کچھ اللہ پاک کی طرف سے ہوتا ہے، مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا، کبھی کسی کو ڈھیل دی جاتی ہے، وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (سورۃ البقرۃ:۲۱۶) آیت سے معلوم ہوتا ہے، اللہ پاک کسی کو سنبھلنے کا موقع دیتے ہیں اور وہ نہیں سنبھلتا، تو اللہ پاک اس کو ڈھیل دیتے ہیں، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھاوا ہے، لیکن یہ ڈھیل کیا ہوتی ہے؟ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ (مؤمنون: ۶۴) جب انتہائی طاقت اور گھمنڈ کے غرور میں آجاتا ہے، اس وقت اللہ پاک کا نظام کام کرتا ہے، اس ملک میں ایک سیاسی پارٹی نے بھی اس سے پہلے کیا، یہ بھی کر رہے ہیں، اس طرح کے حالات بتلاتے ہیں کہ ظالم کی اللہ پاک کی طرف سے پکڑ آج نہیں تو کل ضرور ہوتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ پاک عدل کے ساتھ کافر حکومت کو برداشت کر لیتے ہیں، لیکن ظالم حکومت کو اللہ پاک برداشت نہیں کرتے۔ یہ اللہ پاک کا نظام ہے، اس لئے ظلم کا انجام جو ہونا ہے وہ ہونے والا ہے، لیکن ہمیں اس ملک میں اس ظلم میں شریک ہونا نہیں ہے، ہمیں اس ملک میں اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

اللہ پاک ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۶) بدشگونی اور اسلامی نقطۂ نظر (قسط اوّل)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَالُوا طَائِرُکُمْ مَعَکُمْ أَئِنْ ذُکِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ○ (سورۃ یٰس:۱۹)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا عَدْوٰی وَ لَا طِیَرَۃَ، وَ لَا ھَامَۃَ وَ لَا صَفَرَ، وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ کَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ . (بخاری شریف: کتاب الطب، باب الجذام) وَفِیْ رِوَایَۃٍ : وَلَا نَوْءَ وَ لَا غُوْلَ . (مسلم: کتاب السلام، باب لا عدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ و الشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

آپ کے سامنے کلام پاک کی آیت تلاوت کی، اس کے بعد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات ذکر کی، یہ جو اسلامی دوسرا مہینہ شروع ہوا ہے صفر المظفر ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سے بھی اس کا تعلق ہے اور قرآن کریم کی جن آیات کریمہ میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہیں اس سے بھی مناسبت ہے، اللہ تبارک وتعالی نے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو ایک قوم کی طرف بھیجا، پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے دو ڈرانے والے بھیجے، پھر اس کے بعد تیسرے کو بھی بھیجا، جب اللہ تعالی کے نیک اور صالح بندے وہاں پہنچے، تو لوگوں نے کہا:

ہم تم سے بدفالی لیتے ہیں، ہم تمہیں نحوست والا سمجھتے ہیں، یہی جملہ کچھ لوگوں نے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بھی کہا کہ ہم تمہیں نحوست والا سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا: تمہاری بدفالی، تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے اور تمہیں جس بات سے ڈرایا جارہا ہے، اس کو سمجھو اور سنو۔

انسانی زندگی امید وخوف کے درمیان ہے

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی قدرت وطاقت کے ساتھ اپنی رحمت کو بھی ذکر فرمایا، ایک طرف اپنے عذاب کو ذکر فرمایا، اس کے ساتھ بندوں پر اپنی شفقت اور مغفرت کو بھی ذکر فرمایا، اپنی دونوں صفات کے ذریعے اپنے بندوں کو یہ کہا کہ بالکل بندہ نڈر اور بے خوف بھی نہ ہوجائے اور ایسا بھی نہ ہو کہ بندہ ہمیشہ خوف میں رہے، اللہ پاک نے اس سے بھی منع فرمایا، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کو کہہ رہے ہیں کہ اللہ پاک کی رحمت سے مایوس نہ ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اللہ کے ناشکرے اور نافرمان بندے ہی ناامید ہوتے ہیں، تو انسانی طبیعت اور انسانی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کو رکھا ہے، خوف بھی اس کے اندر ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ امید بھی ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہی کا خوف ہو۔

صفر کا مہینہ منحوس نہیں ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے عرب جاہلیت کے اندر مختلف قسم کے رواج تھے۔ لوگ اس مہینے کو نحوست والا سمجھتے تھے، اس مہینے میں شادی بیاہ کو پسند نہیں کرتے اور بھی عجیب وغریب قسم کی چیزیں اس مہینے کے ساتھ انہوں نے وابستہ کی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روایت میں ''ولا صفر'' کے ذریعے اس کو بھی ذکر فرمایا کہ صفر کے مہینہ کی نحوست کچھ نہیں ہے، لوگوں نے اپنے اعتبار سے کسی چیز کو اچھا اور کسی چیز کو برا سمجھا ہے، اللہ تعالیٰ نے چیزوں میں برائی اور اچھائی اپنی طرف سے رکھی ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، تکلیف اور پریشانی تو وہ ہمیں لاحق ہوجاتی ہیں، لگ جاتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تو کسی چیز کی نحوست، تکلیف

اوراس کا شر ہمیں لاحق نہیں ہوتا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب اور رحمت کی احادیث ذکر فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ان دونوں کے متعلق ارشادات ذکر فرمائے۔

چاند گرہن اور غلط اوہام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے لوگوں کے دلوں میں یہ بات آئی کہ سورج گرہن اس وقت ہوتا ہے جب کوئی بڑا آدمی انتقال کر جاتا ہے یا کوئی بڑا واقعہ پیش آتا ہے، اتفاق یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا بچپن میں، اورانہی دنوں میں سورج گرہن ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں اس کے متعلق چرچا شروع ہوا، (بخاری: کتاب الکسوف، باب الصلاۃ فی کسوف القمر)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے مستقل خطبہ ارشاد فرمایا: سورج اور چاند دونوں کو کسی کی زندگی اور کسی کی موت سے گرہن نہیں لگتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ تعالی کی نشانی ضرور ہے، (بخاری: کتاب الکسوف، باب الصلاۃ فی کسوف الشمس) لیکن یہ اللہ تعالی کی مخلوق ہے، ان روایات کے ذریعے پوری انسانیت کو بتلایا کہ چیزوں میں اچھائی اور برائی دونوں ہوتی ہے، لیکن کسی چیز کا اچھا پن بھی انسان کو اس وقت فائدہ دیتا ہے جب اللہ پاک نے اس کے لئے خیر اس میں رکھی ہو، اسی لئے حدیث شریف میں روزانہ ہم لوگ صبح کرتے ہیں، تو دعائیں سکھلائی، اللہ پاک! ہم آج کے دن کی خیر آپ سے مانگتے ہیں اور اس کے شر سے ہم آپ سے پناہ چاہتے ہیں، جب ہوائیں چلتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایتوں میں ہمیں ہواؤں کے متعلق بھی فرمایا۔ جب تیز ہوا چلے تو دعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاک اس کے اندر جو خیر ہے وہ ہمیں عطا فرما اور اس میں جو شر اور برائی ہے اس سے آپ ہماری حفاظت فرمائیں، تو دعا اللہ پاک سے مانگنی ہوگی، سورج اور چاند کو تاثیر والا نہیں سمجھا گیا، ایسی جب بھی کوئی چیز ہوئی، شیطانی قوتیں انسان کی دشمن ہیں، انسان کو تکلیف پہنچانے والی ہے، اللہ تعالی نے ہمیں یہ حکم فرمایا۔

انسان کے دو قسم کے دشمن

چونکہ انسان کے دو قسم کے دشمن ہوتے ہیں، ایک دشمن وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ انسان

بھلائی کرے، اچھا سلوک کرے، تو ''صدیق حمیم'' وہ اس کا اچھا دوست بن جائے گا اور کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کو نرمی اور شفقت کام نہیں کرتی، ان کے اوپر تیز نگاہ رکھنی پڑتی ہے، کسی نے اگر تمہیں تکلیف پہنچائی تو تم اسے اتنی ہی تکلیف پہنچاؤ جتنی اس نے تمہیں پہنچائی، لیکن اگر صبر کرلو، برداشت کرلو، تو یہ تمہارے لئے بہتر چیز ہے۔ تو ایک تو دشمن کے ساتھ اچھا سلوک کر کے اس کو اپنی طرف لائے اور ایک جو اس کو نہیں مان رہا ہے تو اس سے اتنا انتقام لیا جائے جتنی اس نے آپ کو تکلیف دی ہے، لیکن شیطانی قوتیں نہ ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ رحم کا معاملہ کیا جائے، نرمی کا معاملہ کیا جائے اور نہ ایسی ہے کہ ان کا مقابلہ کیا جائے، انسان ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا؛ تو ایسے موقع پر اللہ پاک نے ہمیں یہ فرمایا: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (سورۃ النحل: ۹۸) اپنے آپ کو اللہ پاک کی پناہ میں دے دو، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی کسی کام کے لئے نکلے اور راستے میں کتے، بلی یا کوئی اور چیز اچانک آجائے اور وہ اس کو نحوست والا سمجھے اور اس کی وجہ سے وہ اپنے کام کو چھوڑ دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شرک والا عمل ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس کا علاج کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکل پڑو اپنے کاروبار کے لئے، روزگار کے لئے اور کوئی دوسرا کام ہو تو اس کے لئے نکلو تو یہ دعا پڑھو: **''اللهم لا يأتي بالحسنات الا انت''** (ابو داود: كتاب الطب، باب فى الطيرة) کہ اے ہمارے اللہ! کوئی بھی بھلائی ہو وہ آپ ہی کی ذات سے وابستہ ہے، آپ کے علاوہ ہمیں کوئی بھلائی دینے والا نہیں، اور چیزوں میں برائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرتی، فطری اور نیچرلی رکھی گئی ہے، یہ تکالیف اور پریشانی جو ہے وہ **''لا يأتي بالسيئات الا انت''** یہ اس وقت تک ہمیں نقصان نہیں پہونچا سکتی، جب تک آپ نے نہ لکھی ہو'' **لاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم''** اور ساری قوت نیکی کی طرف لگنے کی اور برائی سے بچنے کی ہم میں نہیں ہے، **الا بالله العلى العظيم**، وہ عظیم ذات سے ہی ہے۔

اعتدال ضروری ہے

اللہ پاک نے خود قرآن شریف میں اپنی مختلف صفات ذکر فرمائی ہے، اپنی شان جلالی کو بھی ذکر فرمایا اور اپنی شان جمال کو بھی ذکر فرمایا، لیکن انسانی طبیعت میں اعتدال اور برابری ضروری ہے، انسانی بچہ چھوٹا ہوتا ہے، اس کو سکھانے کے لئے سائیکولوجی نفسیاتی تربیت اور کچھ آداب ہیں، اگر بچے کو آپنے بچپن سے ہی ڈرایا، بلی سے، کتے سے، شیطان سے، سانپ سے، باوا سے، اس قسم کے جو جملے بولے جاتے ہیں، بچپن میں بچوں کو ڈرایا جاتا ہے، اور وہ بچہ بزدل ہونے کی حالت میں بڑا ہوتا ہے اور اگر بچہ کے دل میں کسی چیز کا کوئی خوف نہ ڈالا جائے، ہر چیز میں اس کو آزاد رکھا جائے اور اس پر کنٹرول نہ کیا جائے، تو یہ بچہ انتہائی جری ہوجاتا ہے اور ظالم بنتا ہے، اس لئے بچوں کی تعلیم اور تربیت میں اسلام نے سکھایا ہے کہ دونوں چیزوں کو اپنایا جائے، کبھی سردی اور کبھی گرمی، اس طریقہ سے بچوں کی تربیت کی جائے کہ خوف والی کیفیت بچپن سے نہ کردی جائے اور بچپن میں اس کو نڈر بنادیا جائے کہ کسی کے آداب اور اصول نہیں بجا لاتا ہے، کسی کا احترام اور ادب نہ کرے اس طرح بھی نہ کیا جائے۔

ستارے سے بارش ہونے کے عقیدہ کا رد

یہ جو اس وقت دنیا کے اندر مخلوق سے ڈر کا ماحول لوگوں کے درمیان عام ہے، ہم اس وقت جس ملک میں رہتے ہیں، یہاں بھی شگن اور اَپ شگن اور مذہبی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی اس کا تصور سمجھتے تھے، وہ ہورہی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا تھا اور صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالی نے مجھ پر وحی بھیجی اور یہ فرمایا: کچھ لوگوں کی زبان سے یہ نکلا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے، ستاروں کی بنیاد پر اپنے مستقبل کو جاننا، اور خوابوں کی تعبیر پر اچانک گھبرا جانا اور اس طرح کی چیزوں کو مؤثر سمجھنا اسلامی تعلیمات کے خلاف عمل ہے، بارش کا برسنا ستارے کی وجہ سے نہیں ہے، رات دن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی قدرت کام کررہی

ہے،اس لئے سائنسدان، ماہرین فلکیات، ماہرین موسمیات،موسم جاننے والے اگر کسی چیز کی خبر دیتے ہیں تو وہ علامات اور نشانیوں کی بنیاد پر دیتے ہیں، علامتیں بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے،اگر یہ علامات اللہ پاک کی چاہت کے موافق ہوتی ہے تو ان کی آگاہیاں اور ان کی مستقبل کی خبریں صحیح ہوتی ہے اور اگر وہ اللہ تعالی کی چاہت کے موافق نہیں ہوتی،فیصلہ خداوندی کے مطابق نہیں ہوتی تو یہ ظاہری اسباب ہے،مخلوق اس کو سمجھتی ہیں، اس کو جانتی ہے اور اس کی روشنی میں کوئی خبر دیتے ہیں،اس لئے ہواؤں کے چلنے کے وقت دعائیں مانگی گئی ہے،اس میں جو خیر ہے، وہ ہمارے لئے مقدر فرما، اس لئے کہ اللہ تعالی نے دنیا کے نظام کو ایسا رکھا ہے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بارش برستی ہے،لیکن اس کے ساتھ گرجتی بھی ہے۔قرآن کریم نے خود فرمایا :يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔(سورۃ البقرۃ :۲۰) اللہ پاک کے عذاب کی چیزیں ہیں،ڈرانے کی چیزیں ہیں،اس میں اچھا بیان بھی ہے، بارش برسے گی،کھیتی باڑی آباد ہوگی،لوگوں کو پانی ملے گا،جانوروں کو پانی ملے گا،لیکن اس میں اللہ پاک نے کچھ ایسی چیزیں رکھی ہوئی ہے جو تکلیف والی ہے،اس لئے حدیث شریف میں جو دعائیں منگوائی گئی تھی، اس کا خیر تو ہم چاہ رہے ہیں،لیکن اس کا شر جو ہمارے لئے ہیں، ہم برداشت نہیں کر سکتے اور اللہ پاک سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ پاک اس کے شر سے ہماری حفاظت فرما، ہوا بالکل نہ چلے تو لوگ پریشان ہوجاتے ہیں،لیکن اگر ہوا چلے اور تیز چلے تو انسانوں کو اور انسانوں کے مکانات اور فصلوں کو نقصان پہنچائے گی،تو حدیث شریف میں اس کے خیر کو مانگا گیا،اس کے شر سے پناہ چاہی گئی، تو یقیناً مخلوقات کا اللہ پاک نے نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ اس میں کچھ چیزیں اچھی بھی ہوتی اور کچھ بری بھی ہوتی ہیں، اللہ پاک نے اس کو اسباب کے درجہ میں رکھا،لیکن چیزوں کو حقیقی مؤثر نہ سمجھیں،صحابہ کرام کی زبان سے نکلا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش برسائی گئی۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح میں فرمایا :اللہ تعالی

نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، یہ ستارے کی وجہ سے نہیں ہوا؛ بلکہ اللہ پاک نے بارش مقرر فرمائی تھی، تو ستارے کو وہاں بھیجا، ظاہری اسباب آئے اور علامتیں ہوئی بادل کے گرجنے کی اور اس کے بعد اللہ پاک کی طرف سے بارش ہوتی ہے، یہی اصل اللہ پاک کا نظام ہے۔

ماہِ صفر کے غلط عقائد کا رد

اس لئے صفر المظفر کے مہینے کو لوگوں نے منحوس سمجھ لیا تھا، حدیث قدسی میں صفر کا لفظ بھی ہے اور الّو کا لفظ بھی ہے، الّو ایک پرندہ ہے جس کو گجراتی میں گُھوَڈ بولتے ہیں اور اس کے متعلق عرب میں یہ عقیدہ تھا، آج ہندوستان میں بھی لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، اگر کسی کے گھر پر اُلّو بیٹھ جائے تو -نعوذ باللہ- گھر والے مرجاتے ہیں، اسی طرح سے سمجھا جاتا ہے کہ اگر ایک آدمی مرجاتا ہے تو الو میں اس کی روح آجاتی ہے، اس ملک میں ہم رہتے ہیں، یہاں چونکہ اس قسم کے برے عقیدے اور ایسی باتیں ہیں، جو انسانی سمجھ سے باہر ہے، شریعت مطہرہ کے خلاف ہے، لوگوں نے اپنے اعتبار سے سمجھ لیا، آپ جانتے ہیں کہ ایک آدمی کو اگر کسی نے مار ڈالا، خون کیا، تو ان کے متعلق یہاں مشہور ہے کہ اس کی آتما بھٹکتی رہتی ہے، جب تک اس کا بدلہ نہ لے لے، عرب جاہلیت میں بھی یہ چیزیں تھیں، آج کی نہیں ہے۔

دوستو اور بزرگو! جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسان کو اس قسم کی چھوٹی بڑی چیزوں کے ڈرنے سے نکال کر ایک خوف ان کے دلوں میں پیدا کرنے کے لیے تشریف لائے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنوں کا ڈر طبیعتوں سے نکالا، صبح جارہے ہیں، بلی بیچاری اپنے مقصد کے لئے جارہی ہے اور یہ آدمی اپنا کام چھوڑ دیتا ہے کہ نہ جانے میں نے صبح سویرے کس کا منہ دیکھ لیا! ہمارے یہاں مسلمانوں میں بھی اس قسم کی نحوست سمجھی جاتی ہے، اگر کسی کی شادی ہوئی، گھر میں شادی کے چند دنوں بعد کوئی تکلیف اور پریشانی ہوئی تو یہی کہتے ہیں کہ فلانی کے پیر ہمارے گھر میں آئے، اس کی وجہ سے ہمارا گھر نحوست والا ہو گیا۔

دوستو اور بزرگو! یہ چیزیں جن کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹانے کے لئے آئے ہیں، اشیاء

اور چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا ہے، اسباب کے درجہ میں اس کو اختیار کیا جائے، اس سے بچا بھی جائے۔ حدیث شریف میں فرمایا: **اعقلھا و توکل**. (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ) اپنے گھر میں تالا لگاؤ، اپنے خزانے کو تالا لگاؤ، پھر اللہ تعالی پر بھروسہ کرو، تم اللہ تعالی کا امتحان نہیں لے سکتے کہ تالا نہ لگاؤ، کھلا چھوڑ دو اور اللہ تعالی اس کی حفاظت کرے، وہ تو حفاظت کرنے والے ہیں، لیکن ہم اللہ تعالی کا امتحان لیں، بندے بن کر، یہ تصور سے باہر کی چیز ہے۔ خیر یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہے، اس لئے اس مہینے کے ساتھ بھی ہم لوگ یہ چیزیں سمجھیں: اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

"لا عدوی" حدیث کے لفظ کی تشریح

اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزیں فرمائی، اس میں سب سے پہلے فرمایا: "**لا عدوی**" ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی نہیں، یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، حضرات محدثین نے اس کے دو مطلب بیان کئے، پہلا مطلب: یہ حقیقی پکے ایمان والا ہے، وہ یہی ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی نہیں، یہی ایک مومنِ کامل کا عقیدہ ہونا چاہئے، لیکن چونکہ ہمارا عقیدہ کمزور ہے، ہمارا ایمان کمزور ہے، ہمارے اس کمزور ایمان کا خیال کر کے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے بہت سارے ارشادات اور بہت سارے احکامات بیان فرمائے۔

چنانچہ محدثین نے بھی اس حدیث کا دوسرا مطلب بیان کیا ہے کہ "**لا عدوی**" کا مطلب آپ یہ فرما رہے ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو اس کی وجہ سے نہیں لگتی ہے، بلکہ اللہ پاک چاہتے ہیں تب اس کو لگتی ہے، اور اتفاق ہوتا ہے کہ وہ اس کے قریب پہنچ گیا اور بیماری اس کو لگ گئی۔

خارش زدہ اونٹ کا واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہ مسئلہ پیش آیا، ایک صحابی نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا ایک اونٹ جنگل میں چرتا تھا اور وہ بالکل تندرست ہوتا ہے، صحیح سالم ہوتا ہے، لیکن

اچانک اس کو کھجلی لگ جاتی ہے، خارش زدہ ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے جتنے بھی اونٹ ہوتے ہیں ان سب کو خارش لگ جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی نے یہ ذکر کیا۔ آج ہم لوگ بھی دیکھ رہے ہیں، سبب کے طور پر بظاہر کبھی کبھار یہ نظر آتا ہے، لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی تربیت فرمائی تھی، آپ نے جملہ فرمایا: ''من اجرب الاول؟'' (ترمذی: ابواب القدر، باب ماجاء لاعدوی ولا ھامة ولا صفر) پہلے اونٹ میں بیماری کس نے پیدا کی؟ پہلے اونٹ میں کھجلی کے جراثیم اور وائرس کہاں سے آئے؟ اس کے بعد والے میں تو اس کی وجہ سے کہہ رہے ہو، لیکن پہلے کو کس نے خارش زدہ کیا؟

''وائرس'' (Virus) اسلام اور سائنس کی نظر میں

اب اگر آج کی سائنس اور آج کے میڈیکل دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ وائرس ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں، ہواؤں میں پھیلتے ہیں، کھانے پینے میں اور دوسری چیزوں میں ادھر سے ادھر ہوتے ہیں، اگر یہ کہہ رہے ہیں تو یہ بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے، ہم یہ کہیں گے کہ یہ بھی اللہ پاک ہی کا نظام ہے، اللہ پاک نے اس کو ادھر سے ادھر کیا ہے، لیکن جب وہ چاہے تب کسی کو بیماری ہوگی، جب نہیں چاہے گا تو نہیں ہوگی، شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اخلاق پر گلستاں اور بوستاں فارسی میں دو کتابیں لکھی ہیں، اس میں آپ نے فرمایا کہ بہت سی مرتبہ ہم نے دیکھا کہ بیمار کی تیمارداری کرنے والا انتقال کر جاتا ہے اور بیمار اچھا تندرست ہو جاتا ہے، وہی بیمار کی خبر گیری کرتا ہے اور انتقال ہو جاتا ہے، اس لئے اگر آج کی سائنس کے حساب سے وائرس ہے بھی تو کہنا یہ ہے کہ اس کو یہاں سے وہاں کس نے پہنچایا؟ جب تک اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے نہیں ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب ایک جگہ پر طاعون اور وبا پھیل جائے، پلیگ لگ گیا اور دوسرے لوگ جو اس جگہ کے علاوہ میں رہتے ہیں تو وہ وہاں پر نہ جائے، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اور دوسرا ارشاد فرمایا کہ وبا والے باہر نہ نکلے، (بخاری: کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون) یہ عجیب وغریب جملے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے، کہ جب طاعون اور

پلیگ لگ گیا، اور دوسرے لوگ وہاں جائیں گے، اور اتفاق سے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی بیماری کا شکار ہونا مقرر تھا، اور بیماری لگ جائے گی تو ایمان کمزور ہو جائے گا کہ اس کے پاس گیا، ان چیزوں کو اور اسباب کو مؤثر سمجھا، تو اس سے بچانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحیمی ہے کہ آپ نے ہمارے ایمان کی حفاظت کے لئے پہلے سے فرمایا کہ ایسی جگہوں پر اور ایسی چیزوں کو اختیار مت کرو، جس کے بعد تمہارے دلوں میں شک اور شبہ پیدا ہو، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک جگہ طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں مت جاؤ، لیکن وہاں والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وہاں سے باہر نہ نکلیں۔

۱۹۹۲ء میں سورت شہر میں پلیگ (Plague) پھیلنے کا واقعہ

دوستو اور بزرگو! یہ روایت چودہ سو سال پہلے آپ نے ارشاد فرمائی اور ہم سن رہے ہیں گزشتہ چند سالوں پہلے سورت شہر میں پلیگ ہوا، ۱۹۹۲ء کے بعد، ایک مخصوص علاقے میں نوجوان وبا سے مرنے لگے، اتفاق سے سورت میں ایک فیملی کے ہی کچھ لوگ پالنپور کے تھے، انہوں نے اپنے وطن والوں سے کہا کہ ہم سورت سے پالنپور آرہے ہیں، تو ان کے رشتہ داروں نے کہا کہ نہیں، یہاں مت آؤ، تم سورت سے آرہے ہو، یہاں مشہور ہو چکا ہے کہ سورت میں پلیگ ہے، اس لئے تمہاری گاڑی کو بھی یہاں چھونا پسند نہ کریں گے اور انہی دنوں میں ایک واقعہ پیش آیا، ایک صاحب سورت سے نکلے، راستہ میں ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی تو کسی بھی جگہ غیر مسلم گیریج (Garage) والوں نے وائرس کی وجہ سے اس کو ٹھیک نہ کیا، ایک مسلمان کے وہاں پہنچے، اس نے اس کو ٹھیک کیا، اخبارات میں یہ مضمون آیا، اس کے بعد گھر والوں نے یہی کہا کہ تم آ ہی رہے ہو اور نکل ہی چکے ہو تو اب تم آبو چلے جاؤ، یہاں مت آؤ، یہاں لوگ پسند نہیں کریں گے۔

اس موقع پر مجھے یاد آیا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ وہ لوگ وہاں جائیں گے تو لوگ ان کے ساتھ نحوست والا معاملہ کریں گے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحیمی وہاں والوں کے لئے بھی ہے، باہر والوں کے لئے بھی ہے۔ اور اب تو کورونا وائرس نے پوری

دنیا کو اس پر مجبوراً عمل کرنے والا بنا دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون کا واقعہ

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف آرہے ہیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے، ایک جگہ آپ پہنچے اور آپ کو پتہ چلا کہ ملک شام میں طاعون کی بیماری پھیلی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، لشکر میں گئے اور مسلمانوں سے ملے، کہا کہ اب میں اپنے سفر میں کیا کروں؟ کیا کسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث معلوم ہے؟ اتفاق سے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے نکلنا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکلنے سے پہلے آگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو ان کو معلوم ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا کہ مجھے روایت معلوم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس جگہ پلیگ کی بیماری ہو وہاں باہر والے نہ جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا وہ اتفاق سے اسی کے مطابق تھا، فوراً روایت مل گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس ہوئے، حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کو روایت معلوم نہ تھی، تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک جملہ کہا: افرارا من قدر اللہ؟ اے خلیفۃ المسلمین! آپ اللہ پاک کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں، اگر آپ کی موت مقدر میں ہے تو آنے والی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: "نعم، نفر من قدر اللہ تعالی الی قدر اللہ تعالی" (ریاض الصالحین: ص ۳۵۸/، باب کراھۃ الخروج من بلد وقع بہ الوباء) ہم اللہ پاک کی تقدیر سے اللہ پاک کی تقدیر ہی کی طرف جارہے ہیں، یہ بھی اللہ تبارک وتعالی کا حکم ہے کہ اس نے ایک بیماری پیدا کی، لیکن اللہ کے رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہاں نہ جائیں، یہ بھی تقدیر ہی ہے، اس لئے ہم اللہ پاک کے حکم ہی کی بنیاد پر واپس ہوئے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعلیمات ''لا عدوی'' ایک کی بیماری دوسرے کونہیں لگتی، ایک کی بیماری کے اثرات دوسرے کونہیں لگتے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چیزوں سے ڈرنے سے اور چیزوں سے متاثر ہونے سے بچارہے ہیں، منع کررہے ہیں۔

ماہ صفر کے فضائل، بدعات

صفر میں عرب کے گھر خالی رہتے تھے، وہ لڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے، خالی مکان کو عرب صفر المکان کہتے ہیں، مکان خالی ہو گیا، جاہلیت میں اس کو منحوس اور بے برکت سمجھتے تھے، آج بھی کچھ مسلمان آخری بدھ کو تعطیل مناتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت یاب ہونے کی وجہ سے شہر سے باہر تفریح کے لئے گئے، حالانکہ یہ غلط ہے؛ بلکہ اخیری بدھ کو آپ بیمار ہوئے، ۹ ربیع الاول یا ۱۲ کو وفات ہوئی، ۱۳ صفر کو چنے کی گھونگھنیا کھانے سے نحوست جاتی ہے، یہ بھی غلط عقیدہ ہے۔

احادیث کی کثرت دلالت کرتی ہے کہ دور جاہلیت میں یہ توہمات عقیدہ کی شکل اختیار کر چکے تھے، چھوت چھات، سعد ونحس، بھوت پریت وغیرہ جاہلیت کے عقائد نے صفر کو نامراد کہا، اسلام نے مظفر یعنی مرادوالا نام رکھا، جس سے قوت عمل مضبوط ہوتی ہے، یہ عقیدہ بھی تھا کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسانی معدہ میں پرورش پاتا ہے، بھوک کی شدت کے وقت کی تکلیف اسی سانپ کے ڈسنے سے ہوتی ہے، نسیئ آگے پیچھے کرنا، صفر کو محرم اور محرم کو صفر کرنا، اس میں دن، تاریخ کو منحوس گردانے سے روکا (لا صفر) .(ابوداود: کتاب الطب، باب فی الطیرۃ) قوم عاد پر عذاب ''نحس مستمر'' (قمر:۱۹) سات رات آٹھ دن تک تیز آندھی کا عذاب آیا، پھر ہفتہ کا کونسا دن برکت والا رہے گا؟ اسلام نے ہر چیز کا رخ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا، بارش کو نچھتر کی طرف منسوب ہونے سے روکا، اس کو کفر بتایا، صفر، زمین وآسمان، چاند سورج، ندی نالے، پہاڑ پیدا کئے انسان کی مدد کے لئے، خدمت کے لئے، کسی مہینے کو دوسرے مہینہ پر فضیلت دی لیکن دوسرے کو منحوس نہیں کہا۔ ماہ صفر میں بیماری، بدشگونی، شیطانی گرفت اور نحوست کے اثرات

کوئی چیز نہیں ہے، (بخاری: کتاب الطب، باب لا ھامۃ) شیطانوں کی گرفت، ستاروں کی گردش و نحوست کا ماہ صفر سے کوئی تعلق نہیں، بھوت پریت کا بھی کوئی اثر نہیں، (مسلم شریف: کتاب السلام، باب لاعدوی، ولا طیرۃ..) بدشگونی شرک ہے، الطیرۃ شرك. (ابو داود: کتاب الطب، باب فی الطیرۃ) اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان:۱۳) قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ (مائدہ:۷۶) اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ (بقرہ:۲۰) اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ (اعراف:۵۴) اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ (زمر:۳) وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ (آل عمران:۸۳).

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ (بقرہ:۱۶۴) قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ (یس:۱۹) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ (نساء:۱۳۶) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ (مائدہ:۷۷)

ان تمام آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ہنود کے عقیدہ تناسخ اور نصاری کے کفارہ کے عقیدے نے انسانوں کو ناامید کر دیا تھا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ، حدیث پاک میں اس مہینے کا خصوصی ذکر لا عدْوی، ولا طِیَرۃَ، ولا ھامَۃَ، ولا صفَرَ، ولا غُولَ. ماہ صفر کا آنا، محرم کا ختم ہونا زندگی کی بے ثباتی پر دال ہے، لہٰذا اعمال خیر اور مابعد الموت کی فکر کرنی چاہئے۔

اسلام مکمل دین ہے، اس کی ہر لائن کی تعلیم معتدل ہے، زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حکم کو اس نے معتدل بیان کیا، انسانی فطرت اور مزاج کا پورا خیال کر کے احکام بتائے، اسی میں سے خوف اور رجاء ہے، اپنی ذات سے ڈرایا؛ لیکن نہ اتنا کہ بندہ ناامید ہو جائے، اور نہ بالکل جری ہو جائے، بلکہ اعتدال کے ساتھ، اولاد کی تربیت میں خوف و رجاء کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے، خوف دلانے سے اولاد بزدل ہوتی ہے، افسر کے سامنے بات کرتے ڈرتے ہیں، اور بے خوف کرنے سے ہٹلر، چنگیز خاں جیسے ظالم و جابر وجود میں آتے ہیں، الغرض خوف و جرأت دونوں ضروری ہے، صحابۂ کرام کی ترقی کا راز یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے بزدلی کی جڑ ختم فرمائی، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی چیز سے ڈرتے نہیں تھے، ان کے خیال میں جن، بھوت، شیطان وغیرہ کوئی چیز نہ تھی، وہ سورج چاند، پہاڑ وغیرہ کو کچھ اہمیت نہ دیتے تھے، کوئی چیز ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہ تھی، مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار اور یہود و نصاریٰ نے شکست کھائی؛ کیونکہ وہ باطل عقائد، نحوست وغیرہ کتا، بلی، بھنگی اور رات دن کی ساعتوں میں نحوست سمجھتے تھے، اس کا خوف ان کے دماغ میں ہوتا ہے، بدشگونی بھی لیتے تھے، آپ نے بدفالی و بدشگونی کی جڑ کاٹ دی، مخلوق کا رعب نکال کر خالق کا رعب دلوں میں ڈالا، کافر سورج، چاند، ستاروں، دریا اور پہاڑ سے مرعوب ہیں اور مسلمان کسی سے نہیں۔

ابن منکدر سے روایت ہے کہ حضرت سفینہؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے، ایک مرتبہ سر زمینِ روم میں اسلامی لشکر کا راستہ بھول گئے، وہ راستہ تلاش کر رہے تھے کہ دشمنان اسلام نے انہیں قید کر لیا، ایک دن وہ قید سے بھاگ کر راستہ ڈھونڈ رہے تھے کہ ان کی ایک شیر سے مڈبھیڑ ہو گئی، چنانچہ حضرت سفینہؓ نے اس شیر کو کنیت سے پکار کر کہا: اے ابوالحارث! سن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں اور میرے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے، جنگل کا شیر یہ سن کر خوشامد میں لگ گیا اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے برابر چلنے لگا، اسے جب کوئی آواز سنائی دیتی تو وہ فوراً ادھر کا رخ کر لیتا اور پھر آپؓ کے ساتھ بغل میں چلنے لگتا، جب حضرت سفینہؓ

اپنے اسلامی لشکر میں پہنچ گئے تو شیر ان کو پہنچا کر واپس لوٹ آیا۔

لا عدوی: چھوت کوئی چیز نہیں، مطلب یہ ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو اثر انداز نہیں ہوتی، یعنی مؤثر بالذات نہیں ہے، صحابی کا خارشی اونٹ والا قصہ، طاعونی مقام پر جانے سے اس لئے روکا کہ اگر وہ مر گیا تو لوگ اس کی طرف منسوب کریں گے اور جس سے ایمان میں ضعف پیدا ہوگا، جذامی کو ساتھ کھلایا، اور چھوت کی نفی کی تا کہ خوف پیدا نہ ہو اور ایسے مریضوں کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

لا طیرۃ: بدفالی بھی کوئی چیز نہیں ہے **الطیرۃ شرك قالها ثلاثاً**، (ابو داود: کتاب الطب، باب فی الطیرۃ) اس سے گھروں میں بھی جھگڑے ہوتے ہیں، اس سے پست ہمتی ہوتی ہے، نیک فالی جائز ہے اس سے بلند ہمتی ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صلح حدیبیہ میں سہل لفظ سے نیک فالی لینا ثابت ہے، لوگ پرندہ اڑاتے تھے، اگر داہنی جانب اڑے تو اچھا، ورنہ برا سمجھتے تھے، پرندہ سے فال بھی نکالتے ہیں۔

لا ھامۃ: الو کی نحوست کوئی چیز نہیں، مشرکین کا غلط عقیدہ تھا کہ آدمی کی روح الو میں حلول کرتی ہے، اور جہاں الو بولتا ہے وہ گھر برباد ہوتا ہے، آپ نے اس کی نفی فرمائی۔

لا صفر: ۱۳ تاریخ کو منحوس سمجھتے تھے، اہل ہنود بھی اور کچھ مسلمان بھی منحوس سمجھتے ہیں۔

لا نوء: ستارے مؤثر بالذات نہیں، حدیبیہ کی رات والا قصہ، اس سے علم نجوم کی بھی نفی ہوئی، اسی لئے نجومیوں سے حالات دریافت کرنے سے منع فرمایا، ایمان چلا جائے گا، اسی تعلیم پر عمل کرنا فرض ہے، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنی چاہئے۔

مَن أتى عَرّافًا فَسَأَلَهُ عن شيءٍ، لَمْ تُقْبَلْ له صَلاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً. (مسلم: کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان)

ستاروں کے تین فائدے ہیں: (۱) آسمان کی خوشنمائی، زینت (۲) غیب کی خبر سننے والے شیطان کو مارنے کے لئے (۳) علامات راستہ بتانے کے لئے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

بِزِیۡنَةِ ۨ الۡکَوَاکِبِ۝۶ وَحِفۡظًا مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ۝۷ (صافات:۶،۷) وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجۡمِ هُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ۝۱۶ (نحل:۱۶)، حدیث میں ہے کہ جس نے ان تین فائدوں کے علاوہ تلاش کیا جس کا ذکر قرآن میں ہے، اور نیا فائدہ حاصل کیا اس نے جادو کے شعبہ کا استعمال کیا۔

بیماری کا علاج کرنے کا حکم فرمایا، لا عدویٰ میں بیماری کی تعدی کی نفی نہیں فرمائی؛ بلکہ بیماری کی طرف منسوب کرنے کی نفی فرمائی ہے، ڈاکٹری قواعد توحید کے خلاف نہ ہو، ان کا اعتبار کیا گیا ہے، جاہلیت میں لوگ بیماری کو مؤثر جانتے تھے، آپ کا اس سے منع فرمانا ہے؛ بیماری حکم الٰہی سے آتی ہے، لیکن کبھی نزدیک ہونا تقدیری سبب کی وجہ سے ہوتا ہے؛ اسی لئے بیمار اونٹوں اور مجذوم سے دوری کا حکم فرمایا کیونکہ یہ بھی اسباب کے درجہ میں ہے اور اسباب سے بھی بچنے کا حکم فرمایا ہے جیسے آگ، پانی، مٹی وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا کے وقت دعا، یاد الٰہی اور خیرات کا حکم دیا، سورج گرہن کے وقت فرمایا کہ إنَّ الشَّمۡسَ والۡقَمَرَ آیتان مِن آیاتِ الله وإنَّهُما لا یَنۡخَسِفانِ لِمَوۡتِ أَحَدٍ، وَلا لِحَیاتِهِ، فَإذا رَأَیۡتُمُوهُما فَکَبِّرُوا، وادۡعُوا الله وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا۔ (مسلم: کتاب الکسوف، باب صلاۃ الکسوف) اور آندھی کے وقت اور ابر کو دیکھ کر دعا کرنے کا حکم فرمایا؛ کیونکہ سابقہ امم کو اس سے عذاب ہوا تھا، ہوا کے شر سے بچنے اور خیر مانگنے کی تعلیم دی۔

صفر: وقت مخلوق ہے، لیکن بندوں کے اچھے برے اعمال کے اعتبار سے زمانہ اچھا یا منحوس ہوگا، حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اگر نحوست ہوتی تو زبان میں ہوتی، حدیث میں ہے نحوست بدخلقی ہے، گناہ بھی نحوست ہے، بزرگ کا فرمانا:

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت

یعنی ہمارے اعمال کی شامت نے نادرشاہ کی صورت اختیار کرلی، اس کا کچھ پس منظر یہ ہے:

نادرشاہ افشار نے ۱۷۳۹ء میں کرنال کی جنگ جیت کر تاجِ دہلی پر قبضہ کرلیا تھا، جنگ میں ہزاروں مغل فوجی مارے گئے اور بعد ازاں شورش سے نمٹنے کے لیے نادر نے قتلِ عام کا

حکم دے دیا، غارت گری اور لوٹ مار کا وہ بازار گرم ہوا کہ ریاستِ مغلیہ اس سانحے کو پھر کبھی بھلا نہ سکی، اس موقع پر مبینہ طور پر کسی شاعر نے یہ شعر کہا:

آدمیاں گم شدند، ملکِ خدا خر گرفت　　　شامتِ اعمالِ ماصورتِ نادر گرفت

انسان غائب ہو گئے اور خدا کی زمین پر گدھا راج کرنے لگا۔ ہمارے اعمال کی شامت نے نادر کی صورت اختیار کر لی۔

معاصی اور عذاب والے مقام سے بھاگنے کا حکم بھی معصیت کی وجہ سے ہے یعنی گناہ نحوست ہے، ثمود کی بستی سے بھاگنے کا حکم دیا، گویا شیاطین جن کی بنسبت شیاطین انس خطرناک ہے وہ دعا سے دور ہوں گے، یہ گناہ کرا کے ہی دور ہوں گے۔

لا غول: جنات بالذات مؤثر نہیں، ان کو یادِ الٰہی، اذان وغیرہ سے دور کرنے کا حکم ہے۔

نیک فال سے امید اور ظن ہوتا ہے، حدیث میں ہے جس کو کاروبار وغیرہ سے شگون نے روک دیا وہ مشرک ہے، صحابہ نے پوچھا اس کا کیا کفارہ؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ کہے کہ اے اللہ! تیری بدشگونی کے علاوہ کوئی نہیں، نہ تیری خیر کے علاوہ کوئی خیر ہے، نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے، پھر اپنے کام کو چلا جائے۔

جذامی کا ہاتھ پکڑ کر کھانے میں شریک کیا اور فرمایا: **كل ثقة بالله وتوكلا عليه.** (ابو داود: کتاب الطب، باب فی الطیرۃ) بدفالی والی چیز دیکھے تو یہ دعا پڑھے: **اللّٰهمَّ لا يأتي بالحسناتِ إلّا أنت، ولا يدفع السّيّئاتِ إلّا أنت، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بك.** (ابو داود: کتاب الطب، باب فی الطیرۃ)

حضرت موسیٰؑ اور حضرت آدمؑ کا عالم بالا میں حجت کرنا، دانہ کھا کر جنت سے اتارنے کے سوال پر حضرت آدمؑ کا فرمانا کہ موسیٰ تورات کب لکھی گئی؟ فرمایا آپ کی تخلیق سے ۴۰ سال پہلے، تو فرمایا: اس میں **وعصى آدم ربه فغوى** لکھا ہوا ہے؟ فرمایا: جی ہاں! فرمایا پھر مجھے ایسے عمل پر لعنت کرتے ہو جو میری تخلیق سے ۴۰ پہلے لکھا ہوا ہو، **فحج آدمُ موسىٰ.** (بخاری:

کتاب القدر، باب تحاج آدم و موسی عند اللہ)

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا نام عبداللہ بن ثوب رحمۃ اللہ علیہ ہے اور یہ امت محمد یہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرما دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں اسلام لا چکے تھے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دَور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لیے مجبور کیا کرتا تھا، اسی دوران میں اس نے حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلم نے فرمایا ہاں، اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو اس آگ میں ڈال دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کو بے اثر فرما دیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقا پر ہیبت سی طاری ہوگئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلا وطن کر دو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل نہ آ جائے، چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی مدینہ منورہ، چنانچہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ فرما چکے ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آ کر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی، وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق موجود تھے، انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو

نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟ یمن سے؛ حضرت ابو مسلمؒ نے جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً پوچھا: اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا، اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا، بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا: اُس کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔ اتنی دیر میں حضرت عمرؓ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟ حضرت ابو مسلم خولانیؒ نے جواب دیا: ''جی ہاں!'' حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرطِ مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انہیں لے کر حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے، پھر انہیں صدیق اکبرؓ اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس شخص کی زیارت کرادی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۲۹۹/۶)

حضرت عقبہ بن نافع ؒ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں افریقہ کا گورنر مقرر فرما دیا تھا اور انہوں نے افریقہ کے کچھ حصوں کو فتح کر لیا اور بربری لوگ جو اس ملک کے اصلی باشندہ تھے وہاں کے بہت سے باشندے دامن اسلام میں آ گئے، انہوں نے اس ملک میں اسلامی فوجوں کے لئے ایک چھاؤنی بنانے اور ایک اسلامی شہر آباد کرنے کا ارادہ فرمایا، لیکن اس مقصد کیلئے ماہرین حربیات وعمرانیات نے جس جگہ کا انتخاب کیا وہاں ایک نہایت ہی خوفناک اور گنجان جنگل تھا جو جنگلی درندوں اور ہر قسم کے موذی اور زہریلے حشرات الارض اور جانوروں کا مسکن اور گڑھ تھا۔ اس موقع پر حضرت عقبہ بن نافع کی ایک عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔

مروی ہے کہ حضرت عقبہ بن نافع فہریؒ کے اس لشکر میں اٹھارہ صحابی موجود تھے، آپ نے ان سب مقدس صحابیوں کو جمع فرمایا اور ان بزرگوں کو اپنے ساتھ لے کر اس خوفناک اور گھنے جنگل میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے یہ اعلان فرمایا: ''اے درندو اور موذی جانورو! ہم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہیں اور ہم اس جگہ اپنی بستی بسا کر آباد ہونا چاہتے ہیں، لہٰذا تم سب یہاں سے نکل جاؤ، ورنہ ۳ دن کے بعد ہم تم میں سے جس کو یہاں دیکھیں گے قتل کر دیں گے۔" اس اعلان کے بعد اس آواز میں خدا ہی جانتا ہے کہ کیا تاثیر تھی کہ سب درندوں اور حشرات الارض میں ہل چل مچ گئی اور غول درغول اس جنگل کے جانور نکلنے لگے، شیر اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے، بھیڑیے اپنے پلوں کو لئے ہوئے، سانپ اپنے سنپولیوں کو کمر سے چمٹائے ہوئے جنگل سے باہر نکلے چلے جا رہے تھے اور یہ ایک ایسا عجیب ہیبت ناک اور دہشت انگیز منظر تھا جو نہ اس سے قبل دیکھا گیا نہ یہ کسی کے وہم وگمان میں تھا۔ غرض پورا جنگل جانوروں سے خالی ہو گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پورے لشکر نے اس جنگل کو کاٹ کر ۵۰ھ میں ایک شہر آباد کیا جس کا نام "قیروان" ہے۔

(معجم البلدان: حرف القاف، القیروان، ۱۰۶/۴، اسد الغابۃ: عقبۃ بن نافع، ۶۶/۴-۶۷)

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے - بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اللہ پاک ہم سب کو اس قسم کی نحوستیں اور اس قسم کی کمزوریوں سے بچائیں، آمین۔ مخلوق سے اور بندوں سے ڈرنے سے اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

دوستو اور بزرگو! ان روایات کی روشنی میں یہ بھی پتہ چلا کہ باہر کے حالات بھی اگر ناخوشگوار ہے تو ان کا کام ہی یہی ہے، قرآن نے فرمایا: نافرمان بندے ایمان والوں کو مارتے ہیں، یہ اس وقت ہندوستان کی کیفیت ہے، وہ یخوفھم الشیطان اور شیطان کی قوتیں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ڈراتی ہیں، یہ روایتیں ہم کو بتلاتی ہے کہ جب چیزوں میں کوئی تاثیر نہیں ہے، بڑی بڑی مخلوق چاند سورج سے ڈرنا نہیں ہے، تو ہمارے جیسے انسان سے کیا ڈرنا!! اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مقابلہ میں مخلوق کی طاقت کچھ نہیں ہے، اللہ پاک ان روایتوں کی روشنی میں ہمارے ایمان کو پختہ فرمائیں۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۷) بدشگونی اور اسلامی نقطۂ نظر (قسط دوم)

(بمقام گارڈن مسجد)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہ وَ اَصْحَابِہ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
أَمْ لَمْ یُنَبَّأْ بِمَا فِی صُحُفِ مُوسٰی ○ وَإِبْرَاهِیمَ الَّذِی وَفّٰی ○ أَنْ لَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ أُخْرٰی ○ وَأَنْ لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰی ○ وَأَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ○ ثُمَّ یُجْزَاہُ الْجَزَاءَ الْأَوْفٰی ○ وَأَنَّ إِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ○ (سورۃ النجم: ۳۶-۴۲)
وَقَالَ تَعَالٰی: وَأَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۔ (سورۃ الجن:۶)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَاعَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ، وَلَا هَامَۃَ وَلَا صَفَرَ. (بخاری: کتاب الطب، باب الجذام)، وَفِیْ رِوَایَۃٍ: وَلَا نَوْءَ وَلَا غَوْلَ. (مسلم: کتاب السلام، باب لا عدوی ولا طرۃ ولا ھامۃ ولا صفر)

وَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ أَتٰی عَرَّافاً سَأَلَہ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَہ صَلٰوۃ أَرْبَعِیْنَ لیلۃ. (مسلم: کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

گزشتہ جمعہ کو آپ حضرات کے سامنے اسلامی عقائد کے سلسلے میں کچھ گفتگو کی تھی، آج بھی اس موضوع کے سلسلے میں کچھ باتیں عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

دوستو اور بزرگو!

کلام پاک کی ایک آیت کریمہ میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تعالی نے سیدنا حضرت موسی علیہ السلام اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں جو باتیں ذکر فرمائی ہیں، قرآن پاک میں اللہ تعالی نے اس کو دہرایا اور یہ فرمایا : أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسٰى ○ اس سے پہلے فرمایا: أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلّٰى ○ وَأَعْطٰى قَلِيلًا وَأَكْدٰى ○ (سورہ النجم: ۳۳، ۳۴) اللہ پاک نے اپنے نافرمان بندوں کے حالات ذکر فرمائے اور آگے اس میں یہ فرماتے ہیں: أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسٰى۔ سیدنا موسی علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ان کو یہ بات کہی گئی اور آگے اللہ تبارک وتعالی نے اس مضمون کو ذکر فرمایا: أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى۔ کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہر انسان کے لئے وہی ہوگا جو اس نے کوشش کی، اس کوشش کا اس کو پورا پورا بدلہ ملے گا، ایک دن اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونا ہے، عمل کے مطابق اپنی سزا یا اپنی جزا کو پائیں گے، اللہ تعالی نے ان آیات میں فرمایا کہ دوسرے کسی کی کوشش کا اور دوسرے کسی کے گناہ کا اس کے اوپر بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، آدمی پر اس کے اپنے گناہوں کا بوجھ ڈالا جائے گا۔

عیسائیوں کے غلط عقیدے کی تردید

یہ آیات جو اللہ تعالی نے ذکر فرمائی اس زمانے میں عرب جاہلیت اور ساری دنیا میں یہ عقیدہ تھا کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے نعوذ باللہ گیہوں کے دانہ کھانے کی یا اور کوئی چیز کھانے کی جو غلطی ہوئی، تو اس گناہ کے کفارے میں اللہ تعالی نے نعوذ باللہ اپنے بیٹے سیدنا عیسی علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا، عیسائیوں کے عقیدہ میں یہ گناہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اور اس کی سزا حضرت عیسی

علیہ السلام کو مل رہی ہے اور جن کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا۔ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ (سورۃ التوبہ: ۳۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے اور اس طریقہ سے آج بھی ان کے یہاں کفارے کا عقیدہ ہے، قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گناہ کوئی کرے اور اس کا بوجھ دوسرے کو اٹھانا پڑے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، اسی طرح عرب جاہلیت میں بھی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی نے پوری زندگی گناہ کئے، لیکن ان کے کچھ مذہبی سربراہ لوگ ہوتے تھے، عیسائیوں میں آج بھی تقسیم ہوتا ہے، وہ جنت کی چٹھی لکھ دیں گے، ان کی اس چٹھی کے بدلے میں سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، ہمارے یہاں مسلمانوں میں بھی کچھ لوگوں کے اس طرح خیالات ہیں، اس کو قرآن کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ منع فرماتے ہیں، اس قسم کی جو چیزیں انسانوں میں پیسے بٹورنے کے لئے ہوتی ہیں، اس قسم کے غلط عقائد اور غلط وہمیات میں ڈالا جاتا ہے، اس آیت کے ذریعہ اللہ پاک اس سے منع فرما رہے ہیں۔

ہندوؤں کے دوسرا جنم لینے کے عقیدے کی تردید

اسی طریقے سے ایک انسان گناہ کرے تو سزا اسی کو ملے گی، ایسا نہیں کہ اس کو کسی اور مخلوق کی شکل دی جائے، اور دوسرے نئے جنم میں وہ اس مخلوق کی شکل میں آئے، یہ اپنے پہلے گناہوں کی سزا میں آئے اور اس آنے والے کو پتہ نہ ہو کہ میں اپنے پہلے جنم میں کیا تھا؟ اور بعد کے جنم میں کیا ہوں، کس گناہ کی سزا میں ڈالا گیا؟ یہ سارے جو عقائد ہیں قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام سے منع فرما کر یہ فرما دیا کہ جو آدمی اچھے کام کرے گا، یقیناً اس کو اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا، اسی طرح جو گناہ کرے گا یا تو اللہ پاک ایمان کی توفیق دے کر اس کے گناہ کو معاف فرما دیں گے یا ایمان والے کے گناہوں کو معاف فرما دے گا یا وہ گناہ جو توبہ پر موقوف ہے، یعنی جن گناہوں کا کفارہ صرف توبہ ہے، جیسے شرک ہے اور وہ توبہ کر لیتا ہے اور اللہ پاک کے یہاں حاضر ہوجاتا ہے، اللہ کے دربار میں اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، گویا گناہوں کو معاف کرنے کا اور

ثواب دینے کا مکمل اختیار اور مکمل پاور صرف اللہ تعالی کی ذات کو ہے، مخلوق میں سے کسی کو اور انسانوں میں سے کسی کو اللہ پاک نے تقسیم نہیں کیا۔

اس لئے ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالی نے انسانوں میں جو اس قسم کے وہم تھے، مذہبی عقیدے کے اعتبار سے کچھ لوگوں نے انسانوں کو وہم میں ڈال دیا تھا، فلانی مخلوق سے تم کو یہ نقصان پہنچ سکتا ہے، فلانی چیز کو اس طرح نہیں کرو گے تو یہ ناراض ہو جائے گا، اللہ تعالی نے فرمایا: وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ۔ (سورۃ الحج: ۷۳) ایسی مخلوق جن پر مکھی بیٹھے اور وہ مکھی کے اڑانے پر قادر نہ ہو اور تمہارے نفع نقصان کے مالک ہو جائے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابراہیمؑ کے توحید پر دلائل

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم کی مختلف آیات میں فرمایا: ملة ابیکم ابراھیم۔ اور ''حنیف'' فرمایا، سارے معبودان باطلہ سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنے بھی نفع نقصان کے اپنے کو مالک سمجھ رہے ہیں، ان سب سے اپنے آپ کو الگ کر کے صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالی کی ذات کو ہی نفع نقصان کا مالک سمجھنا، یہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اور آپ کی ان دلیلوں ہی کی بنیاد پر اللہ پاک نے آپ کے مرتبے کو بلند فرمایا اور ایک جگہ پر اللہ پاک نے خصوصی طور پر ذکر فرمایا: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ط نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ (سورۃ الانعام: ۸۳) آپ نے سورج، چاند اور ستاروں کو ڈوبتا ہوا اور طلوع ہوتا ہوا دیکھا اور لوگوں کے سامنے کہا: یہ میرا رب ہے، یہ میرا بڑا رب ہے، لیکن جب سب کے سب غائب ہو گئے، تو آپ نے فرمایا: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ (انعام: ۷۶) غروب ہونے والے کو میں اپنا خدا نہیں مانتا، جو خود محتاج ہے، مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟

دوستو اور بزرگو!

اس لئے اس مہینے کے ساتھ لوگوں نے کچھ چیزوں کو منحوس سمجھا ہے، اسی طرح حدیث

شریف میں ایک جملہ فرمایا : لا عدوی و لا طیرہ۔ ''طیرہ'' کے معنی ہے بدفالی لینا، کسی کے آنے سے، کسی کے گزرنے سے، کوئی واقعہ پیش آنے سے بدفالی لینا، کہ مخلوق میں سے فلاں ناراض ہوجائے تو ہم پر یہ ہوگا، جاہلیت میں انسانوں کو سمجھایا گیا، آج بھی ہمارے اس ملک میں اس طرح کی اندھ شردھا اور وہم بہت ہیں، عرب لوگ گھروں میں کچھ چٹھیاں رکھتے تھے، ہاں یا ناں کی، اگر کسی کام کے لئے جانا ہو تو بچے کے پاس وہ چٹھی اٹھواتے، اگر ''ہاں'' لکھا ہے تو اس کام کے لئے جاتے، اور اگر اس میں ''ناں'' لکھا ہوا ہے تو پھر اپنے کام سے رک جاتے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بدفالی لینا کسی چیز سے، مخلوق سے اور چیزوں سے جیسے سانپ الّو اور بلیوں سے بدفالی لینا کوئی چیز نہیں ہے۔

نیک فالی لینا جائز اور بدفالی ناجائز ہے

البتہ کسی کا اچھا نام ہے تو اس سے نیک فالی لینا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پسندیدہ ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر مختلف لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ کے مشرکین کی طرف سے آئے، صلح کے لئے مختلف لوگ آئے، اس میں ایک شخص سہل بن عمرو تھے، جب یہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا: اللہ پاک نے ہمارے معاملے کو آسان فرمایا۔ تو اچھی چیزوں سے تو نیک فالی لی جائے، لیکن بدفالی نہ لی جائے، زمانہ میں کوئی برائی نہیں ہے، وقت میں کوئی برائی نہیں ہے، دن میں کوئی برائی نہیں ہے، عورتوں میں، گھروں میں، سواریوں میں اس طرح کی چیزوں میں کوئی نحوست نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ انسان کے اپنے گناہ کے اعتبار سے ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں ذکر فرمایا: اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ''و لا تسبوا الدھر'' (مسلم: کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا، باب النھی عن سب الدھر) تم زمانہ کو گالی مت دو۔ زمانہ کا اتار چڑھاؤ یہ تو ہماری طرف سے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زمانے کو تشبیہ دی ہے: جیسے ایک برتن ہوتا ہے اس میں اگر آپ نے ایک جائز اور حلال چیز رکھی ہے، تو یہ برتن بھی اچھا ہے، اور اگر اس برتن میں آپ نے خراب

اور گناہ والی چیز یا زہر والی چیز رکھی ہے تو یہ نقصان کرنے والی ہے، اس چیز کی وجہ سے اس گلاس میں بھی برائی آئی، برتن میں بھی آئی، برتن تو چاہے اس میں دودھ یا اس کے اندر زہر ڈالا، کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن زہر اور دودھ ان کے اپنے اثرات ہیں، اس طرح نیکیوں اور برائیوں کے اپنے اثرات ہیں، صبح ہم نے کی اور شام تک ہم نے اچھے کام کئے تو یہ ہمارا پورا دن خیر والا ہوگا اور اگر برائی کی تو یہ دن ہمارے حق میں برائی والا ہوگا، اس لئے حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں بتلائیں "**اللهم إني اسألك خير هذا اليوم وأعوذبك من شرمافيه وشرمابعده**" (اتحاف السادة: ۱۱۱/۵) کہ اس دن کی بھلائی ہم آپ سے مانگتے ہیں، اس دن کی برائی سے ہم آپ سے پناہ چاہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ برا نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں اعمال و اخلاق کے اصلاح کی دعا کی تلقین کی گئی، حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے حوالہ سے یہ دعا تعلیم فرمائی: **اللهم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاهواء**. (ترمذی: ابواب الدعوات، باب دعاء أم سلمة)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل کے نام خط

اسلام سے پہلے لوگ چیزوں سے بدفالی لیتے تھے، دریا اور پہاڑوں وغیرہ کے ساتھ کچھ کچھ چیزیں انہوں نے وابستہ کر رکھی تھی، سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب مصر فتح ہوا، تو وہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے فاتح اور مصر کے گورنر تھے، مصر والوں نے آپ کو کہا کہ یہاں سال میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ اس وقت دریائے نیل خشک ہوجاتا ہے، یہ ندی دنیا کی سب سے لمبی ندی ہے، یہ خشک ہوجاتی ہے اور جب تک کسی نوجوان لڑکی کی بھینٹ اس کو نہیں چڑھائی جاتی، ندی کا پانی خشک ہی رہتا ہے، پانی میں روانی اور جوش نہیں آتا، اتفاق سے انہی دنوں میں سال پورا ہورہا تھا، تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ خشک ہوگئی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس میں ایک جوان لڑکی کو بھیٹ چڑھا دیا جائے،

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، ہم تو نفع نقصان کا مالک اللہ پاک کو سمجھتے ہیں، ہم اپنے امیر المومنین کو خط لکھیں گے، اور اس سلسلے میں ان سے مشورہ لیں گے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے دربارِ خلافت میں یہ خط پہنچا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کے نام چٹھی لکھی، اور یہ لکھا کہ اگر تو اپنی طرف سے بہہ رہی ہے تو ہمیں تیری کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اگر تو اللہ پاک کے حکم سے چل رہی ہے تو ہم اپنے اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے اسی طرح جاری فرمادے جیسے تو اس سے پہلے جاری تھی، یہ خط دریائے نیل میں ڈالنے کے بعد دریائے نیل میں ایسا پانی آیا کہ آج تک چودہ سو سال گزر گئے، دوستو اور بزرگو! چودہ سو سال مکمل ہو گئے، آج تک یہ نہیں سنا کہ دریائے نیل میں خشکی آ گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چیزوں سے نہیں ہوتا ہے، اللہ پاک کی ذات عالی سے ہوتا ہے، دریائے نیل کو جو خطاب کیا اس لئے کہ اس زمانے کے لوگ اس کو بڑا سمجھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن لوگوں کے سامنے اس بات کو واضح کرنا تھا کہ ایک مسلمان اور ایک مؤمن مخلوق کو نفع نقصان کا مالک نہیں سمجھتا ہے، ایک اللہ پاک کی ذات کو ہی نفع اور نقصان کا مالک سمجھتا ہے۔

انڈونیشیا اور ملیشیا میں اسلام کی آمد اور غلط عقائد کی اصلاح

یہی حال کچھ مدت کے بعد مشرقی علاقے کے جزیرے انڈونیشیا، ملیشیاء میں ہوا، یہ ممالک اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں بھی اسی طرح دریا کے اندر سے کوئی شیطانی قوت آتی تھی اور دریا میں طغیانی اور جوش آتا تھا، اور ان کو نقصان ہوتا تھا، وہاں بھی یہی طریقہ اپنایا گیا تھا کہ نوجوان لڑکی کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا اور اس کے بعد دریا کے اندر دوبارہ اچھی طرح پانی جاری ہو جاتا تھا، اور دریا کی شرارت اس کے بعد بند ہو جاتی تھی، ایک مسلمان تاجر تجارت کی غرض سے وہاں گئے اور اتفاق سے ایک بڑی عمر کی عورت تھی، اس کے گھر میں انہوں نے پناہ لی، وہاں قیام کیا، اس عورت کی ایک نوجوان لڑکی کو ایک دن اس آدمی نے دیکھا کہ اس لڑکی کو بناؤ سنگار کر کے تیار کیا جا رہا ہے

اوراس کو بھیجنے کے لئے سب لوگ آرہے ہیں، انہوں نے اس بڑی عمر کی عورت سے پوچھا کہ یہ کیا ہورہا ہے؟ کیا واقعہ ہے؟ اس نے کہا: ہمارے یہاں دریا سے کچھ اس طرح کی چیزیں آتی ہیں اور جب تک ایک نوجوان لڑکی کو بھیٹ نہیں چڑھائی جاتی، وہاں تک یہ پریشانی اور وبا جاتی نہیں ہے، یہ مسلمان تھے، انہوں نے اس عورت سے کہا: آج اس لڑکی کی باری ہے، اور آپ لوگوں کے سامنے یہی بتلانا کہ آپ کی لڑکی جارہی ہے، لیکن میں اس کا لباس پہن لوں گا اور میں یہ لباس پہن کر دریا کے کنارے جہاں جانا ہے وہاں پر میں جاؤں گا، چنانچہ انہوں نے لباس پہن لیا اور وہاں گئے، اتفاق سے وہاں کمرہ اور روم جیسا کچھ تھا، رات کے وقت انہوں نے نماز شروع کی، آدھی رات گزری کہ ادھر سے کچھ وبائیں، آوازیں، شور اور ہنگامہ شروع ہوئے، یہ اپنی نماز میں لگے رہے، ان کا جو کمرہ تھا اس کی کھڑکیاں کھٹکھٹانے لگے، دروازے کھٹکھٹانے لگے، لیکن یہ پھر بھی اپنی نماز میں مشغول رہے، دعا میں مشغول رہے، صبح ہوئی، یہ چیزیں تو چلی گئی، پورے شہر والے آئے کہ دیکھیں کہ اب اس لڑکی کو کیا کریں؟؟ یعنی انتقال ہوگیا ہوگا، بھوت اور وبا نے اس کو ختم کردیا ہوگا، جب یہ گئے، دروازہ کھولا تو اندر سے وہ آدمی نکلا، تو لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے! انہوں نے اس کے بعد سمجھایا کہ مخلوق کوئی طاقت والی نہیں ہے، طاقت صرف اللہ تعالی ہی کی ہے، اوراس کی طاقت سب سے بڑی ہے، اس لئے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا یہ عقیدہ ہے۔

جب انہوں نے یہ سنا اور وہاں کے بادشاہ کو یہ خبر ہوئی، اس کے بعد انہوں نے اسلام کے متعلق پوچھا اور اللہ تعالی نے ان جزیروں میں اسلام کی دعوت پہنچائی اور تجارت وتبلیغ کے ذریعے بھی پہنچی، اور آج دیکھ رہے ہیں کہ انڈونیشیا، ملیشیاء اسلامی ممالک ہے، یہ کوئی اسلامی لشکر سے لڑنے کے بعد اسلام نہیں لائے تھے، یہ وہ علاقے ہیں جہاں اللہ پاک نے صحیح العقیدہ ایمان والے لوگوں کو بھیجا اور ان کی برکت سے اللہ پاک نے ان علاقوں میں اسلام پہنچایا۔

دوستو اور بزرگو!

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اس

میں بدفالی ہے، آگے اس کے بعد آپ نے الّو کا ذکر فرمایا، گزشتہ جمعہ آپ اس کے بارے میں سن چکے ہیں، یہ بیچاری ایک مخلوق کسی کے گھر پر بیٹھ جائے اور اس گھر میں مصیبتیں اور بلائیں آئے، یہ اللہ پاک کی طرف سے نہیں ہے، یہ لوگوں کے اپنے من گھڑت عقیدے ہیں۔

ستاروں کے متعلق غلط عقیدہ

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وَ لَا نَوْءَ''۔ اور ستارے بھی کچھ نہیں، ستاروں کا ادھر سے ادھر جانا، یہ ہمارے جیوتشی لوگ مستقبل کی جوخبریں بتلانے والے ہیں اور جنات کے ساتھ جن لوگوں کے روابط بھی ہوتے ہیں اور جادو، جن وغیرہ کی شکلیں جو یہ لوگ کرتے ہیں، ان سب کا تعلق اسی قسم کے ستاروں کی گردش کے ساتھ ہے۔

ستاروں کی تخلیق کے تین مقاصد

[۱] قرآن کریم میں بھی اللہ پاک نے اس کو صاف اور واضح فرمادیا: إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ. وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ (سورۃ الصافات:۷) ایک اور آیت میں فرمایا: وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (نحل:۱۶) ان آیات میں اللہ تعالی نے ستاروں کی تین صفات کا ذکر فرمایا، ان کو تین موقعوں کے لئے اللہ پاک نے استعمال فرمایا، اس میں پہلے فرمایا: إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ کہ ان ستاروں کے ذریعہ ہم نے آسمان کو مزین کیا، آسمان میں ستارے ہیں، چاند ہے، سورج ہے اور نامعلوم کون کون سے ستارے ہیں، اس سب کے ذریعے اللہ تعالی نے آسمان کو زینت بخشی۔ ہم شادی کا شامیانہ بناتے ہیں اور الگ الگ لائٹیں اور ڈیکوریشن کرتے ہیں، یہ انسانی ڈیکوریشن ہے، اللہ پاک کا اوپر کا آسمانی نظام اس کے اندر اللہ پاک نے ان ستاروں کو جگمگاہٹ کے لئے رکھا ہے اور لوگوں کے لئے زینت کے طور پر۔

[۲] دوسرا مقصد ذکر فرمایا کہ سرکش شیاطین سے حفاظت کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جنات اور شیاطین سمائے دنیا پر جاتے تھے اور فرشتوں کی باتوں کو

سن لیتے تھے، یہ بھی اللہ تعالی کی طرف سے امتحان اور آزمائش تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اللہ پاک کی طرف سے قرآن کریم اترنا شروع ہوا، **من کل شیطان مارد، شهاب ثاقب**۔ اللہ تعالی نے فرمایا: یہ ستارہ ان پر گرتا ہے اور اس طرح ان ستاروں کے ذریعے ان شیاطین کو بھگایا جاتا ہے۔

۳ تیسرا مقصد ذکر فرمایا: یہ ستارے نشانیوں کے طور پر بطور علامت کے ہیں، ان ستاروں کے ذریعے سے لوگ رات میں راہ پاتے ہیں، پہلے زمانے میں بجلیاں نہیں تھی، سمندری سفر ہوتے تھے، اندھیروں میں تو راستہ کیسے معلوم ہو؟ رات کا وقت کتنا ہوا ہے؟ اس کا پتہ کیسے چلے؟ ان ستاروں کی روشنی میں لوگ سمندری سفر کرتے تھے، لوگ جنگلوں میں سفر کرتے تھے، حدیث شریف میں آپ نے فرمایا: اللہ پاک نے ان ستاروں کو ان تین وجہ سے پیدا فرمایا، اگر کوئی ان ستاروں کے ساتھ ان تینوں وجوہات کے علاوہ کوئی اور چیز وابستہ کرے گا، اپنے نفع نقصان کے مالک ان کو سمجھے، اپنے مستقبل کے متعلق ان ستاروں کی گردش کو سمجھنے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جملہ ارشاد فرمایا: وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے اپنے آپ کو الگ کرتا ہے، کتنی سخت وعید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، یہ بیچارے اپنا مستقبل نہیں جانتے، تمہارا مستقبل کیا جانیں گے!

جیوتش (Astrology) کے علم کی حقیقت

پور بندر کا کوئی اس طرح کا جیوتش تھا اور لوگوں سے پیسے لے کر بناوٹ کرتا تھا، کل کے اخبار میں اور سوشل میڈیا میں یہ جملہ آیا کہ ”سب کو سب کچھ بتلا دیتا تھا“ لیکن اس کے گھر پولیس پہنچ رہی ہے، یہ اس کو پتہ نہیں، جب پکڑ لیا گیا، اس کے بعد اصرار کرتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں، میں نے لوگوں کو بے وقوف بنایا“، یہ چیزیں وہ کہہ رہا ہے، لیکن لوگوں کی مستقبل کی خبریں بتلانے والا اپنی خود خبریں نہیں جانتا تھا کہ چند دن بعد پولیس والے آئیں گے اور جیل کے حوالے کیا جائے گا، مستقبل کی خبریں دینے والوں کا یہی حال ہوتا ہے، ایک بات سچ اور باقی ننانوے

باتیں اس میں جھوٹ ہوتی ہے، شیطان اپنی طرف سے ایک سچ بات جو اوپر سے سنی ہوئی ہوتی ہے، فرشتوں کے سامنے یہ جو باتیں سمائے دنیا پر ہوتی ہیں، جنات کی ایک جماعت جاتی ہیں، یہ بھی اللہ پاک کی طرف سے ایک امتحان اور آزمائش ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جیسے مرغ دوسرے مرغ کے کان میں پھونک مارتا ہے، اسی طرح شیطان ایک دوسرے کو کہتے ہیں اور اس کے بعد یہ سارے شیاطین اوپر سے نیچے دنیا میں جوان کے چیلے ہوتے ہیں، مستقبل کی خبریں بتلانے کے دعوے داروں کے پاس جا کر یہ بات کہتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں وہ یہی دھندھے کرتے تھے، سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے جیوتشوں کے سامنے جب بادشاہ کا خواب آیا تو خواب کی تعبیر نہیں بتلا سکے: قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ۔ (سورۃ یوسف: ۴۴) لیکن سیدنا یوسف علیہ السلام اللہ تعالی کے نبی تھے، آپ نے اس خواب کی تعبیر صحیح طریقہ سے بتلائی اور وہیں پر قرآن کریم نے کچھ آیات میں اشارے فرمائے، اللہ تعالی کی ذات ہی نفع نقصان پہنچاتی ہے۔

ایک اور آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی تھی اور روایت میں بھی "ولا غول"۔ جن، شیاطین، اور بھوت شیاطین کے متعلق قرآن میں اللہ تعالی نے فرمایا: سورہ جن میں ہے کہ جنات خود کہہ رہے ہیں کہ ہم میں سے کچھ شیاطین اللہ پاک سے جھوٹ بولتے ہیں، یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں، ایک لمبی تفصیل ذکر فرمائی، اسی میں یہ فرمایا کہ انسانوں میں سے کچھ انسان جناتوں سے ڈرتے تھے اور ان کے ڈرنے نے جنات اور شیاطین کو سرکش بنایا، ان کو گھمنڈ اور غرور میں مبتلا کر دیا۔

جنات اور انسان کے آپس میں پناہ لینے کا واقعہ

اس سلسلے میں تفسیر مظہری میں ایک چھوٹا سا واقعہ لکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے تشریف لانے سے پہلے عرب لوگ یہ کرتے تھے کہ اپنے جانور وغیرہ لے کر سفر کرتے، ریگستان میں ہوں، جس جگہ وہ اترتے اس وقت اعلان کرتے کہ جنگل کا جو جنات شیطان

سردار ہے، اس کی پناہ میں ہم اپنے جانور دیتے ہیں، اس طریقے سے ان کا معاملہ چلتا تھا۔

صحابیٔ رسول حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

ایک صحابی حضرت رافع ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اسلام لانے سے پہلے جنگل میں گیا اور اپنے جانور کے متعلق اسی طریقے سے اعلان کر کے پھر سو گیا، رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے جانور کو ایک نوجوان آدمی ذبح کر رہا ہے، آنکھ کھلی تو میں نے اپنے ریوڑ میں دیکھا تو جانوروں کو تو کچھ بھی نہیں ہوا ہے، پھر میں سو گیا، دوسری مرتبہ خواب میں ایسا ہی دیکھا، تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی دیکھا، تیسری مرتبہ کے بعد خواب میں دیکھا اور میں نیند میں سے کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اور ایک بڑی عمر کا آدمی کھڑا ہے اور وہ نوجوان کو کہہ رہا ہے کہ یہ گدھے جو یہاں سے گزر رہے ہیں ان میں سے کسی کو لے لے اور اس آدمی کی اس بکری کو چھوڑ دے، اس نے چھوڑ دیا اور وہ دوسرا جانور لے کر چلا گیا، اس کے بعد بڑی عمر کے آدمی نے مجھے کہا : تو نے رات کو سوتے وقت جو جملہ کہا کہ اس وادی، جنگل کے سردار کی پناہ میں میں اپنے جانوروں کو دے رہا ہوں، اب یہ زمانہ ختم ہو گیا، اب یثرب یعنی مدینہ منورہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں، اس لئے اب جب بھی تو جنگل میں جائے یہ اعلان کرنا کہ میں اپنے جانوروں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی پناہ میں دیتا ہوں، یہ حضرت رافع صحابی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے؟ اور کہاں پر ہیں؟ تو انہوں نے مدینہ منورہ کا پتہ بتلایا، تو میں مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے میں حضور کی خدمت میں پہنچا، جو واقعہ میرے ساتھ پیش آیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پورا نقل کر کے مجھے سنایا کہ تم نے ایسا خواب دیکھا، تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، اور جن نے تمہیں یہاں پہنچایا، تو کہا کہ آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے، اللہ پاک ہی نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، اور وہ ایمان لے آئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کہی سنی باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(۸) اسلام امن پسند مذہب ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴿۳۲﴾ (سورۃ المائدۃ:۳۲)

وَقَالَ تَعَالٰی: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ (سورۃ القصص:۸۳)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَ یَدِہٖ. (بخاری شریف: کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور دینی بھائیو!

کلام پاک کی جن آیات کی آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے ذکر

فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے جس دین کو اللہ تعالی نے پوری انسانیت کے لئے قیامت تک کے لئے عام فرمایا، اس مذہب کا مقصد کیا ہے؟ اس کو ذکر فرمایا امن اور سلامتی، جو لوگ اس مذہب کو قبول کرنے والے ہیں، ان کو یہ مذہب کیا تعلیم دیتا ہے؟ یہ چیزیں آپ حضرات کے سامنے ذکر کرنی ہیں۔

موجودہ دور میں دنیا میں مذہبِ اسلام کی حالت

گزشتہ ہفتہ دنیا بھر کے اندر آپ خبروں میں جان چکے ہیں کہ دنیا کی ایک سپر پاور طاقت نے چند مسلمان ملکوں کے رہنے والوں کو امریکا میں داخل ہونے پر پابندی عائد کی، برسوں سے مسلمانوں اور اسلام کو میڈیا کے ذریعے دہشت گرد (Terrorism) ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور عملی طور پر دنیا میں اس کو بتلاتے ہوئے اس طرح کا اعلان کیا اور گزشتہ چند دنوں سے روزانہ ایئر پورٹ پر مسلمانوں کو پریشان کیا جاتا ہے، جبکہ جن ملکوں پر پابندی لگائی گئی ہے ان ملکوں کے حالات انہیں سپر پاور طاقتوں نے بگاڑے ہیں، گزشتہ چارسو سال سے ہتھیار اور ہتھیار بنانے کی جو ٹیکنالوجی ہے مسلمان اس میں بہت پیچھے ہیں، جو کچھ جدید اسلحہ بنائے جارہے ہیں یا بنائے گئے ہیں، یہ دنیا کی سپر پاور طاقتوں نے بنائے، بنا کر عرب اور دیگر اسلامی ملکوں میں پہنچائے، آپس میں لڑوایا اور جو حالت پیدا ہوئی، اس کے نتیجہ میں یہ اعلانات کروائے۔

انسانیت کے بے چین ہونے کی سب سے بڑی وجہ

اصل میں اس کے پیچھے جو چیز کام کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ یورپ اپنے پورے نظام میں فیل ہو چکا ہے، اور سیکولرزم بھی فیل ہو چکا ہے، ان کا کمیونزم بھی فیل ہو چکا ہے اور انہوں نے رات دن گزارنے کا جو اسلوب اور طریقہ دیا آج کا انسان اس کو اپنا کر زیادہ سے زیادہ پریشان ہورہا ہے، نہ ان کا سماجی بندھن باقی رہا، اور نہ ان کی پرائیویٹ لائف (Private Life) سلامت رہی اور اکونومک (Economic) دیکھنے جائیں تو دنیا بھر میں چند لوگ مالدار سے مالدار ہورہے ہیں اور غریبوں کا طبقہ بڑھتا جارہا ہے، خدائی تعلیمات اور انبیاء کے طریقہ کو چھوڑ

کر انسان نے محض اپنی عقل اور اپنی سمجھ کو ہی سب کچھ سمجھ لیا، اور اس کے بعد سے دنیا کا جو انتظام بنایا اور اس کو نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے نافذ کیا جا رہا ہے، ان سب چیزوں میں انسان فیل ہو چکا ہے، دنیا کے انسان پڑھے لکھے لوگ بے چین اور بے قرار ہیں اور اپنی زندگی میں چین اور سکون تلاش کرنے کے لئے جب یہ مختلف چیزوں کو پڑھتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالی ان کو ایمان کی دولت سے نوازتا ہے۔ وہ ہر چیز کو آزما چکے ہیں اور پڑھ چکے ہیں، عملاً کر چکے ہیں، لیکن زندگی کا چین وسکون ان کو نہیں مل رہا ہے، مختلف تھیوریاں (Theory) دنیا میں چلی اور آج بھی کئی اسکیم اور کئی لوگ اپنے نظریات اور اپنی مذہبی چیزیں دنیا بھر میں پھیلا رہے ہیں، بیچارے مجبوری کے مارے بے چین زندگی والے اس کو کئی دنوں تک اپناتے ہیں، لیکن اس کے اندر بھی سکون نہیں ملتا ہے، تو وہ آخر میں اسلام کی طرف مجبور ہوتے ہیں اور جب ایمان واسلام کو پڑھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور آپ کی تعلیمات کو دیکھتے ہیں تو یہ قبول کر لیتے ہیں۔

انسان کا فطری اور نیچرلی مذہب اسلام ہی ہے

انسان کا نیچرلی اور فطری جو مذہب ہوسکتا ہے، وہ مذہبِ اسلام ہے، اس لئے کہ یہ اس خالق اور مالک کا پیدا کردہ ہے، جس نے انسان کے بدن کے ایک ایک عضو کو ماں کے پیٹ کے اندر اور اندھیری تاریکیوں کے اندر بنایا، لیکن ذرہ برابر اس نے کوئی غلطی نہیں کی، وَمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ (سورۃ ق:۳۸) ان چیزوں کو پیدا کرنے میں اس کو کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی، اس ذات نے جو تعلیم ہمیں پہنچائی اور اسی نظام میں ہم کو وہ باندھ رہا ہے اور اسی نیچر کے مطابق ہمارا بدن چل رہا ہے، تو اس روح کو بھی اسی کے حکم کے تابع ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ روح دنیا کی چیز نہیں ہے، قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ أَمۡرِ رَبِّي (اسراء:۸۵) یہ اللہ پاک کا ایک نظام ہے، اس کے ماتحت اس روح کو پیدا کیا۔

مذہب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ

لیکن جب دنیا کے اندر انسانوں کی طرف سے پیدا کی ہوئی بے چینیوں سے بے چین

ہوکر انسان اسلام کی طرف متوجہ ہوا، تو یورپ کی طاقتوں میں کھلبلی مچ گئی، یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے اس پروپیگنڈے سے اسلام سے لوگ دور ہوجائیں گے، اسلام اور مسلمانوں کی تصویر دنیا کے سامنے اس طرح پیش کر کے نعوذ باللہ یہ بتلا رہے ہیں کہ اسلام تلوار اور ٹینک کا مذہب ہے کہ ان کے پاس سوائے لڑنے جھگڑنے کے اور کوئی چیز نہیں ہے، حتی کہ قرآن کریم کی آیات اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو بھی اس طریقے سے غلط انداز میں رات دن پیش کیا جارہا ہے کہ جس کے نتیجے میں یہ محسوس ہو کہ مسلمان اور اسلامی تعلیم میں سوائے لڑنے اور جھگڑنے کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔

قرآن کریم کا بنیادی موضوع ہی عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ اور اصلاح معاشرہ ہے، یہ عالم گیر رشد و ہدایت، اخلاق فاضلہ، صبر و تحمل، خیر و صلاح، محبت و شفقت، انسانی مساوات و بھائی چارگی، عدل و انصاف، ظلم و زیادتی کی مذمت، یتیموں، بیواؤں، فقیروں، محتاجوں اور سماج کے کمزور و بے بس لوگوں؛ حتی کہ بے زبان جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں تک کے حقوق کو بہت تفصیلی طور پر پیش کرتا ہے، اس کے ساتھ غیبت، دھوکا بازی، سود، خیانت، رشوت وغیرہ کو بالکل پسند نہیں کرتا ہے۔ غرض اخلاقیات کا کوئی شعبہ قرآن کریم نے چھوڑا نہیں ہے، قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق انبیاء کرام کی بعثت کا ایک خاص مقصد دنیا میں امن وامان کا قیام اور جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کا انتظام بھی ہے؛ اسی لئے اول قتل انسانی کے تذکرہ میں فرمایا: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ: ۳۲) ایک ناحق قتل انسانی کو تمام انسانوں کا قتل اور ایک کو بچانا پوری انسانیت کو بچانے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور شدت سے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ (اسراء: ۳۳) کہیں فرمایا: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ (نحل: ۱۲۶) جتنا تم کو ستایا جائے اتنا ہی بدلہ لو، اور اگر صبر کر کے معاف کردو تو صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے، مکہ مکرمہ کے مشرکین جنہوں

نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، مارا، پیٹا اور وطن عزیز سے ہجرت پر مجبور کیا، پھر بھی قرآنی حکم نازل ہوا: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا (مائدہ:۸) بیس سالہ ظلم وزیادتی کا بدلہ لینے میں انصاف سے کام لو۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. (مائدہ:۸) فتح مکہ کے موقع پر سب جانی دشمنوں کو معاف کر دیا۔

دشمنوں کی مسلسل اذیت وتکلیف رسانی کے بعد جب جہاد کا حکم نازل ہوا اور آپ کو دشمنوں سے لڑائی کا سابقہ پڑا تو تحقیقی قول کے مطابق ان غزوات وسرایا جن کی مجموعی تعداد ۸۲ ہیں، ان میں فریقین کے مقتولین کی تعداد صرف ۱۰۱۸ ہیں، تھوڑی سی تعداد کے قتل کے نتیجہ میں خود جزیرۃ العرب جو قتل، غارت گری اور انتقامی کارروائیوں کا دلدل بنا ہوا تھا، وہاں ایک عورت زیورات سے لدی ہوئی سینکڑوں میل کا تنہا سفر امن وامان کے ساتھ کرتی ہے، اس کو خدائے واحد کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوتا، اسلامی غزوات ان دو اصولوں کے پیش نظر ہوتے ہیں، وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج (بقرہ:۱۹۱) فتنہ انگیزی قتل سے بڑھ کر ہے، اور وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ (بقرہ:۱۷۹) اے عقل والو! تمہارے لئے بدلہ اور قصاص ہی میں سامان زندگی ہے، اس کا موازنہ دو عالمی جنگوں سے (۱۹۱۴ سے ۱۹۱۸ تک) اور (۱۹۳۹ سے ۱۹۴۵ تک) سے کیجئے، انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق پہلی جنگ کے مقتولین کی تعداد ۶۴ لاکھ اور دوسری کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی، ان دونوں جنگوں نے تباہی اور بربادی کے سوا انسانیت کی کوئی خدمت نہیں کی۔

انسانی حقوق

اس وقت پوری دنیا میں اس پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے سے ہیومن رائٹس مجروح ہوں گے۔ گویا اس کا تصور اول یورپ نے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں انسانی حقوق کا تصور نہ تھا، یورپ نے اول انسانی حقوق کا ایک سانچہ بنایا، سوال یہ ہے کہ یہ کس بنیاد پر ہے؟ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر دور میں حقوق کے تصور بدلتے آئے

ہیں، خطہ وسماج کے اعتبار سے بھی فرق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں غلام کا آقا من کل الوجوہ مالک تھا، غلام کچھ نہیں کرسکتا تھا، ۱۵۰ سال پہلے جرمنی واٹلی میں فاشزم اور نازی ازم کا فلسفہ تھا کہ طاقت ور ہی حکومت کرے، کمزور کو اس کے تابع ہونا چاہئے، اس زمانے میں اس کے خلاف بولنا جرم تھا اور آج نازی ازم گالی ہوگیا، اس طرح ہر زمانے میں رہا۔

انسانی حقوق کی صحیح تعیین کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنیادی علت متعین فرمائی، اگر آپ کی بتائی ہوئی بنیاد نہ مانی جائے تو کسی کے پاس کوئی حقوق کی بنیاد نہیں ہے، مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ہیومن رائٹس والے سے مذاکرہ ہوا تو مولانا نے اس کو فرمایا کہ ۵-۶ آدمی سے سرو ے نہیں نکال سکتے، وقت کی کمی کا اس کا بہانہ نکالنا پھر مولانا کا سوال کہ یہ مطلق ہے یا شروط و قیود کے ساتھ ہے؟ اس کا اقرار کہ شروط ہیں (مالداروں کا مال لوٹ کر غریبوں کو دینے کی مولانا نے مثال دے کر سوال کیا) تو وہ شروط کیا ہے؟ اس کا تعین کون کرے گا، اس کا انکار کہ آج تک اس کی بنیاد نہیں سوچی گئی، اس نے عدم تشدد کو بنیادی فارمولہ بتایا، مولانا نے کہا کہ دوسرا آدمی اس کا انکار کرے گا تو کہنے لگے کہ اس کا جواب ذمہ داروں سے سوال کرکے بھیجوں گا؛ لیکن جواب ندارد، انسانی عقل محدود ہے، لہٰذا وہ اس کی بنیاد تجویز نہیں کرسکتی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا فارمولا خداوند قدوس کی طرف سے ہمیں پہونچایا کہ پیدا کرنے والی ذات سے ہی پوچھو، آج جمہوریت کو ختم النظریات کہا جاتا ہے، اب کوئی نظریہ انسان کے لئے کارگر نہیں ہوگا، لیکن الجزائر میں اس پر عمل کرنے سے روکا گیا، وہاں جمہوریت جمہوریت کے لئے خطرہ بن گئی، تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (نجم: ۲۲) صرف دعوے ہیں حقیقت کچھ نہیں ہے، یہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی ملے گا، غزوۂ بدر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد کو ابوجہل کے لشکر نے پکڑ کر مجبور کیا کہ مدینہ منورہ جا کر ہمارے خلاف نہیں لڑ سکتے تو ہی اجازت ہے، یہ مدینہ آئے بدر کا یوم الفرقان کا معرکہ، اور آدمی کی ضرورت، ۸ تلوار، ۲ گھوڑے، ۷۰ اونٹ؛ لیکن آپ نے وعدہ نبھایا، اصول پر رہے، اور انسانی حقوق کے علمبرداروں نے جاپان پر بم گرائے، عراق

کے نہتے عوام کو بھوکا رکھا گیا، ٹڈی کے انڈے کھیت میں دبائے جاتے ہیں؛ تاکہ کھیتی برباد ہو۔

جان کا تحفظ:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ (انعام:۱۵۱) مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ (مائدہ:۳۲)

جنگ میں عورت، بچے، عبادت گاہ، بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، صحابہ نے کر کے دکھلایا، درخت نہ کاٹے جائے، کھیتی نہ اجاڑی جائے۔ ''اسلام اینڈ سویلائزیشن'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کی ان نصیحتوں نے اسلامی تاریخ میں اصولی کام کیا، مسلمانوں نے ان کو جنگی ضوابط سمجھا، حضرت عمرو بن عبسہؓ نے حضرت معاویہؓ کو فرمایا وفاء لا غدر (ترمذی: ابواب السیر، باب ماجاء فی الغدر) تو حضرت معاویہ نے فرمایا: میں نے تو رومیوں سے کوئی غداری نہیں کی، جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہؓ نے فرمایا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے، جب کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا سا بھی تغیر نہ کرے، نہ کھولے نہ باندھے، یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے اور ان کے سامنے کھل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمہارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں اور آپ نے معاہدہ کے دوران سر پر فوجیں لا کر ڈال دیں اور شاید اندر بھی تھوڑا سا گھس گئے ہوں، تو اس واسطے آپ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی، جیسے ہی حضرت معاویہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سنا ساری فوج واپس بلالی اور مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا۔ بدر کے قیدیوں سے جانی دشمنی تھی لیکن صحابہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور پر بسر کرتے تھے۔ انگریز مؤرخ سر ولیم میور نے اس کو ذکر کیا ہے۔

مال کی حفاظت:

خیبر کے موقع پر (کالے) چرواہے (بدبودار) کا بکریوں کے ساتھ آنا، اسلام قبول کرنا، آپ کا اس کو دشمن یہود کی بکریاں واپس کرنے کا حکم دینا، پھر شہید ہوئے صحابہ نے نہیں پہچانا،

آپ نے اس کو سینے سے لگانے کا فرمایا تھا وہ تعجب کرتا تھا، آپ کے خیمے پر بھی تعجب کرتا تھا کہ سردار کا ایسا خیمہ کوئی شان وشوکت نہیں، جنت میں کوثر و تسنیم سے غسل دیا گیا، بدبو خوشبو سے، سیاہی تابانی سے بدل دی۔

آبرو کی حفاظت:

غیبت، چغلی، حسد سے روکا، کعبہ کی عظمت سے بڑھکر مسلمان کی آبرو بتائی۔

معاش کی حفاظت:

احتکار (ذخیرہ اندوزی) سے منع فرمایا۔

عقیدے کی حفاظت:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ:۲۵۶)

بیت المقدس سے فوج کی واپسی پر جزیہ واپس کرنا۔

دنیائے انسانیت کو فرد کی آزادی کا احساس سب سے پہلے اسلام نے ہی کرایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرد کی آزادی کا وہ عالم گیر سبق سکھلایا تھا کہ لوگ خود آپ کے بھی کسی عمل کے بارے میں آپ سے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دریافت کر لیتے تھے، ایک باندی اپنے شوہر کے نکاح میں رہنا نہیں چاہتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے پر عرض کرتی ہے کہ اللہ کے رسول اگر آپ کا حکم ہے تب تو سرآنکھوں پر؛ اور اگر مشورہ ہے تو مجھے منظور نہیں ہے۔ (بخاری: کتاب الطلاق، باب شفاعة النبی فی زوج بریرة)، ایک جوان عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر ہمت سے عرض کرتی ہے کہ اللہ کے رسول میرے والد نے میرا نکاح میرے چچازاد بھائی سے طے کیا ہے، جو مجھے منظور نہیں ہے، تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تمہیں نکاح رد کرنے کا اختیار ہے، لڑکی کہتی ہے کہ باپ کا طے کیا ہوا نکاح تو رد نہیں کرتی، لیکن عورتیں یہ بات جان لیں کہ شریعت نے باپ کو مکمل اختیار نہیں دیا ہے، اس لئے میں نے درخواست دی ہے۔

ایک بوڑھی عورت کھڑے ہو کر ۱۰ لاکھ مربع میل کے رقبہ پر حکومت کرنے والے

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے کہتی ہے کہ عمر ٹھیک ٹھیک حکومت کرنا، قاضی شریح خلیفۂ وقت حضرت علیؓ سے عدالت میں آپ کے فرزندار جمند حضرت حسین کو گواہ بنانے پر یہودی کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں، مصر کے فاتح اور گورنر حضرت عمرو بن عاصؓ کے لڑکے ایک قبطی کی پیٹائی کرتے ہیں، وہ قبطی مصر سے مدینہ منورہ آتا ہے، اور حضرت عمرو بن عاصؓ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے کہنے سے گورنر کے لڑکے کو گوڑوں سے سزا دیتا ہے، اس طرح کے سینکڑوں تابناک وشاندار واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔

قابیل اور ہابیل کا واقعہ

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی جو آیت تلاوت کی، اللہ تعالی نے اس طرح کی بے شمار آیات میں اسلام کے امن، سکون اور سلامتی والے ہونے کا دنیا بھر کے لوگوں کے سامنے اعلان فرمایا، سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کو قتل کیا، قرآن کریم نے اس واقعہ کو ذکر فرمایا : وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ (مائدہ:۲۷) سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا سچا واقعہ آپ لوگوں کو بتایئے، اس قصہ کو قرآن نے ذکر کرنے کے بعد نتیجے کے طور پر ذکر فرمایا: مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ (مائدہ:۳۲) روئے زمین پر سب سے پہلے جو فساد کی شکل ڈالی ہوئی تھی؛ یہ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر کے کیا، اللہ پاک نے اس واقعے سے شروعات فرما کر یہ بتایا: مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ۔ دنیا میں فساد نہ مچے، فساد مچانے والوں کو اور ہم کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ ہم نے سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہود کی ایک امت جن میں اللہ پاک نے ہزاروں انبیائے کرام پیدا فرمائے، ان سارے انبیائے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ پیغام بھیجا کہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ (مائدہ:۳۲) جو شخص کسی جان کو ناحق قتل کرے گا أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ زمین میں فساد مچائے گا، فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (مائدہ:۳۲) اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی، اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی، ایسا بہترین مذہب اور ایسی بہترین تعلیم اللہ پاک نے سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد سے

انبیائے بنی اسرائیل کے ذریعے اس امت کو پہنچایا اور قرآن کریم نے اس آیت کو پیش کر کے اس امت کو بھی بتلا دیا کہ تمہارا بھی یہی اصول اور ضابطہ ہوگا۔ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ۔(سورۃ المائدہ:۴۵)

اسلام کا معنی ''امن وسلامتی کی ایک سچی تصویر''

آگے آیت میں تفصیل ذکر فرمائی، یہ اسلام سلامتی کا مذہب ہے، قران کریم بسم اللہ سے شروع ہو رہا ہے، ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے، گویا قرآن کریم میں سو سے زیادہ مرتبہ اللہ پاک کے رحمان اور رحیم ہونے کو بسم اللہ کے ذریعہ ہر سورت کے شروع میں پیش کیا اور تمہارا نام رکھا: وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ۔ (سورۃ الحج : ۷۸) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پیدا ہونے والی ہے، اس امت کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا، هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ۔ مسلمان میں جس کا لفظ ہی ہے سین لام اور میم۔ سلامتی، تو جس مذہب کے نام ہی میں سلامتی کا لفظ پایا جائے، اس کے قبول کرنے والے کو مسلمان، فرمابردار، سلامتی لینے والا اور سلامتی دینے والا اور جس کا دوسرا نام مومن رکھا گیا، ایمان والا رکھا گیا، اس میں بھی امن لفظ ہے، تو سلامتی اور امن کا لفظ اس مسلمان کی ذات کے ساتھ پیدا ہونے سے لیکر قیامت تک کے لیے لگا دیا گیا، قرآن کریم میں اللہ پاک نے جن کو يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے ذکر فرمایا، اس کے ذریعہ انسانیت کو بتلایا کہ اسلام اور ایمان لانے والے جو ہمارے بندے ہوں گے، یہ خود بھی اپنی ذات سے سلامتی چاہنے والے ہوں گے اور دنیا کی انسانیت کے لئے بھی سلامتی چاہنے والے ہوں گے۔

تکبر سے براءت پر جنت کا وعدہ ہے

آپ کے سامنے میں نے دوسری آیت کریمہ کی تلاوت کی: تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔(سورۃ قصص:۸۳) اس

آخرت کی زندگی اور جنت کی زندگی کس کو ملے گی؟ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا۔ ہم ریز روکر دیں گے۔ ''لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا'' ان لوگوں کے لئے جو لوگ زمین میں تکبر کر کے اپنے آپ کو بڑا نہیں بتلاتے اور وَلَا فَسَادًا۔ یہ زمین میں فساد نہیں مچاتے، ایسے بندوں کے لئے ہم نے جنت تیار کر رکھی ہے، گویا جنت حاصل کرنا ہے اور اللہ پاک کی رضامندی حاصل کرنی ہے تو دنیا میں علو، تکبر اور بڑائی سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھنا ہوگا۔

آج کل دنیا میں دہشت گردی Terrorism جو پھیلی ہوئی ہے، اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ اس کا علاج اللہ پاک نے اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا، سب سے بڑا فساد دنیا میں مچتا ہے، عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ۔ آدمی تکبر کرے، آدمی گھمنڈ کرے، اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ یورپ کی طاقتیں اپنے لئے جو الفاظ استعمال کرتی ہیں، امریکہ کے باشندوں کو جو میسج دیا جا رہا ہے کہ روئے زمین پر ہم ہی سب سے بڑے ہیں، یہ کوئی آج کا پیغام نہیں ہے۔

ظلم کی انتہا اور فرعون کی بربادی:

فرعونی طاقتیں ہر زمانہ میں رہیں اور ہر زمانہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بڑا بتلایا، فرعون نے انا ربکم الاعلی کا دعوی کیا، لیکن جب اللہ کا عذاب آیا، فرشتوں نے اس کے منھ میں کیچڑ ڈال دیا اور اس کا منھ دریا کے اندر بند کر دیا گیا، تو اس نے کہا: آمنت۔ میں موسی کے خدا پر اور بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا، اللہ پاک نے فرمایا: آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (یونس:۹۱) اب تو کہہ رہا ہے جبکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور روئے زمین پر فساد مچایا تھا، اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو بڑا سمجھتا تھا اور اس کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو ذلیل اور پست سمجھتا تھا، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (قصص:۵) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ فرعون نے وہاں کے رہنے والے لوگوں کو اور ایک طبقہ کو بڑا بنایا تھا اور ایک طبقہ کو حقیر اور ذلیل سمجھا تھا۔

موجودہ دور کے ظالم کون؟

ہندوستان میں برسوں تک یہ نظام باقی رہا، کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور آج بھی اپنا ملک اسی نظام پر چل رہا ہے، یہاں بھی یہی ہے، ایک اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہے اور ایک اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ رہا ہے اور نعوذ باللہ بھگوان کے پیر سے اس کو پیدا ہونے والا بتلایا ہے، مذہبی کتابوں میں منوسمرتی میں صاف لکھا ہوا ہے، اگر وہ مذہبی کتاب سن لے، سماج کا نچلا طبقہ جن کو ''دلت'' کہا جاتا ہے؛ یہ اگر سن لیں تو اس کے کان میں گرم گرم سیسہ ڈال کر اس کے کان کو بند کر دیا جاتا ہے، ایسی سخت سزا دی جارہی ہے۔

دوستو اور بزرگو!

دنیا میں فساد کی سب سے پہلی وجہ تکبر ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا (قصص: ۸۳) اس لئے قرآن کریم یہ میسیج دنیا کی ان قوموں کو بھی دے رہا ہے جو تکبر کی بنیاد پر آج مسلمانوں کو حقیر اور ذلیل بنانے کی کوشش کر رہی ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَنُرِيدُ اَنْ نَّمُنَّ۔ '' مستقبل مظلومین کا ہوتا ہے''۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں - ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

حقیقی مؤمن کون؟

اللہ پاک کو ظلم سب سے زیادہ ناپسند ہے، اللہ پاک نے اپنے پاک کلام میں فرمایا: ولا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اعراف: ۸۵) یہاں زمین میں فساد مت مچاؤ اس کی اصلاح اور درستگی کے بعد یعنی اللہ پاک اس زمین میں درستگی پیدا کرنا چاہتے ہیں، روئے زمین کا ہر انسان دوسرے انسان سے سلامتی والا ہو، ''**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده**''۔ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہوتا ہے، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : **واللہ لا یؤمن**۔ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، دوسری مرتبہ فرمایا، تیسری مرتبہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کون ایمان والا نہیں

ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”من لا یامن جارہ بوائقه“ جس کا پڑوسی اس کی تکلیف اور اذیت سے محفوظ نہیں رہا، لا یؤمن یہ پورا مومن نہیں ہے، بار بار حدیث شریف میں لا یؤمن لا یؤمن، فرمایا کہ وہ مومن نہیں ہے، وہ مسلمان نہیں ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا: اسلام کی تکمیل کے اعتبار سے اسلام پورا کرنے کے اعتبار سے ہے، کہ فلاں عمل کرو گے تو پورے مؤمن ہو جاؤ گے اور فلاں عمل نہیں کرو گے تو پورے مومن نہیں ہوں گے۔

متکبرین اور متواضع حضرات

خیر! مطلب یہ ہے کہ روئے زمین میں زیادہ تر جو فساد مچا ہے یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی بنیاد پر ہے، قریش کو بھی یہی بھرم تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے ماننے والوں کو بھی یہی بھرم تھا، ان کے سرداروں نے یہی کہا تھا کہ سماج کے نچلے طبقہ والوں کو آپ الگ کر دیں، اللہ تبارک وتعالی نے سیدنا نوح علیہ السلام کے قصہ کو ذکر فرمایا: وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء: ۱۱۴) یہ ایمان والے بندے ہیں، میں ان کو کبھی پیچھے نہیں کر سکتا۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه۔ (سورة الکہف: ۲۸) اللہ کے وہ بندے جو صبح شام اللہ پاک کی رضامندی چاہنے کے لئے آپ کے دربار میں آئے ہوئے ہیں، صفہ والے، چبوترے والے، حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت سلمان فارسی اور دوسرے غریب اور مسکین مسلمان۔ اللہ کے رسول، کائنات کے سردار، جن کو اولین اور آخرین کا علم دیا گیا، اللہ پاک اپنے نبی کو لفظ فرماتے ہیں: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم نہیں دیا گیا، بلکہ آپ کے ذریعہ ہمیں یہ بتلایا گیا۔

سماج کا وہ طبقہ جو کمزور ہوتا ہے، چاہے اپنے جسم کے اعتبار سے اپاہج ہو، کمزور ہو، مالی اعتبار سے کمزور ہو اور کسی بھی طریقے سے پریشان اور بے چین ہو، ان کا خیال رکھا جائے، یہ فساد اور روئے زمین پر لوگوں کے درمیان میں اس طریقے سے تفریق کرنا، لوگوں کو فساد تک پہنچانا ہے، اس لئے جب کسی ایک سماج کے ایک حصے پر ظلم وزیادتی ہوتی ہے تو اس کے اندر

''ری ایکشن'' کی بھاونا پیدا ہوتی ہے، اندر سے بدلہ لینے کے لئے دل انگڑائی لیتا ہے اور دل کے اندر یہ بات ہوتی ہے پھر وہ حد سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

دہشت گرد کون؟

اس لئے جو اس وقت حالات ہے، اس میں جو چیزیں پیدا ہوئی، لوگوں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اپنا علاقہ چھوڑنا پڑا، اپنی جائیداد اور پروپرٹی چھوڑنا پڑا، ملک شام تباہ ہو چکا، عراق تباہ ہو چکا، اس سے پہلے لیبیا، عراق اور افغانستان میں تباہیاں مچائی گئیں، جو لوگ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے سلامتی اور امن کے دین کو دہشت گردی والا کہہ رہے ہیں، ذرا اپنی تاریخ دیکھئے کہ گزشتہ چار سو سال سے دنیا میں آپ نے کیا کیا اور کس کس طریقے سے دنیا کو تباہی اور فساد کے دہانے پر کھڑا کیا، سماج کے طبقوں کو اونچ نیچ میں تقسیم کر کے آپ نے انسانوں کے درمیان میں تفریق ڈالی۔

امن وسکون کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کو لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری عملی زندگی دو چیزیں بتلاتی ہیں، مسلمانوں کو سبق دے رہی ہے، اور غیر مسلم کو اسلام کی صفائی اور نزاکت بتلاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی اس بات کی کوشش کی کہ فساد کسی طریقے سے دب جائے، جو لوگ فساد مچاتے تھے، قرآن نے جن کے متعلق صاف فرما دیا: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (بقرہ: ۱۲) کہ منافقین فساد مچاتے ہیں۔

منافق عبد اللہ بن ابی کا واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورصحابہ کرام کی جماعت تبوک کے سفر میں جا رہی ہے، انصار اور مہاجر کے درمیان چھوٹی سی ایک لڑائی ہو گئی، عبد اللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ اذیت اور تکلیف دیتا تھا، اس نے جب یہ سنا تو یہ جملہ کہا: **سمن کلبک یأ کلک**۔ اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ تمہیں کاٹ لے۔ یہ انصار کو کہہ رہا ہے، تم نے مہاجرین کو مدینہ میں پناہ

دی، اس کے نتیجے میں آج یہ تمہارے ساتھ لڑنے کے لئے کھڑے ہوگئے، حالانکہ دو آدمیوں کا آپس کا جھگڑا تھا، دو سماج کے درمیان، دو خاندانوں کے درمیان جھگڑا نہیں تھا، لیکن اسی طریقے سے ہوا دے رہا تھا، اس کے بعد بھی اس نے بہت سے جملے کہے: یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط (منافقون:۸) کہ جب ہم مدینہ واپس آئیں گے تو مکہ والوں کو سب کو ہم مدینہ سے باہر کردیں گے اور جملہ کہا: الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ عزت والے ذلت والوں کو نکالیں گے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اکابر صحابہ کو اس نے ذلیل کہا، ایسے شدید جملے اس نے کہے، اس کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو معاف فرمادیا۔

اس کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ آئے، باپ کا نام بھی عبد اللہ اور بیٹے کا نام بھی عبد اللہ، انہوں نے مدینہ منورہ کے دروازے پر آئے ہوئے اپنے باپ کو روک لیا اور یہ کہا: جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہ لیں گے، میں تمہیں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، عبد اللہ بن ابی نے کہا: یہ میرا بیٹا مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: داخل ہونے دیجئے۔ فرمایا کہ نہیں؛ جب تک وہ یہ نہیں کہے گا کہ ''انا الاذل'' میں ہی ذلت والا ہوں۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں، میں ان کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا، اگر آپ اجازت دیں تو ابھی میں اس کی گردن اڑادوں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا اور کیسا معاف فرمایا کہ اس کے جنازے کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع کر رہے ہیں اور قرآن کریم کی آیت آچکی ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (توبہ:۸۰) اگر آپ ستر مرتبہ بھی اس کے لئے توبہ کریں، اللہ پاک معاف کرنے والے نہیں ہے، لیکن یہ اختیار دیا تھا۔

آپ نے اپنا کپڑا اس کے کفن کے لئے دیا، آپ کے چچا حضرت عباس جب بدر میں قید ہوکر آئے تھے، اس نے احسان کیا تھا، اس کے احسان کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چکا دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع کر رہے ہیں، بعد میں اللہ پاک کی طرف سے آیت

نازل ہوئی: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖؕ (سورۃ التوبہ: ۸۴) لیکن اس کے جنازے کی نماز پڑھنے سے اللہ پاک نے روکا نہیں، بلکہ اختیار دیا۔ (بخاری: کتاب الجنائز، باب مایکرہ من الصلاۃ علی المنافقین والاستغفار)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے منافق کے سردار کے لئے جس نے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا پر تہمت لگا کر آپ کو دلی اذیت پہنچائی تھی، قرآن نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ (سورۃ النور: ۱۱) قرآن نے اس کے لئے یہ الفاظ ذکر فرمائے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی اس کو معاف فرمایا۔ اس آیت میں تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ سے عبداللہ ابن ابی ہی مراد ہے۔

جنگ اور غزوہ سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظریہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر لڑائی میں یہ کوشش کی کہ دشمن اور ہمارے آدمی کم سے کم مرے، آپ کو اللہ پاک کی طرف سے ظاہری طور پر نبی نہیں بنایا گیا، اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے درمیان ''حلف الفضول'' نامی ایک تنظیم قائم کی سماج کی اصلاح اور درستگی کے لئے اور کسی پر ظلم نہ ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی نبی نہیں بنائے گئے، ۳۵ سالہ عمر ہے، بیت اللہ میں حجر اسود رکھنے کا جو مسئلہ پیدا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کو حل کروایا، یہ سب امن، سلامتی اور صادق ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب کے مطابق ہوا۔

بدر کے معرکہ میں دشمن آئے اور احد میں آئے، حنین میں آئے۔ تو ۸۳ یعنی اسّی اور تین ۸۳ مرتبہ مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان جنگیں ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست ستائیس (۲۷) مرتبہ شریک ہوئے، یہ مجموعی طور پر ۸۳ جنگیں ہیں، مسلمان اور کفار دونوں مل کر ان تمام جنگوں میں کل ملکر (۱۰۱۸) آدمی مارے گئے، اس میں تین سو سے اوپر مسلمان اور چھ سو سے اوپر کفار۔ کل مجموعی طور پر ۸۳ جنگیں ہوئی اور لڑنے والے اور مرنے والے صرف

ایک ہزار اٹھارہ (۱۰۱۸)۔

صرف جنگ عظیم کی حالت بزبان انگریز مؤرخ

اس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری جنگوں کو چھوڑ دیجئے، محض دوسری جنگ عظیم جو آج سے (۷۵) یا ستر سال پہلے ہوئی، (۱۹۳۹) سے (۱۹۴۵) تک مسلسل جنگ ہوئی اور اس کے اندر انسائیکلو پیڈیا آف برطانیکا کے مقالہ نگار کے کہنے کے مطابق چھ کروڑ انسان مارے گئے، یہ تو صرف (۱۹۴۵) کی عظیم لڑائی میں ہوا، لیکن پھر بھی دنیا کے اس بہادر کی بات سنئے۔

''ایٹم بم'' کیا ہے؟

ایٹم بم کی تعریف اسی انسائیکلو پیڈیا میں لکھی ہوئی ہے: ایٹم بم کس کو کہتے ہیں؟ اس نے یہ لکھا کہ یہ وہ چیز ہے جس نے کروڑوں انسانوں کی جان بچائی، یہ جملہ اس میں لکھا ہے یعنی امریکہ جاپان کے اوپر یہ بم نہ پھینکتا تو لڑائی اور جمی رہتی اور کروڑوں انسان مارے جاتے، یہ (۶) کروڑ مر چکے تھے، پھر بھی لکھا جا رہا ہے کہ ایٹم بم نے لڑائی کو بند کر دیا، جاپان نے اپنی شکست قبول کر لی اور اس وقت جو جنگ عظیم چل رہی تھی یہ ختم ہو گئی۔

دوستو اور بزرگو!

اس طریقہ سے لکھنے والے اسلام کے متعلق کیا نہیں لکھیں گے؟ یہ تو صرف انہوں نے جاپان پر اس وقت ڈالا تھا، عراق اور افغانستان کے اوپر جو بمباری کی گئی اور اس وقت شام میں جو حالات چل رہے ہیں اور دوسرے علاقوں میں، یہ سب کیا ہے؟ پھر بھی مسلمانوں کو اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو بدنام کرنا ہے۔

صلح اور امن پسندی کی تعلیم اسلام نے دی ہے

دوستو اور بزرگو!

لیکن یہ گفتگو تو میں نے اسلام کی سلامتی کے پیغام کی کی ہے، اس کے بعد اسلام نے ہمیں جو تعلیم دی ہے، جو روایت میں نے آپ کے سامنے پڑھی، یہ ہمیں خود کہہ رہی ہے کہ ہم آپس

میں بھی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی امن، صلح اور سلامتی کے ساتھ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی بتلاتی ہے، مکہ فتح ہو رہا ہے اور آپ سے پوچھا جا رہا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کیا سمجھ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: "**اخ کریم و ابن کریم**"۔ ایک مہربان بھائی اور ایک مہربان بیٹے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو معاف فرما دیا، یہ باتیں ہم سنتے ہیں، غیروں کے ساتھ بھی ہمیں یہی سلوک کرنا ہے، اپنوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا ہے، اسلام نے ہمیں آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ امن اور سلامتی کا پیغام دیا ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر سے منع فرمایا، فساد پھیلانے سے منع فرمایا، اللہ پاک نے فرمادیا: وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۔ اللہ پاک زمین میں فساد کو پسند نہیں فرماتے ہیں، وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ:۲۱۷) اللہ پاک فتنہ کو قتل سے بھی اشد فرما رہے ہیں، چغلیاں، حسد، بغض، آپس کے جھگڑے پھیلانا، قرآن نے فرمایا: **وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ** (ھمزہ:۱) ہلاکتیں اور بربادی ہے، "ویل" جہنم کی ایک وادی ہے، اس میں کون جائے گا؟ اللہ پاک فرماتے ہیں: هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ زبان سے کسی کی عیب اور برائی بیان کرنا، کسی کو حقیر سمجھنا، آنکھوں کی کنکھیوں سے کسی کو حقیر بتلانا، کسی کی طرف اشارہ کرنا، کسی کی کارٹون بنانا وغیرہ وغیرہ۔

آج کے دور میں جو بھی کسی کو ذلیل کرنے کی شکلیں نیٹ کے ذریعے سے ہو سکتی ہیں، ان تمام سے اسلام نے ہمیں منع فرمایا، غیبت سے، چغلیوں سے، ذو وجہین ادھر جا کر یہ بات کرنا ادھر جا کر یہ بات کرنا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہت شدت سے منع فرمایا۔ اس لئے اسلام نے اپنا پیغام جس طرح امن اور سلامتی کا دیا ہے، ہمیں خود بھی اسلام نے اس کا سبق دیا، اسی لئے تو جب اس میں سے کسی بھی چیز کی کمی ہوتی ہے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا یؤمن ۔ اللہ کی قسم! مومن نہیں۔

آج ہمارا حال

آج ہمارے یہاں آپس کے جھگڑے، اپنے پڑوسیوں سے ہے، اپنے بھائیوں

سے ہے، اپنی بہنوں سے ہے، تعلق والوں سے ہے، اپنے آفس میں کام کرنے والوں سے ہے، ان تمام کے متعلق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ نرمی، مہربانی اور معاف کرنے کا مسئلہ ہے، اسی لئے عربی میں مثل مشہور ہے کہ'' حسد کرنے والا بے چینی اور بے قراری سے رات گزارتا ہے، اس کو چین نہیں ہوتا اور جس کے ساتھ حسد کیا جاتا ہے وہ بدلہ نہیں لیتا ہے، وہ اطمینان اور چین سے سوتا ہے''، اس لئے جو لوگ سماج کے اندر ایک دوسرے کے متعلق بھی فتنہ وفساد پھیلانے کی باتیں کرتے ہیں، انہی کے متعلق حدیث شریف میں فرمایا: غصہ تمہاری نیکیوں کو ختم کرنے والا ہے، غصے کی وجہ سے آدمی کسی پر زیادتی کرتا ہے، چغلیاں، غیبت اور ایک دوسرے کے خلاف کچھ نہ کہا ہو تو بھی بڑھا چڑھا کر زیادہ کہے، اس طرح کی باتوں نے ہماری سماجی زندگی کے سکون کو، آپس کے امن کو ختم کیا، انٹرنیشنل جو امن ختم ہو چکا ہے وہ تو اپنی جگہ پر ہے، لیکن آپس کا ایمان والوں کا ایمان والوں کے ساتھ جو امن ختم ہو چکا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ قرآن اور اس کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اللہ تبارک وتعالی ساری امت مسلمہ کو چین اور امن کی زندگی بلکہ تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالی امن، چین اور سکون نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۹) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَا اَرْسَلْنَا كَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔○ (سورۃ الانبیاء : ۱۰۷) وَقَالَ تَعَالٰی : يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَا كُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَا كُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ○ (سورۃ الحجرات : ۱۳)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ.

(شعب الایمان: رقم: ۷۴۴۸، فصل فی نصیحۃ الولاۃ)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جن آیات کی آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اور آپ کے ذریعہ دنیائے انسانیت پر جو احسانات کئے گئے، اللہ تبارک وتعالی نے ان آیات میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

دوستو اور بزرگو!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیائے انسانیت کو کیا دیا؟ یہ بہت لمبی چوڑی فہرست ہے، مجھے آپ حضرات کے سامنے چند موٹی موٹی باتیں عرض کرنی ہیں، جس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں انقلاب پیدا فرمایا، ایک روایت میں ارشاد فرمایا گیا: **إنما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**. (مجمع الزوائد: ۱۸/۹، باب ما جاء فی حسن خلقه) مکارم الاخلاق بنا کر میں بھیجا گیا ہوں، تاکہ اخلاق کو مکمل کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لائے اور انہوں نے بھی اخلاق کی تعلیم دی، لیکن ان کی تعلیم اس زمانہ کے اعتبار سے، ان علاقوں کے اعتبار سے محدود تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے رہنما اور رحمت بن کر تشریف لائے، اس لئے آپ کی تعلیم میں اخلاق کے ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا جو صرف ایک زمانہ یا ایک مکان کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہر علاقہ اور ہر ماحول کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق لے کر تشریف لائے۔

پہلا احسان: انسانیت کو توحید کی نعمت ملی

ان میں سب سے پہلی چیز جو آپ ﷺ نے دنیائے انسانیت پر احسان فرمایا وہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی توحید کی دعوت دی، ایک اللہ اور اس کی وحدانیت اور اس کی صفات کی تعلیم، ان کے سلسلے میں بہت تفصیل سے انبیائے کرام نے فرمایا، لیکن توحید کے عنوان پر ایک اتنی بڑی امت کا جمع ہو جانا، آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب اور دوسری ایک معتبر روایت کے اعتبار سے (۴۰) ہزار افراد دنیا میں چھوڑے۔ اگر چالیس ہزار کی تعداد بھی لی جائے، ایک لاکھ سے اوپر کو نہ لیا جائے، تب بھی انبیائے کرام علیہم السلام کی تاریخ میں آپ ﷺ سے زیادہ پیروکار اور ماننے والے اتنی بڑی تعداد میں نہیں ہے۔

صحابہ نے ''من وعن'' توحید خداوندی کو پہنچایا

آپ کی موجودگی میں ہی کتنے لوگ آپ پر ایمان لے آئے اور پھر ان میں سے ہر ایک اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ایک دینی جذبہ ایسا رکھتا ہو کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کو (۲۵) سال نہیں ہوئے تھے کہ دنیا کی دو بڑی سپر پاور (Super Power) طاقتیں ایران اور روم اور تیسری تہذیبی طاقت مصر، یہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کے ماتحت آ گئیں۔ انہوں نے اپنا کلچر بدل دیا، اپنی زبان بدل دی اور اپنا مذہب بدل لیا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توحید والی نعمت جو آپ لے کر آئے تھے اور جس میں کسی قسم کی خلط ملط نہیں ہوئی، صحابہ کرام نے آپ کی اس دعوت کو جیسا لیا تھا اسی طریقے سے ان حضرات نے پہنچایا۔ یہ وہ بنیادی چیز تھی کہ حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لائے، آپ نے بھی خالص توحید کی دعوت دی، لیکن آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے چند سال نہیں گزرے تھے کہ آپ کی اس توحید والی دعوت کو بدل دیا گیا اور اس کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا نعوذ باللہ بیٹا قرار دیا، قرآن کریم میں فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ (نساء:۱۷۱) تین میں سے ایک خدا مان لیا گیا، اس کے مقابلہ میں صحابہ کرام نے اس دعوت کو جیسی تھی ویسی پہنچائی۔

توحید کی دعوت کے فوائد

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ دنیا کے وہ مذاہب جو توحید کو نہیں مانتے تھے، دنیا کا بڑا مذہب کرسچین (Christian) جس میں شرک آ چکا تھا، ہندوستان جیسے ملک میں ہزاروں دیوتاؤں کو خدا کے برابر سمجھا گیا، ان کی عبادتیں کی جاتی تھیں، نفع نقصان کا ان کو مالک سمجھا جاتا تھا، ان چیزوں کو جب صحابہ کرام اور تابعین ہندوستان تشریف لائے، اور اسلام کی دعوت پہنچائی اور پھر بادشاہوں کے دور میں صوفیائے کرام کے ذریعہ اس کو عمومیت حاصل ہوئی، جس کے نتیجہ میں اس ملک کے غیر مسلمین میں بھی دین کی باتیں آنے لگیں، وہ لوگ بھی شرک کو اور اس جیسی چیزوں کو برا سمجھنے لگے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے یہ بتلایا

کہ خدا کی ذات کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، خدا کے سوا کوئی نفع نقصان کا مالک نہیں، یہ وہ چیز تھی جو چودہ سو سال پہلے کے انسانوں کے کان جس کے سننے سے ترس رہے تھے، جو ان چیزوں کو نہیں سمجھ رہے تھے، انسانوں نے انسانوں کو خدا بنایا، اپنے نفع نقصان سے وابستہ کیا تھا، ایسے موقع پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ کوئی انسان وہ کتنا ہی بڑا ہو بالآخر وہ انسان ہے، وہ خدا کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں کے ذریعہ اس کو سمجھایا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ذریعہ اور اس کو کھول کر بیان کیا گیا۔

دوسرا احسان: انسانوں میں کوئی عبادت کے لائق نہیں

دوسرے نمبر پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائے انسانیت پر جو سب سے بڑا احسان فرمایا وہ یہ فرمایا کہ جب یہ چیز بتلا دی کہ انسانوں میں کوئی عبادت کے لائق نہیں، ایک اللہ ہی کی ذات عبادت کے لائق ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انسانوں نے بادشاہوں کو، چودھریوں کو یا مندر کے مہنتوں اور پادریوں ان سب کو خدا کا درجہ دیا تھا، اسلام میں علماء کرام اور فضلاء کے بارے میں لوگوں کو سمجھایا گیا کہ یہ خدا کا درجہ نہیں رکھتے، یہ ہمارے جیسے انسان ہیں۔ **الناس خلق من آدم**۔ کہ لوگ سب کے سب آدم سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، اسی سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسانوں نے یہ سمجھ لیا کہ انسان انسان کے برابر ہے، کوئی انسان کسی انسان سے بڑا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عربوں نے اپنے آپ کو عرب کہا اور اپنے علاوہ کو انھوں نے عجمی کہا اور عجمی کا معنی ہے گونگا ہونا، گویا کہ عرب ہی بولنے والے ہیں اور عرب کے علاوہ سارے ہی لوگ گونگے ہیں، اس طریقہ سے زبانی اعتبار سے اپنی فضیلت سمجھی، دوسرے لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھا، یہ نظریہ دنیا کے ہر ملک ہر تہذیب اور کلچر میں تھا۔

انسانوں میں سب برابر ہے، کوئی اونچ نیچ نہیں

یہ جو آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ آپ انسانیت سے کہہ دیجئے: إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ (حجرات: ۱۳) کہ ہم نے تمہیں

ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، وَجَعَلْنَا كُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ (حجرات: ۱۳) تمہارے اندر خاندان اور قبیلے رکھے، کیوں؟ لِتَعَارَفُوْا محض پہچان کے لئے۔ اس کے علاوہ کسی خاندان میں ہونا، کسی قبیلے میں ہونا، کسی قوم میں ہونا ہم میں سے کسی کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے، اللہ پاک انسان کو مختلف قبیلے، مختلف خاندان اور مختلف نسلوں میں پیدا کرتا ہے، اس لئے یہ چیزیں فخر کی نہیں ہے، انسان کی لائی ہوئی نہیں ہے، اللہ کی دی ہوئی ہے اور اللہ کی دی ہوئی چیز پر انسان اپنے اعتبار سے فخر نہیں کرسکتا، یہ اللہ پاک کا احسان ہے کہ ہمیں مختلف قبائل میں پیدا فرمایا اور اس کی وجہ بتلائی، لِتَعَارَفُوْا ایک دوسرے کو پہچان سکو، بس اتنا ہے کہ دو خاندان اور دو قبیلے ایک دوسرے کو پہچانیں اور حسن سلوک کریں، ایک دوسرے کے حق کو جانیں، رشتہ داروں کے حقوق کو پہچانیں، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ألا لا فضل لعربی علی أعجمي. (مسند احمد: رقم: ۲۳۳۸۱، ۱۲/۱۷) کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں، الا بالتقوی۔ قرآن میں بھی فرمایا: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ (حجرات: ۱۳) سب سے زیادہ اکرام والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تقوی والا ہو، اللہ سے ڈرنے والا ہو، جس کے دل میں اللہ پاک کا خوف زیادہ ہوگا، وہ شخص اللہ کے نزدیک قریب ہوگا۔

تیسرا احسان: انسانیت کا احترام

تیسرے نمبر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیائے انسانیت کو جو سب سے بڑی چیز عطا فرمائی وہ ہے ''انسانیت کا احترام'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن میں آیت نازل ہو رہی ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (اسراء: ۷۰) ہم نے انسان کو مکرم بنایا، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً (بقرہ: ۳۰) اللہ پاک نے فرمایا: میں زمین پر اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں، انسان کو اللہ پاک نے یہ شرف بخشا کہ وہ اللہ کی اس دنیا میں نیابت کرسکیں، تو انسان کو وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ۔ ہم نے انسان کو اکرام والا بنایا۔

آپ کے سامنے میں جو روایت پیش کی، اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **الخلق عیال اللہ**۔ ساری کی ساری مخلوق اللہ پاک کا کنبہ اور پریوار ہے اور اللہ پاک کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو اللہ پاک کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ **فاحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله.** (شعب الایمان: رقم: ۷۴۴۸، فصل فی نصیحۃ الولاۃ)

ایک کالے حبشی صحابیؓ کا واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کالے حبشی آرہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ کیا اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر وثواب ملے گا؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو جنت اور اس کی نعمتیں ملے گی، وہ ایمان لائے اور اس کے بعد پھر اللہ کی راہ میں جان دی، ایمان لانے کے بعد کوئی عبادت نہیں کی، ایمان لانے کے بعد یہی ایک عبادت جہاد کی کی، اللہ تبارک وتعالی نے انہیں کامیاب فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جہاد میں انہیں تلاش کیا، کہاں ہے وہ اللہ کا بندہ؟ (مدارج النبوۃ: ۲/۲۲۰)

فتح مکہ کے وقت حضرت بلالؓ کا اذان دینا

مکہ مکرمہ فتح ہورہا ہے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کی چھت پر اذان کا اعلان کررہے ہیں، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اذان دے رہے ہیں، مکہ کے سردار جو اپنی قومی عصبیت اور قومی حمیت میں مشہور تھے، ان سے یہ برداشت نہ ہوسکا، وہ کہنے لگے: کاش ہم یہ دن نہ دیکھتے کہ کعبہ کی چھت پر ایک حبشی کھڑے ہوکر اعلان کررہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پریکٹیکلی طور پر بتلادیا کہ عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بلال حبشہ سے آرہے ہیں، صہیب روم سے آرہے ہیں اور سلمان فارس سے آرہے ہیں، سب کو گلے لگارہے ہیں، یہ اسلام کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیم تھی جس کی بنیاد پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کا درجہ متعین فرمایا۔

مخلوقِ خدا کے ساتھ خیر خواہی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت ذکر فرمائی۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بندے سے قیامت کے دن فرمائیں گے: میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں دیا، کپڑے نہیں تھے تو نے مجھے کپڑے نہیں دیئے، بندہ عرض کرے گا کہ اللہ تعالیٰ آپ تو خالق اور مالک ہیں۔ آپ کی ذات عالی کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں، یہ بیمار ہونا، کپڑے کی ضرورت کا ہونا، پانی کا محتاج ہونا، یہ سب عیب ہے، آپ کی ذات تو سبحان ہے، بے عیب ہے، اللہ پاک فرمائیں گے: میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو اس کی خبر گیری کرنے جاتا تو وہاں مجھے پاتا یعنی میری رحمت کو پاتا۔ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، فلاں بندہ پیاسا تھا، اگر تو اس کو کھلاتا اور اس کو پلاتا تو وہاں مجھے پاتا۔ (مسلم: کتاب البر و الصلة، باب فضل عیادة المریض) اس لئے حدیث شریف میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائے انسانیت کو بتلایا کہ انسان کا احترام اسلام میں کیا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ پیدا کرنے والی ذات انسان کی بیماری کو اپنی بیماری فرمائے، انسان کے بھوکے اور پیاسے ہونے کو اپنا بھوکا اور پیاسا ہونا بتلائے، یہ تعلیم جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

جنگ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت

جب آپ کے لئے دشمنوں کا مقابلہ کرنا ناگزیر اور ضروری ہو گیا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ کے اندر مسلمانوں میں کچھ اعلان فرمائے اور لڑائی اور جنگ کے بھی اصول و آداب بتلائے کہ بے قصوروں کو قتل نہ کیا جائے، بدن کے ہاتھ پیر نہ کاٹے جائے، اور بھی بہت سی نصیحتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ (ابو داود: کتاب الجهاد، باب فی دعاء المشرکین)

آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں سے اور دوسری قوموں سے جو معاہدے فرمائے، اس میں انسانیت کا احترام ملحوظ رکھا۔ انسانیت کے لئے بولنے والے بہت ہیں، لیکن پریکٹکلی طور پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کر کے دکھایا۔

حضرت عمرؓ کا قبطی کو انصاف دلانا

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کو جن کے ہاتھوں اللہ پاک نے فتح فرمایا اور وہ مصر کے گورنر بھی بنے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے، وہاں کا ایک اصلی باشندہ جس کو قبطی کہا جاتا ہے، یہ مدینہ منورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ مصر میں گھوڑوں کی ریس (Ress) لگی تھی، گھوڑوں کی ([illegible]) ہو رہی تھی، میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا اور مصر کے امیر اور گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد کا گھوڑا مجھ سے پیچھے رہ گیا، یہ اس سے دیکھا نہیں گیا اور اس نے مجھے کوڑا مارا، چونکہ وہ امیر کا لڑکا تھا، اس لئے میں اس سے بدلہ نہیں لے سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہیں اور فوراً قاصد مصر روانہ کیا اور یہ کہا کہ مصر کے گورنر عمرو بن العاص اپنے بیٹے کو لے کر جس وقت ہمارا یہ خط پہنچے فوراً روانہ ہو اور چند دنوں میں ہمارے پاس آجاؤ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے فاتح، مصر کے گورنر اپنے بیٹے کو لے کر مدینہ منورہ آگئے، اس قبطی کو اتنے دنوں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہمان رکھا۔

جب وہ آئے تو اس سے کہا کہ کیا وہ یہی ہے؟ اس قبطی نے کہا: ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑا لیا اور کہا کہ جتنے کوڑے اس نے تجھے مارے تھے اتنے کوڑے اس کے باپ کے سامنے اس کو مار، اس قبطی کو جتنے کوڑے مارے تھے، اس نے اتنے کوڑے مصر کے گورنر عمرو بن العاص کے صاحب زادے کو لگائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے اس لئے کوڑے مارے تھے کہ اس کا باپ گورنر ہے، تو ان کو بھی کوڑے لگاؤ، اس قبطی نے کہا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کچھ بھی نہیں کیا ہے، قصور ان کے بیٹے نے کیا ہے اور میں نے ان سے شکایت نہیں کی ہے، بلکہ میں تو سیدھا مدینہ منورہ دربار خلافت میں آیا ہوں، اگر میں نے ان سے شکایت کی ہوتی اور وہ نہ سنتے تب تو وہ حقدار تھے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو بلا کر کہا: اللہ پاک نے

انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے، تم کون ہو؟ جو انسانوں کو غلام بناؤ؟ یہ اتنا بڑا انسانوں کا احترام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہمیں ملا ہے۔

مظلوم امت مسلمہ پر ظلم کی بارش

آج جن دنوں سے ہم گزر رہے ہیں امت مسلمہ خاص کر کے ملک شام کے حلب شہر کے حالات آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے، جس نبی نے اپنی امت کو انسانیت کے لیے سسکتا ہوا بنایا، جس نبی نے اپنی امت کو انسانوں کے درد اور غم والا بنایا، آج اسی امت کے افراد اسی امت کے چھوٹے معصوم بے قصور بچوں کو بھی کس بے دردی کے ساتھ اور کس بے رحمی کے ساتھ ظلم کا شکار بنائے ہوئے ہیں! چاہے شام میں ہو رہا ہو، چاہے یمن میں ہو، ہم دونوں چیزوں کو پسند نہیں کرتے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاق اور اتحاد کی دعوت دی تھی اور یہ فرمایا کہ اگر کوئی اختلاف ہے تو صلح کی کوشش کی جائے اور اس کے ذریعہ امت کو ایک کیا جائے۔

دوستو اور بزرگو! بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سرزمین؛ وہ ملک جس کے لئے اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا : الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ (اسراء:۱) جس میں ہم نے برکتیں نازل فرمائیں۔ آج وہاں پر ظلم اور تشدد ہو رہا ہے، دنیا کی اقوام اور دنیا کی وہ ساری تنظیمیں یونو UNO اور دنیا بھر میں اپنے آپ کو انسانوں کا رکھوالا سمجھنے والا امریکہ اور روس تو خود اس کے اندر ملوث ہے، یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟

دوستو اور بزرگو! ایسے موقع پر انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ امت جو دوسروں کو انسانیت کا احترام سکھلانے والی تھی اور انسانی حقوق کا چارٹر پیش کرنے والے نبیٔ آخر الزماں کے حجۃ الوداع کے خطبہ کو جاننے والی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ مہینہ اور سیرت کے اس مہینے میں کس طرح کا ظلم اور تشدد خود اس امت کے آدمیوں کی طرف سے ہو رہا ہے، شام کی تاریخ پوری بھری پڑی ہے، کچھ باتیں ایسی ہیں جو ہم آپ سے کہہ بھی نہیں سکتے ہیں، پوری تاریخ شیعہ اور سنیوں سے بھری پڑی ہے اور کیا کیا ظلم ہو رہا ہے۔

منافقوں سے امت کو نقصان

کسی بھی عنوان سے امت کو ادھر سے ادھر کیا جا رہا ہے اور کسی بھی نام کے ذریعہ تنظیم کھڑی ہوتی ہے، اس کو کھڑی کرنے والے یہی امریکہ اور اسرائیل ہوتا ہے، مسلمان سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ ہم کس کا کھلونا بنے ہوئے ہیں؟ اور کون کس کا کھلونا بن کر کس کو مار رہا ہے؟ یہ کھلونا بننے والے تو ایک طرف Side رہ جاتے ہیں لیکن بے قصور انسان اور معصوم بچے بوڑھے اور عورتیں ظلم اور تشدد کا شکار بنتے ہیں، یہ شام کا صدر اور اس سے پہلے تھے اس کے والد، اس نے بھی بہت ظلم کیا، بڑے بڑے صلحاء، علماء اور اللہ کے نیک بندوں پر ظلم وتشدد کر کے شام سے ان کو نکالا گیا ہے، اس کی بھی پوری تاریخ بھری پڑی ہے اور گزشتہ چند مہینوں سے اس نے جو کیا ہے اور اس کی روشنی میں دنیا بھر کا میڈیا یہ لکھ رہا ہے کہ اس سے بڑا اور ظالم دنیا میں کوئی نہیں، سب میڈیا والے لکھ رہے ہیں۔

ایک گجراتی اخبار کی شرارت

لیکن افسوس کہ گجرات میں مسلمانوں کا نکلنے والا ایک اخبار ہے، اور آج اس نے بشار اسد کی تعریف کے جملے نقل کئے ہیں، ایسے ظالموں کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں، ہم کیا کہیں؟ دل میں ضمیر ہے یا نہیں؟ یا پھر آپ کسی سے بکے ہوئے ہیں، یہودی میڈیا اور ایران یہ کوشش کر رہا ہے کہ دنیا بھر میں لوگوں کو اپنا ہم نوا بنایا جائے، اسی میں آپ تو نہیں ہیں؟ اس لئے کہ گزشتہ دو تین سال سے اس اخبار کا جو رویہ نظر آرہا ہے وہ یہی ہے کہ ہمیشہ وہ سنیوں کی مخالفت کر رہے ہیں، ہمیشہ اور دوسری چیزیں آگے کر رہے ہیں، برسوں سے ایرانی کلچر سے ان کا تعلق ہے اور اسی نسبت پر یہ چیزیں ہو رہی ہے، انتہائی افسوس کی بات ہے، ایسا ضمیر مرا ہوا ہے مسلمانوں کا!

دوستو اور بزرگو! پوری دنیا میں ایسا شکنجہ کسا ہے، بیس پچیس کلو میٹر کی دوری پر ترکی فوج کھڑی ہے، لیکن امریکہ اور روس نے ایسا جکڑ لیا ہے کہ یہ دل سے مدد پہچانا چاہ رہے ہیں، لیکن پہنچا نہیں سکتے، ایسی بھول بھلیوں میں، یونو UNO کے قوانین میں ایسا جکڑ لیا ہے اور ان کے

ملک میں اس طریقے سے ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ بے چارے اندر سے پریشان ہیں، لیکن ان کے علاوہ مسلمانوں کے (۵۰) ممالک ہیں، کسی نے اس کے خلاف آواز نہیں بلند کی، یہ مسلمانوں کی ضمیر فروشی ہے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ظاہری نبی نہیں بنے، آپ ابھی نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے، مکہ مکرمہ میں عاص بن وائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے مکہ کا سردار تھا، اس عاص بن وائل نے ایک آدمی کا مال خریدا، باہر سے کوئی تاجر بیچنے کے لئے آیا، اس کا مال خریدا اور پیسے نہیں دیئے، یہ پریشان ہو گیا، اِدھر گیا، اُدھر گیا، اس زمانہ میں مکہ مکرمہ میں دو چار آدمی تھے، انہوں نے ایک چھوٹی سی کمیٹی بنائی تھی کہ جب کسی پر ظلم ہو تو ہم اس کے ظلم کو کسی طرح روکنے کی کوشش کریں گے، اسلامی تاریخ میں اس کا نام ''حِلْفُ الفضول'' رکھا ہوا تھا، حِلف کے معنی آپس میں قسم کھانا، یہ چند آدمی تھے، ان میں سے دو کا نام فضل تھا، اس لئے اس کا نام حلف الفضول ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے ممبر (Member) تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کو پتہ چلا کہ عاص ابن وائل نے اس کے پیسے نہیں دیئے ہیں، یہ حضرات اس کے گھر گئے اور مسلسل اس کے اوپر دباؤ ڈالا اور اس اجنبی کے پیسے اس کے پاس سے دلوائے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد فرمایا: مجھے آج بھی حلف الفضول کے لیے بلوایا جائے، کسی کے اوپر ظلم ہو رہا ہو، اس کو روکنے کے لئے، کوشش کرنے کے لئے مجھے بلایا جائے اور اس معاہدے کے مقابلہ میں مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دئے جائے تو میں نہ لیتا اور مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۳۴) میں اس کے اندر جاؤں اور اس مظلوم کے ظلم کا بدلہ لوں، مظلوم کا حق ادا کرواؤں، یہ جس نبی نے اپنی امت کو سکھلایا تھا، اس نبی کی امت صبح سے لے کر شام تک سنتے رہے، دیکھتی رہے، لیکن کسی کے رونگٹے کھڑے نہ ہو۔

سکندر بادشاہ کا دنیا فتح کرنے کا راز اور موجودہ دور

سکندر دنیا کا بڑا بادشاہ تھا، اس سے کسی نے پوچھا: دنیا کو آپ نے کیسے فتح کیا؟ اس نے

کہا: میں ایک ملک کے ایک ٹکڑے کو فتح کر لیتا تھا، تو پھر دوسرے ٹکڑے کو فتح کرتا تھا، اور ان دونوں کو آپس میں لڑاتا تھا اور میں آگے بڑھ جاتا تھا، یہ آپس میں لڑتے رہتے، میں تیسرے کو فتح کر لیتا، اس طریقے سے دنیا کے ایک بڑے حصے کو میں نے فتح کیا۔

اس وقت عالم اسلام میں دنیا کے بالکل بیچ میں ۴۰ سے ۵۰ مسلم ممالک ہیں، لیکن ایک کو اِدھر لگایا، ایک کو اُدھر لگایا، آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بنا کر شیعہ سنی کا ایک لبادہ اوڑھ کر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا، لیکن مسلمان ہیں کہ اس چیز کو سمجھ نہیں رہے ہیں، اب یہ ظلم کا سر احد سے آگے بڑھ رہا ہے۔

مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی حالت

ہندوستان کے ہم مسلمان یہاں بیٹھے ہوئے دعا تو کر سکتے ہیں کہ ’’ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ‘‘۔ (سورۃ النساء: ۷۵) کہ باری تعالی بچارے مسلمان جو مکہ میں پریشان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے جا چکے تھے، ان کو مکہ والے ستا رہے تھے اور یہ ہجرت کر نہیں پا رہے تھے، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تین سو ساڑھے تین سو مائل کی مسافت پر ہے، عورتوں بچوں کے لئے جانا مشکل ہوتا ہے، مرد تو چلے گئے تھے، کچھ عورتیں اور بچے رہ گئے تھے، ان پر یہ لوگ ظلم کرتے تھے، ایسے موقع پر قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (نساء: ۷۵) مولائے کریم ہمیں ان ظالموں کی بستی سے نکال دیجئے۔

مظلوم مسلمانوں کے حق میں ہمارا زاویہ عمل

اللہ پاک نے ہمیں کم سے کم اتنا تو موقع دیا ہے کہ ہم ان کے غم کو لے کر بارگاہِ رب

العزت میں دو آنسو بہائیں، ہونے والے ظلم کو ہم ظلم سمجھ کر اپنے دل میں اس کی کراہیت کو محسوس کریں اور اللہ پاک سے دعا کریں۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی انبیائے کرام کی سرزمین اور پڑوس میں عراق ہے، وہ بھی انبیائے کرام کی سرزمین اور ظلم وہاں پر بھی ہو رہا ہے، روہنگیا مسلمان جو برما میں ہیں ان پر بھی ظلم وتشدد ہو رہا ہے، فلسطین پر برسوں سے ہے اور نہ معلوم دنیا کے کن کن علاقوں میں کہاں کہاں ظلم ہو رہا ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب العالمین کے دربار میں جو عالی مقام ہے اس کا واسطہ دے کر دعا کرتے ہیں کہ آپ نبی رحمت للعالمین بن کر تشریف لائے، آپ نے دنیا میں رحمت پھیلائی، آپ ان کے صدقے میں امت پر بھی رحم فرمایئے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۱۰) عدل وانصاف کا معیار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا كُونُوْا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ○ (سورۃ النساء : ۱۳۵) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ۚ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۝۹۰ (نحل:۹۰) وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ط (نساء:۱۲۷) وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ط (غافر:۲۰) وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ (احزاب:۴) شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لا وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ط (آل عمران ۱۸) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ط وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ص (بقرہ:۲۸۲) وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ ط (بقرہ:۲۸۲) وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ج (انعام:۱۵۲) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ (نساء:۱۳۵) وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا م (مائدہ:۲) وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ط (شوریٰ:۱۵) فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط (حجرات:۹) وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (نساء:۵۸) فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا

قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۝۱۱۶ (ھود:۱۱۶)وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ۝۳۹ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝۴۰ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ۝۴۱ (شوریٰ:۳۹-۴۱)

انصر أخاك ظالمًا أو مظلومًا . (بخاری: كتاب المظالم ، باب اعن اخاك ظالما او مظلوما) يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي. (مسلم: كتاب البر الصلة،باب تحريم الظلم)

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ و السَّلَامُ :" اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّه لَيسَ بَيْنَه وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَاب" (بخاری شریف : كتاب المظالم ،باب الاتقاء و الحذر ـ ـ)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ و الشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور دینی بھائیو!

گزشتہ جمعہ کو عدل و انصاف کے سلسلے میں گفتگو کی گئی تھی، جمعہ کے خطبے میں خطیب صاحب جو آخری آیت پڑھتے ہیں: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نحل:۹۰) سب سے پہلا نمبر حکم کرتے ہیں عدل کا۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اللہ پاک نے عدل وانصاف کا حکم فرمایا، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عدل و انصاف کا تعلق محض حکومت کے ساتھ اور جسٹس (عدلیہ) کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ ایک انسان کی اپنی پرائیویٹ زندگی سے لے کر پورے انسانی سماج اور معاشرے کے درمیان اللہ پاک عدل وانصاف کا حکم دیتے ہیں۔

آپ کے سامنے جو آیت پیش کی ہے اس میں اللہ پاک فرماتے ہیں : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ

(النساء:۱۳۵) کہ ایمان والو، تم انصاف سے کام لو، ایک اور آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں: وَ إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (نساء:۵۸) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، یہاں پر اللہ پاک نے مؤمنین اور غیر مؤمنین کی کوئی شرط نہیں لگائی، اسلامی حاکم اور اسلامی قاضی جب بھی فیصلہ کریں، اللہ پاک فرماتے ہیں: ''بَيْنَهُمْ بِالْعَدْلِ۔'' کسی مذہب اور کسی فریق اور کسی شخص کی مالداری، غریبی، کسی کا محتاج ہونا ان چیزوں کو نہ دیکھا جائے، بلکہ عدل وانصاف کو بنیاد بنایا جائے، تو آپ کے سامنے جس آیت کی تلاوت کی، اس میں بھی اور بہت ساری آیتوں میں بھی اللہ پاک نے عدل وانصاف کا حکم فرمایا۔

رات دن انسان ایک دوسرے سے ملتا ہے، اپنے خاندان، اپنے رشتے دار، معاملات جن سے ہوتے ہیں، دو آدمیوں کے درمیان کوئی سودا اور معاہدہ ہوتا ہے، اسی طرح زندگی کے ہر معاملہ میں ایک انسان دوسرے انسان سے وابستہ ہے اور وہاں عدل کا تقاضہ پیش آتا ہے، درمیانی اور برابری کا تقاضہ، اس لئے قرآن کریم کی جو آیت آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اللہ پاک نے ایک وجہ ذکر کی ظلم کرنے کی اور انصاف نہ کرنے کی۔ اور دوسری وجہ دوسری ایک آیت کریمہ میں ذکر فرمائی: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ (مائدہ:۸) دو آیات کو ملا کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان انصاف سے کب ہٹ جاتا ہے؟ اور ظلم اور زیادتی کسی کے ساتھ مالی اعتبار سے، زبانی اعتبار سے یا دوسرے کن طریقوں سے کسی کے ساتھ بے انصافی ہوسکتی ہے۔

ظلم کرنے کی دو بنیادی وجہ

[۱] یہ جتنے بھی طریقے ہیں قرآن کریم کی ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، اس آیت میں اللہ پاک نے فرمایا: ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ۔'' (نساء:۱۳۵) اے ایمان والو! تم انصاف کرنے والے ہو جاؤ اور

روئے زمین پر اللہ کے گواہ بن جاؤ" وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ " چاہے معاملہ تمہاری ذات سے ہو" اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ " یا والدین کے ساتھ اس کا تعلق ہو یا قریبی رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ ہو، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ان تمام معاملات میں عدل وانصاف سے کام لو، اس آیت میں گویا اشارہ ہے کہ آدمی انصاف کا پیمانہ اس وقت چھوڑ دیتا ہے اور ظلم اس وقت اختیار کرتا ہے، جب اپنی ذات کے ساتھ کسی کا معاملہ ہو یا اپنے والدین کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے، گویا رشتہ داری قرابت اور تعلقات یہ چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو عدل اور انصاف سے دور کرتی ہے۔

۲ دوسری آیت جو آپ کے سامنے پڑھی، اس میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ کبھی ظلم پر آدمی اس لئے آمادہ ہوتا ہے کہ سامنے والا آدمی آپ کے پاس انصاف لے کر آئے، آپ سے انصاف مانگ رہا ہے، انصاف کے لئے وہ گواہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے اور چونکہ وہ آپ کا دشمن ہے، اس لئے آپ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور عدل کو چھوڑ دیتے ہیں، اللہ پاک نے صحابہ کرام کو فرمایا:" وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوا "(مائدہ:۸) ایسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل وانصاف سے نہ پھیر دے جن کے ساتھ تمہاری دشمنی ہو۔ دوسری آیت میں فرمایا: جنہوں نے تمہیں اپنے وطن سے نکالا، مکہ مکرمہ سے نکالا، لیکن جب عدل وانصاف کا مسئلہ آئے تو اس موقع پر ان پر زیادتی مت کرنا، صحابہ کرام نے فتح مکہ کے موقع پر اس پر عمل فرمایا۔ گویا کہ ان آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل چھوٹنے کے لئے عزیز رشتے دار کا فیور (طرفداری) کرتا ہے اور اس بنیاد پر سامنے والے پر ظلم کرتا ہے اور کسی سے دشمنی ہوتی ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے خلاف گواہیاں دوں، اور اس کے خلاف فیصلہ کروں۔

یہ دو چیزیں قرآن کریم کی ان آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اس آیت میں فرمایا کہ

١ دشمنی بھی انصاف چھوڑنے کا ذریعہ نہ بنے۔

٢ دوستی، قرابت داری، تعلقات اور محبتیں؛ یہ بھی کسی تیسرے کے اوپر ظلم کا ذریعہ نہ بنے۔

کبھی کبھی ظاہری مظلوم بھی ظالم ہوسکتا ہے

یہ دونوں چیزوں کو اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا: وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ (مجادلۃ:۲۲) اور دوسری چیز اس آیت میں یہ بھی فرمائی کہ آدمی مظلوم ہوکر آپ کے سامنے اپنی بات کرتا ہے، لیکن انصاف کے پیمانے سے جب جانچا گیا، تو پتہ چلا کہ باوجود غریب ہونے کے یہ شخص مظلوم نہیں، بلکہ ظالم ہے، تو آگے آیت میں اللہ نے فرمایا: کہ کوئی فقیر ہو اور محتاج آدمی، لیکن اس مسئلہ میں محض آپ اس لئے اس کا فیور (طرفداری) کریں کہ یہ شخص غریب ہے۔ اس کو اللہ پاک نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے ہو،'' فالله اولى بهما ''(نساء:۱۳۵) اللہ پاک ہی کے یہ بندے ہیں، اس لئے انصاف کا پیمانہ مالداری کو دیکھ کر نہ بدلا جائے، تو صرف کسی کو غریب سمجھ کر اس کے فیور میں بھی فیصلہ نہ کرو، اور سامنے والے کے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوا ہے یہ نہ جانو، یہ بھی ظلم اور زیادتی ہے۔

اللہ تعالی چونکہ انسانوں کے خالق اور مالک ہے، ہماری سائیکولوجی اور نفسیاتی طور پر جو بیماریاں ہوتی ہیں، جو ہم نہیں سمجھ سکتے، اللہ پاک نے فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (ملک:۱۴) جو ذات ہمارے دل میں گزرنے والے وسوسوں کو جانتی ہے، جو ہماری سوچ کو جانتی ہے، وہ ہماری اندر کی نیتوں کو بھی جانتی ہے، اس لئے نیت اگر صحیح ہے تو مظلوم کی مدد کمزور ہونے کے باوجود کی جائے اور نیت اگر صاف ہے تو مالدار اس معاملہ میں اگر انصاف پر ہے، آپ کسی غریب کی غربت کو نہیں دیکھیں گے، عدل وانصاف کو دیکھیں گے، اللہ تبارک وتعالی نے اس آیت میں بتلایا اور عدل وانصاف کو قرآن کریم کی مختلف آیات میں ذکر کیا، تاکہ انسان کو پتہ چلے کہ کس کس کے ساتھ عدل کرسکے۔

میاں بیوی کا آپس میں انصاف

اس میں سے فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء:۳) سب سے پہلے انسان کو اپنے ازدواجی اور شادی بیاہ کی زندگی میں ایک اجنبی عورت سے پالا پڑتا ہے بیوی کے ساتھ، اللہ

پاک نے فرمایا: اگر تمہیں خطرہ ہے کہ تم عورتوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے ہو، اللہ پاک گویا فرمانا چاہتے ہیں کہ عورتوں سے انصاف کے ساتھ کام لیا جائے، اس لئے میاں بیوی کے تعلقات میں سب سے پہلے انسان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو صرف یہ نہ سمجھے کہ شوہر ہوں، مرد ہوں، اس لئے غلط کہوں تو عورت کو ماننا پڑے گا، غلط چیزیں کروں، ناانصافی کروں، تب بھی وہ برداشت کرے، اس لئے قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے فرمایا: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ یہ ایک سے زیادہ شادی کرنے والوں کو فرمایا گیا کہ اگر تم عورتوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے'' فَوَاحِدَةً ''تو ایک ہی عورت سے تمہارا نکاح ہو، یہ کیوں فرمایا؟ عدل وانصاف کو باقی رکھنے کے لئے۔

یتیموں کے ساتھ انصاف

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتَامٰى بِالْقِسْطِ (نساء:۱۲۷) اسی سورۂ نساء کی دوسری آیتوں میں فرمایا کہ یتیم کے معاملے میں بھی انصاف سے کام لو، اس کے اوپر کوئی نہیں ہے، آپ ہی کے پاس اس کی چیزیں ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، لیکن اللہ پاک پوچھنے والے ہیں: إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِي بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا'' (نساء:۱۰) اللہ پاک فرماتے ہیں: جو لوگ یتیم بچوں کے مال کھاتے ہیں، یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، فِي بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ یہ سخت وعید اللہ پاک نے فرمائی۔

سودی کاروبار میں بھی ایک شخص مالدار سے مالدار تر ہوتا جارہا ہے اور ایک غریب بیچارہ غریب سے غریب تر ہوتا جارہا ہے، اس لئے قرآن کریم میں سود (Intrest) کو بھی منع فرمایا، انسانی سوسائٹی میں اور انسانی اکونومی لائف (Economy Life) کے اندر انسانوں میں سے کسی ایک کو ظالم اور ایک کو مظلوم بنانا ہے، اس لئے شریعت مطہرہ کے اندر سود سے منع فرمایا۔

تجارت اور کاروبار میں انصاف

قوم شعیب علیہ السلام کو اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا: وَاَوْفُوْا الْكَيْلَ۔ اور

دوسری جگہ فرمایا '' بِالْقِسْطِ '' اور جب تم تجارت میں ناپ تول کا معاملہ کرو، تو برابر سرابر کا معاملہ کرو، پلڑا ادھر بھی نہ ہو، خریدنے والا یہ نہ سمجھے کہ مجھے زیادہ مل جائے اور دینے والا کم دینے کی نیت نہ کرے، کیونکہ انسانی زندگی میں خرید وفروخت، لین دین ایسا معاملہ ہے کہ چھوٹا بچہ بھی کرتا ہے، بڑی عمر کا آدمی بھی کرتا ہے، ایک انسان بھی کرتا ہے اور پورا سماج اور سوسائٹی اور ایک ملک بھی کسی کے ساتھ اس طرح لین دین کے معاملات کرتا ہے، اللہ پاک نے ان آیات میں لین دین میں حق اور انصاف کے ساتھ پیش آنے کا حکم فرمایا، اس کا تعلق صرف تاجروں سے نہیں ہے، تاجروں کے علاوہ جن جن کے جو معاملات ہیں جن کسی کے ساتھ بھی ہوں۔

اللہ پاک نے ایک اور آیت میں فرمایا: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ○ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ○ (مطففین: ۱-۳) اللہ پاک فرماتے ہیں جب ناپ تول کرتے ہیں، لیتے ہیں تو زیادہ کی امید کرتے ہیں اور جب کسی کو دینے کی باری آئے تو کم دینے کی کوشش کرتے ہیں، ان آیات میں اللہ پاک نے ظلم سے روکا۔

ہر ہر کام میں انصاف کا معیار

حکومت کرنے والے اور جن کے ذمہ جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں یا کوئی ادارہ پرائیویٹ ہے اس کی جو ذمہ داریاں ہیں، وہاں حق اور انصاف کے ساتھ معاملہ کیا جائے، افراد کے چہرے دیکھ کر نہ کیا جائے، اللہ پاک نے صاف فرما دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے **ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم و لا الی صورکم و لکن ینظر الی قلوبکم.** (مسلم: کتاب البر و الصلة، باب تحریم ظلم المسلم) اللہ پاک عدل وانصاف کے پیمانے میں تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا ہے اور نہ تمہارے جسم کو دیکھتا ہے، دل کی دنیا اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آپس میں معاملہ کرنے کے لئے اس قدر آیتیں اتاریں۔

بذریعہ صلح انصاف کرنا

صلح کرنے والے کی قرآن میں فضیلت فرمائی، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ

أَخَوَيْكُمْ (حجرات:۱۰) لیکن وہاں بھی یہ تاکید فرمائی کہ ایسا نہ ہو کہ تم اس معاملہ کے اندر بھی حد سے زیادتی کرو، کسی کا ایسا حق ہو جو لازمی اور ضروری ہے اور تم اس کے اندر خلاف ورزی کرو، اس لئے اللہ تبارک وتعالی نے انفرادی زندگی میں بھی، اجتماعی زندگی میں بھی، پوری سوشل لائف میں انصاف کرنے کا حکم فرمایا: فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ شاندار جملہ ہے کہ دونوں بھائی ہیں، آپس میں جو جھگڑ رہے ہیں، دونوں تمہارے بھائی ہیں، اس لئے دونوں کے ساتھ بھائی ہونے کا معاملہ کریں، کسی ایک کی طرف داری یا کسی ایک کے ساتھ ظلم نہ ہو، آیت میں اللہ پاک نے فرمایا۔ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ اپنے بھائیوں کے درمیان ،اور دوسری جگہ فرمایا: عدل کے ساتھ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''بالعدل''۔

آپسی معاملات میں انصاف اوراس پر جنت کی بشارت

دوستو اور بزرگو!

آپس میں ہمارے رات دن کے جو معاملات ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم کی مختلف آیتوں کی روشنی میں یہ بتلایا کہ عدل وانصاف کیسے قائم کیا جائے؟ انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی، اور جب ایک مسلمان اپنی عملی زندگی میں انصاف سے کام لیتا ہے اور تمام معاملات کے اندر عدل سے کام لیتا ہے، تو اللہ پاک کی مدد شامل حال ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: تمہارا رشتہ داری والا معاملہ ہو یا دشمنی والا معاملہ ہو، فقیری کا معاملہ ہو، یا مالداری کا معاملہ ہو، عدل وانصاف کے پیمانے پر عمل کریں گے، اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اللہ پاک انصاف کرنے والے سے محبت کرتے ہیں، کیا عجیب جملہ ہے، ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے اپنے ماتحتوں کے درمیان جن کی ذمہ داریاں ان کے پاس ہے، اپنی ذات کے ساتھ، اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ جن کا وہ ذمہ دار بنا، جو لوگ اس طریقے سے عدل وانصاف سے کام لیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قیامت کے دن وہ نور کے ممبروں پر ہوں گے، عدل وانصاف کو اپنی پوری زندگی میں اپنانا ہے۔

’’اعمالکم عمالکم‘‘ کا معنی

دوستو بزرگو!

بات صاف ہے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: جیسے تم ہوں گے ویسے تمہارے حکمراں ہوں گے، طبرانی نے حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حجاج کے بارے میں بددعا کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسی بددعا مت کرو، یہ حکمراں تمہارے اندر ہی سے یا تمہاری قوم ہی سے آتے ہیں، ہمیں تو خوف ہے کہ اگر حجاج معزول ہوجائے یا مرجائے تو تمہارے حاکم بندر اور خنزیر کو بنادیا جائے گا، اسی وقت سے یہ بھی مشہور ہوگیا کہ جیسے تمہارے اعمال ویسے تمہارے حکمراں اور جیسے تم ہوں گے ویسے تمہارے اوپر تمہارے حکمراں مسلط ہوجائیں گے، (کشف الخفاء: ۲/ ۱۴۶، رقم: ۴۲۷)۔

بندے جب آپس میں اچھی طرح عدل وانصاف سے رہتے ہیں، تو اللہ پاک نے آگے آیت میں فرمایا: ’’وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا‘‘ (نساء: ۱۳۵) تمہیں گواہی کے لئے بلایا جارہا ہے، تم جانتے ہو کہ اس باریک معاملہ میں اگر میں گواہی دوں گا، تو مظلوم کا حق مل جائے گا، لیکن ظالم آپ کے تعلّق والا ہے، وَاِنْ تَلْوٗٓا، تم زبان مروڑ دیتے ہو، ’’اَوْ تُعْرِضُوْا۔‘‘ یا پوری بات نہیں کرتے ہو یا گواہی ہی نہیں دیتے ہو، ان آیات میں اللہ پاک نے فرمایا: ’’ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ‘‘ اللہ پاک تمہارے سارے اعمال کی مکمل خبر رکھنے والے ہیں۔

دو بکری کے درمیان بھی قیامت میں انصاف ہوگا

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک سینگ والی بکری نے دوسری بغیر سینگ والی بکری کو اپنا سینگ لگایا ہوگا، کل قیامت کے دن پل صراط پر پار ہونے سے پہلے یہ عدل وانصاف دلوایا جائے گا اور پھر بکریوں کا معاملہ ختم کردیا جائے گا، (مسلم کتاب البر و الصلة، باب تحريم الظلم) ان کو موت دی جائے گی، اس لئے کہ ان کے لئے جنت جہنم نہیں، اس سے ہمیں بتلایا ہے کہ عہدے کے اعتبار سے آپ بڑے ہیں یا مال کے اعتبار سے بڑے ہیں یا سماج

سوسائٹی میں آپ کا پوزیشن بڑا ہے، پھر بھی انصاف نہیں کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کی ذات تو ''احکم الحاکمین'' ہے، وہ سب فیصلے کرنے والوں میں سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

دوستو اور بزرگو!

اس لئے سب سے پہلے اس وقت ہندوستان کے مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں، ہم اپنا بھی جائزہ لیں، اخبارات میں اور دنیا بھر کی میڈیا میں بہت ساری باتیں آپ سنتے ہیں، لیکن قرآن کریم نے فرمایا: یَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ (نساء:۱۳۵) تم کسی کیلئے بھی انصاف کرو یا کسی انسان کے معین اور مددگار بنو، یہ مددگاری ''شُهَدَاءَ لِلّٰهِ'' اللہ کے لئے ہو، اللہ کے علاوہ کے لئے نہ ہو، اللہ کی طرف سے گواہ بنائے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ عدل وانصاف کا فرمایا ہے، اس کو اس کی پیمائش کے مطابق کرے، اسی طرح عدل وانصاف کی بات آئے گی بھائیوں کے درمیان وراثت میں، بہنوں کے حصہ میں، ہمارے درمیان اس طرح کے واقعات پیش آتے ہیں، مسائل آتے ہیں، اپنی بہنوں کا حق ادا نہیں کرتے، اپنے بھائیوں کا حق ادا نہیں کرتے، والدہ کا جو حق ہے وہ ان کو نہیں دیا جاتا، '' اتق دعوة المظلوم'' ۔کہ مظلوم کی بد دعاؤں سے بچو۔ ''فانه ليس بينه و بين الله حجاب'' (بخاری: کتاب المغازی، باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن) اللہ پاک کے یہاں اس دعا کی قبولیت کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں، مظلوم کی بد دعا بغیر کسی واسطے کے ڈائریکٹ پہنچ جاتی ہے، اس لئے ہم سب سے پہلے اپنی عملی زندگی میں اپنے اعمال کو درست کریں اور جہاں جہاں ہماری طرف سے ناانصافی ہو، ہم جانتے ہیں کبھی کبھار احساس نہیں ہوتا ہے، وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝٥٥ مومنین کو جب نصیحت کی جاتی ہے، تو ان کا دل پسیج جاتا ہے اور وہ عدل وانصاف کے پیمانے کو برقرار کرتا ہے، انبیائے کرام کو بھیجنا یہ بھی اللہ پاک کی طرف سے عدل وانصاف ہے، بلکہ فضل ہے، قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا

یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ (نساء:۱۶۵) یعنی یہ انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ چلایا گیا، اللہ پاک فرماتے ہیں ''لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ'' کل کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارے درمیان کوئی ڈرانے والے نہیں آئے، کوئی رسول نہیں آئے، انسان کوئی عذرخواہی کرنا چاہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کو بتلایا۔

یہودی و منافق کا قصہ اور درس عبرت

یہ آیات جن واقعات کے ضمن میں آئی پانچویں پارے میں؛ اس سے پہلے ایک یہودی اور منافق کا قصہ ہے، منافق کا یہودی پر حق تھا، منافق جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا لیکن یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اپنی چرب لسانی سے دو چار گواہ ادھر ادھر سے لے آؤں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جا کر غلط فیصلہ کرواؤں گا، اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُه لَهَمَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوْكَ (نساء:۱۱۳) اے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ پاک کا آپ پر فضل ہوا، عنایت ہوئی کہ اللہ پاک نے آپ کو اس واقعہ میں عدل وانصاف بتلا دیا، یہودی حق پر تھا اور یہ منافق جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہا تھا، وہ غلط تھا، وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ (نساء:۱۲۷) اور آگے عورتوں کے حقوق بتلائے، یہ ختم ہوئے، اس کے بعد اللہ پاک نے اس آیت کو پیش کیا؛ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ۔

اس لئے دوستو بزرگو! ہم اپنی عملی زندگی میں جب اللہ کے بندوں کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے، تو اللہ پاک کا فیصلہ ہمارے حق میں خیر ہی کا ہوتا ہے، **اعمالکم عمالکم.**

گاندھی جی کا شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بارے میں تجزیہ

چونکہ یہ ملک سیکولر ہے، اور یہاں کے اپنے اصول، نظام اور ضابطے ہیں، اس کی روشنی میں اس وقت جو مسئلہ ہوا ہے، ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں سے کہیں گے کہ ملک کی آزادی سے بالکل پہلے پہلے جب ہندوستان میں درمیانی حکومت قائم ہوئی تھی، (વચલા ગાળાની સરકાર)

۱۹۴۰ء کے قریب قریب، اس موقع پر گاندھی جی نے جو نصیحت کی تھی کہ تم یہ رام راجیہ کا لفظ بولتے ہو، لیکن اس کی پریکٹیکلی زندگی اور نمونہ کہیں جانتے ہو؟ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان دو خلیفہ کا نام لیا گیا گاندھی جی کی طرف سے، اور یہ کہا کہ رام راجیہ کب ہوتا ہے؟ جب ابوبکر اور عمر جیسا انصاف کیا جائے۔

گزشتہ جمعہ کو میں کہہ چکا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے خلیفہ بننے کے بعد فرمایا: تم میں کا جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ کمزور ہے اور جو کمزور ہے وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے، انصاف دلانے میں اس کی طاقت میرے لئے رکاوٹ نہیں بنے گی اور مظلوم کی کمزوری اور اس کی پست ہمتی اور ضعیف ہونا یہ میرے نزدیک عذر نہیں ہوگا، میں ان کا پورا پورا بدلا دلاؤں گا۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کا خدمتِ خلق میں مسابقہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی عمر کی ایک عورت کے یہاں جاتے تھے، پانی وغیرہ بھرتے تھے، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مجھ سے پہلے کسی نے پانی بھر دیا، کچڑا صاف کر دیا، حضرت عمر نے کہا: اتنا پہلے کون آ گیا؟ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے آ کر ایک جگہ چھپ گئے، تھوڑی دیر بعد ابوبکر صدیق تشریف لائے، جو اس وقت پوری اسلامی سلطنت کے خلیفہ تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ خدمات تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ دریا کے اس کنارے پر کوئی ایک بکری بھی بھوکی مر جائے گی تو کل قیامت کے دن عمر بن خطاب سے پوچھ ہوگی، آپ اپنی رعیت کی اتنی فکر کرتے تھے۔

ایک عورت کا قصہ آپ سن چکے ہیں، بچے کی ولادت کا مسئلہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنی اہلیہ کو لے کر گئے، کھانا پینا ان کو دیا، سارا اناج وغیرہ ان کے گھر پہنچا دیا اور یہ پتہ نہیں

چلنے دیا کہ خلیفۃ المسلمین ہیں۔

اکثم بن صیفی بنوتمیم کے سردار نے اپنا وفد بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ والی آیت سنائی، یہ لوگ ایمان لائے، کہ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، من انت و ما انت کے سوال کے بعد یہ فرمایا۔ (درمنثور: ۱۲۸/۴)

خیبر کے یہود عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت دینا چاہتے تھے کہ وہ نرمی کرے، کھجور کے باغات کی وصولی کے لئے گئے تھے۔

حقوق اللہ میں سفارش نہیں، **لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها.** (بخاری: کتاب المغازی، ۴۳۰۴) صدیق اکبر کا جملہ تمہارا قوی میرے نزدیک کمزور ہے اور کمزور طاقت والا ہے، باغ کے معاملہ میں ابی ابن کعب اور خلیفہ عمر کے درمیان مسئلہ ہوا، قاضی زید بن ثابت نے خلیفہ کو اپنی جگہ بیٹھنے کی پیش کش کی، حضرت عمر ناراض ہو گئے، حضرت کعب کے پاس گواہ نہ تھے تو حضرت عمر کو قسم نہ دلوانے کی سفارش کی، خلیفہ پھر ناراض ہو گئے، فرمایا: **لا يدرك زيد باب القضاء حتى يكون عمرو رجل من عرض المسلمين عنده سواء.**

جبلہ بن ایہم نے طواف میں لونگی دب جانے پر دیہاتی کو طمانچہ مارا، خلیفہ نے عدل کا مطالبہ کیا وہ بھاگ گیا۔

اس لئے ہم ہمارے ملک کے باشندوں سے کہیں گے کہ قرآن کریم میں اللہ پاک نے ایک آیت میں ذکر فرمایا: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوْ بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا أُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (ھود: ۱۱۶) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جن بستیوں میں ظلم کرنے والے ظلم کرتے ہیں، وہاں عقلمند اور سمجھدار لوگ کیوں نہیں ہوتے؟ جو سمجھدار ہو، عقلمند ہو، جو نفع نقصان کو بخوبی جانتے ہوں۔ اور آج ملک کے حالات کی کروٹیں کیسے بدلی جا رہی ہے؟ لوگ ظلم اور زیادتی کا شکار کس طریقہ سے بن رہے ہیں؟ اکیلا مسلمان ہی نہیں، اس ملک میں رات دن آپ دیکھ

رہے ہیں، سن رہے ہیں، اس لئے کہ ظالم کی کوئی پکڑ نہیں کرتا ہے، جیسے شیر کو خون چکھنے کی عادت ہوتی ہے، ظالم کو اگر کوئی اور نہیں ملا تو اپنے جو لوگ ملیں گے تو ان کو بھی ماریں گے، وہاں بھی ظلم و زیادتی کریں گے، یہ ظلم کی دنیا کا اصول ہے کہ اس طریقے سے وہ اپنے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور دوسروں کے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں۔

غیر مسلم بھائیوں سے ایک اپیل

ہم اس ملک کے مسلم بھائیوں اور غیر مسلم بھائیوں سے بھی اپیل کریں گے کہ اس وقت ملک جن حالات سے گذر رہا ہے، اگر عدل وانصاف کا پیمانہ اس ملک میں باقی نہیں رہا، تو اللہ پاک کے فیصلے ہوتے ہیں کہ ظالم کو وہاں تک مہلت دی جاتی ہے کہ جب تک وہ سنبھل جائے، پھر اگر وہ نہیں سنبھلتا ہے تو اللہ پاک کا نظام ہے : **فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** (انعام:۴۵) ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ اس سے پہلے آپ کو کہہ چکا ہوں کہ عدل وانصاف کے ساتھ ایک کافر حکومت کو اللہ پاک باقی رکھتے ہیں، لیکن ظلم وزیادتی کے ساتھ مسلمان حکومت ہوگی تب بھی اللہ پاک برداشت نہیں کریں گے، امت مسلمہ میں جو بڑے بڑے ظالم ہوئے ہیں، اللہ پاک نے کیسے ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیا، کیسے ان کی موت آئی؟ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، تھوڑے سال نہ گزرے تھے کہ مختار ثقفی اور دوسروں نے اس کا بدلہ لیا، اس لئے اللہ پاک فرماتے ہیں : **إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ** (غافر:۵۱) قیامت کے دن بھی مدد ہوگی، اور دنیا میں بھی، اس ملک میں عدل وانصاف کے ساتھ رہنا ہر ایک کے حق میں مفید ہوتا ہے اور عدل وانصاف نہیں ہوا، ظلم وزیادتی کی، تو پھر بے کار ہے۔

محمود غزنوی کا انصاف سے بھرپور واقعہ

جب محمود غزنوی کے سامنے ایک مرد آکر شکایت کرتا ہے کہ میرے گھر میں رات کو ایک اجنبی آدمی، پرایا آدمی میری بیوی کے پاس آکر زنا کرتا ہے اور مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں

اس سے نمٹ سکوں، اس نے پریشان کر رکھا ہے، محمود نے کہا کہ کوئی حرج نہیں، تم جاؤ۔ محمود غزنوی نے اپنا لباس بدلا اور وہاں پہنچ گیا، ایک جگہ چھپ گئے، اور اس سے کہا کہ رات کو جب وہ آئے تو مجھے بتا دینا۔ وہ مرد آیا، محمود غزنوی نے فوراً تلوار سے وار کر کے قتل کر دیا، پھر گھر والوں سے کہا: کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ وہ غریب آدمی تھا، کہا کہ سوکھی روٹی ہے۔ کہا کہ وہی لاؤ، اور کہا کہ میں نے جب سے تم نے شکایت کی تھی کھانا بند رکھا تھا، جب تک کسی ظالم سے ظلم کا بدلہ نہیں لوں گا، مجھے حکومت کرنے کا حق نہیں ہے، میں آپ کو حق و انصاف دلواؤں گا، مجھے شک تھا کہ شاید میرے رشتہ داروں میں سے کوئی ہوگا؟ اس لئے میں نے اپنے آپ کو کھانے پینے سے روک لیا، لیکن جب میں نے دیکھا کہ یہ آدمی میرا رشتہ دار نہیں ہے، ورنہ بادشاہوں کے قریبی اور رشتہ داروں میں ایک نشا ہوتا ہے، محمود غزنوی نے کہا: مجھے اطمینان ہو گیا، دو رکعت نماز پڑھی، اور پھر اسی کھانے کو استعمال کیا۔

گجرات کے ایک غیر مسلم بادشاہ کے انصاف کا واقعہ

گجرات میں احمد شاہ بادشاہ اور دوسرے بھی کئی بادشاہوں کا ذکر ہے، انہوں نے عدل و انصاف سے کام لیا، خود ہندو جن کو بڑا سمجھتے ہیں گجرات کے بادشاہوں میں سے ان کا نام راجہ سدھ راج جَے سینھ (સિધ્ધરાજ જય સિંહ) ان کا پورا قصہ بزرگوں نے لکھا ہے، کھمبھات میں جب مسلمان تھوڑے تھے، اسی راجہ سدھ دراج جئے سینھ کے زمانہ کی بات کر رہا ہوں، اور انہوں نے مسجد بنائی تھی، فسادیوں کی طرف سے مسجد کے مینارے توڑ دیئے گئے، وہاں کے امام صاحب پٹن پہنچے، راجہ سدھ راج جئے سینھ کے پاس جا کر اپنی شکایت پیش کی، لیکن دربار میں کچھ لوگ تھے جو ان کی فیور کر رہے تھے، انہوں نے کہا کہ بادشاہ سلامت ایسا کوئی قصہ نہیں ہوا، یہ ایسے ہی اپنی شکایت لے کر آئے ہیں، لیکن راجہ سدھ راج جئے سینھ نے اپنا لباس تبدیل کیا اور راتوں رات کھمبھات گیا، وہاں جا کر تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہاں مسلمانوں کا اتنا نقصان ہوا ہے، اس کے بعد راجہ سدھ راج جئے سینھ واپس کھمبھات سے پٹن آئے، وہاں کھمبھات کے

دریا سے پانی لیا، اور دربار میں چھپا کر رکھا، پھر امام صاحب کو بلایا اور کہا کہ بتلاؤ؟ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: ایسا ہوا، پھر درباریوں نے کہا: ایسا کچھ نہیں ہوا، راجہ سدھ راج جئ سینھ جو پانی لے گیا تھا وہ دکھا کر اپنے وزیروں کو کہا: اس کو چکھو، تو دریا کا کھارا پانی تھا، گویا میں وہاں جا کر آیا ہوں، پوری تحقیق کر لی ہے، اس کے بعد عدل وانصاف کا پیمانہ قائم کر کے جتنا خرچہ تھا؛ اپنے خرچے سے مسجد کے منارے وغیرہ ٹوٹ چکے تھے ان کو درست کروایا۔

ایک عاجزانہ گزارش

اللہ پاک نے فرمایا: أُولُوْ بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ (هود:١١٦) اس لئے ہم اس ملک کے غیر مسلم بھائیوں سے کہیں گے کہ اس وقت ملک جو کروٹیں لے رہا ہے، ہمارے اکیلے کے بس میں نہیں ہیں، آپ بھی ساتھ میں ہوں گے تو ملک میں انصاف قائم ہوگا، ورنہ یہ ظلم مسلمانوں کے ساتھ ڈلتوں کے ساتھ پھر آگے بڑھ کر اور غیر مسلم بھائیوں تک پہنچے گا، یہ دنیا کا نظام اور قانون ہے۔

اس لئے دوستو اور بزرگو!

اللہ پاک نے ہمیں تو فرمایا: وَلَا تَيْأَسُوْا مِن رَّوْحِ اللهِ (يوسف:٨٧) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، لیکن خود اپنی زندگی میں عدل وانصاف قائم کریں۔ اللہ پاک سے دعا ہے اللہ پاک اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۱۱) قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مسلمان اپنی حفاظت کیسے کریں؟

(بمقام گارڈن مسجد پانچ بٹی بھروچ، گجرات)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَإِن نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوٓا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَآ أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ○ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (سورۃ التوبۃ: ۱۲، ۱۳)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○ (سورۃ الانفال: ٦٠)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزَعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا، وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ. (سنن ابی داود: کتاب الملاحم، باب تداعی الامم علی الاسلام)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اللہ کے دشمنوں کی طرف سے جس وقت وعدہ کی خلاف ورزی کی گئی، مسلمانوں کے ساتھ جو وعدے ہوئے تھے، ان وعدوں کے خلاف حدیبیہ کی صلح کے بعد جو واقعہ پیش آیا تھا، اس واقعہ کے اندر مشرکین نے مسلمانوں کے حلیف قبیلے کے اوپر حملہ کرنے کے لئے اپنے حلیف قبیلے کی مدد کی، اللہ پاک نے اس عہد کو توڑنے کے اوپر اور اس سے پہلے وہ کئی عہد کو توڑ چکے تھے؛ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو نصیحت فرمائی۔

واقعہ صلح حدیبیہ اور اس میں ہمارے لئے عبرت

دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم کے واقعات اور قرآن کریم کے احکام عمومی طور پر کسی ایک خاص واقعہ کی بنیاد پر نازل ہوتے ہیں، لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت مبارکہ ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے کہ جو آیات آپ کے سامنے پڑھی، اللہ پاک نے اس کو خاص مخصوص حالات میں نازل فرمایا؛ لیکن ان آیات میں کچھ احکام، علتیں اور کچھ نتائج اس طریقہ سے ذکر فرمائے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے اور حضرات مفسرین نے جس کو واضح کیا کہ یہ عمومی احکام ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: آیت کا تعلق اگرچہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ہے، لیکن قیامت تک جب بھی امت مسلمہ کے ساتھ کوئی عہد شکنی کرے، ان کے ساتھ ہونے والے معاملات اور معاہدات کو توڑے، تو ایسے موقع پر مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تبارک وتعالی نے ان آیات میں قیامت تک مسلمانوں کی جماعتوں کو، مسلمانوں کی حکومتوں کو اور مسلمانوں کے افراد کو اس کی وضاحت فرمادی۔

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وَإِن نَّكَثُوٓا أَيۡمَٰنَهُم مِّنۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ ۔ (التوبۃ:۱۲) مکہ والوں نے اگر تمہارے ساتھ عہد کو توڑا ہے، جبکہ اس سے پہلے صلح حدیبیہ ہو چکی ہے اور صلح میں جن شرطوں کی رعایت کرنی ہے، جن شرطوں کو پورا کرنا ہے، یہ اگر نہیں کر رہے ہیں وَإِن نَّكَثُوٓا أَيۡمَٰنَهُم مِّنۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ (التوبۃ:۱۲) اپنی قسموں کو اور اپنے دستاویزات کو اگر وہ توڑ رہے ہیں: وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمۡ اور تمہارے دین کے اندر طعن و تشنیع کرتے ہیں، لعن طعن کرتے ہیں، دین اسلام کے خلاف کچھ نہ کچھ باتیں بیان کرتے رہتے ہیں، فَقَٰتِلُوٓا أَئِمَّةَ ٱلۡكُفۡرِ اللہ پاک نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کفر کے ان سرغنوں کا مقابلہ کرو۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ ابوجہل، عتبہ اور شیبہ جتنے بھی لوگ تھے، یہ سب اس میں شریک تھے، اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ابوجہل موجود نہیں تھا، لیکن آیت کا تعلق چونکہ اس سے پہلے والے حالات کے ساتھ بھی ہے، اس لیے ائمہ مفسرین نے ائمہ کفر کو اوران کے ساتھ مقابلہ کرنے کو جو قرآن میں فرمایا، ان آیات میں ان سب ہی کو مراد لیا ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وجہ ذکر فرمائی، إِنَّهُمۡ لَآ أَيۡمَٰنَ لَهُمۡ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، جو آج قسم کھاتے ہیں، چاہے پارلیمنٹ میں کھائے، چاہے راجیہ سبھا میں کھائے، چاہے لوگوں کے سامنے الیکشن کے موقع پر کھائے، لیکن اس کے بعد وہی کرتے ہیں جو ان کو کرنا ہے، پہلے سے چلا آرہا ہے، کفر اور شرک کی طاقتوں نے ہمیشہ عہد کئے ہیں، جب کمزور ہوئے ہیں یا ضرورت پیش آئی تو مختلف حیلے حوالوں سے مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے معاملہ کیا اور جب طاقت اور قوت مل گئی، تو پھر عہد کو توڑا گیا، اللہ پاک نے آیات میں اشارے فرمائے، کہ آپ ان کے ساتھ یہ کیجئے: لَعَلَّهُمۡ يَنتَهُونَ۔ لیکن چونکہ اللہ پاک عدل وانصاف کا حکم فرماتے ہیں، اسلام میں کسی کی حد سے زیادہ موافقت فقط اپنے قریبی تعلق کی بنیاد پر نہیں ہوتی، اور کسی سے دشمنی محض اپنی جانی ومالی کسی چیز کی بنیاد پر نہیں ہوتی، اس آیت میں اللہ پاک نے یہی فرمایا کہ تمہارے قریبی تعلق والے ہو تب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے معاملات میں ان کے ساتھ عدل وانصاف سے

کام لیا جاوے، اگر وہ دین کے خلاف ہے تب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی فرمانبرداری کیجئے۔

گواہی صحیح طریقہ سے دی جائے

اور دوسری آیت میں فرمایا کہ گواہی دو، چاہے اس گواہی میں تم اپنے باپ اور بھائی کے خلاف حق اور صحیح گواہی دینے والے ہو، تو حق اور صحیح گواہی دی جائے گی، چاہے ان کے خلاف ہے، یہ اعتدال ہے۔ اس جگہ پر بھی اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ۔ جن لوگوں کے ساتھ لڑائی ہوئی، جن لوگوں کے ساتھ عہد شکنی ہوئی، یہ جو ان کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی ہو رہی ہے، اس کی وجہ بھی کوئی دشمنی نہیں؛ بلکہ کبھی لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، اس لئے کبھی باتوں کے بجائے ان کے ساتھ لات سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ ان آیات میں اللہ پاک نے یہ اشارے تو فرمائے لیکن ساتھ میں لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ۔ کے ذریعہ فرمایا کہ ان سب کے پیچھے مسلمان کی کسی سے دشمنی نہیں ہے، مسلمان جب بھی کوئی معاملہ کرے گا، عدل وانصاف اور حق و صداقت کی بنیاد پر کرے گا۔

موقع کے مطابق قتال کیا جائے

آگے اللہ پاک نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ان سے کوئی قتال نہیں کرتے! تم ان سے مقابلہ نہیں کرتے ہو: أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ ایسی قوم جنہوں نے تمہارے ساتھ قسموں کو توڑا، وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور کیا، تو ایسوں کے مقابلہ میں اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے فرمایا، ایسے لوگوں سے تم جہاد کیوں نہیں کرتے ہو؟ جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد کو توڑا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور صحابہ کرام کو اپنے وطن سے بے وطن کرنے کی جنہوں نے آواز لگائی، جو آج بھی مسلمانوں کو کہہ رہے ہیں کہ تمہارا وطن یا تو پاکستان ہے یا قبرستان۔

قرآن کریم کی آیتیں اشارہ کر رہی ہیں کہ ایسی جب بھی باتیں کی جائے گی اور نکالنے کی گفتگو ہوگی،: وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ط آگے اللہ پاک فرماتے ہیں: وعدے کو توڑنے کی

اور دشمنی اور مخالفت کرنے کی ابتدا ان کی طرف سے ہوئی ہے، مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی، وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ط یہ سارے جو اشارے، ساری شرطیں، سارے اسباب اور علتیں اللہ پاک ذکر فرماتے ہیں اور آگے اس کے بعض نتیجہ اور اس کے بعض احکام ذکر فرماتے ہیں، یہ آیت کریمہ چودہ سو سال پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے، لیکن آیتوں کے اندر اللہ پاک نے جن وجوہات کو ذکر کیا ہے، ہر زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ پائی گئی، کبھی ان کے ساتھ وعدوں کو توڑا گیا، کبھی ان کو نکالنے کی باتیں کی گئی اور کہیں وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: کیا تم انسانوں سے ڈرتے ہو؟ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ اللہ پاک اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ اللہ تعالی کی ذات عالی سے ہی ڈرا جائے، عجیب وغریب جملے قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر فرمائے ہیں۔

صحابہ کرام کو فرمایا: جن کے متعلق قرآن کریم نے خود فرمایا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران: ۱۷۳) کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ تمہارے مقابلہ میں پھر سے آرہے ہیں، تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ہمارے لئے کافی ہے، حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ انہیں مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم اللہ کے دشمنوں سے ڈر گئے؟ اللہ پاک کی ذات عالی اس بات کی سزاوار ہے کہ اسی سے ڈرا جائے، فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ (توبہ: ۱۳) آگے اللہ پاک نے اور بھی وجوہات ذکر فرمائی ہیں: قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ (توبہ: ۱۴) ان سے مقابلہ کیوں ہے؟ جن ایمان والے بھائیوں کو ستایا گیا تھا، جنہوں نے اپنے سامنے مظلومین کے اوپر ہونے والے ظلم کو دیکھا، پڑھا، سنا، ان کے دلوں میں ایک قسم کی تنگی محسوس ہوئی، یہ چاہ رہے ہیں کہ اللہ پاک عدل و انصاف کا معاملہ کرے، تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ آسمان سے بھی آسکتا تھا، فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ

خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (عنکبوت:۴۰) ہم نے ان میں سے بہت سوں کو آزمایا۔اللہ پاک فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے آنے والی قوموں پر جب نبیوں کو ستایا گیا، ان کے ماننے والوں کو ستایا گیا، اللہ پاک نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ میں لے لیا،لیکن اس آیت میں فرمایا: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ (توبہ:۱۴)ان سے مقابلہ کرو، اللہ پاک تمہارے ذریعہ،تمہارے ہاتھوں سزا دینا چاہتے ہیں، عذاب دینا چاہتے ہیں اور آگے فرمایا: ایمان والوں کے سینے ٹھنڈے ہو جائے۔تمہارا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے۔وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (توبہ:۱۴-۱۵)

صلح حدیبیہ کا واقعہ آج بھی ہمیں پکار کر سبق دیتا ہے

دوستو اور بزرگو!

یہ وہ آیات ہیں جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو اس سلسلے میں حکم فرمایا اور آپ کے سامنے میں نے ذکر کیا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان آیتوں کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس واقعہ کا تعلق صرف صلح حدیبیہ سے نہیں، قیامت تک جب بھی امت کے ساتھ ایسے حالات آئیں گے؛ اللہ پاک نے یہ ہمیں راستہ بتلایا،لیکن جس ملک میں ہم اور آپ رہتے ہیں اس کا ایک آئین ہے، کنسٹیٹیوشن (Constitution) ہے اور اس کے حساب سے یہ ایک سیکولر ملک ہے، ابھی ملک کا آئین محفوظ ہے، چاہے اس پر عمل کرنے میں کمی ہو رہی ہے؛لیکن ملک سے یہ منسوخ نہیں ہوا۔

صلح حدیبیہ کے حالات اور موجودہ دور کے حالات

اس لئے قرآن کریم میں جو آیات ہمارے سامنے پیش کی ہیں، ان میں بہت ساری رہنمائی فرمائی اور ان آیات کی روشنی میں ہندوستان کے جو حالات ہیں، جس طریقے سے مسلمان نوجوانوں کے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے، ان آیات کی روشنی میں اور ملک کے سیکولر نظام کی

روشنی میں ہمیں ان آیتوں کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنا ہے، جب آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت دو طاقتیں آمنے سامنے تھیں، دو مقابل اور دونوں میں سے کسی کا کوئی سیکولر نظام نہیں تھا اور ہر ایک اپنے اعتبار سے مستقل تھے، مسلمان اپنے اعتبار سے مستقل تھے اور مشرکینِ مکہ بھی۔ صلح ہوئی تھی اور دونوں کے درمیان صلح کی مسلمانوں نے رعایت کی، مشرکین نے اس کی رعایت نہیں کی؛ لیکن اس ملک میں یہاں کی باتیں سمجھی جائے، یہ ملک سیکولر ملک ہے، جو لوگ مار رہے ہیں یا مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں، اگر چہ حکومت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہے، پارلیمنٹ میں بیٹھنے والے لوگوں کے الفاظ اس قسم کے ہوتے ہیں؛ جن سے ظلم کرنے والوں اور زیادتی کرنے والوں کو ترجیح دی جاتی ہے، ان کی رہنمائی کی جاتی ہے اور خود عوام کے منتخب افراد وہاں بیٹھ کر اور اپنے اپنے علاقوں میں بیٹھ کر ظلم اور زیادتی کی بات کرتے ہیں، گویا خود حلف لے رہے ہیں آئین کی حفاظت کا اور خود ہی اپنی زبانوں سے آئین کی خلاف ورزی اور ملک کے بندھارن کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، لیکن آیات میں جیسا آپ نے سنا، اللہ پاک نے فرمایا: فَقَاتِلُوٓا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَآ أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ یہ قرآن کریم کے لطیف اشارے ہیں، قرآن ہم سے یہ کہہ رہا ہے کہ ملک کا رہنے والا کوئی غیر مسلم باشندہ اس کے ساتھ ہم ظلم اور زیادتی نہ کریں، ویسے تو زیادتی ہو ہی نہیں رہی ہے، لیکن اپنا انصاف لینے کے لئے بے قصور پر بھی ہمارا ہاتھ نہیں اٹھے گا، قرآن کریم نے ہمیں جو بتلایا، جو ظالم ہے اس کا ہاتھ پکڑو، :فَقَاتِلُوٓا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ کفر کے جو سرغنے ہیں ان کے متعلق قرآن نے فرمایا۔

ملک کے آئین نے اپنے بچاؤ (Defence) کا حق دیا ہے

ملک کے دستور ہی میں بہت ساری ایسی دفعات ہیں، IPC کی قلم نمبر 102,97,96 اور 105 اور 106۔ اس کے مطابق ملک کے قانون اور اس ملک کے عدلیہ اور نظام نے بتلایا کہ اگر آپ کے اوپر کوئی ہاتھ اٹھا رہا ہے تو آپ کو اپنے بچاؤ کا حق ہے، آپ اس بچاؤ میں اگر اس کا کچھ نقصان بھی کر رہے ہیں، تب بھی آپ بے قصور ہیں، ملک کے آئین کی یہ IPC دفعات

ہمیں اس وقت یہ کہہ رہی ہے کہ آپ ہاتھ اٹھا سکتے ہیں، اس لئے کہ اس ملک کے قانون نے ہمیں یہ حق دیا ہے کہ ہم اپنا بچاؤ کریں۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سوسال پہلے فرمایا : "من قتل دون ماله فهو شهيد"(بخاری: کتاب المظالم، باب من قاتل دون ماله) مال کی حفاظت کے لئے جو قتل ہوجائے یہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کے لئے قتل ہو جائے وہ بھی شہید ہے۔

اپنے حقوق کی وصول یابی کن کن طریقوں سے کی جائے؟

دوستو اور بزرگو!

قرآن نے تو فرمایا: أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (توبہ:۱۳) کہ کیا تم لوگوں سے ڈر گئے؟ اور اللہ سے نہیں ڈرے؟ سب سے پہلے ہمیں یہاں کے سیکولر نظام کے سیکولر طریقوں کو اپنانا ہے، دستوری اور جمہوری حکومتوں میں اپنی بات کو پیش کرنے کے لئے اور اپنے حقوق کو مانگنے کے لئے، حکومت کے سامنے درخواست کی جائے، یہ عجیب فلسفہ ہے کہ آج کی سیکولر دنیا میں حقوق مانگے جاتے ہیں تب ملتے ہیں، حالاں کہ آئینی طور پر اور قانونی طور پر حق ملنا چاہئے، لیکن نہیں مل رہا ہے، اس لئے ہمیں حکومت نے اور دنیا کے سیکولر نظام نے جو سارے اختیارات دیئے ہیں، قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ہم اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو حکومت تک پہنچا سکتے ہیں، دنیا کی ہیومن رائٹس (Human Right) کی جو کمیٹیاں ہیں ان کے سامنے اپنی بات کو پیش کر سکتے ہیں، اپنے ملک کے اندر دنیا کے دوسرے ملک کے سفارت خانے Diffrent Contries Embassy ہیں، ایلچی خانے ہیں وہاں پر جا کر ہم اپنی بات کو پہنچا سکتے ہیں، ہیومن رائٹس کے عنوان سے مختلف تنظیمیں (Organizations) قائم کی ہوئی ہیں، وہاں ہم اپنی بات پہنچا سکتے ہیں۔

یہ سب جمہوری نظام کا طریقہ ہے، جس کے ہاتھ میں جمہوری نظام ہے، جو اپنے آپ کو جمہوریت کے وفادار اور ذمہ دار حکومت کے اعتبار سے بنے ہوئے ہیں، ایسے سرکاری افسران

تک آپ اپنی بات پہنچا سکتے ہیں، یہ تمام جائز طریقے ہیں، جو ملک کے آئین نے اور ملک کے قانون نے ہمیں دیئے ہیں۔

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک مسلمان کو یہ ساری باتیں سکھائیں، لیکن چونکہ قرآن کریم ہے ہی ایسا عدل وانصاف والا، آگے بھی اللہ تعالی نے فرمایا: ہوسکتا ہے جن سے آج تمہاری لڑائی ہو، کل اللہ پاک ان کو ایمان کی توفیق سے مالا مال کر دے، یہ بھی عجیب جملہ قرآن کریم نے فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. اللہ پاک ہر ہر چیز کے اوپر علم رکھتے ہیں اور اس کی حکمت ہے۔ وہی ابوسفیان جو مقابلہ کے لئے آرہے تھے، خالد بن ولید نے غزوۂ احد کا پورا منظر بدل دیا تھا، لیکن یہی خالد ایمان لائے، اللہ پاک اس میں فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے اللہ پاک ان کو ایمان کی توفیق دے۔

دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم کی ان آیات سے ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ تمہاری ذمہ داری ہے اللہ کے بندوں تک اللہ کے پیغام پہنچانے کی، آپ کے سامنے میں نے ایک روایت پڑھی تھی جس میں اس کی وجہ بھی ذکر کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قریب ہے کہ دنیا کی قومیں تمہارے اوپر ایسے ٹوٹ پڑے، جیسے کھانے کے پیالے کے اوپر کھانے والے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ تمہاری تعداد کم نہیں ہوگی؛ بلکہ تم بہت زیادہ ہوں گے، لیکن تمہاری حیثیت کیا ہوگی؟ سیلاب کا جو کچڑا چلا آتا ہے، پانی بہتا ہے، سیلاب کے اوپر کچڑا ہوتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، لوگ اس کو پھینک دیتے ہیں یا خود دریا کے کنارے پر وہ آجاتا ہے اور جو اندر کی چیز ہوتی ہے ہیرے جواہرات، وہ اندر ہی رہتی ہیں۔

امت میں بزدلی کے دو اسباب

آگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو چیزیں فرمائیں، اللہ تبارک وتعالی دشمنوں کے دلوں سے تمہارا خوف نکال دیں گے، تمہارا خوف دشمنوں کے دل سے نکل جائے گا، اور دوسری

چیز یہ فرمائی کہ اللہ پاک تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ صحابی نے پوچھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہن کا کیا معنیٰ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں فرمائی: دنیا کی محبت اور موت سے ڈرنا۔ ''حب الدنیا و کراھیۃ الموت'' (ابو داود: کتاب الملاحم، باب تداعی الامم علی الاسلام) اتخشون الناس جو قرآن نے فرمایا کہ لوگوں سے تم ڈر رہے ہو اور اللہ کا خوف نہیں، لوگ تمہیں مار رہے ہیں اور تم مار کھا رہے ہو: أَتَخْشَوْنَ النَّاسَ۔ یہ کیوں ہوا ہے؟

مسلمان اپنا محاسبہ کریں

دوستو اور بزرگو!

پہلے ہم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، اپنی زندگیوں کا محاسبہ کریں، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ دوسرے علاج اور طریقوں کو نہ اپنائیں، ان دونوں کو اپنی نظروں کے سامنے رکھیں، مومن اور ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے'' واللہ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ '' کہ اس کے علم اور حکمت سے کائنات میں ہر چیز ہو رہی ہے، تو ہم اپنی ذمہ داریاں بھی سمجھیں، ایسا نہیں کہ ہم اپنی ذمہ داری ہی نہ سمجھیں، یہ آنے والے حالات کیوں آئے ہیں؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں جو اشارہ فرمایا: دنیا کی محبت تم میں عام ہو جائے گی، تمہارا کھانا، پینا، حلال و حرام میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور تم دنیا کی چیزوں کے پیچھے ایسے پڑو گے جیسے دنیا والے پڑتے ہیں، تم میں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا، تمہاری تجارت، تمہاری معاشرت جب آخرت والی نہیں رہے گی، تم بھی انہیں کے نقش قدم پر چلو گے، میری امت یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلے گی بالکل ان کے جیسی تو پھر یہی حال ہوگا۔ اس لئے ہمیں دونوں چیزوں کو دیکھنا ہے، اللہ کے قانون کے اعتبار سے ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ اور ہم پر حالات کب آتے ہیں؟ احادیث مبارکہ نے اور قرآن کریم کی آیت نے جو باتیں ذکر کی ہیں، یہ سب سے پہلا سبب ہوتا ہے ڈاکٹر کے پاس جائیں گے۔

ماہر ڈاکٹر ہوگا تو بیماری کی تشخیص کرنا چاہے گا کہ یہ بیماری کہاں سے آئی؟ کیوں آئی؟ بعد میں علاج شروع کرے گا۔ آپ کہیں گے کہ یہ درد کر رہا ہے، وہ درد کر رہا ہے تو آپ کو درد کی دوا

نہیں دے گا۔ وہ اصل سبب کو تلاش کرے گا کہ یہ بیماری کہاں سے آئی؟ کیوں آئی؟ اس پر بریک لگانے کی کوشش کرے گا۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیاوی اور اُخروی حکیم کوئی نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ان اسباب کو بھی بتلایا اور اس کے ساتھ ساتھ: أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (عنکبوت:۲) کو بھی ذکر فرمایا۔ جب ایمان لائے، وفاداری کا دم بھرتے ہو تو اللہ پاک امتحان لیں گے دشمنوں کے ذریعہ، لیکن اس موقع پر امتحان لیا جائے گا، تو شریعت کی روشنی میں امتحان دینا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اور ملک کے سیکولر نظام کے اندر ہمیں اس کا امتحان دینا ہے۔

ناراض پروردگار کو راضی کرلو

اس لئے دوستو اور بزرگو! جو حالات ہمارے سامنے آئے ہیں، ہم سب سے پہلے تو اپنے روٹھے ہوئے رب کو راضی کرنے کی کوشش کریں، سب سے بڑا وہی ہے، سب فیصلے وہاں سے ہوتے ہیں، وہاں سے ناراضگی ہوتی ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: اپنے بادشاہوں کو گالی مت دو، بلکہ میری طرف سے فیصلے ہوتے ہیں، جب بندے میری مانتے ہیں تو فرمابردار حاکم ان پر مسلط کرتا ہوں اور جب نہیں مانتے ہیں تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ظالم اور جابر بادشاہ مسلط کیا جاتا ہے۔

اللہ پاک نے کچھ اصول اور کچھ قانون دنیا میں رکھے ہیں، جس کے ماتحت اللہ پاک ایمان والوں کی بھی آزمائش کرتے ہیں، لیکن اس وقت جو اصل چیز مجھے کہنی ہے: أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قرآن کریم کی اس آیت میں یہی اشارہ فرمایا کہ یہ بزدلیاں ہرگز نہیں ہونی چاہئے، تم دشمنوں کی صلح کے توڑنے کے بعد ان سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے ہو؟ تم ڈر گئے ہو؟ تم بندوں سے ڈر گئے ہو؟ تم اللہ سے نہیں ڈر رہے ہو؟ اللہ سے ڈرو، کائنات کی ساری طاقتیں تم سے ڈرنے لگے گی، یہ اس لئے فرمایا جب اللہ کا ڈر نکل گیا، تو اللہ پاک نے فرمایا: دو چیزیں کروں گا، دشمنوں کے سینوں سے تمہارا خوف نکل جائے گا اور تمہارے دلوں میں خود دشمنوں کا رعب ڈال دوں گا، یہ دونوں چیزیں ہوگی۔

حالات کے آنے کی ایک وجہ دعوت الی اللہ میں کوتاہی

یہ اس بنیاد پر ہو رہی ہے کہ اللہ کا پیغام دینِ اسلام ہے جو ہمیں اپنے غیر مسلم بھائیوں تک پہنچانا تھا، ہم نے پہنچانے میں کوتاہی کی، آج بھی ہم ان چیزوں سے محروم ہیں، آج بھی ہم نے اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک نہیں پہنچایا، ہم اپنے عمل کے ذریعہ سے، تاجر ہے تو تجارت میں غیر مسلمین سے واسطہ پڑتا ہے، سرکاری ملازم ہے تو اس کو غیر مسلم سے واسطہ پڑتا ہے، جب ایک مسلمان کسی آفس میں ہوتا ہے، یہ پتہ چلنا چاہیے کہ اس سے زیادہ امانتدار کوئی نہیں، اس سے زیادہ ہمارے حقوق کا ادا کرنے والا کوئی نہیں، اس سے زیادہ اس پوری آفس کے اندر حق اور صحیح بات کہنے والا کوئی نہیں، جب یہ چیزیں ہوگی جیسے صحابہ کرام میں یہی چیزیں تھی تو لوگ ان کو دیکھنے کے لئے آ گئے، اللہ پاک نے ایمان اور اعمال صالحہ کا رعب ڈال دیا، عجیب اللہ پاک کا نظام ہے، اللہ پاک نے سورہ حشر میں یہود کے متعلق فرمایا: هُوَ الَّذِيٓ أَخۡرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنۡ أَهۡلِ الۡكِتَابِ مِن دِيَارِهِمۡ لِأَوَّلِ الۡحَشۡرِ ۚ مَا ظَنَنتُمۡ أَن يَخۡرُجُوا ۖ وَظَنُّوٓا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمۡ حُصُونُهُم مِّنَ اللّٰهِ فَأَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَيۡثُ لَمۡ يَحۡتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعۡبَ ۚ يُخۡرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيۡدِيهِمۡ وَأَيۡدِي الۡمُؤۡمِنِينَ فَاعۡتَبِرُوا يَا أُولِي الۡأَبۡصَارِ (حشر:۲) اپنے مضبوط قلعوں پر فخر تھا، لیکن اللہ پاک نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا، عجیب ہے قرآن کہہ رہا ہے، صحابہ کا ڈر ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔

اس ملک میں رہنا ہو تو یہ چیز اپناؤ

جب اللہ کی مانی، اللہ نے ظالموں اور طاقت کے نشے والوں کے دل میں صحابہ کرام کا رعب ڈال دیا اور جب یہ چیز ہوتی ہے، تو آیت کریمہ نے جیسے فرمایا اور آج ہمارا حال ہو رہا ہے، ہم دنیا سے ڈر گئے، اس لیے جمہوری نظام اور سیکولر نظام کے ماتحت اس ملک میں رہنا ہے اور جس نے ظلم کیا ہے، بالکل مار کھانا نہیں ہے، جس نے ظلم کیا ہے یا کر رہا ہو، اس کے لئے قرآن کریم نے فرمایا: وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُونَ بِهِ

عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِن دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔ (انفال:۶۰)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام نے پوچھا کہ مغرب کا وقت کب ہوتا ہے؟ آپ نے کیا فرمایا؟ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ سورج غروب ہوجائے، بلکہ آپ نے فرمایا کہ تم تیر مارو اور وہ جہاں گرے وہ جگہ نظر آئے، سمجھ رہے ہیں مسلمان اس مغرب کے وقت کو، اللہ کے رسول بتلا رہے ہیں اور بتلانے میں یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ تم لوگ گینڈ پھینکو، بول پھینکو، اور نظر آئے، آج مسلمان گینڈ کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اپنی ساری صلاحیتوں کو دنیا کے پیچھے اور موبائل کے پیچھے صرف کر رہا ہے، دنیا کیا کر رہی ہے آپ کے لئے اور آپ ان چھوٹے چھوٹے کاموں میں؟ دوستو اور بزرگو یہ بڑی عبرت کی چیز ہے۔

اللہ تبارک وتعالی ہمیں کہنے سننے سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کے ساتھ اللہ پاک سے دعائیں بھی مانگیں کہ یہ امت اسباب والی صرف نہیں ہے، مسبب الاسباب والی ہے، دعائیں بھی مانگیں، اللہ پاک سے دعا ہے کہ مجھے آپ کو سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۱۲) شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی سوانح حیات اور ہمارے لئے سبق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ علٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَ عَلٰی آلِه وَ اَصْحَابِه اَجْمَعِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ .

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِنْكُمْ يَتْلُوْ عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ فَاذْكُرُوْنِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِي وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ (سورۃ البقرۃ:۱۵۲،۱۵۳)

وَقَالَ تعَالٰی: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (سورۃ یونس:۶۲)

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ : مَنْ عَادٰی لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ (بخاری شریف: کتاب الرقاق، باب التواضع)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ والشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

اللہ تبارک وتعالی نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ شریعت اور اس دین کو مکمل فرمایا

اور حجۃ الوداع کے موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (مائدہ: ۳) کہ میں نے تمہارے لئے اس دین کو مکمل کر دیا اور میری نعمتیں تمہارے اوپر تام کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو بطور زندگی اور بطور آئیڈیل کے منتخب کر دیا، پسند کرلیا، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے اس دین اور شریعت کی گارنٹی اپنی طرف سے دی: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر: ۹) ترجمہ: کہ اس قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، جب کہ دوسری آسمانی کتابوں کے متعلق فرمایا: بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ (مائدہ: ۴۴) اس مذہب کے ماننے والوں کو اس کتاب کی ذمہ داری دی گئی اور وہ اس کو پورا نہیں کر سکے، تو ایک طرف تو دین مکمل کرنے کی ذمہ داری لے کر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا سلسلہ جاری فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا۔

دوسری طرف قیامت تک چونکہ اس دین کو باقی رکھنا ہے، اس لئے دین اور دین والوں کو مختلف حالات سے گزرنا ہوگا، اس کے لئے اللہ تعالی نے دوسرا انتظام فرمایا، جس کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مختلف روایتوں میں مختلف انداز اور مختلف سورتوں سے تعبیر فرما کر ذکر کیا کہ اس دین کو پہلے والوں سے بعد والے لوگ لیں گے۔ شرک اور بدعت اور دین کے خلاف ہونے والی ہر قسم کی تدبیر کو یہ لوگ رد کریں گے، اور ایک روایت میں فرمایا: جو اللہ کے دین کی تجدید فرمائے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سے لے کر آج تک ایسے افراد دین میں پیدا ہوئے، جنہوں نے باطل نظریات وعقائد کی تردید فرمائی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ

آج مجھے جس شخصیت عظمیٰ کا ذکر کرنا ہے، ہمارے بھائی اس مہینے میں جو بہت ساری رسومات کرتے ہیں، جو آپ کی سیرت سے تعلق نہیں رکھتی، میری مراد اس سے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے، ان کے نام سے یہ مہینہ اور اس مہینے کی گیارہ

تاریخ کو منسوب کر کے وہ چیزیں کرتے ہیں، جو آپ کی تعلیمات کے خلاف ہے، اس لئے بہت ضروری ہے جس شخصیت کے متعلق ہمارے درمیان بہت ساری ایسی چیزیں رواج کے طور پر گھڑی ہوئی ہے، جس کو ختم کرنے کے لئے اس شخصیت نے اپنی پوری زندگی کھپا دی، ایک مثال سے سمجھیں کہ باپ اپنے بیٹے کو جس چیز سے روکے اوراس پر اپنی پوری زندگی کھپا دے، بیٹا اسی کے مقابلہ میں اوراسی کے اپوزٹ (Opposite) میں وہ کام کرے جس سے باپ نے روکا ہواور جس کے لئے اپنی پوری زندگی تبلیغ کے مشن کو چلایا ہواوراس پر عمل نہ کیا جائے اوراس کے خلاف کی چیزوں پر عمل کیا جائے، تو کیا اس کو صحیح جانشین کہا جاسکتا ہے؟ ہر گز نہیں! اس لئے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تاریخ میں حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام ہے؟ کن حالات میں اللہ تعالی نے آپ کو پیدا فرمایا؟ اورآپ کے ذریعہ دین اسلام کی تعلیم تو ہے ہی، اس کے ساتھ روحانی تربیت، تصوف اور سلوک اور اللہ کی معرفت اور اللہ پاک کی محبت کے چشمے جو آپ نے بغداد میں بہت سال تک جاری فرمائے اور خود آپ نے علم کو حاصل کرنے کے لئے اور اپنی زندگی کو عملی بنانے کے لئے کیسی کیسی محنتیں اور مشقتیں فرمائی؟ بلکہ اگر دیکھا جائے تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالی نے ایسا غیبی انتظام فرمایا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے والد محترم کے تقویٰ کا عالم

قصہ بہت مشہور ہے، آپ سن چکے ہوں گے کہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد یعنی شیخ ابوصالح آپ جوانی کے عالم میں جنگل سے گزر رہے تھے اور شدید بھوک لگی تھی، ایک نہر کے کنارے سے گزر رہے ہیں اور تیرتا ہوا ایک سیب آپ نے دیکھا تو آپ کے دل میں تمنا ہوئی، چونکہ بھوکے اور پیاسے ہیں اوراس لئے اس کا استعمال کرنا جائز ہے، آپ نے نہر میں سے اس کو اٹھالیا اوراس کو استعمال کیا۔ دیکھئے تقویٰ اور طہارت کے کس مرتبہ پر تھے کہ فوراً دل میں وسوسہ آیا کہ یہ کسی کی ملکیت ہوگی؟ اور میں نے اس کو مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کیا ہے، اس کا کھانا میرے لئے جائز نہیں، شریعت کے اعتبار سے جائز تھا، لیکن تقوی

اور حقیقت سے ڈر رہے تھے، چنانچہ وہ مالک کی تلاش میں نکلے کہ وہاں کسی کا باغ ہوا اور وہیں سے وہ گر کر آیا ہوگا؛ چھ سات میل پار کرنے کے بعد ایک باغ نظر آیا، وہاں پر آپ گئے، آپ نے مالک کو دیکھا، شیخ عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے پاس جا کر آپ نے عرض کیا کہ آپ کے باغ کا ایک سیب نہر میں تیرتا ہوا آ رہا تھا، میں نے اس کو استعمال کر لیا، لیکن اس کے بعد مجھے افسوس ہوا، اس لئے میں آپ سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں۔

تین شرائط کے قبول کرنے پر معافی

شیخ عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ وقت کے بزرگ آدمی تھے، آپ نے دیکھا، ایک نوجوان ہے اور نوجوانی کے عالم میں ایک چیز کھالی اور کھانے کے بعد اس کے تقوی اور طہارت کا یہ حال ہے کہ اتنے دور سے میرے پاس معافی مانگنے کے لئے آیا، یقینا مجھے ایک جوہر ملا، آپ نے کہا کہ میں تجھے معاف کرتا ہوں، لیکن ایک شرط کے ساتھ، اگر تم شرط کو پوری کرو تو ہی میں معاف کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بتاؤ! اس کے بعد شیخ عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے، جو آنکھوں سے اندھی ہے، کانوں سے بہری ہے اور ہاتھ اور پاؤں سے اپاہج ہے، اگر تم ان تین شرطوں کو یعنی ان تین چیزوں پر راضی ہو جاؤ، اور میری لڑکی سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، تو میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔

دوستو اور بزرگو!

انسان جب رب سے ڈرنے والا ہوتا ہے اور جب مبارک دین اس کے دل میں آتا ہے تو ایسے موقعوں پر وہ اپنے نفس کی چاہت کے مقابلہ میں خدا کی قدرت اور اللہ تعالی کے حکم کی بجا آوری میں دل لگاتا ہے، ان کے دماغ میں آتا ہے کہ میں ایک ایسی لڑکی کے ساتھ شادی کروں؟ جس کی خدمت مجھے کرنی پڑے! میں اپنی خدمت کے لئے نہیں لا رہا ہوں، بلکہ زندگی بھر مجھے اس کی خدمت کرنی ہے، وہ بہری ہے، گونگی بھی ہے، اپاہج بھی ہے، میرے کس کام کی؟ لیکن حلال اور حرام کا جو تصور ان کے ذہن میں تھا اس نے آپ کو مجبور کر دیا، اس کے بعد آپ نے شیخ

کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اس کے لئے تیار ہوں، شیخ عبداللہ صومعی رحمہ اللہ نے اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کروادی، جب رخصتی ہوئی اور مذکور عورت کو آپ نے رات میں دیکھا کہ آنکھ میں صحیح صلاحیت ہے، کان میں بھی صلاحیت ہے اور جسم کا کوئی عضوا پاہج اور لقوہ والا نہیں ہے، تو پھر دل میں خیال آیا کہ شاید بھول ہوگئی ہو اور یہ میری بیوی نہ ہو، پھر آپ خسر کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے جو شرط لگائی تھی اس کے مطابق یہ لڑکی نہیں ہے، یہ لڑکی تو تمام ظاہری عیب سے پاک ہے۔

تین شرائط کی تفصیلات

شیخ عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے جو لڑکی دی تھی وہ یہی ہے، لیکن میں نے جو تین باتیں کہی تھی کہ میری بیٹی اندھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آج تک کسی غیر محرم مرد کا چہرہ نہیں دیکھا، اس اعتبار سے میری بیٹی اندھی ہے۔

اور میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میری بیٹی گونگی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔

اور تیسری چیز بتائی کہ ہاتھ اور پاؤں سے معذور ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ میرے گھر میں رہتی ہے، بازاروں میں اور تفریح گاہوں میں گھومتی نہیں ہے۔

تین بزرگ ہستیوں کے طفیل شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پیدائش

دوستو اور بزرگو! جب بڑی عمر کا بزرگ اور اس کی بیٹی اس طرح کی ہو اور وہ نوجوان حلال اور حرام کی فکر میں یہاں تک آئے، جن کے تقویٰ کا یہ عالم ہو کہ اپنی جوانی کو ایسی عورت کے لئے وقف کرنے کا تہیہ کرلیا، یہ تینوں بزرگ جب ملتے ہیں تو اس کے نتیجے میں ''شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ'' کی شکل میں اللہ کا بندہ ہمیں ملتا ہے۔

آں حضرتؒ کی زندگی سے پہلا سبق

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ماں باپ کا اپنی اولاد کی تربیت میں کتنا بڑا دخل ہے، ان کی تربیت اور ان کی تعلیم میں بھی۔ آپ کے نانا، آپ کی والدہ اور آپ کے والد تینوں اس درجہ کے ہیں۔

والدہ محترمہ تو ایک مدت کے بعد انتقال کرگئی، (۴۷۰) میں آپ ایران کے ایک شہر میں جو ''آذربایجان'' اور ''ایران'' کے بارڈر پر ہے، ایران کے شمالی حصے میں وہاں آپ کی پیدائش ہوئی، خلفائے بنوعباسیہ کا دور ہے اور اسلامی سلطنت کا انتہائی عروج کا زمانہ کہا جاتا تھا، اس لئے کہ بغداد اس وقت پوری دنیا کا تجارتی مرکز تھا، سیاسی مرکز تھا اور ساتھ ساتھ روحانیت کا بھی مرکز اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ بنایا، پوری دنیا کا سب سے بڑا مرکز شہر بغداد اور عباسی خلافت کا سب سے بڑا تجارتی مرکز۔ اسی لئے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے وطن ایران سے (۱۸) سال کی عمر میں علم حاصل کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں، اس وقت وہاں بڑے بڑے علماء اور صلحاء موجود، لیکن پورے بغداد اور اطراف کا جو ماحول تھا، دنیا اور دنیا کی چیزوں کے پیچھے لوگ لگے ہوئے تھے، مال ودولت کو ہی اپنی زندگی کا عروج اور معراج سمجھی ہوئی ہے، اس لئے اللہ پاک نے اپنے اس بندے کو طالب علمی کے لئے اسی بغداد شہر میں پہنچایا، جس کے متعلق خود اس وقت کے بزرگ کہتے تھے کہ بغداد شہر عابدوں اور زاہدوں کا شہر نہیں ہے، ''**بغداد لیس منزل عباد**'' یہ تو تاجروں اور دنیا والوں کا شہر ہے، لیکن اللہ پاک کو آپ کے ذریعہ اس امت کو مادیت سے بچا کر روحانیت کی طرف لانا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سن (۴۸۸) ہجری میں بغداد چھوڑ رہے ہیں اور تصوف اور سلوک کے مرحلے کو طے کرنے کے لئے دمشق جارہے ہیں، بغداد سے ایک بڑے بزرگ اور صالح آدمی نکل رہے ہیں اور اللہ پاک اس شہر کے لئے ایک دوسرے بزرگ کا انتظام کرتے ہیں، (۴۸۸) میں حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کے لئے آئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بغداد کا سب سے بڑا مدرسہ تھا، مدرسہ نظامیہ، اس کے صدر مدرس اور وقت کے بادشاہ کے بعد دوسرے نمبر کے عہدہ پر فائز تھے، لیکن آپ نے اپنے دل میں محسوس کیا کہ میرے پاس علم ہے، ظاہری عمل بھی ہے لیکن اللہ پاک سے محبت اور اللہ پاک کی معرفت اور عشق الٰہی اور اطاعت خداوندی جو ہونی چاہیے، اس کی کمی ہے، اس کمی کو پورا کرنے

کے لئے امام الحرمین علامہ جوینی کی خدمت میں آپ جا رہے ہیں۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور ڈاکوؤں کی توبہ کا عبرتناک واقعہ

ایک بزرگ بغداد کو چھوڑ رہے ہیں اور دوسری طرف اللہ پاک ایک بزرگ کو جو ابھی طالب علم کی شکل میں بغداد میں آ رہے ہیں اور اس عالم میں آ رہے ہیں، ہم لوگ اسکول میں چوپڑیوں ચોપડીઓ میں پڑھتے تھے کہ حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے بچے ہیں، اور ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ آپ کی والدہ نے آپ کو گیلان سے بغداد کی طرف روانہ کیا، راستے میں چور اور ڈاکو لوگ آئے اور انہوں نے سب کا مال لے لیا، آپ کو چھیرا نہیں، لیکن اتنا پوچھا کہ تیرے پاس کیا ہے؟ اور کچھ روایتوں میں ہے کہ پوچھا بھی نہیں اور آپ نے خود ہی کہا کہ میرے پاس (۴۰) سونا مہر ہے، یہ میری والدہ نے ایک گٹھڑی میں بند کر کے میرے بغل میں دبا دیا اور آپ نے اس کو پیش کیا۔

قبولیت کے اوقات میں اللہ سے مانگ لیا کرو

اللہ پاک کی طرف سے اوقات ہوتے ہیں، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے کچھ گھڑیاں ہوتی ہیں، ان گھڑیوں کو تلاش کیا کرو، جیسے کہ حدیث شریف میں جمعہ کے دن کے لئے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے جو دعا کی مقبولیت کی ہے۔ (بخاری: کتاب الجمعة، باب الساعة التی فی یوم الجمعة) اس کو تلاش کیا کرو، چاہے مغرب سے پہلے ہو، چاہے جمعہ کے خطبے کے بیچ میں ہو، بزرگوں نے مختلف طریقے بتلائے ہیں، لیکن مجھے بتلانا یہ ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے کچھ گھڑیا ہوتی ہیں، اور یہ امت کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ اس کا عمل کم ہوتا ہے تو اس کے عمل کو بڑھانے کے لئے لیلۃ القدر یعنی شب قدر جیسی راتیں عنایت فرمائی، جس کی بنیاد پر بندے اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اللہ پاک ان کے گناہوں کو معاف فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کریں۔

ان چوروں اور ڈاکوؤں کا بھی وقت آچکا تھا، اللہ تعالی نے ان کو قبول کرلیا۔ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ مثل مشہور ہے ''از دل خیز د بر دل ریز د''۔ جو چیز دل سے نکلتی ہے دل کو اثر کرتی ہے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کو علم ہوا کہ دوسرے تاجر لوگ تو اپنی چیز چھپانے کی بات کرتے ہیں اور یہ چھوٹا سا بچہ اپنے پاس جو چیز ہے اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرتا ہے، کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ میری والدہ نے گیلان سے نکلتے ہوئے مجھے نصیحت کی تھی کہ اس بات کو یاد رکھو کہ سچائی نجات دیتی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے کہ جھوٹ آدمی کو کامیاب نہیں کرتی ہے۔

حضرت کعب بن مالکؓ کا سچائی پر مشتمل واقعہ

سورہ توبہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا پورا قصہ اسی طرح ہے کہ (۵۰) دن تک آپ تبوک کے غزوے سے غائب رہے اور جب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب سے پوچھا کہ کون سی بات ہے جس نے آپ کو غزوہ میں آنے سے روکا؟ انہوں نے کہا، بخاری شریف میں تفصیل سے یہ روایت موجود ہے۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک)، آپ نے اپنی سرگزشت بیان کی، انہوں نے صاف کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ پاک نے مجھے عربی زبان کا بہترین ادیب اور شاعر بنایا ہے، اور میں آپ کے سامنے جھوٹ بول کر منافقین کی طرح اپنے آپ کو الگ کرسکتا تھا، لیکن مجھے معلوم تھا کہ میں آپ سے جھوٹ بول کر چھوٹ جاؤں گا، لیکن اللہ پاک کی طرف سے وحی نازل ہوگی اور میرا جھوٹا ہونا ثابت ہوجائے گا، تو پھر میں کسی چیز کا نہیں رہوں گا، اس لئے میں سچ بول رہا ہوں اور سچ ہی کی بنیاد پر اللہ پاک مجھے کامیاب بنائے گا، اسی طرح سورہ توبہ میں آیت ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (توبہ:۱۱۹) کہ اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سچائی نے ڈاکوؤں کی زندگی بدل دی، اللہ پاک نے ان کو کامیاب کیا۔

تربیت اولاد میں حلال روزی کو بڑا دخل ہے

دوستو بزرگو!

پہلے قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں حلال روزی کو سب سے بڑا دخل ہے، کسی کی چیز لے لی، کسی کا حق مارلیا، شرعی وراثت کو اللہ پاک نے قرآن کریم میں نازل فرمایا، اس وراثت کو اس طریقے سے تقسیم نہ کرتے ہوئے آپ اپنی خواہش اور چاہت کے مطابق اپنی بہنوں کو حق نہ دیں اور دوسرے جن جن کا بھی حق ہے تجارت اور کاروبار میں کوئی معاملہ ہوا اور اس کو صحیح طریقے سے ادا نہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گئے اور ایک گیہوں والے کو دیکھا اور آپ نے اس کے گیہوں میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے پانی نظر آیا، آپ نے فرمایا کہ جو میری امت کو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابن ماجه: کتاب التجارات، باب النهی عن الغش)، یہ ہے اس دین کی تعلیمات۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامتیں

دوسرا واقعہ جس میں سچائی کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے، آپ نے سچ بول کر ڈاکوؤں کے سردار کو توبہ کی توفیق نصیب فرمائی، اللہ پاک کی طرف سے آپ کی کرامت ہے۔ ''المغنی'' کتاب کے مصنف جو کہ حنبلی مسلک کے ہیں، حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں انہوں نے کتاب لکھی ہے، اس کے حاشیہ میں آپ نے لکھا ہے کہ دو لاکھ آدمیوں نے جو مسلمان تھے، لیکن گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے، اللہ پاک نے آپ کے ذریعہ صحیح توبہ کی توفیق نصیب فرمائی اور (۵۰۰۰) عیسائی اور یہودی تھے، جن کو اللہ پاک نے آپ کے ہاتھوں پر ایمان کی توفیق نصیب فرمائی۔

شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں ۳۰ شعبان کو اپنی والدہ کا دودھ پی لیتے، تو لوگ سمجھتے تھے کہ رمضان کا مہینہ شروع نہیں ہوا ہے، اس لئے حضرت امام تیمیہ فرماتے ہیں کہ

جتنی کرامتوں کا صدور آپ کے ذریعہ ہوا اولیاء اللہ کی تاریخ میں اس سے زیادہ کسی کا نہیں ہوا۔

ہم اور آپ سیرت کا مطالعہ کریں، دوسری چیز مجھے آپ کو بتلانی ہے کہ جب تک آدمی کے پاس کتاب وسنت اور حدیث کا علم نہیں ہوتا ہے وہ دھوکے میں پڑتا ہے، جاہل صوفیوں نے دین اسلام کی جو شکل بگاڑی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن وحدیث کو نہیں جانا۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بھی ایک بڑی کرامت ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو بغداد جیسے علمی شہر میں پہنچایا، بڑے بڑے بزرگوں سے آپ نے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کیا، تصوف اور سلوک کی منزلیں طے فرمائی اور پھر اس کے بعد اللہ پاک نے ساٹھ سال تک قرآن وحدیث کی تفسیر کے درس میں آپ کو مشغول رکھا۔

شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کا تصوف میں مقام ومرتبہ

جب آدمی قرآن وحدیث کے درس میں مشغول ہوتا ہے، روزانہ مطالعہ اور Study کرتا ہے تو اس کا علم تازہ رہتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے صوفی ہونے کو تو ہم سمجھتے ہیں، لیکن قرآن وحدیث کے کتنے بڑے عالم تھے یہ ہم لوگوں کی نظروں میں نہیں ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کا علم گہرا ہوتا ہے، اس کی روحانیت اور اس کا تصوف کا مرتبہ بھی اللہ پاک کے یہاں اعلیٰ ہوتا ہے، اور اگر علم میں کمی ہو تو کسی بھی وقت انسان گمراہ ہو سکتا ہے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کر سکتا ہے، اسی سلسلہ کا آپ کا واقعہ ہے۔

شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ جنگل سے گزر رہے تھے، اوپر سے آواز آئی کہ ''میں تمہارا خدا ہوں اور آج سے میں نے تمہارے لئے ہر حرام چیز کو حلال کر دیا''۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے جب یہ جملہ سنا تو فوراً کہا: **''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم''** اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے۔ وہ بدلی دھنویں کی شکل میں غائب ہوگئی، لیکن جاتے جاتے جملہ کہا: ''عبدالقادر تمہارے علم نے تمہیں بچالیا، ورنہ تمہارے جیسے (۷۰) عابدوں کو میں اسی طرح گمراہ کر چکا ہوں اور حرام کو حلال کر کے ان کو حرام چیزوں میں مشغول کر چکا ہوں، لیکن تم

بچ گئے اپنے علم کی بنیاد پر۔'' حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا پہلا جملہ تھا کہ ہر حرام کو حلال کر دیا، یہ تو تھا ہی خطرناک؛ لیکن اس سے زیادہ خطرناک جملہ اس نے یہ کہا کہ تیرے علم نے تجھے بچالیا، یہ مجھے گھمنڈ اور تکبر میں ڈالنا چاہ رہا تھا، میں نے کہا: اللہ نے مجھے بچالیا ورنہ انسان کی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے، اس لئے جب بھی نیکی کی توفیق ہو، حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نیکی کی توفیق یہ اللہ پاک کا احسان ہے، پھر انسان اس پر تکبر نہ کرے، آپ نماز پڑھ رہے ہیں، آپ روزہ رکھ رہے ہیں، آپ حلال کمائی اور حلال چیزوں میں مشغول ہیں، تو اللہ پاک کا احسان ہے، کبھی اپنے آپ پر بھروسہ نہیں کرنا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ''قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ'' (یوسف: ۲۳) زلیخا نے جب آپ کو گناہ کی طرف بلایا، تو آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، میں بچ جاؤں گا،: فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (نجم: ۳۲) اللہ پاک فرماتے ہیں: کوئی اپنے کو بڑا نہ سمجھے، تزکیہ اور پاکیزگی والا هُوَ أَعْلَمُ اللہ پاک خوب جانتے ہیں کہ کون پاکیزگی والا ہے، اس لئے اللہ پاک کے نیک اور صالح بندے پوری پوری رات عبادت کرتے ہیں، اور قرآن فرما رہا ہے: وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (ذاریات: ۱۸) سحری کے وقت میں اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے شیطان نے یہ کہا تو آپ نے کہہ دیا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت مکمل ہو چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، قرآن کریم میں فرمایا: کہ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (اعراف: ۱۵۷) جتنی گندی چیزیں ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حرام ہو چکی، اور جتنی اچھی چیزیں ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حلال ہو چکی، اور اب (۵۰۰) سال کے بعد کس کو اختیار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دے، اس لئے کہ آپ کے پاس صحیح علم تھا، تو آپ شیطان کے پھندے میں نہیں آئے۔

شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات ہمیں بتلاتی ہے کہ قرآن اور حدیث کی صحیح

تعلیم ہمارے پاس ہوگی تو شیطانی طاقتیں اورقوتیں گمراہ نہیں کرسکتی۔حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین کے عقیدے پر پختہ یقین تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔آپ کے بعد کسی کو حلال کو حرام اورحرام کو حلال کرنے کا کوئی اختیار نہیں، اس لئے کبھی جاہل یہ کہہ دیں کہ نماز ہمارے لئے معاف ہے،کیا یہ اس مرتبہ پر پہونچ چکے ہیں کہ نماز کی ضرورت نہیں؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے آخری دنوں میں دو صحابہ کے ذریعہ مسجد میں آنے کی کوشش کرتے ہیں، جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر آئے۔(مجمع الزوائد: کتاب علامات النبوة، رقم: ۱۴۲۵۲، ۹/۳۶)، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتقال سے پہلے پہلے بھی مرض الموت میں بھی نماز کے لئے مسجد جائے اورآپ کا امتی اتنا بڑا ہو گیا کہ اس کے لئے نماز معاف ہو جائے،نماز کسی کی زندگی سے نکل جائے یہ ہو نہیں سکتا،حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ شریعت کسی کے لئے بھی الگ نہیں، ہر ایک شریعت کا مکلف ہے، نبی جب مکلف ہے تو امتی کے لئے کیسے اختیار ہوگا؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے،(آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(۱۳) ملک شام کے احوال اور مسلمانوں کو ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے؟

(بمقام گارڈن مسجد، بھروچ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْرًا ۰○ (سورۃ النساء:۷۵)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يَاقَوْمِ أَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ(۵۱) أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ(۵۲)۔ (سورۃ الزخرف:۵۱،۵۲) وَقَالَ تَعَالٰی: كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (سورۃ البقرۃ:۲۴۹)

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً. (ترمذی: ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

کائنات میں اللہ پاک کے دو نظام

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی چند آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اللہ نے دو قسم کی سوچ اور دو

قسم کے نظریات والے انسانوں کی بات پیش فرمائی ہے، ایک طرف فرعون کی گفتگو اللہ پاک نے ذکر فرمائی، اس نے اپنی حکومت اور اپنی سلطنت پر غور وفکر کرتے ہوئے لوگوں سے کہا تھا، أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ - یہ مصر کا ملک میرا ہے، وَهٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي (الزخرف:۵۱) اور یہ دریائے نیل اور دوسرے چھوٹے بڑے سمندر اور دریا بہہ رہے ہیں، یہ سب میرے قبضے میں ہے اور حضرت موسی علیہ السلام کے متعلق اس نے آگے کہا: أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ (الزخرف:۵۲) نعوذ باللہ! بنی اسرائیل اور حضرت موسی علیہ السلام یہ قوم ذلیل اور کمزور ہیں اور وَلَا يَكَادُ يُبِينُ (الزخرف:۵۲)۔ بات بھی اچھے طریقے سے نہیں کر سکتے ہیں، میں موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت بڑا سمجھتا اور اللہ کے نبی سمجھتا جب ان کے سامنے سونے اور چاندی کا ڈھیر لگے ہوئے ہو یا فرشتے ان کے سامنے خدمت کے لیے کمر بستہ ہوں، یہ فرعون کی ایک سوچ تھی دنیا کی طاقت، دنیا کی حکومتیں، دنیا کا غلبہ، سونا چاندی، خادموں کا ہونا، اس میں سمجھ لیا تھا کہ یہی دنیا ہے۔

اس کے مقابلے میں اللہ پاک نے ایک چھوٹی سی آیت میں ارشاد فرمایا: كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (بقرہ:۲۴۹) بہت سی مرتبہ چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت کے اوپر غالب آتی ہے، یہ حضرت داود علیہ السلام کا قصہ اللہ نے ذکر فرمایا، طالوت اور جالوت کا مقابلہ ہوا، طالوت کی جماعت چھوٹی سی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو کامیاب فرمایا، سیدنا داود علیہ السلام نے جالوت نام کے اس ظالم بادشاہ اور متکبر طاقت والے کا کام تمام کر دیا، چھوٹی سی جماعت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمایا۔ مجھے آپ حضرات کے سامنے عرض کرنا ہے اس وقت جو حالات ہے یہ کوئی آج سے پیش نہیں آرہے ہیں، مسلمان جب سے اللہ پاک کے احکامات کو چھوڑ چکے ہیں، اللہ پاک نے اس کائنات میں دو نظام بنائے ہیں، ایک تو روزانہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے، طاقت والا کمزور پر غالب آجائے، مال والا غریب پر غالب آجائے، جس کے پاس جتنے زیادہ اسباب اور وسائل ہوں گے، وہ کم اسباب والے پر غالب آجاتے ہیں، اللہ پاک کا کائنات میں ایک نظام ہے، جو

چیزیں اللہ پاک نے جن خاصیات کے ساتھ رکھی ہے وہ اپنا کام کرتی ہے، اس میں اللہ پاک نے ایمان اور کفر کا کوئی فرق طبعی طور پر نہیں فرمایا۔ بھوک لگتی ہے، ایک ایمان والا کھاتا ہے، اس کی بھی کھانے کی وجہ سے بھوک مٹتی ہے، پانی پینے کی وجہ سے پیاس بجھتی ہے، اللہ پاک کا نظام یہ کائنات میں ہر ایک کے ساتھ ہے، نیک ہو یا برا ہو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ ظاہری اسباب کی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے عام نظام رکھا ہے، ہم اور آپ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، امریکہ کے پاس دنیا بھر کے ہتھیار ہے تو دنیا اس کو سپر پاور سمجھ رہی ہے اور جن ملکوں کے پاس نہیں ہیں ان کو کمزور سمجھا جاتا ہے، یہ دنیا کا ایک ایسا طبعی اور فزکس والا قانون ہے جو رات دن ہم میں سے ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے، دیکھتا ہے، یہاں اسباب کی بناء پر لڑائی اور مقابلہ ہوتا ہے اور جس کے پاس زیادہ اسباب ہوتے ہیں وہ غالب آجاتا ہے، یہ عام احوال میں اللہ نے دنیا کا نظام بنایا ہے اور رات دن یہ چل رہا ہے۔

لیکن دوسرا ایک نظام اللہ تعالیٰ نے اسی کائنات میں بنایا ہے، قرآن کریم کی جن آیات کی طرف میں نے اشارہ کیا اور بھی بہت سارے واقعات قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کر کے بتلایا کہ اسباب اور عام حالات میں تو ہم یہی کرتے ہیں، لیکن ایمان، اخلاص اور اخلاقیات، اللہ پاک کی رضامندی والے اعمال جیسے اسباب چیزوں کے اندر موثر ہوتے ہیں، اللہ پاک نے یہ باطنی اسباب رکھے ہیں۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (نور:۵۵) اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے ایمان اور اعمال کی بنیاد پر دنیا کی چیزوں کو ہمارے قبضے میں لائے گا، ایمان اور اعمال صالحہ ذکر کر کے اللہ پاک نے فرمایا، ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک اور دوسری دنیا ہے جو طبعی اسباب سے بھی آگے بڑھ کر اپنا اثر کرتی ہے۔

ارادۂ الٰہی

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ (غافر: ۵۱) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ (صافات:۱۷۱)

انبیاء کرام کی بعثت بے سروسامانی میں ہوئی، ملک ومال، طاقت سب مخالفین کے پاس تھا، ان کا سرمایہ ایمان، اخلاص، عمل صالح، تقویٰ، حسن سیرت، اخلاق اور ایمانی دعوت ہے، جس میں کامیابی کی ضمانت ہے، یہ بھی قرآن میں نظر آئے گا کہ بے سروسامانی میں بھی کامیابی نبی کی ہی ہوئی، اپنے مقابل بادشاہ فرعون ہو یا قارون، نمرود یا شداد اور قومیں عاد وثمود وہ ناکام ہوئیں یا ماننے پر مجبور ہوئیں، یہ واقعات بار بار دہرائے گئے، قدرت کاملہ پر ایمان کی دعوت، مسبب الاسباب، متصرف کامل، مؤثر حقیقی جو کبھی بھی کمزور و معطل نہیں ہوا، اس کی طاقت کا استحضار کروایا گیا۔

یہ واقعات حق کی قوت پر دال ہے، بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ۝۱۸ (انبیاء:۱۸) فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ۝۱۷ (رعد:۱۷)

ان قصوں میں مسلمانوں کو دعوت ہے، رحمت سے پر امید کرنا ہے، حضرت ایوب کا قصہ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝۸۳ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ۝۸۴ (انبیاء:۸۳، ۸۴) حضرت لوط کا واقعہ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ۝۳۵ (قمر:۳۵) حضرت یونس کا واقعہ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۝۸۸ (انبیاء:۸۸) سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ۝۱۲۰ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۝۱۲۱ (صافات:۱۲۰، ۱۲۱) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۝۲۱ؕ (احزاب:۲۱) قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۝۱۱۱ؕ (شعراء:۱۱۱) قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ۝۹۱ (ھود:۹۱) وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۵۱ؕ (زخرف:۵۱)

قومیں قدآور تھی، خوشحال تھی، اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ۝۱۳۳ۚۙ وَّجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ۝۱۳۴ۚ

(شعراء:۱۳۴) قوم عاد کا واقعہ ہے، حضرت صالحؑ کا واقعہ اَتُتۡرَكُوۡنَ فِىۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيۡنَ ۝۱۴۶ (شعراء:۱۴۶) وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ بِخَيۡرٍ وَّاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ ۝۸۴ (ھود:۸۴) اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ۝۱۲۸ (شعراء:۱۲۸)

انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّـكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۖ وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۝۶ (انعام:۶)

حضرت ابراہیم کے لئے آگ کو باغ بنانا، ابراہیمؑ کا بیوی بچے کو بے آب وگیاہ مقام پر چھوڑنا جس کو قرآن نے انی اسکنت من ذریتی (ابراہیم:۳۷) سے منظر کھینچا اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّـكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۖ وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۝۶ (انعام:۶) اسی طرح آپ کی دعا قبول ہوئی تو اس کو یوں ذکر فرمایا اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۵۷ (قصص:۵۷) پانی کا نام ونشان نہ تھا، ریت کے ذروں سے زمزم نکلنا۔

حضرت موسیٰؑ کا گھٹے ہوئے ماحول میں پیدا ہونا، اس وقت کی ظالم حکومت، نیز دشمن کے ہاتھ وگود میں پرورش پانا، موسیٰؑ کے ہاتھ قبطی کا مارا جانا اور شہر چھوڑ کر مدین کا رخ کرنا، وہاں شادی ہونا، آگ ڈھونڈھنے پر پیمبری کا مل جانا، جادوگروں سے مقابلہ پر کامیاب وکامران ہونا اور جادوگروں کا ناکام ہونا، اسی طرح دریا پار کروا کر فرعون کو غرق کرنا، اس میں مشیت الٰہی کارفرما ہے۔ وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا يُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ الۡحُسۡنٰى عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَدَمَّرۡنَا مَا كَانَ يَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَقَوۡمُهٗ وَمَا كَانُوۡا يَعۡرِشُوۡنَ ۝۱۳۷ (اعراف:۱۳۷)

حضرت یوسفؑ کا تفصیلی واقعہ حضور ﷺ کے واقعہ سے مشابہ ہے، جیسے بھائیوں کی عداوت تو یہاں قریش کی عداوت، مصر کی قید تو یہاں شعب ابی طالب۔

انبیاء کی کامیابی امت کی کامیابی، داعیوں اور مومنوں کے لئے اعتماد کا سرچشمہ، قرآنی آیتوں سے پتہ چلتا ہے۔ جیسے

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ (ھود:۱۲۰) قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ (یوسف:۹۰) وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ (اعراف:۱۳۷) كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ (بقرہ:۲۴۹) وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران:۱۳۹)

یہ قصص دلیل ہے کہ انبیاء کرام کی دعوت میں ہی فتح وظفر کی چابی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ سیرت ہی سے فلاح وابستہ ہے، خواہ اسباب کتنے مخالف ہوں، اور طاقت ور ہوں، قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ (آل عمران:۱۳) انبیاء کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ (انعام:۴۵)

ایمان وطاعت ہی مؤمن کا ہتھیار و کامیابی کی کنجی ہے۔

حضرت عمرؓ کا فرمان: إنكم كنتم أذل الناسِ، وأقل الناسِ، وأحقر الناس فأعزّ كم الله بالإسلام فمهما تطلبوا العز بغيره، يذلّكم الله. (تاریخ ابن عساکر: ۵۲/۳)

قرآن کریم میں ارشاد ہے: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝ (محمد:۳۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (محمد:۷) وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (سجدہ:۲۴)

امت مسلمہ کا مستقبل انبیاء کرام کی سیرت سے ہی وابستہ ہے، امید کا راستہ یہی ہے۔

دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ (فاطر:۳۲) فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (عنکبوت:۴۰) اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (احزاب:۹) وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ (احزاب:۲۵،۲۶) يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (غافر:۱۶) وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ (غافر:۳۰) وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (قصص:۱۰) فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (قصص:۱۳)

آگ باغ بن گئی

قرآن کریم نے ذکر فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں آگ ان کے لئے باغ بن گئی، دنیا میں کوئی مثال پیش کرسکتا ہے کہ کسی نے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور ان

کے جو اعمال ہیں اس کو چھوڑ کر کوئی ایسی چیز کی ہو کہ دنیا کی یہ چیزیں ان کے تابع ہو جائے؟ آگ اس کو نہ جلائے؟ پانی اس کو نہ ڈبوئے؟ چھڑی گردن پر نہ چلے؟ دنیا مثال پیش نہیں کر سکتی، ایک ہی واقعے میں اللہ پاک نے بتلا دیا، موسی علیہ السلام چلے؛ لیکن اللہ پاک نے اپنی قدرت سے سمندر پار کروا دیا، اسی جگہ فرعون لشکر لے کر گیا، اللہ پاک نے فرمایا: سمندر کو ایسے ہی رہنے دو، فرعون اپنے لشکر کے ساتھ اس راستے پر گیا، طبعی اسباب کی بنیاد پر اللہ پاک نے اس پانی کو ایک کر دیا اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہو گیا؛ حضرت موسی علیہ السلام کنارہ پار کر گئے اور اسی پانی میں اس کو غرق کر دیا، یہ دو چیزیں ہمارے سامنے مثال کے طور پر پیش کر کے اللہ پاک بتلانا چاہتے ہیں کہ جیسے طبعی چیزوں میں، فزکس کی چیزوں میں ہم نے تاثیر رکھی ہے، اسباب سے مسبب بنتے ہیں، ایک چیز کرو تو اس کا نتیجہ نکلتا ہے، ایسے ہی ہم نے اعمال صالحہ میں، ایمان میں، اخلاق میں، انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں بھی ایک تاثیر رکھی ہے۔

ہر نبی کا جب مقابلہ ہوا ہے تو سامنے جو لوگ تھے وہ طاقت والے تھے، سامنے حکومتیں تھیں، سامنے قوم کے بڑے لوگ تھے اور کہہ رہے ہیں: قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ (هود:۹۱) حضرت شعیب علیہ السلام جو آپ کہہ رہے ہو وہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جا رہا ہے کہ اِتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (شعراء:۱۱۱)۔ آپ کی پیروی کرنے والے سماج کے ذلیل اور کمزور لوگ ہیں۔

حرم کے اطراف کے علاقے سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے اور حرم شریف میں اللہ تعالیٰ نے تم کو پناہ دی ہے اور یہاں صرف امن ہی نہیں بلکہ کسی کو کوئی خطرہ نہیں، یہ ساری چیزیں اللہ پاک نے کر کے بتلائیں، اس امت کے لئے سب سے اہم اگر کوئی واقعہ ہے تو بدر کی وہ دعائیں امت کو قیامت تک باقی رکھنے کے ظاہری اسباب کے درجے میں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ صحابہ کو لے کر مدینہ سے نکل رہے ہیں، ابوسفیان کا قافلہ دوسرے راستے سے نکل

گیا، ابوجہل ۱۰۰۰ / افراد کی پوری شان وشوکت اور طاقت وقوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آرہا ہے، اللہ پاک قرآن میں فرماتے ہیں کہ طاقت کے نشے میں مست ہوکر یہ مکہ مکرمہ سے نکل رہا ہے، اللہ پاک لا رہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں اللہ پاک سے دعا فرما رہے ہیں اور کیسے رورو کر آپ کی دعائیں ہورہی ہیں۔

بدر کی گریہ وزاری

بخاری شریف میں روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل گریہ وزاری میں ہیں اور آپ فرما رہے ہیں: ''یا اللہ! اگر آپ آج چھوٹی سی جماعت کو چھوٹے سے لشکر کو ہلاک کردیں گے، قیامت تک آپ کی عبادت کرنے والا روئے زمین پر کوئی نہیں رہے گا، (اس لئے کہ میں آخری نبی ہوں اور اس نبی کو بھی دنیا میں اسباب کے درجے میں کامیابی نہیں مل سکی تو یقینی بات ہے کہ اس دنیا سے اسلام مٹ جائے گا۔ اور کفر وشرک کا غلبہ ہوگا) یہ دعائیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کے لئے کافی ہیں، آپ کی دعائیں یقیناً قبول ہوگئی، ایک طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تسلی دے رہے ہیں، دوسری طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا سے فارغ ہوکر یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ پاک جماعتوں کو شکست دیں گے، جو مکہ سے آرہی ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک۔ اطراف کے قبائل بنو غطفان، اور نا معلوم کون کون سے قبیلے کو لے کر ابوجہل قریش کے ساتھ آرہا ہے، اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملہ نکلوایا، یہ ساری جماعتیں شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: إذ تستغیثون ربکم)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی

یہ آیت کریمہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان پر پڑھ رہے ہیں اور اس کے بعد کیا فرما رہے ہیں کہ ابوجہل فلانی جگہ پر گرے گا، فلانہ فلانی جگہ پر، عتبہ، شیبہ، جتنے بھی بڑے بڑے

سردار تھے سب کا نام لیکر بتلایا، فلاں فلاں جگہ پر مرے گا اور صحابہ فرماتے ہیں کہ صبح میں جب مقابلہ ہوا، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جس جگہ پر اللہ پاک کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا تھا، اسی جگہ پر ان کو گرتے پڑتے پایا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو مدد کے لئے بھیجا، وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (آل عمران:۱۲۳) اللہ پاک فرماتے ہیں: وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ. (آل عمران:۱۲۱)

اللہ پاک کی مدد کے دو سبب

پہلا سبب: اللہ پاک نے بدر کے موقع پر آپ کی مدد اور نصرت فرمائی، یہ بدر کا موقع اس امت کے لیے سب سے قیمتی ہے، اس لئے کہ اسی دن کو اللہ پاک نے "**یوم الفرقان**" کر دیا، اس دین کو باقی رکھنے کے اسباب کر دیے، آگ کو حکم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تجھے کچھ نہیں کرنا ہے، بلکہ ان کی حفاظت کرنی ہے، بَرْداً وَ سَلَاماً (انبیاء:۶۹) ٹھنڈک اور سلامتی والی آگ ہو جا، آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم کو تو کیا؛ آپ کے کپڑوں کو بھی ٹچ نہیں کیا، یہ کیا ہوا؟

میرے بزرگو! یہ قصے کہانیاں نہیں ہے، آج امت مسلمہ کا وہ سربراہ اور وہ گروہ جو عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، آج افسوس ہے کہ ہمارے ان عرب حضرات کے پاس ان دو اسباب میں سے ایک بھی سبب نہیں ہے، طبعی اسباب میں سے ان کے پاس ہتھیار نہیں ہے، جبکہ قرآن کا اعلان تھا: وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُم (انفال:۶۰) تم جتنا ہو سکے دشمن کے مقابلے کے لئے اپنی تیاری کرو اور آگے فرمایا: تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُم (انفال:۶۰) یعنی کس وجہ سے؟ اللہ کے دشمن کو تم سے ڈر پیدا ہو جائے، مقابلہ کرنے کی وہ سوچ نہ سکے، وہ سمجھے کہ اگر ہم مقابلہ کریں گے تو ایسا ہی ہتھیار اسباب کی دنیا میں ان کے پاس بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے طبعی اعتبار سے سبب سبب کا مقابلہ کرتا ہے، جو قوت والا ہوتا ہے، وہ غالب آجاتا ہے، یہ رات دن کا دنیا کا تجربہ

ہے، طبعی دنیا میں بھی عرب حضرات پیچھے ہیں۔

دوسرا سبب:

دوسری چیز جو اس امت کی خصوصیت تھی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے متبعین کو اور ماننے والوں کو کہا گیا کہ تم اگر تعداد میں ہوں گے، لیکن تمہارے پاس ایمان اور اعمال صالحہ ہوں گے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ ہوگی، تم ان تمام طریقوں کو چھوڑے ہوئے ہوں گے جو اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے، تو یقینا اس دنیا میں تمہاری کامیابی ہے۔

لیکن دوستو اور بزرگو! جس وقت ۱۹۴۸ میں اسرائیل نے قبضہ کیا، اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں جب بیت المقدس پر قبضہ ہوا، ان کے حالات کیا ہیں؟ ہمارے مسلم حکمرانوں نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ کس طریقے سے اسرائیل بنا؟ اور کس طریقے سے بیت المقدس کو فتح کرلیا گیا؟ جو ان کے قبضے میں آج بھی ہے، شام وعراق کس طریقے سے برباد کیے گئے؟ یہ سارے اسباب اور ساری چیزوں کو جب بھی ہم دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ اللہ کی مدد کے اس دنیا میں دو اسباب ہیں، اس میں سب سے پہلا سبب بھی نہیں ہے، ہتھیار اور طاقت بھی نہیں ہے اور باطنی اعتبار سے جو قوت و طاقت اور روحانیت ہونی چاہیے وہ چیز بھی نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی امیر لشکر کو نصیحت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے لشکر کو روانہ کررہے ہیں، تو یہ فرمارہے ہیں کہ تم دشمن کے مقابلے میں تعداد کے اعتبار سے بھی کم ہو، اور تیاری کے اعتبار سے ہتھیار کے اعتبار سے کم ہو، اب جب اسباب کی دنیا میں اسباب کا مقابلہ ہوگا، تو ان کے پاس ہتھیار زیادہ ہے، تمہیں شکست ہوگی، اس لیے یاد رکھو! یہاں اسباب کے ساتھ مسبب الاسباب اللہ پاک کو راضی کرنے والے اعمال کے ساتھ جاؤ گے تو دشمن پر تمہاری فتح ہوگی، اس لیے کہ اس وقت مقابلہ ایمان اور کفر کا ہوگا اور ایمان غالب آئے گا، کفر مغلوب ہوجائے گا اور اسباب کی دنیا میں جب مقابلہ اسباب کا ہوگا تو زیادہ سبب والا جیت جائے گا۔

صحابۂ کرامؓ کے ایمان کی پختگی

دوستو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایمان کتنا پختہ اور مضبوط تھا! جب ایران فتح کرنے کے لیے پہنچے ہیں، سامنے دریائے دجلہ ہے، لشکر کے امیر حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا، وہ ایران کے بھی تھے اور بڑی عمر کے صحابی تھے، ویسے بھی ان کی عمر لمبی تھی، حضور کے پاس آئے اس وقت بھی آپ کی ایک بڑی عمر ہو چکی تھی، مفسرین نے ۲۵۰ سال لکھا ہے، اور مورخین نے ۳۵۰ سال آپ کی عمر بتلائی ہے، خیر! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''اللہ پاک کو دنیا میں ابھی اپنا پیغام پہنچانا ہے، اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ابھی نئی ہے اور اللہ کی مخلوق ابھی ان تعلیمات کی پیاسی ہیں، وہاں تک یہ دین نہیں پہنچا، اس لیے اپنے لشکر کو گھوڑوں کے ساتھ پانی میں دوڑاؤ، جیسے خشکی میں تمہارے گھوڑے دوڑ رہے تھے، تری میں بھی اور سمندر میں بھی اللہ پاک تمہارے لشکر کو اسی طرح تیرائیں گے اور تم اللہ کی مخلوق کو اللہ کا پیغام پہنچاؤ گے''، یہ جملہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سنا اور پھر آپ نے اپنے لشکر کو اسی دریائے دجلہ میں اور گھوڑوں کے ساتھ دوڑا دیا، اور اسی کو علامہ اقبال نے کہا: ''دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے'' ۔

افریقہ کا لمبا چوڑا جنگل ہے، افریقہ کے بربر کا علاقہ ہے، یہ سارے علاقہ میں صحابہ اور تابعین پہنچے ہیں، ''بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے''۔ یہ صحابہ کرام کو خود پختہ یقین تھا، جب سامنے سے ایرانی فوج نے دیکھا، انہوں نے سارے پل توڑ دیے، انہوں نے دیکھا تو ایک جملہ ان کی زبان سے نکلا جو تاریخ میں آج تک محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ''دیواں آمدند، دیواں آمدند'' یہ انسان نہیں، جنات ہے، جو پانی کے اوپر تیر رہے ہیں۔

اسرائیل کے چھ عرب ملکوں پر غلبہ کی وجہ

دوستو اور بزرگو! یہ یقین پیدا کرنے کے لیے قرآن کریم میں ہمیں انبیاء علیہم السلام کے واقعات بتلائے اور اب میں آپ کے سامنے وہ واقعہ بتلاؤں، جس وقت اسرائیل کے ساتھ

چھ عرب ملکوں کی لڑائی ہوئی اور سب کو شکست ہوئی، سب کا علاقہ لے لیا گیا، اسی میں بیت المقدس جو جوڑ دن کے قبضہ میں تھا وہ بھی لے لیا گیا۔

دوستو اور بزرگو!

اس وقت کی تاریخ کے اعتبار سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ رمضان کا مہینہ تھا، یہودی فوج نے روزہ رکھا تھا، کونسا روزہ؟ رمضان کا نہیں، بلکہ بیت المقدس کو قبضہ کرنے کی منت کا روزہ، یہ قوم تو روزے کے ساتھ رمضان کے مہینے میں تھی اور مصری فوج عیاشی میں تھی، شراب کباب کی مجلس لگی ہوئی تھی، اور حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے شرق اوسط کی دائری، آپ نے پہلے والے واقعات کو ذکر کیا ہے، ۱۹۴۸ء میں کس طرح مسلمان سربراہوں کے پاس ٹکڑے کروا کر اسرائیل کا وجود ہوا، آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ کتنی مستعدی اور چالاکی کے ساتھ دنیاوی اسباب ان کے پاس ہے اور وہ اسباب کو سب کچھ سمجھتے ہیں، تو اسباب کے اعتبار سے تیاری کر رہے ہیں، ہمارے پاس نہ اسباب کی تیاری ہے، جس کا قرآن میں حکم دیا ہے، ترھبون به عدو الله۔ کتنی قوت ہو کہ اللہ کا دشمن ڈر کر بھاگ جائے؟ تو جب یہ دونوں چیزیں نہیں ہے تو پھر کیا ہوگا؟ پھر وہی حالات ہوں گے جو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

دینی و دنیوی وزن بناؤ

میں نے آپ کے سامنے ایک اور آیت پڑھی تھی، اور وہ آیت آج کے اس موقع کے لئے بڑی مناسب ہے، جب مکہ کے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا تھا، اس وقت اللہ پاک نے مسلمانوں کو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہیں کرتے؟ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ (نساء:۷۵) جبکہ کمزور مرد اور کمزور عورتیں اور کمزور بچے کہہ رہے ہیں: الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (نساء:۷۵) اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں اس بستی سے الگ کر دیجیے، نکال دیجئے، جس کے بسنے والے ظالم ہیں، وہاں تو کفار سے کہا جا رہا ہے، یہاں تو حکومتیں ہیں، وہ اپنے نام

کے اعتبار سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں، شام کا جو حکمران ہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہا ہے، ظاہری اسباب کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ لے، لیکن دشمنوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے اور کس طریقے سے نہتے بچوں پر ظلم اور تشدد ہو رہا ہے، ہیومن رائٹس اور دنیا بھر کی حقوق انسانی کی تنظیمیں آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں، لیکن کوئی پرسان حال نہیں، اس لیے کہ جب ہم میں طاقت نہ رہی اور ہمارا وزن نہیں رہا، نہ دنیوی وزن رہا اور نہ دینی وزن رہا۔

دین کے بغیر حفاظت نہیں

دوستو بزرگو!

یہ تو حکمرانوں کی بات کر رہا ہوں، لیکن جو دوسرا سبب ہے، ہم میں سے ہر ایک کے پاس موجود ہے اور وہ ایمان ہے، ہم اعمال صالحہ کریں، اللہ پاک کی رضامندی والے اعمال کریں اور اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کریں، ہمارے نہتے کمزور مسلمان بھائی بہن جن حالات سے گزر رہے ہیں، یہ اللہ تبارک وتعالی کا وعدہ ہے، لَتُبۡلَوُنَّ فِيۡٓ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ (آل عمران :۱۸۶) ایک انگریز مؤرخ لکھ رہا ہے کہ جب اسپین سے اسلامی حکومت ختم ہوئی تو ہمیں ایسا لگ رہا تھا کہ اب یورپ سے اسلام نیست و نابود ہو گیا، لیکن سر ویلیم لکھ رہے ہیں کہ عجیب ہے، چودھویں صدی عیسوی میں اسپین سے مسلمانوں کو نکالا جا رہا ہے اور انڈونیشیا اور ملیشیا میں اللہ کے داعی پہنچ رہے ہیں، یہی چودھویں صدی ہے جس میں اسلام یہاں پہنچا، ایک طرف سے اسلام کو مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے تو دوسری طرف اللہ پاک دوسری مخلوق کو کھڑا کرتے ہیں کہ وہ ایمان میں شامل ہو جائے، یہ اللہ پاک نے اپنے دین کی حفاظت کا وعدہ لیا ہے، اور دین میں ہی ہماری حفاظت ہے، یہ سب سے بڑا جملہ یاد رکھنا ہے کہ دین کے بغیر حفاظت نہیں۔

جمہوری دنیا میں سب کے درجہ میں آواز اٹھائیں

اس لیے یہ جو کچھ حالات ہے، جن جن لوگوں نے اس کو پیدا کیا ہے، ایک دن سب کو مرنا ہے، اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے یوم الحساب آنے والا ہے، اس وقت سب کو حساب دینا

ہے، اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، اللہ تعالی کی تقدیر کے ماتحت ہو رہا ہے، اس لیے ایک طرف تو ہمارا ایمان مضبوط ہو، ہم یہ سمجھیں کہ یہ اللہ پاک کی طرف سے ہوتا ہے، لیکن اسباب کیا ہیں؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری چیزیں بتلائی، اس لئے جب اللہ پاک کی طرف سے حالات ہوں تو ہوسکتا ہے کہ کسی گناہ کی وجہ سے ہو، لیکن ہر جگہ یہ نہ سمجھا جائے، اللہ پاک کی طرف سے جو قربانیاں مطلوب ہوتی ہیں، جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے لی گئی، نبیوں سے لی گئی، تو شام کے معصوم بچوں سے بھی اللہ تبارک وتعالی قربانی لے رہے ہیں اور کن حالات میں لے رہے ہیں، اسباب کے درجے میں ہمیں آج بھی جمہوری دنیا میں آواز اٹھانے کا ایک حق ہے، اس لیے ہم جہاں جہاں بھی پہنچ سکے آواز پہنچائیں۔ مسلمانوں کی یہ کمزوری ہے اور یہودیوں کی یہ طاقت ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے فورا متعلقین جتنے بھی ہوتے ہیں، ان کا شور مچا دیتے ہیں، پوری دنیا میں ان کی آواز پہنچ جاتی ہے، اس لئے علمائے کرام نے آج کے دن کے لیے ہمیں جو کہا کہ آج ان کے لئے دعا کی جائے، دعا مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، پھر پریشان حال آدمی دعا مانگتا ہے تو اللہ پاک قبول فرماتے ہیں، أَمَّنۡ يُجِيبُ الۡمُضۡطَرَّ إِذَا دَعَاهُ (نمل :٦٢) اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ان حالات میں ان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے، ان حالات کو دور فرمائے جیسا کہ مکہ کے مسلمانوں نے دعا کی تھی، رَبَّنَا أَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ أَهۡلُهَا (نساء:٧٥) ظالموں سے ان معصوموں کو نجات دیجئے، آپ کے بندے ہیں، گندے ہیں لیکن آپ ہی کے بندے ہیں، آپ کی نسبت سے دنیا کی طاقتیں ہم پر حملہ کر رہی ہیں، کوئی حکومت پرسان حال نہیں، ایسے میں آپ ہی کی ذات ہمارے لئے پرسان حال ہے، اللہ تبارک وتعالی کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہندوستان اور دنیا بھر میں چین سکون وعافیت والی زندگی نصیب فرمائے، (آمین)

وَآخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ

(۱۴) گھریلو اور سماجی جھگڑوں کو دور کرنے کے لئے صلح بہت ضروری ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۃ الحجرات: ۱۰) وَقَالَ تَعَالٰی : وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيرًا ۔ (سورۃ النساء: ۱۲۸)

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى. (مسلم: کتاب البر و الصلۃ، باب تراحم المؤمنین....)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی پیش کیا، اس میں ہماری سماجی زندگی کا ایک بہت اہم اور ضروری مسئلہ آپس کے

جھگڑے اور آپس کی چھوٹی موٹی چیزوں کے اختلاف کو کس طریقے سے کم سے کم کیا جائے؟ صلح کس طریقے سے کر لی جائے؟ یہ بیان کیا گیا ہے۔ میں نے آپ حضرات کے سامنے دو آیتیں پڑھیں، ایک تو یہ کہ خود آپس (میاں بیوی) کے جھگڑوں میں صلح کی جائے اور دوسری آیت میں فرمایا: فَأَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ أَخَوَيۡكُمۡ دو ایمان والی جماعتوں میں اور دو ایمان والے بھائیوں اور بہنوں میں آپس میں کوئی اختلاف ہو، فَأَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ أَخَوَيۡكُمۡ ایمان والے جب بھائی بھائی ہے اور دوسرے بھائی کے درمیان صلح کرانا یہ بھی ایک صلح ہے، اس لئے قرآن کے اندر فرمایا: فَأَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ أَخَوَيۡكُمۡ تمہارے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔

خیر! صلح کرنا یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب اس آدمی کی طبیعت میں خود صلح پسندی ہو، خود دوسروں کے ساتھ ہونے والے اختلاف اور مسائل اور جھگڑوں میں اپنے آپ کو ایک طرف کر کے صلح کی طرف پیش کرنے کی کوشش کرتا ہو، جب اس کی طبیعت اور ذاتی اعتبار سے اس کے اندر صلح کرانے کا جذبہ ہوگا، جب اس کا کسی سے جھگڑا ہوگا تو جھگڑے میں بھی جب کہ وہ دوسروں کو صلح کرنے کی نصیحت کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اس جھگڑے کے فتنہ سے جلدی بچائے گا، یہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں آپس کے اختلافات کو دور کرنے کا بہترین نسخہ ذکر فرمایا اور صلح کو اللہ کی بہت بڑی نعمت فرمایا، انصار مدینہ منورہ میں ایک جماعت تھی، وہاں ہی آباد تھی اور مہاجرین ایک جماعت مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئی اور چھوٹے سے مسئلے میں اختلاف ہو گیا، اس طریقہ سے خود انصار کی دو جماعتیں دو بڑے قبیلے تھے؛ اوس اور خزرج، اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ان کے درمیان اختلاف ہوتے تھے، لڑائیاں بھی ہوئی، اس اختلاف کو یہودیوں نے ایک مرتبہ بھڑکایا اور انصار کے دو قبیلوں کے درمیان کچھ گڑبڑ شروع کرا دی، اللہ تعالی نے آیت نازل فرمائی۔ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنۡتُمۡ أَعۡدَآءً فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ (آل عمران: ۱۰۳) تم یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، تمہارے قبیلوں میں آپس میں جھگڑا اور اختلاف تھا

اور جو لمبی لمبی لڑائیاں لڑ چکے تھے، اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑا۔

جوڑنے والی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسے ہی اس اختلاف کا پتہ چلا، فوراً وہاں آپ تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: میرے ہوتے ہوئے جاہلیت والی باتیں کرتے ہو! قبیلہ کا قبیلہ کے اوپر فخر کرنا، خاندان اور قوموں کو چھوٹا اور بڑا سمجھنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، میرے آنے کے بعد جاہلیت کی یہ ساری باتیں ختم کر دیں، پھر آپ نے صلح فرمائی، اللہ پاک نے اس کو نعمت کے طور پر ذکر فرمایا، اس لئے ایک اور جگہ پر اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ اللہ پاک نے آپ کو بہترین اخلاق والا بنایا، اگر آپ کے مزاج میں سختی اور تند مزاجی ہو، تکبر کی کیفیت ہو تو یہ دنیا بھر کے لوگ جو آپ کے دربار عالی میں کیسے حاضر ہوتے ؟ بلال حبشی حبشہ سے، سلمان فارسی فارس سے، صہیب رومی روم سے اور کچھ جزیرۃ العرب کے مختلف قبائل اسلام میں داخل ہوئے، یہ سب برکت ہے آپ کے اعلیٰ اخلاق، عظیم اخلاق اور بہترین اخلاق کی، اس لئے لوگ آپ سے قریب ہے، اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جس آدمی کی طبیعت میں صلح ہوتی ہے، جو لوگوں کے ساتھ تکبر نہیں کرتا ہے، اچھے طریقے سے ملتا جلتا ہے، اس آیت میں بتلایا کہ لوگ اس کے قریب جائیں گے، لوگ اس سے ملیں گے، اس کی تکلیف اور پریشانی میں لوگ اس کا ساتھ دیں گے، خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ ہوا، اسی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صلح کو پسند فرمایا، جھگڑے اور اختلاف کو ختم کرنے کا حکم فرمایا۔

صلح کرانے میں جھوٹ بولنا بھی جائز ہے

دوستو اور بزرگو! ہم اور آپ جس سماج میں رہتے ہیں، گھر گھر میں ہمارے درمیان چھوٹے موٹے جھگڑے ہوتے ہیں، اور ہو سکتے ہیں، میاں بیوی کا جھگڑا ہو، بھائیوں کا جھگڑا ہو، وراثت کے مسائل، چچا اور بھتیجے کا مسئلہ ہو، پھر تجارت کرتے ہیں، تجارت میں کچھ آپس میں مسائل، کھیتی باڑی کے مسائل، ملازمت کرتے ہیں، کمپنی اور سرکاری آفیسوں کے یا جہاں جہاں بھی کام کیا جائے، وہاں اپنے ساتھ کام کرنے والے یا اوپر کے ذمہ دار کے ساتھ مسائل ہوتے ہیں، یہ

انسانی فطرت ہے، کچھ نہ کچھ چیزیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں، اس سے انسانی سماج کے اندر کڑواہٹیں پیدا ہوتی ہیں، اس کو دور کرنے کا علاج جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جھوٹ اللہ تبارک وتعالیٰ کو انتہائی ناپسندیدہ ہے، فرمایا: ''إنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إلى البِرِّ، وإنَّ البِرَّ يَهْدِي إلى الجَنَّةِ، وإنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حتّى يَكونَ صِدِّيقًا. وإنَّ الكَذِبَ يَهْدِي إلى الفُجُورِ، وإنَّ الفُجُورَ يَهْدِي إلى النّارِ، وإنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حتّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذّابًا'' (بخاری: کتاب الادب، باب قول اللہ تعالیٰ: یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین) سچ انسان کو نجات دیتا ہے اور جھوٹ آدمی کو ہلاک کردیتا ہے، آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے یہاں اس کو صدیق کا درجہ ملتا ہے، اسی طرح آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے تو وہ اللہ اور بندوں کے درمیان کذاب یعنی جھوٹا سمجھا جاتا ہے، اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں ہوتا، یہ دونوں چیزوں کو بالکل کھول کر بیان کردیا، بتلادیا، اس کے باوجود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی دو آدمیوں کے درمیان جھگڑے دور کرنے کے لئے کے اپنی طرف سے کوئی بات ملادے گا، جھوٹ کی ظاہری شکل اپنائے گا، تو یہ جھوٹ جھوٹ شمار نہیں ہوگا، بلکہ اس کو اس کا ثواب ملے گا، اسی طرح میاں بیوی کا جھگڑا ہے، اس کو دور کرنے کے لئے خود میاں بیوی آپس میں جھگڑا دور کرنے کے لئے جھوٹ بولے، حدیث شریف میں اس کی اجازت دی ہے۔ (ابو داود: کتاب الادب، باب فی اصلاح ذات البین)، اس لئے کہ یہ وہ جھوٹ ہے جو سچ سے بہتر ہے، یہ جھگڑے کو دور کرنے والا ہے۔

تو ایک طرف قرآن کریم نے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ بولنے کی اتنی تاکید فرمائی، جھوٹ بولنے سے منع فرمایا، اس کے باوجود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں فرماتے ہیں کہ آپس میں اس طرح کے اختلافات میں جھوٹ کی کوئی ایسی شکل اپنائی جائے کہ سامنے والا اس کا دوسرا مطلب سمجھے، اس طریقے سے آپ ان کے درمیان بات کر کے جھگڑے کو ختم فرمائیں، اس نے کوئی بات تعریف کی نہیں کہی ہے اور آپ اس کو کہو کہ وہ تو آپ کے بارے میں اتنا اچھا

گمان رکھتا ہے، اس کی زبان سے کوئی بات ہم نے ادھر ادھر کی نہیں سنی، اس طریقے سے آپ اس جھگڑے اور اختلافات ختم فرمایئے۔

میاں بیوی کے جھگڑے کا حل صلح کرنا

قرآن کریم نے اختلافات کو تو ذکر فرمایا ہے، آپ کے سامنے میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی، اللہ تبارک وتعالی نے میاں بیوی کے مسائل قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر ذکر فرمائے اور ایک دوسرے کے حقوق کی تاکیدی چیزوں کو ذکر فرمایا، یہ جو آیتیں پڑھیں، اس میں بھی اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: وَإِنِ امۡرَأَةٌ خَافَتۡ مِنۢ بَعۡلِهَا نُشُوزًا أَوۡ إِعۡرَاضًا (نساء: ۱۲۸) کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے دوری کا خطرہ ہے اور اس کے حق کو ادا نہیں کرتا یعنی ایک طرف تو شوہر کو عورت کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی، لیکن اس کے ساتھ معاملہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ طبعی (Naturally) طور پر دونوں کے مزاج میں مناسبت نہ ہو یا شوہر خوبصورت ہے، عورت میں خوبصورتی نہیں ہے یا اخلاقی اعتبار سے کوئی چیز ہے، کسی بنیاد پر دونوں کا ایک دوسرے سے نبھاؤ نہیں ہوسکتا، تو ایسے موقع پر ایک طرف تو طلاق کی اجازت دی ہے لیکن بیچ کی راہ جو میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی، اللہ تبارک وتعالی نے بیچ کی ایک راہ بیان فرمائی، ابھی یہ حالات بہت کم ہوتے ہیں، اگر اس کے ماں باپ ہیں یا عورت اچھے گھرانے کی ہے یا روزی روزگار والی ہے تو یقینا میاں بیوی کی نااتفاقی کی بنیاد پر بیوی علیحدہ ہوجائے گی، کسی اور سے شادی کرلے گی، لیکن کبھی کسی عورت کے ایسے حالات ہوتے ہیں کہ وہ کہیں اور شادی نہیں کرسکتی، اس کے کوئی رشتے دار نہیں ہے، اس کی پرورش کرنے والا نہیں ہے، تو ایسے موقع پر یہ سمجھ رہی ہے کہ میں اس کے یہاں اپنی زندگی پوری کرلوں، کچھ چیزیں اپنی طرف سے معاف کردوں۔ اللہ پاک نے اس موقع پر ذکر فرمایا: وَإِنِ امۡرَأَةٌ خَافَتۡ مِنۢ بَعۡلِهَا نُشُوزًا أَوۡ إِعۡرَاضًا اگر نافرمانی شوہر کی طرف سے ہے، عورت کا کوئی قصور نہیں، اگر عورت کی رنگت کا فرق ہے، تو یہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے طبعی طور پر ہے، وَاخۡتِلَافُ أَلۡسِنَتِكُمۡ وَأَلۡوَانِكُمۡ (روم: ۲۲) یہ سب اللہ پاک کی قدرت

اور طاقت کی کرشمہ سازی ہے، کسی کو خوبصورت بنایا، کسی کو کم صورت والا بنایا، کسی کو بدصورت بنایا، یہ سب اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ہیں، اب دونوں کے درمیان اس طرح کا مسئلہ ہے تو قرآن یہ فرماتا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا (نساء:۱۲۸) تو کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ دونوں آپس میں صلح کرلیں کہ طلاق کی باری نہ آئے اور آپس میں کوئی ایسا سمجھوتا ہوجائے، جس کی بنیاد پر عورت اپنی طرف سے کچھ چیزوں کو معاف کردے، یا اپنا جو خرچہ ہے اس میں کچھ کمی کردے اور شوہر کو راضی کرلے کہ اتنے خرچہ میں بھی میں آپ کے یہاں رہوں گی، اللہ پاک اسی کو فرماتے ہیں: وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ (نساء:۱۲۸) انسانی طبیعت میں بخل، حرص اور لالچ یہ اللہ تبارک وتعالی نے رکھی ہے، یعنی شوہر کے دل میں یہ آسکتا ہے کہ جب میرے ذمہ اس کا خرچہ نہیں ہے یا کم خرچہ ہے، اب تک جتنا خرچہ ادا کرتا تھا، اس سے کم پر راضی ہے تو ایسے موقع پر شوہر اس کو رکھنے پر راضی ہوجاتا ہے، یہ جو حکم ہے نعوذ باللہ ان حالات میں نہیں ہے کہ شوہر ظلم اور زیادتی کرتا ہے اور عورت کی طرف سے کوئی قصور نہ ہو، ایسے موقع پر شوہر یہ کہے کہ اتنے پیسے تم مجھ کو دے دو تو میں تم کو طلاق نہیں دوں گا، اس موقع کے لئے قرآن کی آیتیں نہیں ہے، اس لئے کہ ان آیتوں کا شان نزول (Back Ground) بیک گراؤنڈ جو ہے، جن موقعوں پر یہ آیت نازل ہوئی اس موقع پر ایسے قصے پیش آئے ہیں کہ عورت میں طبعی طور پر کچھ کمی تھی، اور شوہر اس کو دل سے ناگواری محسوس کرتا تھا، ایسے موقع پر قرآن نے یہ فرمایا۔

مجھے آپ کو یہ بتلانا ہے کہ میاں بیوی کا رشتہ اتنا نازک ہے کہ اس موقع پر بھی طلاق کو روکنے کے لیے قرآن کریم نے صلح پیش کی وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء:۱۲۸) کسی بھی طریقے سے کی ہو تو یہ اللہ کے یہاں بہتر ہے، یہ تو پہلا حکم فرمایا اور آگے فرمایا: وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ آپس میں دلوں میں اس طرح کی حرصیں جس سے شوہر راضی ہوجائے، اگر شوہر پھر بھی عورت کو صحیح اصول اور صحیح ضابطوں میں رکھتا ہے، اس کے خرچے میں کوئی کمی نہیں کرتا ہے اور کوئی حق تلفی بھی نہیں کرتا، تو تقویٰ والی زندگی ہے، اللہ کے یہاں یہ بہتر ہے، اس سے اشارہ تو شوہر کو فرمایا، اصل تقوی تو یہ ہے

کہ یہ ناگواری کے باوجود اس عورت کو اپنے نکاح میں باقی رکھے، لیکن بیچ کی ایک شکل بتلادی کہ اگر کہیں کسی طرح اس سے بھی بن جاتی ہو تو یہ صلح کر کے عورت اپنا حق ساقط کر دے۔

یورپ میں ڈپریشن کی ایک وجہ

دوستو بزرگو! میاں بیوی کا مسئلہ آپ جانتے ہیں، ان کے بگاڑ پر پورے خاندان کا بگاڑ، ان کی درستگی پر پورا خاندان درست ہوتا ہے، یورپ میں اس وقت جو بہت سارے لوگ ڈپریشن (Dipretion) کے مریض ہیں، مرد بھی، عورت بھی، بچے بھی، اس کے پیچھے سماجی اعتبار سے بہت کچھ ریسرچ کیا گیا، تو یہی معلوم ہوا کہ صاف ستھرا نکاح اور طلاق کا جو سسٹم اسلام نے بتلایا ہے، اس سسٹم پر عمل کرتے۔ یورپ نے اس پورے نظام کو بدل دیا ہے، شادی بیاہ کی اور سماجی زندگی کی سسٹم ہی فیل ہوگئی، تو اس کے نتیجے میں مرد بھی پریشان، عورت بھی پریشان، اور ان سب چیزوں کا اثر اولاد پر پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں بیماری ہے، بیماری ہی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک گناہ کی چیز ہے، چھوٹے بچے بھی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، دس سال کا اور بارہ سال کا بچہ ریول وال (Gun) لے کر اپنی اسکول میں اپنے ساتھیوں کو یا اپنے ٹیچر کو مار دیتا ہے، رات دن اس طرح کے قصے افریقہ اور یورپ کے آپ سنتے ہیں، اس پر ریسرچ کیا گیا تو یہی معلوم ہوا کہ اس بچے کو اپنے گھر میں ماں کی مامتا اور باپ کی جو شفقت ملنی چاہیے یہ دونوں چیزیں نہیں ملی؛ اس کے نتیجے میں بچہ اس طریقہ کا ہوگیا، ان سب چیزوں کا قرآن نے لحاظ کر کے صلح کو زیادہ بہتر سمجھا۔

آیت کریمہ میں جو واقعہ ہے وہ تو میاں بیوی کا ہے، لیکن حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن نے جو جملہ فرمایا: وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ زندگی کے تمام مسائل ہر آدمی کے ساتھ پیش آئیں گے، صرف میاں بیوی نہیں، دو بھائیوں کے مسئلے ہوں یا دو دوستوں کے مسئلے ہوں، ملکت اور شرکت اور پارٹنرشپ، دھندوں کے کچھ مسائل ہوں، کھیتی باری میں کاشتکاروں کے مسائل ہوں، سماجی زندگی میں ایک دوسرے سے چلنے، اٹھنے، بیٹھنے، رہنے، سہنے میں کچھ مسائل ہوں، آپس میں اختلافات ہوتے ہیں، ان سب کو شامل ہیں کہ اگر صلح کے ساتھ رہو گے تو یہ تم کو ٹینشن

سے بچائے گا، اللہ راضی رہے گا۔

صلح کرانا بھی بڑا صدقہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انسان کے بدن میں تین سو سے زیادہ اعضاء ہیں۔ (مسلم: کتاب الزکاۃ،باب بیان أن اسم الصدقۃیقع علی کل نوع من المعروف)، اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح ہوتی ہے اور اس کا صدقہ کرنا ہے (مسلم: کتاب الزکاۃ،باب بیان أن اسم الصدقۃیقع علی کل نوع من المعروف) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیند سے اٹھایا اور صحیح سالم میرے ہر عضو کو رکھا ہے، اس پر آدمی کو صدقہ کرنا ہے، حدیث میں فرمایا: لاالہ الااللہ صدقہ ہے، نماز پڑھنا صدقہ ہے، راستے میں گری پڑی چیز جو لوگوں کو نقصان پہنچاتی ہے اس کو ہٹانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی صدقہ ہے، اماطۃ الاذی عن الطریق. (مسلم: کتاب الایمان, باب بیان عدد شعب الایمان) آپ نے فرمایا، یہ بھی صدقہ ہے، تیرا کسی بھائی سے خندہ پیشانی سے بات کرنا، اچھی طریقے سے پیش آنا یہ بھی صدقہ ہے اور ایک روایت میں ایک جگہ پر ہے صلح کرانا یہ بھی اللہ کے یہاں صدقہ ہے۔ (مسلم: کتاب الزکاۃ،باب بیان أن اسم الصدقۃیقع علی کل نوع من المعروف)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیتیں نازل ہوئی، آپ نے روایتوں میں اس کی فضیلت ذکر فرمائی، مختلف روایتوں میں آپ نے فرمایا اور خود انسان سوچے کہ جب آپ کا کسی کے ساتھ اختلاف ہوجائے اور تھوڑا کچھ جھگڑا ہو جائے، اس کے بعد اگر آپ نماز پڑھتے ہیں تو نماز میں دل نہیں لگتا، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو تلاوت میں دل نہیں لگتا، سماجی زندگی میں گھر سے باہر کسی سے جھگڑا کر کے آئے اور آپ ٹینشن میں ہیں، بیوی سے بھی الجھ جائیں گے، بچوں سے بھی الجھ جائیں گے، کوئی مسئلہ انسان کا ٹھیک نہیں۔

اختلافات کی بنیاد تکبر اور اس کا حل صلح ہے

اس کے مقابلہ میں جب آپ صلح کرلیں گے، اپنے آپ کو تھوڑا نیچا کرلیں گے، سارے جھگڑے کی بنیاد تکبر ہے، ہر مسئلے میں جب غور وفکر کرے گا، تو معلوم ہوگا کہ ہر اختلاف کی کوئی

بنیاد ہے، اس لئے جب ایک آدمی لڑنا چاہتا ہے، لیکن آپ اس کو کہیں گے کہ تو کچھ بھی کر میں تجھ سے بدلہ نہیں لینے والا ہوں۔ قابل اور ہابل دونوں بھائی تھے، حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے، ایک نے کہا: میں تجھے قتل کروں گا، دوسرے نے فرمایا: لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (مائدہ:۲۸) کہ اگرتو میرے قتل کا ارادہ بھی کرے گا تو میں قتل ہونا پسند کروں گا، لیکن میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا اور اس طریقے سے اس نے اپنے قتل کو قبول کرلیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر روئے زمین پر جب بھی کوئی آدمی دوسرے کو ناحق قتل کرتا ہے، تو اس کا ایک حصہ گناہ کا آدم علیہ السلام کے بیٹے کو ہوگا جس نے اپنے بھائی کو ناحق قتل کیا، یہ اتنی بری چیز ہے اس لئے کہ جھگڑا اور فتنہ، آپس کے اختلافات، سماجی زندگی کے ہوں یا سیاستی لائن کے ہوں، کسی بھی لائن کے ہوں، جتنے بھی ہوئے ہیں وہ انسان کو پریشان کرتے ہیں۔

صلح حدیبیہ کا پس منظر اور نتائج، درس عبرت

اس کے مقابلے میں پوری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے کہ جب بھی صلح ہوتی ہے تو اس سے اچھے ہی نتیجے نکلے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو مکہ کے مشرکین کئی سال تک ستاتے رہے۔ ''بدر'' مدینہ سے ڈیڑھ سو کیلومیٹر دور ہے، لیکن وہاں آکر مسلمانوں سے مقابلہ ہورہا ہے۔ مدینہ منورہ سے احد کے پہاڑ پانچ یا چھ کلومیٹر پر۔ ''غزوہ خندق'' مدینہ منورہ میں، مسلمانوں کے مقابلے میں لڑنے کے لیے آئے، مارنے کے لیے، اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے آئے ہیں، اب اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ کرنے کا خواب آیا، تو عمرہ کی نیت سے آپ نکل پڑے اور صحابہ کرام کی پندرہ سو کی جماعت آپ کے ساتھ تھی، جو مکہ والوں کے لیے کافی تھی، مقابلے میں جیت سکتے تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالی کا نظام تھا، ان پندرہ سو سے کہا گیا کہ اسی طریقہ سے رہو، صحابہ کرام اور ان کے درمیان صلح ہورہی ہے اور صلح بھی لمبی چوڑی ادھر سے ادھر سے کچھ نہ کچھ پریشان کر کے آرہے ہیں، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر آج کے دن اللہ تعالیٰ کی

حرمت کا لحاظ کر کے مجھ سے جو چیز مانگیں گے، میں ہر قسم کی صلح پر ان کے ساتھ راضی ہوں گا۔

صلح حدیبیہ کی تین شرائط

دوستو اور بزرگو! اس صلح میں انہوں نے جو تین شرطیں لگائی، کسی بھی طریقے سے کسی بھی طرح مسلمانوں کو یہ شرط گوارا نہیں تھی ① کہ اگر مکہ کا کوئی آدمی اسلام لا کر مدینہ منورہ آئے تو مدینہ والوں کو اس کو مسلمان ہونے کی حالت میں واپس کرنا ہوگا اور اگر مدینہ منورہ کا کوئی آدمی مرتد ہو کر غیر اسلامی طریقہ اپنا کر مکہ مکرمہ آئے گا، تو مکہ مکرمہ والے اس کو واپس نہیں کریں گے۔ ② دوسری شرط تھی کہ دس سال تک جنگ نہ ہو اور ③ اس سے بڑی جو چیز تھی، جو خط لکھا جا رہا تھا کہ معاہدہ اور صلح نامہ لکھا جا رہا ہے، حضرت علی لکھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: لکھئے، **من محمد بن عبدالله ورسوله**۔ اس جملے پر سہیل جو مکہ کے لوگوں کی طرف سے صلح کے لیے آنے والا سردار تھا، سہیل بن عمرو نے کہا: اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ سے جھگڑا ہی نہیں کرتے، اس لئے صلح نامہ میں اس کو نہیں لکھ سکتے، آپ کو محمد بن عبداللہ ہی لکھنا ہوگا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بھی راضی ہو گئے اور قرآن نے جس کو "**حمية الجاهليه**" فرمایا، یہ ایسی بڑی شرط تھی ان کی طرف سے بالکل جاہلیت والی شرط تھی، لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو برداشت کیا، حضرت علی نے کہا: میں اب اس کو مٹانے والا نہیں ہوں، تو حضور نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا، صلح کی پیشکش کے لئے صحابہ راضی نہیں تھے، تو اللہ کے نبی آگے بڑھے؛ صحابہ کرام کو آپ نے جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا، اس لئے کہ جو جانور لے کر آئے ہیں اب جب ان کو روک دیا گیا، اس کو احصار کہا جاتا ہے۔ تو اس جگہ پر اس جانور کو ذبح کرنا ہوتا ہے، حلال ہو کر واپس جانا ہوتا ہے، لیکن اس پر بھی نہیں، یہ ساری باتیں ہوئیں، لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالآخر اس سے صلح فرمائی۔

صلح حدیبیہ کے نتائج

اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ صلح کی بنیاد پر مکہ والے مدینہ منورہ آنے لگے، مدینہ منورہ سے لوگ مکہ جانے لگے، آپس کے رشتہ دار ایک بھائی ادھر، ایک ادھر، پھر جب دیکھا تو دیکھا کہ یہ تو کفر کی

حالت میں تھا، ایسا شریف ہوگیا اور اللہ کے رسول کی خدمت میں دو چار سال گذرے تو اس کی نماز، اس کا روزہ، اس کی ادائیگی، اس کی بات چیت میں اتنا بڑا فرق آ گیا، اور اس کی زندگی ایک دوسرے سے الگ ہوگئی، یہاں اس طرح کا منظر دیکھا۔

مفسرین اور محدثین لکھتے ہیں کہ اب تک جتنے لوگ ایمان نہیں لائے تھے ان (۱۶) یا (۱۷) مہینوں کے درمیان میں اس سے زیادہ لوگ ایمان میں داخل ہو گئے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صلح کر کے تشریف لے جا رہے ہیں، صلح کر کے ابھی آدھا سفر بھی طے نہیں ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا (فتح:۱) کہ ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کو علم تفسیر کا بہت بڑا حصہ اللہ پاک نے عطا فرمایا وہ فرماتے ہیں: لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں فتح مبین سے مراد فتح مکہ ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے اور صلح حدیبیہ کے بعد، اللہ پاک نے فرمایا: یہ اس لئے کہ اس کے بعد کے حالات نے بھی بتلادیا کہ یہاں پر اللہ پاک نے فتح مبین جو فرمایا وہ صلح کو فرمایا، یہ صلح ہوئی اور دو- دھائی سال نہیں گزرے کہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے، ابوسفیان جو ہر جنگ میں لشکر کا امیر اور جنرل بن کر آرہا ہے اور اب اپنے آپ کو حضرت عباس کے سائے میں حضور تک پہنچتا ہے، اس کے بعد حضور نے سب کو معاف کر دیا بلکہ لشکر کا کمانڈر ان کو بنا دیا۔ دوستو اور بزرگو! یہ چیز بتلاتی ہے کہ صلح سے ہر زمانہ میں فائدہ ہوا۔

حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کے درمیان صلح

حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوئے، جنگیں ہوئیں، اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے، چھ مہینہ خلیفہ رہ کر آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت چالیس ہزار کی میرے ساتھ اور ساٹھ ہزار مسلمان حضرت معاویہ کے ساتھ ہے، لڑائی ہوگی تو آپس میں صحابہ اور تابعین کے درمیان ہوگی، آپ نے فرمایا کہ میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں، میں خلیفہ نہیں رہوں گا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ علیحدہ ہو گئے، پھر

بیس سال تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ رہے، آپ اسلامی تاریخ میں دیکھیں گے کہ بہت سارے حصہ پر بیس سال میں اللہ تبارک وتعالی نے فتح عطافرمائی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ میں صلح ہوگئی، تو اسلامی لشکر کی اب ایک ہی توجہ ہوگئی، تو اس کے نتیجہ میں اسلام کی دعوت پھیلی، اگر یہ دعوت والے لڑائی جھگڑے اور فتنے میں رہتے تو یہ دعوت والا عمل نہیں ہوتا، اس لئے ہمارے آپس کے اختلافات آپس کے جھگڑے جو ہے اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کو زیادہ سے زیادہ کم کیا جائے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت غور وفکر کیا کہ آپس کے جھگڑوں کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ ایک تو میں نے آپ کو کہا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ آدمی جب تواضع کرے گا، متکبر نہیں ہوگا، تو سامنے والا بھی تکبر نہیں کرے گا، جب آپ تواضع سے اس کے ساتھ پیش آئیں گے، جھکیں گے، اور یہ جھکنا اللہ کے لئے ہی ہے، آپ اس سے نرمی سے بات کریں گے، تو ایک نہ ایک دن قرآن کریم کی آیت کے مطابق سامنے والا تمہارا کتنا بڑا دشمن ہوگا لیکن جب تم ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ گے، تو ایک نہ ایک دن اللہ تبارک وتعالی اس کے دل کو پھیر لیں گے اور وہ آپ کے سامنے جھکنے والا ہو جائے گا، وہ سمجھ جائے گا کہ اخلاق کی طاقت نے مجھے ماردیا، جو چیز اس کے پاس ہے وہ میرے پاس نہیں ہے، ایک نہ ایک دن وہ جھک جائے گا، قرآن نے اس کو فرمایا کہ اگر آپ معاف کرو گے تو ''صدیق حمیم'' یعنی آپ کا غمخوار دوست بن جائے گا۔

جھگڑوں کی بنیادی وجہ

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی چیز امید وابستہ کرنا ہے، یہ سمجھنے کی چیز ہے، رات دن ہمارا اختلاف ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ ہم کسی سے امید وابستہ کیے ہوئے ہوتے ہیں، مثلا: خدانخواستہ کوئی بیمار ہوگیا، سامنے والا یہ سوچتا ہے کہ وہ ہماری خبر لینے (عیادت) کے لیے آئے گا، تو کچھ روپیہ پیسہ دے کر مدد کرے گا، یا اور کوئی کھانے پینے کی چیزیں لائے گا اور اگر وہ

نہ آئے تو یقیناً دل میں کھوٹ آتی ہے، آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے دوری پیدا ہوجاتی ہے، سماجی زندگی میں، شادی بیاہ کے مسائل میں، کوئی گڑبڑ ہوگی، آپس کے معاملات میں گڑبڑ ہوگی، آدمی کسی سے امید رکھتا ہے، حضرت تھانوی فرماتے ہیں: ساری بنیاد امید ہے؛ آپ اللہ سے امید رکھیں، بندوں سے امید نہ رکھیں، جب اس نے آپ سے بدسلوکی کی، پہلے سے آپ یہ گمان کیوں رکھتے ہیں کہ یہ اس طرح کا سلوک کرے گا، آپ امید نہ رکھیں اور امید کے مطابق اس نے آپ کے ساتھ سلوک نہیں کیا تو آپ کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا۔

اکبر بادشاہ اور بوڑھے آدمی کا سبق آموز واقعہ

اکبر بادشاہ جنگل میں شکار کرنے کے لیے گیا، اتفاق سے بہت آگے نکل گیا، ایک بوڑھا مرد اور ایک بوڑھی عورت ایک جھونپڑی میں رہتے تھے، انہوں نے دیکھا کہ کوئی بڑا آدمی ہے، انہوں نے بادشاہ کو کھلایا پلایا اور اس کو رکھا، تو بادشاہ نے کہا کہ جب کبھی تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو ہمارے پاس آجانا، اب کچھ حالات ایسے آئے تو بوڑھی عورت نے کہا کہ جاؤ جب بادشاہ نے آپ سے کہا ہی ہے، یہ بیچارہ بھولا بھالا وہاں پہنچا، اتفاق سے بادشاہ نماز کے بعد دعا مانگ رہا تھا، اس نے پوچھا کہ مجھے بادشاہ سے ملنا ہے، وہاں بادشاہ کے وزیر وغیرہ جو آدمی تھے، انہوں نے کہا کہ ٹھہر جاؤ! ابھی نماز کے بعد وہ دعا مانگ رہے ہیں، بوڑھے نے پوچھا: کیا کر رہا ہے؟ تو جواب دیا کہ دعا مانگ رہا ہے، پوچھا: کس سے مانگ رہا ہے؟ کہا: اللہ تعالیٰ سے، تو بڑے میاں نے کہا کہ جب بادشاہ ہوکر بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، تو میں اس سے کیوں مانگوں؟ میں سیدھا اللہ پاک سے ہی کیوں نہ مانگوں، اللہ پاک نے دل میں بات ڈالی اور وہ چلا گیا۔

یہ چیز بتلاتی ہے کہ رشتہ داری، تعلقات، سماجی زندگی کے مسائل، ایک دوسرے کے ساتھ لین دین، رہن سہن اس میں سب سے بڑا مسئلہ جو آتا ہے وہ اسی وقت آتا ہے جب کہ ہماری امید ہوتی ہے، اس لئے قرآن کریم میں فرمایا: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر:٦) کسی پر احسان اس لئے مت کرو کہ وہ ہم کو زیادہ کر کے دے، شادی بیاہ کے جو مسائل ہوتے ہیں، ہمارے یہاں

اس میں یہی ہوتا ہے کہ اس نے تو اتنا نہیں دیا جتنا ہم نے دیا یا اس سے زیادہ ہونا چاہیے! قرآن میں فرمایا: جب تم کسی پر احسان کرو تو نیت اللہ کو راضی کرنے کی کرو، اس لئے کہ جب اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہوگی تو چاہے وہ ناراض ہو اور بعد میں وہ آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے، لیکن آپ یہ سمجھیں گے کہ میں نے اس کے لئے تو دیا نہیں تھا، اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہی دیا تھا۔

دوستو بزرگو!

یہ میرے لئے بھی بولنا تو آسان ہے، اور آپ کی لئے سننا آسان ہے، لیکن سماجی زندگی میں رات دن جب یہ مسائل آتے ہیں، تو شیطان کچھ نہ کچھ ورغلا دیتا ہے اور اگر پھر بھی جھگڑا ہو جائے تو کوشش یہ کریں کہ جلدی سے جلدی اس کا حل نکالیں، کسی چیز کو اپنے دل میں باقی نہ رکھیں، اس کے لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی ہو کہ جب آپس میں دو آدمیوں کے درمیان، دو خاندانوں کے درمیان جھگڑا ہو، یہ صلح کرانے والی جماعت جب تک ان میں رہے گی، فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (حجرات:۱۰) صلح کرانے والوں کو برداشت کرنا پڑے گا، ادھر جائے گا تو وہ سمجھیں گے کہ یہ اُن کا آدمی ہے، اُدھر جائے گا تو وہ سمجھیں گے کہ ان کا آدمی ہے، دونوں میں آپ کو اچھا نہیں سمجھا جائے گا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے آپ کو ان دونوں کے جھگڑے کو ختم کرنا ہوگا۔

جھگڑے کی نحوست، مغفرت سے محرومی

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پیر اور جمعرات کو اعمال اللہ پاک کے یہاں پیش ہوتے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: جس نے شرک نہیں کیا ان کے گناہوں کو معاف فرما دیا، لیکن **من کان بینه و بین اخیه شحناء**۔ (مسلم: کتاب البر و الصلة، باب النهی عن الشحناء و التهاجر) وہ اور اس کے بھائی، یہاں پر بھی حدیث شریف میں بھائی فرمایا کہ مومن تو بھائی ہی ہوتے ہیں، اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کوئی جھگڑا ہے، حدیث شریف میں یہ مراد نہیں ہے کہ دو بھائیوں کے درمیان ہی جھگڑا ہو، یہاں تو قرآن نے دو مومنوں کو بھائی کہا ہے، تو اس

کے اور اس کے بھائی کے درمیان اگر کوئی جھگڑا ہے تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ رک جاؤ، ابھی اس کی مغفرت نہیں ہوگی جب تک کہ دونوں صلح نہ کر لے۔

دوستو اور بزرگو! سماجی زندگی کے اندر سامنے والا بھی صلح کرنا چاہتا ہے، اس لئے کہ دونوں تکلیف میں ہے، لیکن وہ کہہ نہیں سکتے ہیں، میں نیچا کیوں ہو جاؤں، اسی ''انا'' کی بنیاد پر یہ جھگڑے کے اندر دونوں صلح کے لئے راضی نہیں، ایسے موقع پر وہ کچھ کلمات کے محتاج ہوتے ہیں، بیچ کا آدمی دو چار باتیں دونوں کو ملانے کی کر دے گا، تو دونوں تیار ہے، لیکن اپنی انا کی وجہ سے دونوں آگے نہیں بڑھ رہے ہیں، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا: جو سب سے پہلے سلام کرے اس نے کمالیا۔ (ترمذی: ابواب الاستیذان، باب ماجاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام)، دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہے، سلام کلام تک نہیں ہو رہا ہے، اب آپ پہلے سلام کر رہے ہیں اللہ پاک کو راضی کرنے کے لئے، تو دوستو بزرگو! یہ ہماری سماجی زندگی کی وہ باتیں ہیں، قرآن و حدیث نے اور خود سماجی زندگی کی پریشانیوں نے ہمیں اس طرح کر دیا ہے کہ کسی طرح بھی ہم صلح پر آمادہ نہیں ہوں گے، تو دنیوی بھی نقصان ہے، اور اخروی بھی نقصان ہے، اللہ تعالی کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۱۵) حجۃ الوداع کا پیغام

گارڈن مسجد، بھروچ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ○ (پ:۶،سورۃ المائدہ:۳)

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :(يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ ،وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى.(مسند احمد، ۲۳۳۸۱،۱۲/۱۲۷)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور میرے ایمان والے بھائیو!

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حجۃ الوداع میں تشریف لے گئے اور اس آخری حج کے موقع پر جمعہ کا دن ہے، عرفات یعنی ۹ / ذی الحجہ کا دن ہے، عصر کے بعد کا وقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جبل الرحمت کے پاس ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام کے مجمع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعا فرما رہے ہیں، ایسی برکت والا قیمتی وقت حج کے ارکان کی ادائیگی مکمل ہو رہی ہے، اس موقع پر اللہ تعالی کی طرف سے آیت نازل ہو رہی ہے، اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ اس سے پہلے والی آیت میں

فرمایا: اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (مائدہ:۳) آج کے دن اللہ کے نافرمان بندے مایوس ہو چکے تمہارے اس دین کو مغلوب کرنے سے، تمہارے اس دین پر غالب آنے سے؛ لہٰذا اب اے ایمان والو! تمہیں ان سے ڈرنا نہیں ہے، بلکہ مجھ سے ڈرو، اور آگے فرمایا: اَلْیَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کیا، وَأَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِی اور تمہارے اوپر میری نعمت مکمل کی، آگے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِیْنًا تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے میں نے پسند کرلیا، آیت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہورہی ہے، آپ کو میں کہہ چکا ہوں، اتنا برکت والا دن ہے، جمعہ کا دن تھا، حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے محدث ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ جمعہ کا دن تھا؛ لیکن دیگر حضرات محدثین نے فرمایا کہ وہ دن بھی جمعہ کا ہے، خیر! عصر کے بعد کا وقت اور عرفات کا میدان، اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام دعا میں مشغول ہیں، یہ سارے برکت والے اوقات اور برکت والی گھڑیاں ہیں۔

اور اسی لیے اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات کے میدان میں خطبہ فرمایا، پھر اس کے بعد دوسرا آخری خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اس خطبے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جو اشارے فرمائے: **أیها الناس أي یوم هذا... فأي بلد هذا... فأي شهر هذا؟.. ألا هل بلغت ؟** اے لوگو! کیا میں نے اللہ کا دین تمہارے سامنے مکمل پہنچادیا؟ صحابہ کرام نے فرمایا: جی ہاں، آپ نے پہنچادیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **اللهم اشهد** (بخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی) کہ باری تعالیٰ آپ گواہ ہیں کہ آپ کا پیغام جو مکمل شکل میں آج پورا ہورہا ہے میں نے یہ اس امت کو اور آپ کے ان بندوں کو پہنچایا۔

دوستو اور بزرگو!

یہ آیات اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بتلا رہے ہیں کہ اب یہ قرآن کریم جو اللہ پاک کی طرف سے (۲۳) سال پہلے نازل ہونا شروع ہوا تھا، یہ قرآن کریم (۲۳) سال کی

مدت میں آج کے دن پورا ہو رہا ہے، چنانچہ اس کے اکیاسی (۸۱) دن کے بعد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فانی دنیا کو چھوڑا، لیکن اس مدت میں احکام کی مشروعیت کے مسائل کی کوئی دوسری آیت نازل نہیں ہوئی، یہ آخری آیت ہے، اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۔اس کے بعد وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (بقرہ:۲۸۱) یہ آیت ضرور نازل ہوئی، لیکن اس آیت میں جو ارشاد فرمایا کہ دین اور شریعت اسلامیہ، اسلامی قانون، اسلامی لا (LOW) یہ آیت کے ذریعے اللہ تعالی نے مکمل فرمایا، اس لیے پہلے یہ فرمایا: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، دین کو مکمل کرنے سے پہلے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت نازل ہوئی، اس آیت کو سمجھنا ہے۔

حجۃ الوداع میں اعلان

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ آج سے کفار اس بات سے مایوس ہو چکے ہیں کہ مسلمانوں کے دین کو اس دنیا سے ناپید کریں، اس سے پہلے کوشش ہوئی، بدر کے موقع پر دشمنوں سے پہلا مقابلہ ہوا، پھر اس کے بعد احد اور غزوۂ خندق میں ہوا، دشمن اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ آنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن صلح حدیبیہ ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے (۱۷) یا (۱۸) مہینے کے بعد مکہ مکرمہ کی فتح عطا فرمائی،، یہ مسلسل اللہ کے دشمنوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آنا اور دین اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرنا، غزوہ احزاب قرآن کریم نے فرمایا :مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ (احزاب:۱۰) یہ تمہارے اوپر سے آئیں، یہ تمہارے نیچے سے آئیں، وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ (احزاب:۱۰) نگاہیں چکا چوند ہوگئی یعنی صحابہ کرام ڈر رہے تھے کہ ہر چہار سمت سے اللہ کے دشمن اللہ کے دین کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ ساری کوششیں ناکام ہو رہی ہیں، اللہ پاک حجۃ الوداع کے موقع پر یہ خوشخبری سنا رہے ہیں، اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (مائدہ:۳) اے ایمان والو! اب روئے زمین پر اللہ کا ایک ہی پیغام چلنے والا ہے،

قرآن کریم کی دوسری آیت میں اللہ پاک نے فرمایا، دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اللہ نے اس دین کو ہمارے لئے پسند فرمایا، وَمَنۡ يَبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ (آل عمران:۸۵) اسلام کے علاوہ اور کوئی طریقہ اللہ پاک کے یہاں چلنے والا نہیں، یہ ساری بشارتیں حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو سنائی جارہی ہے، اس کے ذریعے ہمیں بھی بتایا جا رہا ہے کہ جب اسلام کو اس کے پہلے ہی دس سالہ مدت کے اندر دشمن ہر طرح کی کوشش کرنے کے بعد وہ اس میں ناکام ہوگئے، اللہ پاک نے اعلان فرمادیا: اَلۡيَوۡمَ يَئِسَ ۔آج کے دن مایوس ہوگئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا: شیطان اب ناامید ہو چکا ہے کہ جزیرۃ العرب میں جو سعودی کا پورا حصہ ہے، جزیرۃ العرب کے اندر اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں ہوگی، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو بتلایا کہ یہ اب تمہارے پاس شرک لے کر نہیں آئے گا، اب تمہارے درمیان آپس میں جدائی کروائے گا، مسلمان مسلمان کے درمیان فتنہ پیدا کرے گا، رشتہ داروں میں اور مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان ایک دوسرے کو لڑانے کی کوشش کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روایت میں ارشاد فرمایا: اللہ پاک نے اس آیت کریمہ میں اسی کو فرمایا کہ آج کفار ناامید ہوگئے؛ یہ تو صحابہ کرام کو بشارت دی گئی اور اس کے بعد دوسری دو بشارتیں سنائیں، ایک طرف تو کفار کی ظاہری طاقت وقوت کو اللہ نے توڑ دیا، یہ اللہ پاک کی طرف سے کفار کی شکست تھی اور مسلمانوں کی مادی قوت (۳۱۳) تھے، آج ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر ہے، یہ تو مادی طاقت بتلائی، لیکن اس کے ساتھ دوسری روحانی طاقت اس سے بڑی ہے، اس کو فرمایا، آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا۔

دوستو اور بزرگو!

جب یہ آیت نازل ہوئی، یہود کے ایک عالم نے جب یہ واقعہ سنا، تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک آیت قرآن کریم میں ایسی ہے اگر وہ

ہمارے یہود میں نازل ہوتی ، ہم لوگ اس دن کو عید کا دن مناتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا، پھر بھی آپ نے پوچھا: وہ کون سی آیت ؟ انہوں نے عرض کیا کہ قرآن کریم کی آیت الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ہے، جس میں کفار کی مادی اور ظاہری قوت کی شکست کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ قرآن اور دین کا مکمل شکل میں اللہ کی طرف سے اتارا جانا، وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ۔اللہ پاک کی ساری نعمتیں تمہارے او پر تام ہو جائے، یہ جو بشارت ہے اور جس دن یہ آیت نازل ہوئی ہے، یہ عرفہ کا دن ہے اور عصر کے بعد کا وقت ہے جو دعا کی قبولیت کا وقت ہے اور جمعہ کا دن مان لیا جائے تو یہ برکت والا ہے، صحابہ کرام کا اتنا بڑا مجمع ہے، عرفات کا میدان ہے، جبل رحمت ہے اور یہ سب برکتوں اور رحمتوں کی جگہ ہے، اس لیے یہ دن عید کا دن ہونا چاہیے؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں، ہمیں معلوم ہے، یہ جمعہ کا دن تھا اور عرفہ کا دن تھا اور اس میں ہمارے لئے عید ہے۔

لیکن دوستو اور بزرگو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور اشارہ فرمایا، یہ سمجھنا ہے، دنیا کی دوسری قومیں اپنا تہوار مناتی ہیں، اور ایک مسلمان بھی اپنی عید مناتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان لقوم عيدا و هذا عيدنا'' (بخاری: كتاب العيدين، باب سنة العيدين لاهل الاسلام) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے، کوئی آدمی خوشی کے اندر ناچ گانے کے اندر مشغول ہو جائے، اللہ کی نافرمانی کرے، تو عید کے علاوہ باقی دنوں میں پانچ نمازیں فرض ہے، عید کے دن ایک اور نمازِ واجب کا اضافہ فرمایا، پانچ نمازوں میں مؤذن کی اذان کے ساتھ مسجد میں آتے ہیں، عید کے دن سب سے پہلے اپنی زندگی کا کام یہ کرنا ہے کہ اللہ کو راضی کرنا ہے، اللہ کی عظمت اور بڑائی کو بیان کرنا ہے، اس لئے اذان بھی نہیں دی جائے گی، والہانہ فرماں بردارانہ انداز میں بلائے بغیر اپنے خوشی کے اظہار کے لیے بارگاہ الہی میں خود ہی پہنچنا ہے اور ان کلمات کے ساتھ ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' آپ ہی بڑے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت بڑی نہیں ہے، اس کو بار بار پڑھتے ہوئے سب سے پہلے اپنی بڑائی کے گھمنڈ کو دور کروائے اور پھر اس کے بعد

کائنات کے ساری طاقت والوں کے گھمنڈ کو دور کروائے۔

دوستو بزرگو!

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارہ فرمارہے ہیں کہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور ہماری عید اس طریقے سے ہے، اس میں خوشی بھی منانا ہے، لیکن خوشی میں آپے سے باہر نہیں ہونا ہے، گزشتہ کل ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا، غیر مسلم لوگوں کے تہوار اور لوگوں کی عید کیسی ہوتی ہے! ناچ گانے کی مجلس، پٹاخے چھوڑے جارہے ہیں، غیر اللہ کی عبادت کی جارہی ہے، غیر اللہ کو بڑا مانا جارہا ہے، کس کس طریقے سے مانگا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ عید کے دنوں کا سب سے بڑا جو جہاد تھا وہ توحید والا جہاد تھا، آپ نے فرمایا: کیا وہ سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ قوم نے خود کہا: آپ تو جانتے ہیں کہ یہ بولتے نہیں، اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے، اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے اور انسان اس کو اپنے نفع نقصان کا مالک سمجھتے ہیں۔

خطبۂ حجۃ الوداع کے اہم نکات

إنَّ دِماءَکُم، وأمْوالکم وأعْراضَکُم عَلَیْکُم حرامٌ. (بخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی) جان، مال، عزت خاندان کا تحفظ، معاشرہ کا تحفظ، جاہلیت کی تمام رسومات کو ختم کیا، بدامنی کو ختم کیا، إن ربکم واحد وإن أباکم واحد. (مسند أحمد: ۲۳۳۸۱، ۷۱/۱۲) وحدت رب اور وحدت اب، ابناء اللہ، سورج دیوتا، سورج بنسی، آقا غلام کا فرق، اسی طرح خاندانی انتقام میں حد سے تجاوز، قتل کا لامتناہی سلسلہ، الا کل شیئ من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع ودماء الجاهلية موضوعة، وإن أول دم أضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث سود وربا الجاهلية موضوع، وإن أول ربا أضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فإنه موضوع كله، عورتوں کے معاشی، معاشرتی، آئینی حقوق، وراثت، فاتقوا الله في النساء، فإنكم أخذتموهن بأمان الله. (مسلم: کتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اطاعت امیر عبد حبشي اسمعوا و اطيعوا، کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنا، امانت

کی ادائیگی، قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار، ضمانت کا ذمہ دار، سزا میں مالدار غریب کا فرق، نماز روزہ حج زکوٰۃ کی ادائیگی، حقوق، فرائض، آداب اخلاق ان تمام اہم باتوں کا تذکرہ ہے۔

اسلام نے کسی شخصیت کی طرف عید کے تہوار کو منسوب نہیں کیا، آپ دیکھیں گے کہ دنیا کی قوموں کے تہوار، اسی طرح خوشی کے موقع کا اظہار دیکھیں: دیوالی کے موقع کا اظہار کسی آسوری طاقت پر کسی دشمن پر ان کا غلبہ ہوا، اس کی خوشی کے اندر یہ مناتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے ناٹال اور کرسمس ڈے (Christmas Day) منایا جارہا ہے، لیکن شریعت اسلامیہ نے انبیائے کرام کے اعمال کی تو نقل کروائی؛ لیکن کسی دن کو کسی نبی کی پیدائش، کسی نبی کی خوشی کا دن، اسی طرح کسی نبی کے انتقال، اس میں سے کسی بھی چیز کا انتخاب نہیں فرما کر ہمیں یہ اشارہ کردیا کہ یہ وہ امت ہے کہ اگر ہم خوشی منانے جائیں تو ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء کرام ہے، ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (۲۳) سالہ زندگی کا ہر دن خوشی اور عید کا بلکہ ہر گھڑی اور ہر لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوشی کا دن ہے، اس لیے (۳۶۰) دن میں اس امت کو دو عیدیں عطا فرمائی، اس کے علاوہ منع فرمادیا کہ کسی نبی کی پیدائش کے دن سے، کسی نبی کے وفات کے دن سے عید منائی جائے، بلکہ اسلام کے ہجرت کے سال کی ابتداء کس مہینے سے ہوئی؟ اور کس طریقے سے اس کا آغاز کیا گیا؟ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسئلہ پیدا ہوا۔

ہجری کیلنڈر کا آغاز اور امت کو سبق

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ گورنر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام انہوں نے خط لکھا، خط میں مہینے کا نام تو لکھا کہ فلاں مہینہ، فلاں تاریخ، لیکن سال نہیں لکھا، اسلامی مہینہ تھا، اسلامی تاریخ تھی، اسلامی سال نہیں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خط آیا تو آپ کی توجہ گئی، فرمایا: مسلمانوں کی تاریخ ہونی چاہیے، ہمارے پاس دن ہے، مہینہ ہے، لیکن سال کونسا ہے ہم نے متعین نہیں کیا، صحابہ کرام کا مشورہ ہوا، کسی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدائش کے دن سے ابتداء کی جائے، کسی نے کہا: فتح مکہ کے دن، کسی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت

ہوئے اس کی نسبت سے اس سال سے اسلامی سال کی ابتدا کی جائے، مختلف باتیں آئی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ کے اکثر حضرات نے فرمایا کہ نہیں، اس امت کو قیامت تک اللہ کے دین پر باقی رہنا ہے، اس کے اوپر حالات آئیں گے، اس کے سامنے ہجرت اور نصرت کی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں، ان دونوں مرحلوں سے گزرنا ہوگا، اس لئے اسلامی سال کی ابتدا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے سال سے کی جائے۔

یہ امت کو سبق دینا ہے کہ جس عمل کو بھی ہمارے یہاں کیا جاتا ہے، اس کے پیچھے ایک تاریخ ہوتی ہے، جو قوم اپنی ماضی کے مجاہدوں کو یاد رکھتی ہے، اس کا مستقبل سنورتا ہے اور جو قوم اپنے ماضی کی خوشیوں کو مناتی ہے وہ اپنے مستقبل کو ٹھیک نہیں کرسکتی، اسلام سراپا ایک مجاہدہ کا نام ہے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ والی آیت میں سب سے پہلے فرمایا: وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ. (حج: ۷۸) جس طرح جہاد کا اپنی جان ومال کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حق ہے، وہ حق ادا کرو، پھر آگے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی مجاہدہ میں گزری، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی مجاہدہ میں گزری، اس لیے مسلمانوں کا نام بھی مسلمان رکھا گیا، یہود کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہودی کہا گیا، عیسائی کو نصاریٰ اور حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے عیسائی کہا جاتا ہے، لیکن اس امت کو مسلمان کہا گیا، یہ انگریز اور مستشرقین نے جو اسلام کے خلاف ہوتے ہیں، انہوں نے مومیڈن لکھا، انہوں نے جب یہ چیز دیکھی، مسلمانوں کی کوئی نسبت کسی چیز کی طرف نہیں ہے، کسی ذات کی طرف نہیں ہے، یہ تو سیدھے اپنے آپ کو اللہ کے بندے بتلاتے ہیں، ان کو پسند نہیں آتا تھا، اس لئے کہ اس سے اس دین کا فطری اور نیچرلی ہونا ثابت ہورہا ہے کہ آدمی اپنے پروردگار کا فرماں بردار ہو، لوگوں نے بادشاہوں کو حتی کہ انبیائے کرام کو بھی اللہ کا بیٹا قرار دیا، وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ. (توبہ: ۳۰) یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاری نے حضرت عیسی علیہ السلام کو

اللہ کا بیٹا تجویز کیا، اس امت کو یہ سبق دیا کہ ایسی کوئی چیز نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، مرض الوفات میں ہیں، اس وقت جو کلمات نکلتے ہیں، **لعن الله اليهود و النصارى، اتخذوا قبور أنبياءهم مسجداً.** (بخاری: کتاب الجنائز، باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور) اللہ پاک یہود پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے نبیوں کے مکانات یعنی جہاں انبیائے کرام مدفون ہوئے اس جگہ کو عبادت کی جگہ بنائی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے موقع کی روایت کو ذکر فرماتے ہیں، کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے جا رہے ہیں، آپ کو اپنی امت کی فکر تھی، کہ یہ امت شرک میں مبتلا نہ ہو، اسی کو فرمایا **اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ** جزیرۃ العرب سے تو یہ شیطان ناامید ہو چکا ہے، لیکن دوستو بزرگو! یہ مختلف طریقوں سے امت کو ایسی چیزوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دین کو لے کر آئے، اللہ پاک نے پہلے فرمادیا: **اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ.** تمہارے لئے سارے احکام مکمل ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہی فرمانا چاہتے تھے کہ اس امت کی عید اللہ کی رضامندی والی ہو، اس امت کے لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اسوہ اور نمونہ ہے، اس لیے مستشرقین نے کوشش کی کہ مسلمانوں کا نام انگلش میں مومیڈن رکھا جائے، آج بھی لکھا جاتا ہے، بولا جاتا ہے، یہ محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بتلایا، اور یہ وضاحت کی کہ جیسے یہود ایک مخصوص نبی کو مانتے ہیں، عیسائی ایک مخصوص نبی کو مانتے ہیں، یہ بھی نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں، اس کا انکار نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلمہ کا ایک جزء ہے، **"محمد رسول الله"** لیکن آپ نے خود اپنی ذات کی طرف نسبت نہیں فرمائی، آپ کے پیدا ہونے سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس امت کا نام رکھا ہے، **هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ.** (حج:۷۸) قرآن نے فرمایا: اس امت کا نام ابراہیم علیہ السلام نے مسلمان رکھا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی، امۃ مسلمۃ لك. (بقرہ:۱۲۸) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ابراہیم علیہ السلام نے دعا

فرمائی، رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُوۡلًا مِنۡهُمۡ يَتۡلُوۡ عَلَيۡهِمۡ آيَاتِكَ (بقرہ:۱۲۹) تو ہمارا نام اللہ پاک نے قیامت تک کے لئے مسلمان کر دیا، فرمابرداری کرنے والا، تابعداری کرنے والا، اس آیت کریمہ کے ضمن میں اللہ پاک نے اس امت کو بتلا دیا کہ تمہارے لئے بشارت ہے۔

امت کی ذمہ داری کا تعین

دوستو اور بزرگو!

یہ جتنی خوشی اور برکت والی آیت ہے اور اس کے ساتھ ذمہ داری والی بھی ہے، اللہ پاک نے ایک طرف فرمایا: اَلۡيَوۡمَ يَئِسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ کفار مایوس ہو گئے، کہ اب روئے زمین پر شرک غالب شکل میں آئے، ایسا نہیں ہوگا، شرک مغلوب ہو گیا اور آج بھی مغلوب ہے، عقلمند آدمی سمجھدار آدمی اپنی عقل سے سوچے گا تو اللہ پاک اس کے دل میں یہ بات ڈالے گا: وَاِنۡ يَسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـًٔا لَا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ (حج:۷۳) مکھی بھی اگر بیٹھی ہے وہ اس کو اڑا نہیں سکتا، وہ ہمارے نفع نقصان کا کیا مالک ہو سکتا ہے؟ اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے آگے فرمایا: فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ (مائدہ:۳) ان مشرکین سے اب مت ڈرو، لیکن ساتھ میں یہ بھی فرما دیا: وَاخۡشَوۡنِ، مجھ سے ڈرو۔ اور میرا خوف ہونا ضروری ہے، اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ ہوا؛ ایک طرف اس امت کو بتلایا گیا کہ جیسا مکہ کے مشرکین کے مقابلے میں حضرات مہاجرین اور انصار کو اللہ پاک نے یہ خوشخبری دی کہ اب دشمن ظاہری اور معنوی طاقت کے ذریعے مغلوب نہیں کر سکتا، اس امت کو بھی بتلایا کہ دشمن کی ظاہری قوت سے ڈرنا یہ مسلمانوں کا کام نہیں، لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ مسلمان دشمن سے بھی نہ ڈرے اور اللہ کا خوف اور خشیت نہ ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے، جب اللہ کا خوف دل میں آئے گا تو مخلوق کا خوف دل سے نکل جائے گا اور جب اللہ کا خوف دل سے نکلے گا تو مخلوق کا خوف دل میں آئے گا، اس لئے اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ اے مسلمانو! جب تم اللہ کا خوف اور اللہ کا ڈر محسوس کرو گے، اللہ پاک کے احکامات کی تکمیل کرو گے، وہاں تک تمہارے دلوں میں دشمن کا خوف نہیں آئے گا۔

صحابہ کرام غزوۂ احد میں ہے، ظاہر میں شکست ہوئی، ستر صحابہ کرام شہید ہوئے، آپ ﷺ کے دندان مبارک اور چہرے کے اوپر جو خود پہنا تھا، ٹوٹ گیا، تین تین چار چار جگہوں پر آپ کو زخم لگا ہوا ہے اور ایسے موقع پر ابوسفیان کا لشکر واپس آ رہا ہے، اس کو افسوس ہوا تھا کہ مسلمانوں کو ہم نے شکست دی، لیکن ہم مکمل نقصان نہیں پہنچا سکے، تو مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے تھے وہاں سے دوبارہ واپس آئے، ادھر مسلمانوں سے کسی نے آ کر بتلایا کہ دشمن پھر دوبارہ واپس آ رہے ہیں، صحابہ کرام نے جب اس بات کو سنا: الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا (آل عمران: ۱۷۳) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ صحابہ کو لوگوں نے آ کر کہا کہ دشمن پھر جمع ہو کر آ رہے ہیں، لہٰذا ڈر محسوس کرو، لیکن مسلمانوں نے کہا: ہمیں کوئی ڈر نہیں اور آیت میں اللہ پاک نے فرمایا کہ انہوں نے کسی سے خوف نہیں کیا، ایک جملے میں فرمایا: حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران: ۱۷۳) اللہ پاک ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

دوستو بزرگو!

یہ عید کے دن ختم ہوئے اور انہیں موقع پر اس امت کو سب سے بڑا تحفہ جناب نبی اکرم ﷺ کے ذریعے دیا، اس لئے ضروری ہے کہ قرآن جب یہ کہہ رہا ہے: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۔ تو ایک مسلمان اور مومن کے دل میں یقین اور اطمینان ہونا چاہیے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نماز کا جو طریقہ اور عبادت کا جو طریقہ لے کر آئے وہی اللہ کے نزدیک سب سے بہتر طریقہ ہے، آپ ﷺ کاروبار کے اور تجارت کے جو طریقے لے کر آئے وہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اللہ کے بندوں کے نزدیک وہی پسند ہونا چاہیے، آپ ﷺ سماجی اور معاشرتی زندگی کے جو مسائل لے کر تشریف لائے اور آپ نے جو جو احکامات احادیث مبارکہ میں ذکر فرمائے، نکاح کے، طلاق کے، ایلاء کے اور اس طریقہ کے جتنے مسائل، معاملات تجارت کے جو مختلف مسائل ذکر فرمائے، اس امت کو یقین کرنا چاہیے، اسی میں ہماری زندگی کا سکون ہے،

اس لیے ہم آپس کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں، اس دن کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا: میں نے اس کو مکمل کیا ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہم گھریلو مسائل میں، اپنے تجارت کے مسائل اور ہم اپنی زندگی کے ہر مسئلے میں قرآن کریم کو اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنا رہنما مانیں، اپنا رہبر مانیں، اس کے بغیر دنیا کے کسی قانون میں چین اور سکون نہیں۔

دوستو اور بزرگو!

لوگ قانون کے لئے بھیک مانگ رہے ہیں، دنیا کے بڑے بڑے قانون دان کا کہنا ہے کہ قانون کی کیا تعریف ہو؟ اب تک کوئی اس کی تعریف نہیں کرسکا، قانون کس کے حکم سے نافذ ہو، اصول قانون پڑھا لکھا جو طبقہ ہے اور جو لوگ ان قوانین کو پڑھتے ہیں، ان کا صاف کہنا ہے کہ اب تک کوئی تعیین نہیں ہوسکی، میں شاید آپ کو قصہ کہہ چکا ہوں، ایک فرانسی پروفیسر جب وہاں کی لوکالج کے سوسال پورے ہوئے، اس موقع پر وہ انگلینڈ گیا، اس موقع پر اس نے وہاں کے لاکالج کے پروفیسروں اور طلبہ سے کہا کہ آج میں آپ کو ایسی چیز بتاتا ہوں جو آج تک آپ کو کسی نے نہیں بتائی ہوگی، اس نے یہ کہا کہ دیکھو! میں قانون کا ماہر ہوں، لیکن قانون کیسے بنائے جائے؟ کس کی اجازت سے بنے؟ قانون کیسے نافذ ہو؟ ہم ان سب علوم میں فیل ہیں، بتانے کے طور پر دنیا بھر کے قانون ہے، لیکن کوئی بھی کامیاب نہیں، اس کے بعد اس نے کہا: میں آپ کو کہوں کہ مسلمانوں کے پاس لا بھی ہے، اور رُوٹ آف لا بھی ہے، ان کے پاس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس یہ چار بنیاد ہے، اس پر لاکھوں ہزاروں مسائل ہر زمانہ کے علماء نے مستنبط کئے ہیں، اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ فرمایا، اس کی ہم قدر کریں، اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے دل میں کتاب اللہ کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی سچی محبت نصیب فرمائے، اور اس کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۱٦) اسلام کا بینکنگ (Banking) نظام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (پ:۲۰، سورۃ القصص:۷٦/۷۷)

وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الفَرِیْضَۃِ. (الترغیب والترھیب: ۱٦/۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ و الشَّاکِرِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے اور اس میں مال و دولت کے ساتھ انسان کو کس طرح سلوک کرنا چاہئے؟ اس کا استعمال کس طریقہ سے ہو؟ اس کو حاصل کس طریقہ سے کیا جائے؟ اور پھر اس کے

ساتھ معاملہ کرتے ہوئے دنیا کے انسانوں کے ساتھ کس طریقے سے انصاف کیا جائے؟

قرآن کریم میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ایک بڑا مالدار، قارون کا ذکر فرمایا، إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى (قصص:۷۶) وہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا، فَبَغٰى عَلَيْهِمْ۔ اس نے زیادتی کی، اس نے سرکشی اختیار کی، وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ (قصص:۷۶) اللہ پاک فرماتے ہیں: اس کو خدا نے اتنے خزانے دیئے کہ جس کی چابیاں اٹھانے کے لئے چند مضبوط آدمی چاہیے، پہلوان آدمی چاہیے، اتنی بڑی جماعت بھی اس کی چابیاں اٹھانے سے تھک جائے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے قارون کو جو احکام ذکر فرمائے، مال کے سلسلہ میں چار چیزیں ذکر فرمائی، وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ (قصص:۷۶) اس مال کے ذریعہ آخرت کی زندگی کی، مرنے کے بعد کی زندگی کی تیاری کرلو، اس کے ذریعہ آخرت کو چاہو۔ سب سے پہلے حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال ودولت کے سلسلے میں فرمایا۔

دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم کی مختلف آیات میں اللہ پاک نے مال ودولت کو اپنا فضل بھی فرمایا اور اس کو خیر اچھی چیز بھی فرمائی اور اس کے ساتھ فتنہ اور آزمائش بھی فرمایا یعنی انسان مال ودولت کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہ کرے کہ اس دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ لے یعنی مقصد زندگی صرف روزی روٹی کمانا، مال ودولت حاصل کرنا اور پھر اسی دنیا سے چلے جانا، جس کو فارسی کے ایک شاعر نے کہا ہے: ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔'' دنیا میں اس طرح زندگی گزارو کہ سب کچھ آرام و راحت، زیب وزینت، بناؤ سنگار کرلو، اس لیے کہ دوبارہ مرنے کے بعد کی زندگی ہے ہی نہیں، لیکن ایک مسلمان اور مومن یہ سمجھ رہا ہے کہ مرنے کے بعد ہمیشہ ہمیش کی زندگی آنے والی ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک نے یہ تصور دلایا: وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ (قصص:۷۶) قارون کو کہا جارہا ہے کہ یہ مال ودولت اللہ نے تجھے دی ہے، اللہ تعالیٰ کے دینے سے تیرے پاس

آئی ہے، یہ تصور ایک مسلمان، ایک مومن اور دیندار انسان کو کرنا ہے کہ مال و دولت جو ہمارے پاس ہے، ہماری اپنی ذاتی کمائی سے نہیں ہے، یہی جملہ قارون نے کہا تھا: قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ (قصص:۷۸) یہ میرے علم اور صلاحیت کی وجہ سے آئی ہے۔

دوستو اور بزرگو!

تقدیر اور نصیب کا حال اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھول کر بتلا دیا ہے، بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ چاہے Economic کے بھی ماہر ہوں، لیکن یہ کسی بوس Boss کے ماتحت کام کرتے ہیں، اور وہ تعلیم میں ان سے کم درجہ کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کتنے بے پڑھے لکھے لوگوں کو مال و دولت سے نوازا، پوری انسانی تاریخ بھری پڑی ہے، اس لئے یہ تصور دلایا، انسان کے پاس مال و دولت آئے تو یہ نہ سمجھے کہ یہ اپنی ذاتی کمائی ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور اس لیے بار بار فرمایا: وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (بقرہ:۳) ہم نے جو دیا اس میں سے خرچ کرو، یہ تصور دلایا کہ وہ مال کے ذاتی طور پر تو مالک نہیں، بلکہ وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

کیپٹلزم اور سرمایہ دارانہ نظام:

اسلام اور کیپیٹلزم Capitalism میں یہی بنیادی فرق ہے، اس وقت دنیا میں جو سرمایہ دارانہ نظام چلتا ہے، جس کو મૂડીવાદ سے تعبیر کیا جاتا ہے، امریکا، انگلینڈ اور یورپ کے سارے ممالک بلکہ اب تو روس بھی ٹوٹ گیا، کمیونسٹ نظام ٹوٹنے کے بعد اس وقت دنیا میں سوائے چائنہ میں چند اصول اور ضابطے کے پوری دنیا سرمایہ دارانہ نظام کی طرف چلی گئی، Capitalism ہی کی طرف پوری دنیا چلی گئی، اس دنیا کا پہلا تصور یہ ہے کہ انسان کی اپنی ذاتی کمائی سے اس کو مال حاصل ہوا، اس لیے وہ اپنے مال کا مالک ہے، اس مال میں کسی اور کا کوئی حق نہیں، وہ اپنے مال کا مالک ہے، اسلام میں بھی جو چیز کمائی اس کو اس کا مالک بنایا، لیکن یہ فرق رکھا، یہ تصور دلایا کہ یہ تیرا اپنا مال نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے تو اللہ پاک نے جن چیزوں میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا، وہیں خرچ کرنا ہے۔

لیکن پھر بندہ کہنے لگتا ہے کہ میرا مال ہے، میں زکوٰۃ کیوں دوں؟ میرا مال ہے میں حج کا فریضہ کیوں ادا کروں؟ میرا مال ہے میں صدقہ کیوں دوں؟ عشر کیوں ادا کروں؟ میں کفارہ کیوں دوں؟ اس طریقے سے صدقۃ الفطر کیوں دوں؟ جتنے بھی مالی معاملات ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب اور فرض فرمائے، اور کچھ وہ ہیں جو واجب اور فرض نہیں ہے، لیکن مستحب اور پسندیدہ فرمائے ہیں، اللہ پاک نے جن چیزوں کو پسند فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ایک آیت کریمہ میں فرمایا: وفی اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ للسَّائِلِ والمَحۡرُوۡمِ (ذاریات:۱۹) تمہارے مال میں حق ہے، حق کا لفظ فرمایا، کسی سائل کے لئے ایک محتاج اور تنگ دست آدمی آپ کے پاس مانگنے کے لیے آیا ہے والمَحۡرُوۡمِ ۔ ایسا آدمی جو محنت کرتا ہے، لیکن روزی روٹی اتنی نہیں کما سکتا ہے، جس سے اس کی ضرورت پوری ہو۔

یہ اسلام کا تصور ہے، Capitalism یہ کہہ رہا ہے کہ ساری چیزیں ہم لے لیں، جس کے پاس جس طریقے کا بھی ہو، ہم اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیں، اسی کو آگے قرآن کریم نے جو قارون کو چار نصیحتیں فرمائیں، اس میں چوتھی نصیحت میں اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِي الۡأَرۡضِ (قصص:۷۷) زمین میں فسادات مت مچاؤ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (قصص:۷۷) اللہ پاک فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، فساد کا ایک تصور تو یہ ہے کہ ایک آدمی ظلم اور زبردستی کسی کا مال لے لے، لوٹ کھسوٹ کر کے، چوری کر کے لے لے، ناجائز طریقے سے وصول کر لے، یہ سارے طریقے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں شامل ہے۔

لیکن اس کے ساتھ مجھے جو اصل گفتگو کرنی ہے، اس وقت کا جو دنیا کا بینکنگ اور کرنسی کا نظام ہے، اس وقت ہم لوگ جس پریشانی سے گزر رہے ہیں، یہ جو کرنسی اور دنیا کے اس وقت بینکنگ کے نظام کے مسائل ہیں، قرآن کریم میں جس چیز کو ذکر فرمایا: كَيۡ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيۡنَ الۡأَغۡنِيَاءِ مِنۡكُمۡ (حشر:۷) اللہ پاک نے مال غنیمت اور مالِ فئ کا حکم ذکر فرمایا، جہاد میں جو مال ملا ہے اور فرمایا کہ یہ ساری پبلک کا مال ہے، صرف کسی ایک بادشاہ کا نہیں، مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ

أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (حشر:۷)اللہ پاک نے یہ سارے محتاج لوگوں کا ذکر قرآن میں فرمایااور آگے فرمایا: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ تاکہ یہ مال ودولت تم میں سے چند آدمیوں کے پاس ہی نہ رہ جائے، سماج میں چند آدمی مالدار رہے، اور سماج کا ایک بڑا حصہ یا تو غریب طبقے میں رہے یا متوسط طبقے میں رہے اور ایک بڑا طبقہ وہ ہوجائے، دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ مال ودولت پر قبضہ کرلے۔

دوستو اور بزرگو!

اس وقت دنیا کا جو بینکنگ کا نظام ہے، یہودیوں نے (۸۰۰) سال کی مسلسل محنت کے بعد دنیا کو لوٹ کر کرنسی (Currency) کی طرف پہنچایا، اس کی ایک لمبی تاریخ ۱۲۰۹ سے لے کر ۲۰۱۶ تک پورے ایک ہزار سال ہونے آرہے ہیں، یہ ایک محنت جو یہودیوں کی طرف سے چلی کہ لوگوں کے پاس سے سونے اور چاندی لے لیا جائے اور دنیا کو کاغذ کا محتاج بنادیا جائے اور وہ کرنسی بھی ایسی جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، آدمی کے پاس مال و دولت ہے، اپنی محنت سے کمایا ہوا ہے، لیکن نئے نوٹ لینے کے لئے کتنے قانون اور کتنے ضابطوں کے ماتحت رہنا پڑتا ہے، یہ کیا ہے؟ اس کے پیچھے ایک بہت بڑی تھیوری (Theary) کام کررہی ہے، دنیا کے لوگوں کو غریب کس طریقے سے بنایا جائے اور چند لوگوں کے پاس مال کس طریقے سے رہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس کو فرمایا: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (حشر:۷) یہ اللہ پاک کے یہاں ناپسندیدہ ہے، اسی طرح اللہ پاک نے فرمایا کہ دنیا میں اللہ پاک کسی کو مالدار اور کسی کو غریب رکھے، یہ اللہ پاک کا اپنا نظام ہے۔

اس کو قرآن کریم کی دوسری آیات میں فرمایا: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (زخرف:۳۲) ہم نے دنیا کی اس زندگی میں تمہارے درمیان روزی تقسیم کردی ہے، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیا، کس کس طریقے سے دیا، اللہ پاک فرماتے ہیں، ہم نے کیوں کیا؟ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (زخرف:۳۲) تاکہ تم میں بعض بعض کا محتاج رہے، ایک مالدار

آدمی مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کو ضرورت پڑے گی معمار کی، ٹھیکہ دار کی ضرورت پڑے گی، مزدوروں کی بھی ضرورت پڑے گی، یہ سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں، کسی کو روزی روٹی کی ضرورت ہے تو کسی کو مکان کی تعمیر کے لئے ضرورت ہے، کھیتی باڑی کرنے کے لئے ضرورت ہے، مشین، فیکٹری اور بڑے بڑے کارخانوں کی ضرورت پڑے گی، اس لیے فطری نظام جو ہے کسی کو مالدار بنانا اور کسی کو غریب بنانا، یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، لیکن اللہ پاک چاہتے ہیں کہ میرے نظام میں تم اپنی طرف سے خلل اندازی کر کے اس طریقے سے کم کرو کہ چند لوگ ہی مالدار باقی رہے، باقی انسان غریب رہے، یہ چیزیں اللہ پاک کو ناپسندیدہ ہے، اسلامی نظام میں اس چیز کو ختم کروایا اور مالِ غنیمت اور دوسری بھی جتنی چیزیں ہیں، ایک مسلمان سال بھر میں اپنے مال میں سے ڈھائی فیصد زکوۃ کا حصہ نکالے گا، صدقہ الفطر ادا کرے گا، قربانی کے دن میں قربانی کرے گا، قسم کھالی ہے تو وہ کفارہ ادا کرے گا اور ان سب کے بعد بھی نفلی صدقات کا ایک اور دروازہ کھلا ہے، جو ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے آیات پڑھیں، وفی اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ والْمَحْرُوْمِ. (ذاریات:۱۹)

موجودہ دور کی بینکوں کا حال

اسلامی نظام میں یہ تصور ہے کہ تمہارا مال چاہے تمہارا ہے، لیکن تم اس کے مجازی مالک ہو، اس مال میں اللہ کے بندوں کا حق ہے؛ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ تصور نہیں ہے کہ آدمی کے اپنے مال میں دوسرے کا حق ہو، بلکہ اس وقت جو دنیا میں بینکنگ کا نظام ہے، آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اکثر جو مال و دولت بینکوں میں جمع ہوتا ہے، متوسط طبقہ اور غریب لوگوں کا روپیہ پیسہ ہوتا ہے، جو بڑے مالدار ہوتے ہیں یہ تو کاروبار کے اندر لگائے ہوئے ہیں، وہ بھی ٹیکس سے بچنے کے لیے حکومت سے مختلف قسم کی لون (سودی قرض) لیتے ہیں اور اس وقت ہندوستان کا حال ہے، یہ جو قدم اٹھایا گیا اس کے پیچھے جو بات کہی جارہی ہے کہ ملک کے بینکنگ کے نظام میں دوسال سے آواز اٹھائی جارہی ہے کہ ملک کے بینکوں سے

سارا روپیہ چلا گیا ہے اور واپس آنے کی کوئی امید نہیں اور جنہوں نے کیا ہے وہ سب بڑے بڑے ارب پتی، کھرب پتی لوگ ہیں، ہندوستان جیسے ملک میں ۹۰۰۰ کڑور روپیہ ایک شخص لے کر چلا جائے، ایسے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے ایسا کیا ہے، یہ یہودی لوز یک نے دنیا میں بینکنگ کا نظام قائم کیا ہے، اس کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو کاغذ ((Currency کا عادی بنایا جاوے، لمبی تاریخ ہے؛ اس کے پیچھے کتنے مرحلے گزرے اور پھر حکومتوں نے ان نوٹوں کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اب کوئی پرائیویٹ نوٹ نہیں چھاپ سکتا، پہلے یہ سارے اختیارات تھے، انگریز نے انیسویں صدی شروع ہونے سے پہلے جب برٹش راج تھا، اس نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ اس نوٹ سے ہی کاروبار کرنا ہوگا، اس لئے یہودیوں کا اتنا قرضہ انگلینڈ نے لیا تھا، پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم میں بھی کہ اس کا احسان چکانا تھا، اس لئے یہودیوں کو راضی کرنے کے لئے دنیا بھر میں کرنسی کو جاری کرنے کا قانون نافذ کیا اور سونا چاندی کی جو تجارت ہوتی تھی، ان سب کو قانونی طور پر انگلینڈ نے سب سے پہلے بند کیا اور اس کے بعد دنیا بھر میں یہ نظام چلا اور آج ہم کاغذ کے محتاج ہیں، سونا چاندی لوگوں کے پاس سے چلا گیا، جو کچھ ہے اس پر کتنے مسائل اور کتنی پریشانی ہے؟

خیر! گفتگو ہو رہی تھی کہ قرآن کریم نے جو ذکر فرمایا کہ مال و دولت تم میں سے مال داروں کے پاس نہ چلا جائے، اس وقت کا یہ بینکنگ کا نظام یہی کر رہا ہے کہ انسانوں کے پاس سے اپنے اپنے سیونگ اکاؤنٹ میں لمبی چوڑی رقم رکھی ہوئی ہے، یہ رقومات دوسرے بڑے مالدار ارب پتیوں کو دے دیا جاتا ہے، ان میں سے پندرہ فیصد سود ادا کرنا ہوگا، باقی کی (۸۵) فیصد رقم اپنی ضروریات میں استعمال کرتے ہیں، اپنے کاروبار میں لگا دیں اور پھر اس میں (۱۵) فیصد یا جو سود نکالیں گے، یہ بینکوں کو دیں گے، اس سود میں سے بینک اپنے کھاتے داروں میں سے کسی کو چار فیصد یا پانچ فیصد جیسی جیسی رقمیں ہوں گی، اس کے مطابق ادا کریں گے، اور یہ بھی انٹرسٹ اور سود کے نام سے دیتے ہے اور پوری بالائی (۸۵) فیصد رقم یہ بڑے

مالدار لوگ کھائیں گے، یہ کاروبار کریں گے، انہوں نے (۱۵) فیصد سود ادا کیا ہے، مارکیٹ میں جب مال آئے گا تو ہم لوگوں کو وہ مال پندرہ فیصد جو انہوں نے سود دیا ہے، اس کے ساتھ مزید اپنے نفع بھی بڑھا دیں گے اور ہمارے پاس سے وہ وصول کریں گے؛ یہ دنیا میں اس طرح سے انتظام ہے، تو انہوں نے جو اپنا سو فیصد وصول کرلیا، جو کچھ دیا تھا (۱۵) فیصد سود وہ بھی واپس، اور یہ سب لوگوں کے پیسوں میں سے، اور اگر اتفاق سے کوئی پریشانی پیش آگئی تو ان کے پاس دوسری ایک اسکیم ہے، دنیا بھر میں (Insurance company) کمپنیاں لگی ہوئی ہیں، مال وغیرہ کو اگر نقصان ہوا تو وہاں کمپنیوں میں بھی مال غریبوں اور متوسط طبقوں کا ہے، وہ بیچارے جو بیمہ پالیسی ادا کر رہے ہیں، ایک بڑی رقم اس میں لگی ہوئی ہے، یہ لون کی شکل میں جیسے بینکوں سے لیتے ہیں، انشورنس کٹوا کر اس سے اس رقم کو بھی وصول کرتے ہیں اور پھر یہ سیاسی پارٹیوں کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں، آج کل جتنی بھی سیاسی پارٹیاں ہیں، اپنے لیے ایک بڑا فنڈ اور بڑی رقم ان مالداروں سے وصول کرتے ہیں، اس لیے الیکشن کے موقع پر لمبی رقموں کی ان کو ضرورت ہے، ان کا مسئلہ اس طرح حل ہوتا ہے۔

سیاسی لوگوں کا مسئلہ اس طریقہ سے حل ہوتا ہے، اس لئے دنیا گذشتہ چالیس پچاس سال سے جو اس کے کڑوے پھل چکھ رہی ہے، پوری دنیا میں غریب آدمی غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور چند لوگ مالدار سے مالدار ہوتے جا رہے ہیں؛ یہ ایک نظام ہے، قرآن کریم نے اسی کو فرمایا، قارون جیسے لوگ جو مال ودولت پر بیٹھے ہوئے ہیں، قرآن کریم نے زکوۃ کو فرض فرمایا اور اس طریقہ سے بتلا دیا کہ یہ مال ودولت کے ساتھ ایسا سلوک کرنا ہے، پہلا حکم فرمایا: وَابْتَغِ فِيمَآ آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ (قصص:۷۷) یہ مال ودولت آخرت کی زندگی کمانے کے لئے ہیں، صرف مال ودولت دنیا تک محدود نہ رہے، اس کے ذریعہ اللہ کو راضی کرنا ہے، اللہ پاک کی مرضیات پر چلنا ہے، حلال طریقے سے اس مال کو کمانا ہے، قرآن کریم نے فرمایا: اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (نساء:۲۹) کہ ایمان والو! تم دوسرے کے مال کو زبردستی مت کھاؤ،

اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً. مگر ایسا کاروبار اور ایسا بیوپار تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ آپس کی رضا مندی سے اور وہ بھی وہ رضا مندی جو کتاب وسنت سے ثابت ہو، دو آدمی راضی ہے اور سود لے رہے ہیں، دے رہے ہیں، دونوں راضی ہیں؛ لیکن قرآن کریم نے ایسی رضا مندی کو منع فرمایا۔

کاغذی کرنسی کی تاریخ وحقیقت

موجودہ کاغزی کرنسی کی حقیقت اور اس کی تاریخ بھی سمجھنی ہوگی، مغرب کے اس سرمایہ دارانہ نظام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب لوگ سونا چاندی کا کاروبار کرتے تھے، یعنی سنار، وہ اپنے سونے کی حفاظت کے لئے مضبوط ومستحکم مکان وتجوریاں بنواتے تھے، عام لوگ بھی اپنی بچت کا سونا حفاظت کے لئے ان کے پاس جمع کرتے، یہ سنار حفاظت کرنے کی مخصوص رقم لیتے اور لوگوں کو رسید لکھ دیتے کہ اس شخص کا اتنا سونا ہمارے پاس جمع ہے، اب وہ شخص اس رسید سے مکان، زمین یا کوئی چیز خریدتا یا اپنا قرضہ ادا کرتا، اس طرح چالاک سناروں نے اندازہ لگایا کہ لوگ جمع شدہ سونے کا دسواں حصہ خرچ کرتے ہیں، اور نو حصے ان کے پاس جمع رہتے ہیں، حرص، لالچ اور بد دیانتی سے لوگوں کو امانت رکھے سونے کے بدلے نو الگ الگ رسیدیں جاری کرنی شروع کردیں، یعنی نہ سناروں کے پاس سونا موجود، نہ لوٹانے کی طاقت، محض لوگوں کے اعتماد پر رسیدوں کا کاروبار چلتا رہا، اور یہودی سناروں کا کاروبار بڑھتا رہا، جب یورپ میں موجودہ بینکنگ کا نظام شروع ہوا تو چوں کہ سارا سرمایہ ان کی تجوریوں میں تھا، اس لئے بینکوں پر خود بخود ان کا قبضہ ہوگیا، عوام کے پاس جو تھوڑی بہت بچت تھی اس پر قبضہ کرنے کے لئے ان چالاک سناروں نے لوگوں کو دوسرا جھانسا یہ دیا کہ اگر تم خود کاروبار کروگے تو سرمایہ ڈوب بھی سکتا ہے، اس لئے نقصان کے غم میں گھلنے کے بجائے اپنی رقم ہمیں دے دو، ہم تمہیں ہر ماہ، ہر سال ایک مقررہ منافع دیتے جائیں گے، اس طرح عام لوگوں کا بچا ہوا روپیہ بھی ان کے قبضہ میں آ گیا، اب یہ سنار، بینکار بن کر پورے یورپ کے آقا ومالک بن بیٹھے، ان سناروں کی بھاری اکثریت یہودی تھی، یہودیوں کی سودخوری کی تاریخ ضرب المثل رہی

ہے، جس پر تمام آسمانی کتب شاہد ہیں، ظہور اسلام کے وقت مدینہ اور عرب کے تمام قبائل یہودیوں کے سود کی جال میں جکڑے ہوئے تھے، اور تمام تجارت و بازاروں پر ان کا کنٹرول تھا، یاد رہے کہ سود خوری خود غرضی، ظلم، استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا ذہن پیدا کرتی ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سود خور کی حرص و لالچ اور حرام خوری کی عادت کی بدولت قمار بازی (سٹہ) کی لت پڑ رہی ہے، آج دنیا کے اسٹاک سیکسچینجیز کی تقریباً ستر فیصد رولنگ (سرمایہ کی گردش) سٹہ یعنی جورے پر ہو رہی ہے، سود کینہ وحسد پیدا کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں فساد اور جنگیں چھڑتی ہیں، سود خور جنگیں بھڑکا کر اقوام اور قیدیوں کے غلام بناتے ہیں، مثلاً پہلی جنگ عظیم کے وقت برطانیہ پر اور دوسری جنگ عظیم تک امریکہ پر کوئی قرضہ نہیں تھا، ان یہودی بینکاروں نے جنگ عظیم کی آگ بھڑکا کر مختلف حیلوں سے برطانیہ و امریکہ بلکہ پورے یورپ کو جنگ میں الجھا کر اپنا مقروض وتابع دار بنالیا۔

نظام سرمایہ داری کے اس بحران کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان اسباب کو سمجھنا ہوگا، جو اس کا سبب بنے ہیں، دھوکہ، فریب، جعل لوٹ اور ناانصافی پر مبنی اس نظام کو اپنی موت پر آپ مرنا ہی تھا، اور اس کی موت اور تباہی کا سامان خود اس نظام کے اجزاء میں پوشیدہ تھا، لیکن بظاہر جو واقعہ اس بحران کے ظہور کا فوری طور پر سبب بنا ہو امریکہ بدنام زمانہ ''رہن کا بحران'' (Subprim Martagage) تھا۔

یہ بحران خود نظام سرمایہ داری کی مکروہ فریب کاریوں کا مظہر ہے، یہ نظام لوگوں کے اندر خرچ کرنے کی Consumption لامحدود ہوس پیدا کرتا ہے، اور خرچ کرنے کے لئے پیسہ نہ ہو تو سودی قرضوں کا جال بچھاتا ہے، گذشتہ چند سالوں میں عالمی سرمایہ داری کے سرخیل امریکہ میں فضول خرچی کی یہ کیفیت اپنے عروج کو پہنچ گئی، ۴۰ فیصد سے زیادہ خاندان اپنی آمدنی کا تین فیصد صرف کریڈٹ کارڈ کے سود پر خرچ کرنے لگا ہے، قرضوں کے اس ڈیمانڈ نے مالیاتی اداروں میں منافع کمانے کی حرص پیدا کی، انہوں نے نئے نئے قرض خواہ تلاش

کرنے شروع کئے، (Subprime) سب پرائم قرض خواہ دراصل وہ قرض لینے والے ہوتے ہیں جو بڑے قرض لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، بینکوں نے سود کی لالچ میں انہیں اپنی سکت سے زیادہ قرضے لینے پر آمادہ کیا، قرضے فراہم کرنے کے لئے بینکوں کے پاس وافر رقومات موجود نہیں تھی، تو انہوں نے خصوصی بانڈس Mortgage Bonds جاری کئے اور انہیں بازار میں بیچ کر رقومات جمع کیں، یہ سب فریب اور دھوکہ دہی کے طریقے تھے، جو سرمایہ دارانہ معیشت کا خاصہ ہوتے ہیں۔

معیشت کی اہمیت کی وجہ سے یہ موضوع ہمیشہ سے علماء کی فکر کا محور رہا ہے، تدوین فقہ کے بالکل ابتدائی دور میں ہمیں امام محمد بن حسن شیبانی ؒ کا نام ملتا ہے، جنہوں نے ''کتاب الکسب'' تالیف فرمائی اور اس میں کسب کے جائز و ناجائز ذرائع اور ان سے متعلق فضائل و احکام پر روشنی ڈالی، یہ اصل کتاب تو غالباً اب تک شائع نہیں ہوسکی ہے، لیکن اس کا خلاصہ علامہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی (م: ۴۸۳ھ) نے اپنی کتاب ''المبسوط'' میں درج کیا ہے، اسی طرح ابتدائی دور کی کتابوں میں ہمیں قاضی ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' اور علامہ ابو عبید کی ''کتاب الاموال'' بھی ملتی ہے، جس کا تعلق ایک اسلامی حکومت کی مدات آمدنی اور مدات خرچ سے ہے، ذیلی طور پر فقہ المعاملات اور تجارت کی بحثیں ہمیں ان فقہی کتابوں میں تو ملتی ہی ہیں، جن میں تمام مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کے علاوہ جو کتابیں ''احکام سلطانیہ'' یعنی حکومتی قوانین ''احکام قضاء'' یعنی عدالتی قوانین اور ''احکام سیر'' یعنی بین الاقوامی تعلقات سے متعلق قوانین پر لکھی گئی ہیں، ان میں بھی اقتصادیت سے متعلق احکام اچھے خاصے آجاتے ہیں، غرض کہ ہمارے فقہاء نے ان مسائل کو ہمیشہ خصوصی اہمیت دی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام سینکڑوں سال تک دنیا میں عملی طور پر نافذ رہا، اور اس کی یہ برکتیں ہر دور اور ہر ملک میں ہر شخص نے مشاہدہ کی ہیں کہ جب کسی جگہ یہ نظام رائج ہوا وہاں ان معاشی ناانصافیوں کا نام ونشان نہیں تھا، وہاں مزدور اور سرمایہ داری کی کوئی تفریق

نہیں تھی، سب ایک ہی برادری کے افراد تھے، اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ تعاون کرتے تھے، وہاں مزدور اور کسان حقیر و ذلیل نہیں تھا، اس کی ایسی ہی عزت کی جاتی جیسی برادری کے دوسرے افراد کی، وہاں صنعت اور تجارت پر اجارہ داریاں نہیں تھی، جن کی وجہ سے ملک کی دولت بڑے سرمایہ داروں کے لئے مخصوص ہو کر رہ جائے، وہاں ان تمام دروازوں کو بند کردیا گیا تھا جن کی وجہ سے ''بڑے لوگ'' اشیاء صرف کی قیمتوں پر حاکم بن کر بیٹھ جائیں، گرانی غریبوں کی کمر توڑتی رہے اور غریب عوام مصنوعی قحط کا شکار ہوکر رہ جائیں۔

اسلامی نظام قائم ہو تو ظالمانہ نظام ختم ہوکر بینکاری کا نظام سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے گا، جس کے نتیجے میں بینک میں روپیہ جمع کرنے والے عوام بینک کے جمع شدہ سرمائے کے نفع میں شریک ہوں گے اور اس سے دوطرفہ فائدے ہوں گے، ایک طرف بازار پر سے چند افراد کا تسلط ختم ہوگا اور اس سے ارزانی پیدا ہوگی، دوسری طرف منافع کے حصے دار بہت زیادہ ہوں گے اور بڑی بڑی تجارتوں کا متناسب منافع بینکوں کے واسطے سے عوام تک پہنچے گا، اور دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائروں میں گردش کرے گی۔

بینکاری کے نظام کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلانے کی عملی شکل کو بینکاری کے ماہرین نے قطعی طور پر قابل عمل اور زیادہ مفید قرار دیا ہے۔

اشیاء کی گرانی اور سرمایہ کے ارتکاز کا دوسرا بڑا سبب ہمارے معاشرے میں ''سٹہ'' کی اندھی تجارت ہے، اس کاروبار کی وجہ سے مال کے ذخیرے ابھی بازار کے قریب بھی نہیں آنے پاتے کہ اس پر سینکڑوں سودے ہو جاتے ہیں، ایک تاجر مال کا آرڈر دے کر مال کی روانگی سے پہلے ہی اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے، دوسرا تیسرے کے ہاتھ اور تیسرا چوتھے کے ہاتھ، یہاں تک کہ جس وقت مال بازار میں پہنچتا ہے تو وہ بعض اوقات خرید و فروخت کے سینکڑوں معاملات سے گزر چکا ہوتا ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بازار تک پہنچتے پہنچتے اس کے دام کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، بیس روپیہ کی چیز پچاس ساٹھ روپے میں

بکتی ہے، یہ سارا نفع سٹہ باز لے اڑتے ہیں، اور عوام کی جیب خالی ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسلامی نظام میں اس اندھے کاروبار کی گنجائش نہیں، اسلام میں مال کے قبضے سے پہلے اسے بیچنا ناجائز ہے، لہٰذا اسلامی نظام قائم ہوتو سٹہ کا یہ سارا کاروبار ممنوع ہوجائے گا، جس سے اشیائے صرف لازمی طور پر سستی ہوں گی اور منافع کی وہ زائد مقدار جو اس اندھے کاروبار کی وجہ سے چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کھیلتی ہے، اس سے غریب عوام مستفید ہوسکیں گے۔

ہمارے موجودہ نظام معیشت میں ارتکاز دولت کا تیسرا سبب ''قمار'' ہے، انشورنس کا پورا نظام اسی قمار پر قائم ہے اس کے علاوہ گھوڑوں کی ریس معمہ بازیاں، انواع واقسام کی لاٹریاں، کھیل تماشوں کے سیزن ٹکٹ، یہ سب قمار کی وہ ہلاکت آفریں اقسام ہیں، جن کی زد سب سے زیادہ غریب عوام پر پڑتی ہے، اور ان کے ذریعہ غریب عوام کی کمائی کا ایک روپیہ جمع ہوکر کسی ایک کی جیب میں چلا جاتا ہے اور باقی سب لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں، اسلامی حکومت میں قمار کی یہ تمام صورتیں ممنوع ہوں گی اور عوام کو بے وقوف بنانے کے یہ دروازے بند ہوجائیں گے۔

انشورنس کے موجودہ نظام میں انشورنس کمپنیوں کے جمع شدہ سرمائے سے سب سے زیادہ فائدہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے جو آئے دن مختلف حادثات کے بہانے رقمیں وصول کرتے رہتے ہیں، غریبوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی نوبت بہت کم آتی ہے، گویا اس طریقے سے بڑے بڑے سرمایہ دار اپنے جانی ومالی نقصانات کی ذمہ داری بھی ان غریب عوام پر ڈال دیتے ہیں، جن کا نہ کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے اس طریقے کو بدل کر اسلامی حکومت ''امداد باہمی'' کی ایسی اسکیم قائم کرے گی جو سود اور قمار سے خالی ہو اور جن سے غریب عوام زیادہ بہتر طریقے سے مستفید ہوسکیں گے۔

نقصانات کے بارے میں اسلامی قانون کو تمام وکمال نافذ کیا جائے اور بیوی بچوں کے علاوہ جن خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت اسلام نے خاندان کے کشادہ دست افراد پر ڈالی ہے، اس کو قانونی شکل دے کر یتیموں، بیواؤں، بیماروں اور اپاہجوں کے معاش کا بندوبست کیا جائے۔

''رشوت'' ایک ایسا جرم ہے جو شاید کسی بھی نظام حیات میں جائز نہ ہو، ہمارا قانون بھی اسے ناجائز قرار دیتا ہے؛ لیکن ملک کی جیتی جاگتی زندگی میں آکر دیکھئے تو وہی رشوت جسے قانون میں بدترین جرم کہا گیا ہے، نہایت آزادی کے ساتھ لی اور دی جارہی ہے۔ ایک معمولی کانسٹیبل سے لے کر اونچے درجے کے افسران تک خوشی سے وصول کر لیتے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس کی جیب گرم ہو وہ سینکڑوں جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دندناتا پھرتا ہے، اور جس کی جیب خالی ہو وہ سو فیصد معصوم اور برحق ہونے کے باوجود انصاف کو ترس ترس کر جان دے دیتا ہے، اس صورت حال کو مضبوط اور ایماندار انتظامیہ ہی ختم کر سکتی ہے، اگر اونچے درجے کے رشوت خور افسروں کو چند بار علی الاعلان عبرتناک سزائیں دی جائیں اور آئندہ رشوت کے لئے کچھ اور سخت سزائیں مقرر کر دی جائیں تو رفتہ رفتہ یہ لعنت مٹ سکتی ہے۔

معاش کے سلسلے میں عوام کی پریشانیوں کا تیسرا اہم سبب وہ مغربی معاشرت ہے، اسلام ہمیں سادہ طرز زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے، اگر اسلامی نظام قائم ہو تو ہمیں اپنی معاشرت میں مندرجہ ذیل اصلاحات کرنی ہوں گی:

رہن سہن کے پرتکلف، عیش پرستانہ اور مہنگے طریقے یکسر چھوڑ دینے ہوں گے، جو ہم نے مغرب سے درآمد کئے ہیں، اور جن کی وجہ سے عوام اقتصادی بدحالی کا شکار ہیں، اس وقت ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم اپنے لباس، اپنی وضع قطع، اپنے طرز رہائش، اپنی تقریبات غرض معاشرت کے ہر شعبے میں مغرب کی اندھی تقلید کر رہے ہیں، چنانچہ اس معاملہ میں ہر شخص دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے، اور اس غرض کے لئے جب محدود آمدنی کافی نہیں ہوتی تو رشوت، چور بازاری، اسمگلنگ اور دوسرے ناجائز طریقوں سے کام لیتا ہے۔

شادی بیاہ اور تقریبات وغیرہ پر اخراجات کی ایک مناسب حد مقرر کر دی جائے جس سے زائد خرچ کرنا قانوناً جرم ہو۔

ملازموں، مزدوروں اور کسانوں کا سماجی رتبہ (Socialstatus) بلند کرنے کی شدید

ضرورت ہے، اسلامی تعلیمات کی رو سے مزدور اور آجر ایک ہی برادری کے دو فرد ہیں جو اپنے سماجی مرتبے کے لحاظ سے بالکل برابر ہیں۔

آخر ہمیں ایک بنیادی نکتے کی طرف توجہ دلانی ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ظلم و استحصال درحقیقت اس بیمار ذہن کی پیداوار ہوتا ہے جو خدا کے خوف، آخرت کی فکر اور انسانی اخلاق سے بے نیاز ہو، لہٰذا ہماری معیشت میں جو بدعنوانیاں پائی جاتی ہیں ان کا اصل سبب خود غرضی، سنگدلی، کنجوسی اور مفاد پرستی کی وہ انسانیت سوز صفات ہیں جو ہماری زندگی کے ہر شعبے پر چھا چکی ہیں، اگر اسلام کا نظام حیات قائم ہو تو چونکہ اس کی بنیاد ہی خدا کے خوف اور آخرت کی فکر پر ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ قانون کے ساتھ ساتھ قلب اور ذہن کی اصلاح کی طرف پوری توجہ کی جائے، تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت کے تمام وسائل کو کام میں لاکر ان اسلامی تعلیمات کو ایک تحریک کی شکل میں پھیلایا جائے، جو دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کریں، جن کے ذریعہ باہمی اخوت اور ایثار و ہمدردی کے جذبات پروان چڑھیں اور جن سے ایسے ذہن تیار ہوسکیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح کو دنیا کی ہر مادی منفعت پر فوقیت دیتے ہیں۔

اسلام کا یہ کہنا ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز خواہ زمین ہو خواہ کارخانہ یا روپیہ پیسہ، سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

ہاں! وہ اپنی ملکیت کی چیزیں نفع اٹھانے کے لئے اپنے بندوں کو دیتا ہے، اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ (اعراف:۱۲۸) بلاشبہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، ان ہدایات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے انفرادی طور پر ملکیت عطا کی ہے، نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (زخرف:۳۲) لیکن یہ خودمختار، خودغرض اور بے لگام نہیں ہے، اس کو جائز نفع کے لئے تو استعمال کر سکتا ہے؛ لیکن اس کے ذریعہ دوسروں کے

حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا۔آمدنی کے ناجائز ذرائع کے دروازہ کو بالکل بند کردیا۔یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (بقرہ:۱۸۸)اے ایمان والو!تم ایک دوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے مت کھاؤ،آمدنی کے ناجائز ذریعوں پر پابندی لگانے کے علاوہ مالداروں سے غریبوں کو دولت پہنچانے کے لئے اسلام نے مالدار پر زکوٰۃ جیسی بہت سی چیزیں واجب کی ہیں۔جو اس کا احسان نہیں بلکہ اس کے مال پر واجب ہونے والا حق ہے،زکوٰۃ کے علاوہ عشر،خراج،صدقۂ فطر،قربانی،کفارہ،نفقات،وصیت اور وراثت کے ذریعہ دولت کے تالاب سے چاروں طرف نہریں نکلتی ہے اور پورے سماج کی کھیتی سرسبز وشاداب ہوتی ہے، قانونی پابندیوں کے ساتھ اسلام مجموعی حیثیت سے سنگ دلی،کنجوسی،بے رحمی اور خودغرضی کے بجائے ہمدردی،فراخ دلی،سخاوت اور سب سے بڑھ کر خوف خداوندی اور فکر آخرت کی تعلیم دیتا ہے،انسان کو ہر مرحلہ پر یہ تعلیم دی کہ یہ دنیا چند دنوں کی بہار ہے،عیش وعشرت روپیہ پیسے کے ڈھیر کا نام نہیں بلکہ روح کے سکون اور اطمینان کا نام ہے۔

سودی نظام اور اسلامی مضاربہ:

اس وقت دنیا میں جو پریشانی ہے اس کا بنیادی سبب یہی سودی نظام ہے،اس لیے کہ بینکوں میں سودی نظام چلتا ہے،اس کے مقابلہ میں اسلام میں بہت سادہ(Naturaly)اور فطری طریقہ بتلایا،جس کو اسلامی اصطلاح اور(Economy)میں مضاربہ کہا جاتا ہے، مضاربہ یہ ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور ایک شخص کی محنت ہو،یہ وہ اسلامی نظام تھا جو صحابہ کرام نے کاروبار میں اپنایا،چودہ سو سال کے بعد آج بھی ملیشیا انڈونیشیا میں کچھ اسلامی بینکیں ہیں اور وہ یہی مضاربہ اور مشارکہ نظام چلا رہے ہیں،سو فیصد اسلامی قانون پر عمل نہیں ہو رہا ہے،لیکن ڈھانچہ اور اسٹرکچر اسلامی ہے؛اس میں کچھ اور دوسری چیزیں ناجائز طریقہ پر ہو رہی ہیں،اگر مشارکہ-مضاربہ کے طریقے پر کاروبار کیا جائے،بڑی بڑی کمپنیاں بھی،شیرز مارکیٹ بھی یہی کر رہی ہے،اسلام نے اسی طریقے سے بتلایا کہ چاہے کاروبار شیئرز کمپنی کا ہو،لیکن شیئر کمپنی جو

کاروبار کر رہی ہے، اس میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں، کون سا کاروبار کر رہی ہے؟ حرام یا حلال؟ اس کا پتہ نہیں ہوتا، عمومی طور پر خطرہ یہی رہتا ہے کہ حرام کاروبار ہو رہا ہے، لیکن پھر بھی اس کے بعد جو مجھے بتلانا ہے کہ اسلام نے مضاربہ اسکیم شروع کی، ایک آدمی کما رہا ہے، ایک کا پیسہ ہے اور ایک کی محنت ہے اور دونوں نفع کے اندر شریک ہے، جتنے حصہ نفع ہو، چاہے (۲۵) اور (۷۵) کا حساب لگایا جائے، چاہے (۶۰) اور (۴۰) کا حساب لگایا جائے، چاہے (۵۰-۵۰) کا حساب لگایا جائے، شریعت اسلامیہ روکتی نہیں ہے، آپس کی رضامندی سے جو بھی طے کریں گے، یہ دونوں کی محنت ہوگی، دونوں نفع میں بھی شریک ہوں گے اور دونوں نقصان میں بھی شریک ہوں گے، اسلام نے یہ اصول رکھا ہے۔

اس لئے آج آپ دیکھ رہے ہیں، آپ بینک سے باہر نکلے اور آپ کا روپیہ چوری ہوگیا، بینکوں کو کوئی لینا دینا نہیں ہے، کہ آپ کا روپیہ کس نے چورا؟ کہاں گیا؟ بینک نے تو جو آپ کو سود پر دیا ہے، یہ روپیہ بینک آپ کے پاس سے وصول کرے گی، چاہے آپ کا روپیہ چلا گیا یا کچھ بھی ہوگیا ہو، دوسری طرف اسلامی نظام میں مشارکہ-مضاربہ ہوگا تو اگر کسی سے اتفاقی طور پر اس کی زیادتی کے بغیر نقصان ہوگیا، تو اس مال کا ضمان اور تاوان اس ایک کے ذمہ میں نہیں آئے گا، بلکہ اولاً نفع سے اور پھر اصل سرمایہ سے تلافی کی جائے گی، اس طرح کے بہت سارے اصول اور ضابطے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ (قصص:۷۷) اس مال کے ذریعہ آخرت کے گھر کو چاہے، دوسری جگہ فرمایا: وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (قصص: ۷۷) یہ عجیب جملہ ہے، دنیا سے اپنے حصے کو بھول مت جاؤ، اسلام نے یہ فرمایا کہ آخرت کی زندگی کو اس دنیا سے چاہو تو یہ خیال میں ہو کہ سارا مال اللہ کی راہ میں نکالوں اور کچھ نہ رکھوں، یہ سنیاسی پنا (رہبانیت) اسلام میں نہیں ہے، اسلام یہ فرماتا ہے، **طلب الحلال فريضة بعد الفريضة.** (الترغیب و الترهیب: ۳/۱۶) حلال کمانا فرض نماز کی طرح فرض ہے، لیکن نماز کی پابندی کرو اور

ساتھ میں حلال کمائی حاصل کرو۔ بعد الفرض فرمایا ہے، یعنی نماز تجارت پر مقدم ہے۔ روزہ رکھو، زکوۃ آپ پر واجب ہے تو اس کو ادا کرو، حج اگر آپ پر فرض ہوا ہے تو اس کو ادا کرو اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی حاصل کرو، یہ بھی فرض اور وہ بھی فرض؛ لیکن پہلا فرض نماز ہوگی، اس کے بعد والا فرض آپ کے لیے کاروبار ہے، اس لیے ایک مومن یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی یہ زندگی عارضی اور وقتی ہے، لیکن اللہ پاک نے اس عارضی اور وقتی زندگی میں بھی دنیا سے ہم کو بالکل سنیاس پن اختیار کرنے کا حکم نہیں فرمایا، یہ ارشاد فرمایا: وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا، دوسری ایک آیت میں عباد الرحمٰن یعنی اللہ کے بندوں کی جو صفات ذکر فرمائی، اس میں یہ فرمایا کہ اپنے مال کو پورا خرچ نہیں کر دیتے اور یہ بھی نہیں کہ مال میں سے بالکل خرچ نہ کرے، یہ دونوں صفات مومن کی نہیں ہے، یہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرے، غریبوں، بیواؤں، یتیموں، مسکینوں کا خیال رکھے گا، لیکن اپنے بچوں کو بھوکہ نہیں رکھے گا، ان کا بھی خیال رکھے گا، اس آیت میں اللہ پاک قارون سے کہہ رہے ہیں، وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔

تیسرے نمبر پر فرمایا: وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ (قصص:۷۷) اللہ پاک نے تجھے مال دار بنایا ہے، تو اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کر، کتنا شاندار جملہ ہے، یہاں بھی ہمیں یاد دلایا ہے کہ بڑے سے بڑا مالدار ہے، اس کو یہ کہا: وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ. اللہ نے احسان کیا ہے کہ تو مالدار ہے، تیری یہ اپنی ذاتی کمائی نہیں ہے، یہاں بھی ہر بڑے سے بڑے کو اللہ پاک نے اپنی طرف متوجہ فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے رشتہ دار کو مال دینے سے جو کہ آپ ان کو دیتے تھے، آپ کی صاحبزادی سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی، اس میں یہ مسلمان حضرت مسطح بھی شریک تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے دل میں نیت کر لی کہ میں ان کے اوپر خرچ کرتا رہا ہوں، اب نہیں کروں گا، اللہ پاک نے کتنے شاندار جملے میں ارشاد فرمایا: وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى

وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ (نور:۲۲) کہ جو نیک اور فضل والے مالدار صحابہ ہیں، وہ یہ قسم نہ کھائے کہ ہم اپنے رشتہ داروں کو نہیں دیں گے، حالانکہ بہت بڑا قصور رشتہ داروں نے کیا ہے، لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں: اَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ (نور:۲۲) تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ پاک تمہارے گناہوں کو معاف کرے، تم بندوں کے گناہوں کو معاف کرو گے، اللہ پاک تمہارے گناہوں کو معاف کریں گے، اس طریقہ سے اس آیت میں فرمایا: وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ (قصص:۷۷) کہ آپ حسن سلوک کیجئے، اللہ پاک نے آپ کے ساتھ احسان فرمایا اور وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ (قصص:۷۷) زمین میں فساد مت مچاؤ۔

دوستو اور بزرگو!

زمین کا فساد یہی ہے جو میں آپ کے سامنے کہہ چکا ہوں کہ اللہ کے بندوں کے پاس سے مختلف طریقوں سے مال لے لیا جائے، اسی میں سود کا نظام ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم میں تجارت کو حلال فرمایا، سود کو حرام فرمایا اور سود کے حرام کرنے کی کوئی وجہ قرآن نے ذکر نہیں فرمائی، شراب کو حرام فرمایا، وہاں اللہ پاک نے وجہ ذکر فرمائی إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ (مائدہ:۹۱) شیطان تمہارے درمیان آپس میں دشمنی ڈالتا ہے، فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ. جوئے سے، سٹے سے اور اسی طریقے سے شراب سے اللہ پاک نے منع فرمایا۔ دوسری چیزوں کے مقابلے میں سود ایسی چیز ہے کہ بظاہر سمجھ میں نہیں آرہی ہے، انسانی عقل سے باہر کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جملہ میں فرمادیا: أَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (بقرہ:۲۷۵) اللہ پاک نے کاروبار کو حلال فرمایا اور سود کو حرام فرمایا۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ (بقرہ:۲۷۹) جو سودی کاروبار کرے گا، وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کا چیلنج قبول کرلے۔ اتنی شدید وعید اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمائی، اس کی وجہ یہ ہے کہ سود بظاہر سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

دوستو بزرگو! لیکن اُس زمانہ میں سود کا رواج اتنا نہیں تھا، جتنا ہمارے زمانہ میں ہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالی نے ہمارے سامنے ۲۰۰۸ء میں جو پوری دنیا میں اکونومک مندی آچکی ہے اور پوری دنیا میں Morgej Crisis چلی، آج تک لوگ اس سے ابھر نہیں رہے ہیں، یہ جو ۲۰۱۸ء شروع ہوا ہے، اس کے پیچھے دنیا بھر کے بڑے بڑے ماہرین اقتصادیات نے غور کیا اور یہ بتلایا کہ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور یہ ہے سودی سسٹم۔

انگلینڈ کے سابق وزیر اعظم ایک بہت بڑے ماہر اقتصادیات ہے، ہمارے ہندوستان کے ماضی وزیر اعظم منموہن اور جو گورنر ریٹائر ہوئے ہیں رگونام راجن، ان سب کے مضامین ہیں، اسی طریقہ سے پہلے سبوراؤ تھے، ان سب نے یہ کہا کہ ان سب کے پیچھے صرف ایک ہی وجہ ہے Morgej Crisis امریکہ نے دنیا کے لوگوں کو بھوک لگائی، بینکوں نے کیا دیا؟ انسانوں کو یہ کہا کہ تمہارا دو لاکھ پاؤنڈ کا مکان ہے، تم اس کے اوپر دو لاکھ پاؤنڈ کا سود لے سکتے ہیں، مکان کے کاغذات بینک میں جمع کروادو اور دو لاکھ پاؤنڈ تمہارے لے جاؤ، چھ مہینے کے بعد بینک نے خط لکھا کہ تمہارے مکان کی قیمت دھائی لاکھ ہیں، اس کے اوپر مزید پچاس ہزار پاؤنڈ ہمارے پاس سے بینک سے لون لے سکتے ہیں، اس طرح لوگوں کو مقروض بنایا جارہا ہے، ہندوستان کے بینک بھی اسی طرح سے ہو چکے ہیں، اور اس بہانے مالداروں کو بڑی بڑی لون دے رہے ہیں، ہندوستان کی حکومت کا قصور نہیں، دنیا کے سسٹم کا قصور ہے کہ انسانی سسٹم ہے، خدائی سسٹم نے تو یہ فرمایا کہ اس طریقے کا کاروبار سودی نظام ہوتا ہے، خدائی نظام نے تو یہ بتلایا: كَيۡ لَا يَكُونَ دُولَةًۢ بَيۡنَ الۡأَغۡنِيَاۤءِ مِنكُمۡ (حشر:۷) اسی طرح اسلام میں مالداروں کے پاس سے مال وصول کرنے کے کیسے شاندار طریقے بتائے۔

زکوۃ مال پر فرض ہے، غریب کو یہ نہیں کہا کہ تو زکوۃ لینے جا، مال دار کو یہ کہا کہ تیرے مال میں سے ڈھائی فیصد حصہ نکال اور زکوۃ دیتے وقت یہ بھی نہ کہو کہ ہمارے لئے دعا کرے، یہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے، اس طرح کا جملہ بھی نہ بولے، انتہائی تقویٰ اور اخلاص کے ساتھ یہ چیز ادا

کریں، ہر طریقے سے اسلام نے مال و دولت کی گردش لگائی، روپیہ جمع نہ کرے، اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ مردوں کو سونا پہننے سے منع فرمایا ہے، عورتوں کے لیے جائز ہے، مردوں کے لیے جو سونا ناجائز ہے اس کے پیچھے شراح محدثین فرماتے ہیں کہ وجہ یہی ہے کہ سونا رکھنے کی چیز اور پہننے کی چیز نہیں، صرف عورتوں کے لیے زینت ہے، قرآن کریم نے ایک آیت میں فرمایا کہ اَوَمَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَةِ (زخرف:۱۸) عورتیں پیدائشی طور پر زیورات میں پلنے بڑھنے والی ہیں، اس لئے ان کے لئے تو جائز رکھا اور مردوں کو پہننے سے اور اسی طرح جمع کرنے سے منع فرمایا، اس کی وجہ میں فرما رہے ہیں کہ یہ رکھنے کی چیز نہیں ہے، یہ کاروبار میں لگانے کی چیز ہے، ورنہ چالیس سال میں سونا ختم ہو جائے گا، اسلام نے یہ نظام بتلایا ہے؛ اس لیے ہم میں سے ہر ایک سودی نظام سے اپنے آپ کو بچانے کی امکانی طور پر کوشش کرے، تو ہماری سماجی اور اکونومک زندگی میں برکت آئے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہی سنی باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔

(۱۷) حالات حاضرہ

قادیانیت کی ریشہ دوانیاں

(بمقام گارڈن مسجد بھروچ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اُدْعُ إِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ○ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِلصَّابِرِیْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِمَّا یَمْكُرُوْنَ ○ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ ○ (پ:۱۴، سورۃ النحل:۱۲۵-۱۲۸)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ○ (پ:۲۲، سورۃ الاحزاب:۴۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ والشَّاكِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

اللہ تبارک وتعالی نے رمضان المبارک کا مہینہ خیر و عافیت کے ساتھ پورا فرمایا اور رمضان سے جو عبرتیں اور سبق ملے ہیں، گیارہ مہینہ اسی پر عمل کرنا ہے، قرآن کریم کی تلاوت ہو، نمازوں کی

پابندی ہو، گناہوں سے بچنا ہو، تقوی طہارت والی زندگی اسی سے مقصود تھی، صرف یہ نہیں کہ یہ روزہ رمضان ہی کیلئے تقوی پیدا کرتا ہے بلکہ زندگی کے ہر مرحلے پر سال کے گیارہ مہینہ اللہ تعالی کی طرف سے اس روزے کے اثرات رہتے ہیں، اس لئے سب سے پہلے تو یہ بنیادی ضرورت ہے کہ رمضان کے سبق کو گیارہ مہینہ یادرکھیں، آپ کے سامنے کلام پاک کی جن آیات کی تلاوت کی، اللہ تعالی نے ہمیں اس میں چند چیزوں کا حکم فرمایا ہے اور اس وقت ہندوستان کے مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں، یہ آیت کریمہ ہمیں بہت زیادہ رہنمائی کرتی ہے، ہمارے لئے بالکل مشاہداتی معاملہ کے طور پر فرمائی ہے، سب سے پہلے یہ فرمایا: ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحل:۱۲۵) اللہ پاک نے امت کو امتِ دعوت بنا کر بھیجا ہے، یہ صرف اپنی ذات پر عمل نہیں کرے گی، بلکہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین کی دعوت دینے والی امت بنا کر اس کو بھیجا ہے، اس لیے مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے اور جب اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کمی اور کوتاہی کریں گے، اللہ تبارک وتعالی کا جو نظام ہے، یہ اپنے اعتبار سے اثر کرے گا، پھر ہماری جان پر کسی کو مسلط کردیں گے، کسی کو ہماری اولاد پر مسلط کردیں گے اور کسی کو ہمارے معاملات پر اور اکونومک (Economic) اور اقتصادیات پر مسلط کردیں گے، تو کوئی آکر ہمارے ایمان پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا، یہ سب بے برکتیاں ہیں، اللہ کے دین کی دعوت پر خود عمل نہ کرنے اور اللہ کے بندوں کو دعوت نہ دینے کی۔

دعوت دین میں ہماری زندگی ہے

اس آیت میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ. (نحل:۱۲۵) آپ اللہ کے دین کی طرف اللہ کے بندوں کو بلائیں، جب اللہ کے بندوں کو اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوگی اور دوسرے لوگ ان کو ورغلائیں گے، یقینی بات ہے کہ ان کے ورغلانے میں آکر یہ امت مسلمہ کے ساتھ بدسلوکی کرے گی، اس لئے کہ پہلی چیز تو اللہ تعالی نے ان آیات کے ذریعے یہ بتائی کہ اللہ کے دین کی دعوت میں ہماری

زندگی ہے، سکون چاہتے ہو تو اللہ کے بندوں کے پاس جا کر یعنی ان کو یہ محسوس ہو کہ یہ ہمارے خیر خواہ ہیں، یہ محسوس کرانا ضروری ہے، جب یہ محسوس نہیں ہوگا تو یہ ہمیں روئے زمین پر بوجھ سمجھیں گے اور سمجھانے والے ان کو غلط طریقوں سے سمجھائیں گے، تو یقیناً وہ حالات پیدا ہوں گے، جو ہم اپنی آنکھوں سے اس وقت دیکھ رہے ہیں۔

دو قسم کے حالات

دوستو اور بزرگو!

حالات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ ہماری جان پر ہمارے مال پر حملہ کیا جائے، آزادی کے بعد سے لے کر مسلسل بلکہ دنیا کی تمام قوموں کا یہ حال رہا ہے کہ فاتح قوم جب کسی قوم پر غالب آتی ہے تو اس کے بعد اس کا عمل یہی ہوتا ہے إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا (نحل: ۳۴) کہ وہاں فساد مچاتے ہیں، وَجَعَلُوْا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (نحل: ۳۴) وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے، حکومتیں آتی ہیں، اور اس طریقے کے معاملات اپنے سے پہلی والی حکومتوں کے ساتھ یا ان کے آدمیوں کے ساتھ یا جماعتوں یا قوموں یا مذہبی لوگوں کے ساتھ کرتی ہیں؛ یہ قرآن کریم میں اللہ پاک نے بلقیس کے ذریعے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر کر کے اشارہ فرمایا کہ بادشاہوں کا یہی حال رہا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی ہی جماعت ہوتی ہے کہ وہ فتح ہونے کے باوجود تواضع اور انکساری سے پیش آتی ہے۔

دینی اعتدال اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی تعلیم

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال کیا تھا کہ مکہ مکرمہ فتح ہو رہا ہے، فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں، لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ آپ کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ اونٹنی کی گردن سے لگ گیا، اپنے سر کو نیچا کر دیا، اس لئے کہ انبیاء کرام اس فتح کو کوئی اپنی فتح نہیں سمجھتے، اس کو اللہ کی رحمت سمجھتے ہیں، اس لئے دنیا کی قومیں ہمارے ساتھ بدسلوکی کرتی ہیں، تو ان آیات میں آگے اللہ

پاک نے ارشاد فرمایا کہ اسلام ایک معتدل دین ہے۔ یہ بھی نہیں فرمائے گا، جس طریقہ سے سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف لوگوں نے منسوب کر دیا کہ اگر تمہارے داہنے رخسار کے اوپر طمانچہ مارے تو تم اپنے بائیں رخسار کو بھی پیش کر دو، اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی، بلکہ اسلام نے فرمایا: وَإِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوقِبۡتُمۡ بِهِ (نحل:۱۲۶) کہ اگر دشمن کی طرف سے تمہیں اذیتیں اور تکلیف پہنچ رہی ہیں تو تم اتنا بدلہ لے سکتے ہو جتنا انہوں نے تمہیں ستایا ہے۔

فتح مکہ اور مسلمانوں کو نصیحت

یہ قرآن کریم کا صاف اعلان ہے؛ مکہ مکرمہ میں یہ آیت نازل ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے، اس لئے مسلمان بزدل نہیں ہوتا، مسلمان آپے سے باہر ہو کر اپنی عقل اور سمجھ کو گم کر کے کسی کے اوپر ظلم وزیادتی نہیں کرتا، جب مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام عمرہ کی نیت سے دوسرے سال پہنچے اور مکہ دو سال بعد فتح بھی ہوا، لیکن فرمایا: وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَآنُ قَوۡمٍ أَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ أَنۡ تَعۡتَدُوۡا (مائدہ:۲) تمہیں اس قوم کی بدمعاشی اور شرارت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کرو، تم عدل وانصاف سے کام کرو، فاتح ہو تب بھی عدل سے رہنا ہے، مفتوح ہو تب یا کسی کے ماتحت ہو اس وقت بھی تمہیں عقل اور سمجھ کے مطابق کسی کے اوپر زیادتی کئے بغیر عدل وانصاف سے رہنا ہے، اس لئے اس وقت کے حالات کے پیش نظر یہ آیت اس بات کا سبق دیتی ہے کہ بالکل بزدلانہ زندگی گزارنی بھی نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ وَإِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ (نحل:۱۲۶) آگے ارشاد فرمایا: وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ. اگر تم صبر کرو گے لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾ (نحل:۱۲۶) تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھی چیز ہے، اللہ پاک کا انعام واحسان اور مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، لیکن صبر کونسا؟ قرآن کریم نے آگے ارشاد فرمایا: وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ (نحل:۱۲۷)

صبر کرنے کا معیار

یہ سوچنے کی چیز ہے کہ اللہ تعالی اپنے پیارے حبیب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

صبر کا حکم دے رہے ہیں، لیکن یہ صبر ذاتی طور پر نہ ہو، کسی سیاسی مقصد کے ماتحت نہ ہو، بلکہ وَمَا صَبۡرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ. (نحل:۱۲۷) اللہ پاک نے حکم دیا کہ ہم بدلہ لے سکتے ہیں، لیکن اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہم بدلہ نہیں لے رہے ہیں اور کبھی ضرورت پڑے گی کہ اللہ کو راضی اس وقت کیا جائے گا، جب کہ آپ بدلہ لو، تو قرآن کریم میں بہت ساری آیات سورہ محمد میں ذکر فرمائی اور بتلایا، اس طریقے سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنا نہیں ہے، اسی طرح بدلہ لینا ہے، جس طرح ان آیات میں ذکر فرمایا۔

حالات سے نہ گھبرائیں، ہوش سے کام لیں

لیکن دوستو اور بزرگو!

جب اللہ تعالی کے لئے صبر ہوتا ہے تو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، آگے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِي ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُونَ (نحل:۱۲۷) وہ غمگین نہیں ہوتا، اللہ کے لئے صبر کرنے والا تنگی میں نہیں ہوتا ہے اور حالات سے گھبراتا نہیں جاتا ہے، حالات تو آتے ہیں اور آتے رہیں گے، اس سے پہلے بھی آپ سن چکے ہیں، جب صحابہ کرام کے مقابلہ میں غزوۂ خندق کے موقع پر ہر چہار سمت سے دشمن آئے تو اس وقت ان کی زبان سے یہی نکلا، هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ (احزاب:۲۲) اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان حالات سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، صبر کے ساتھ، سمجھداری کے ساتھ، عقلمندی کے ساتھ، شعور مندی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم جوش میں بہت آجاتے ہیں، جبکہ دنیا میں جن قوموں نے کام کیا ہے، جنہوں نے اپنی تاریخ بنائی ہے، مکہ مکرمہ کی ۱۳ سالہ زندگی کتنی سمجھداری اور عقلمندی کے ساتھ گزری، مدینہ منورہ کے چھ سال سات سال مکہ مکرمہ کے فتح ہونے سے پہلے (صلح حدیبیہ سے پہلے) ان سالوں میں کس طریقے سے مسلمانوں نے سمجھداری اور عقل مندی کے ساتھ کام کیا، دشمنوں سے مقابلہ بھی کیا، لیکن ایسی سمجھداری اور ایسی عقل مندی کہ ہر مورچے پر دشمن کے پلان کو فیل کر دیا۔

یہ کیسے ہوا؟ اس لئے اللہ پاک نے اس آیت میں ارشاد فرمایا: اللہ کے لئے جب صبر ہوگا تو سمجھداری سے کام لوگے، اس لئے ہماری قوم خاص طور پر ہمارے نوجوان کا جوش ایسا ہوتا ہے کہ جوش میں وہ ہوش کھودیتے ہیں اور بے وقوفی کا کوئی ہلکا سا ایسا کام ہوتا ہے کہ دشمن کو اس پر موقع ملتا ہے، وہ تو قصداً اور ارادۃً موقع کی تلاش کے لئے ایسی چیزیں کرتے ہیں، خاص طور پر اس وقت واٹس ایپ اور میڈیا میں غلط قسم کی خبر آتی ہے، ہمارے نوجوان اس کو سن کر فورا آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔

ترقی کے لئے محنت شرط ہے

دوستو بزرگو!

قومیں ایسے ترقی نہیں کر پاتی ہے، معمولی سی مثال آپ کو دوں؛ جاپان جو ایک زمانہ میں طاقتور حکومت اور ملک سمجھا جاتا تھا، جس نے چائنہ کے ایک علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا، میں یہ اسّی نوے سال پہلے کی بات کرر ہا ہوں، لیکن جب دوسری جنگ عظیم ہوئی، امریکہ نے ناگاساکی اور ہیروشیما دوشہروں پر بم ڈال کر برباد کردیئے، جاپان یہ سمجھ گیا کہ انگلینڈ اور فرانس کا مقابلہ ہم نہیں کرسکتے، امریکہ آچکا ہے اور اس کے پاس ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے، اس کے بعد سے جاپان نے سمجھداری سے کام لیا اور پچاس سال نہیں گزرے تھے کہ دنیا کے اقتصادیات (اکونومی) پر جاپان امریکہ کے مقابلے میں آگیا، امریکہ کی سڑکوں پر جاپان کی گاڑیاں گھومنے لگی، امریکہ کے بازار جاپان کی چیزوں سے بھر گئے، یہ حسی مثال آپ کو سمجھائی کہ قومیں کس طریقہ سے بن رہی ہیں، جب دنیا کے لئے اس طرح صبر کرنا پڑتا ہے تو آخرت کے لئے، اللہ کے دین کے لئے اس سے زیادہ سمجھداری سے کام لینا ہے، اس لئے تو ہماری جان پر، ہمارے مال پر یقیناً یہ بھی بہت بڑا حملہ ہے، کسی کا جوان بیٹا جارہا ہے اور موت کی آغوش میں وہ سوجاتا ہے، اس کو شہید کردیا جاتا ہے، کسی کی دکان، کسی کے مال کو برباد کردیا جاتا ہے، یہ تو ہم آزادی کے بعد سے سنتے آرہے ہیں۔

لیکن ایک قوم جس نے اسی سال سے مسلسل محنت کرکے اس ملک پر قبضہ کیا، خیر اس سے

بھی سبق لینا ہے، چاہے وہ دشمن ہے، لیکن سبق لینا ہے، اسی نوے سال سے مسلسل افراد تیار کر رہی ہے، اپنے لیڈر بناتی ہے اور اس ملک میں ایک ایسی ٹیم تیار کی جو حکومت میں آ گئی اور وہ آنے کے بعد گل کھلا رہی ہے، جو ان کے اپنے ایجنڈے ہیں، لیکن اسی نوے سال کی یہ محنت کیسے چلی؟ کس طریقے سے تسلسل سے چلی؟ ان کی جماعت میں پھوٹ پڑی؟ ہمارے یہاں دو مسلمان تنظیم کے لئے کھڑے ہوئے، چند دن بعد اس تنظیم میں ٹکڑے ہو جاتے ہیں، جماعتیں بکھر جاتی ہیں، یہ کس طریقے سے اتنی لمبی مدت تک بالکل سادگی کے ساتھ زندگی گزارنے والے ان کی پوری تاریخ آپ پڑھیں، جماعت کس طریقے سے وجود میں آئی، اور کیسے ترقی کر کے اس مرحلے پر پہنچیں؟ عقلمند وہ ہے جو ہر ایک سے عبرت اور نصیحت کی چیزیں حاصل کریں۔

سمجھداری مومن کی گمشدہ چیز

حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث وجدھا فھو احق بھا**. (ترمذی: ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ) کہ حکمت اور سمجھداری کی چیز مومن کی گمشدہ چیز ہے، آپ کی کوئی چیز گم ہو گئی، آپ کی سائیکل گم ہو گئی ہے، اسکوٹر گم ہو گیا ہے، ایک جگہ آپ نے پڑا ہوا دیکھا، آپ نے اپنا حق سمجھ کر اس کو اٹھا لیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حکمت اور سمجھداری یہ مومن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں سے بھی پائی جائے، جہاں بھی دیکھے گا، وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہوگا، اس لئے دوستوں سے بھی لی جائے، دشمنوں سے بھی لی جائے، وہ کس طریقے سے ترقی کرتے ہیں، ان چیزوں کو سمجھا جائے۔

دشمن کا ہدف ایمان پر حملہ کرنا

اور ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سب سے بڑی جو قوت ہے، وہ ایمان کی قوت ہے، مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اب تک پہلے دور میں بھی کانگریس گورنمنٹ نے بھی جان مال پر حملہ کیا، لیکن یہ جو قوت آئی ہے کہ وہ ایمان پر حملہ کرنے کا پروگرام بناتی ہے، مسلمانوں کے

درمیان آپس میں کس طریقے سے پھوٹ پیدا ہو، مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کو مفلس کرے، بین الاقوامی انٹرنیشنل طور پر بھی ہو رہا ہے اور گزشتہ ہفتہ کی خبر آپ پڑھ کر آئے ہیں کہ ہمارے وزیر اعظم اسرائیل کے دورے پر گئے، وہاں فلسطینیوں کے کئی عالموں سے ملاقات ہوئی، اسرائیل کے لوگوں سے ملاقات کی اور ملاقات کے لئے مسلمانوں کے چندلوگوں کو جو منتخب کیا گیا، اس میں بہائی فرقہ بھی ہے اور دوسرا سب سے بڑا قادیانی جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف بغاوت کرنے والے ان سے کس طرح دونوں ملتے ہیں، اس کے سامنے ایک پیشکش بھی کرر ہا ہے کہ ہندوستان میں ہمارے ساتھ کچھ سلوک کرنا ہے یعنی قادیانیت آپ کے زیر سایہ اس ملک میں پروان چڑھے۔

دشمن کی شرارت

اب میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اصل چیز قادیانی ہے کیا؟ ہمارے نوجوان بیچارے یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے مسلمانوں میں آپس میں بہت سارے فرقے ہیں، بہت ساری جماعتیں ہیں، یہ بھی کوئی مسلمانوں کی جماعت ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ ان کی شرارت اور بدمعاشی یہ ہے کہ نام مسلمانوں کا ہوتا ہے، نماز، روزہ، زکوۃ کے الفاظ بولتے ہیں، ہمارا نوجوان ان کی باتوں کو سن کر یہ سمجھتا ہے کہ یہ اسلام کے ہمدرد ہیں، اس کے بعد آہستہ آہستہ اپنے قریب کرتے ہیں، اگر اس نوجوان کو مال کی ضرورت ہے تو مال عطا کریں گے، اگر اس کو لڑکی کی ضرورت ہے تو لڑکی کا بھی انتظام کریں گے اور اس کے لئے ملازمت وغیرہ کا بھی انتظام کریں گے، یہ ساری چیزیں ان کے ایجنڈے میں شامل ہیں، یہ اس سے پہلے انگریز کر چکے ہیں۔

باطل کا سماجی ضرورتوں کا سہارا لینا

صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں اس وقت بھی عیسائی دنیا کر چکی تھی، صحابہ کرام کے سامنے بھی ایرانیوں اور رومیوں کی طرف سے عورتیں لا کر کھڑی کی تھیں، لیکن ان حضرات نے ان پر نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا کہ دشمن کا سب سے بڑا ہتھیار اور انسان کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والا ہتھیار

یہ عورت ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ارشاد فرمایا: **النساء حبائل الشیطان۔** (مسند الفردوس: رقم: ۳۶۶۵، تخریج الاحیاء للعراقی: ۳/ ۱۲۳) عورتیں شیطان کے ہتھکنڈے ہیں، شیطان کی رسیاں ہیں، ان ساری چیزوں سے مسلمانوں کے اندر گھستے ہیں، ایجوکیشن کے نام پر؛ کتاب نہیں ہے تو کتاب عطا کریں گے، نوٹ بکس نہیں ہے تو وہ مسلمانوں کو دیں گے اور کسی جگہ مسلمانوں کو پانی کی ضرورت ہے تو پانی کا انتظام کر دیا، عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کریں گے، سماج کو جس چیز کی ضرورت ہے، ضرورت کا مکمل مطالعہ کر کے اس علاقے میں کام کرنا شروع کر دیں گے اور آہستہ آہستہ کچھ لوگ اپنے قریب کر لیں گے۔

قادیانیوں کا بنیادی عقیدہ

دوستو بزرگو!

سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو نبی مانتے ہیں اور ہم آپ کو آخری نبی مانتے ہیں، حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت عیسی علیہ السلام کو بھی نبی مانتے ہیں، لیکن فرمانبرداری اور اطاعت جناب نبی اکرم ﷺ کی کی جائے گی، اب جب قادیانی کا صاف اعلان ہے، میں جو کہہ رہا ہوں قادیانیوں کی کتاب کے حوالے سے کہہ رہا ہوں، کوئی بات اپنی طرف سے نہیں نقل کروں گا، جو انہوں نے کہی ہے، ان کی کتابوں کا مجموعہ ہے، ''روحانی خزائن''؛ چالیس کے قریب جلدوں میں ان کی یہ ساری کتابیں ہیں اور اس کے اندر انہوں نے سب سے پہلے بنیادی چیز یہ لکھی کہ جناب نبی اکرم ﷺ پر کوئی شخص محض ایمان لائے اور آپ کو نبی مانے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ مانے، تو مسلمان نہیں ہے، اس فرقہ کو انگریزوں نے تیار کیا ہوا ہے، جب کہ اللہ تبارک وتعالی کا اعلان ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ (احزاب: ۴۰) اللہ پاک صاف فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا، کہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، قادیانی یہ کہہ رہے ہیں کہ غلام احمد قادیانی کو اگر نبی نہیں مانا تو مسلمان نہیں؛ یہ کس

طریقہ سے ہوسکتا ہے؟ میں آپ کو ان کی شرارت بتاؤں، آج تک کسی قادیانی نے کسی ہندو کو قادیانی نہیں بنایا، کسی عیسائی کو قادیانی نہیں بنایا، کسی یہودی کو نہیں بنایا، جو کچھ محنتیں ہو رہی ہیں، صرف مسلمانوں ہی میں ہو رہی ہیں، آپ کو اگر کسی کو ایمان میں داخل کرنا ہے، دوسری قوموں کے اندر جا کر ان کو اپنی طرف لائیں لیکن یہ نہیں ہوگا۔

قادیانی اور انگریز

اس لئے کہ انگریز نے بڑی سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت جب آزادی کی جنگ لڑی جارہی تھی، علمائے کرام اس جنگ میں سب سے آگے تھے، برطانیہ کی حکومت نے ایک وائسرائے کو بھیجا اور یہ کہا کہ دیکھو، اس ملک کی آزادی میں یعنی یہ لوگ جو ہمارے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، یہ کون ہیں؟ اور کیوں کر رہے ہیں؟ اور ان کے ساتھ کون ہیں؟ ایک پوری ٹیم ۱۸۹۶ء میں انگریز نے انگلینڈ سے بھیجی، اور یہاں تحقیق کرنے کے بعد کہا: آزادی کی جنگ میں ان کے علماء سب سے آگے ہیں اور عوام سب کے سب اپنے علماء سے جڑے ہوئے ہیں، انگریز نے بہت کچھ سوچ کر کہا: مسلمانوں میں اللہ کے نبی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے بہت محبت ہے، تو ایسے شخص کو کھڑا کیا جائے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کا ہو یا اپنے آپ کو اللہ کے رسول کا سایہ کہہ رہا ہو۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس سب سے پہلے اسلام اور ایمان کی بہت اچھی باتیں لکھوائیں، لوگوں میں بڑا مشہور کیا گیا کہ بڑا نیک اچھا مسلمان ہے، اب آگے تھوڑی مدت کے بعد اس نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، پھر کہا کہ میں اللہ کے رسول کا سایہ ہوں، پھر آگے بڑھ کر کچھ اور کہا، مہدی ہونے کا دعوی کیا، پھر اس کے بعد ایک دن اللہ کے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، اس ترتیب سے انہوں نے یہ سب کچھ دعوے کئے، کسی قادیانی سے آپ کہتے ہیں کہ ہم آپ کی بات سننا ہی نہیں چاہتے ہیں، اس لئے کہ آپ کو مسلمان ہی نہیں مانتے، وہ کہے گا کہ نہیں، مرزا صاحب کو ہم نبی نہیں مانتے ہیں اور جو باتیں مرزا کی شروع کی لکھی ہوئی ہے، وہ آپ کے سامنے

پیش کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو اپنے آپ کو پکا مسلمان کہہ رہے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی کہہ رہے ہیں، یہ بات اس نے پہلے کہی، جس سال اس کا انتقال ہوا، اس سے تین دن پہلے ۱۹۰۶ء میں اس نے خط لکھا اور اس میں لکھا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، جو مجھے نبی نہیں مانے گا وہ میری قادیانی اور احمدی جماعت میں نہیں ہے، احمدی اسی لئے ہمارے ملک کے وزیر اعظم سے ملا تھا، اس نے وہاں ایک جملہ کہا تھا، احمد یہ انگلش میں بات کرر ہا تھا، اس نے جملہ کہا احمد یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ہم احمدی بھی ہیں اور محمدی بھی ہیں، یہ اس طرح کے دعوے کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

نبی کے بدلنے سے امت بدل جاتی ہے

تو پہلا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ نبی کے بدلنے سے مذہب بدل جاتا ہے، یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، ہم جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، نبی کے بدلنے سے امت بدل جاتی ہے، تو جب قادیانی بھی اس قادیانی کو نبی مان رہے ہیں تو یہ امت محمدیہ میں نہیں ہیں۔

جھوٹے نبوت کے دعویداروں کے بارے میں پیشن گوئی

دوسری بات قرآن کریم کی ۲۰۰ کے قریب مختلف آیات اور احادیث مبارکہ ہے، اور احادیث مبارکہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صاف ارشاد فرمایا: وانه سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. (ابوداود: أول كتاب الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها) سنو! میرے بعد کئی لوگ آئیں گے، حدیث شریف میں ۳۰ لوگوں کی تعداد بتائی ہے، جھوٹا دعویٰ کرنے والے آئیں گے اور دجال کا لفظ حضور نے فرمایا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضور کے زمانہ میں دو آدمیوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے، صحابہ کرام نے ان کے خلاف جنگ کی اور کسی کو بھی بلا کر یہ نہیں کہا کہ تم اپنی نبوت کا دعوی کرتے ہو، تو اس کی دلیل کیا ہے؟ اس سے دلیل

مانگنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، تو اب دلیل کس سے مانگی جائے، جھوٹے سے دلیل مانگنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صاف فرمایا: **كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ.** یہ سب دعوی کریں گے کہ ہم نبی ہیں، لیکن آپ نے فرمایا، یہ بخاری شریف کی صاف روایت ہے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، میں آخری نبی ہوں، ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی.** (ترمذی: ابواب الرؤیا، باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات) کہ نبوت اور رسالت اللہ پاک کی طرف سے مکمل ہو چکی ہے، اب میرے بعد کوئی نبی اور رسول آنے والے نہیں ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نیچے تشریف لائیں گے، اللہ پاک نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے، لیکن یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن کر آئیں گے۔

قادیانی کی ایک اور ناکام کوشش

مسیح کا لفظ جو آپ کے لئے استعمال ہوا ہے، قادیانی نے یہ کوشش کی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کسی طرح اپنے آپ کو حضرت عیسی علیہ السلام بتائے، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر میں ایک جگہ پر ہے، یہ بھی دعوے کئے گئے، حالانکہ **نعوذ بالله من ذلك.** حضرت عیسی علیہ السلام کا تشریف لانا قیامت سے پہلے قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور قرآن کریم میں پچیسویں پارہ میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: **وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ** (زخرف: ۶۱) اس لئے بنیادی طور پر ان کا اور ہمارا جو اختلاف ہے، وہ ایسا ہی ہے جیسا یہود و نصاریٰ اور ہمارا اختلاف۔

قادیانی کی غلیظ باتیں

قادیانی نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم کی وہی تفسیر معتبر جو میں کروں، صحابہ کرام نے جو تفسیر فرمائی، یا تابعین نے فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یہ معتبر نہیں، اور نعوذ باللہ قرآن کریم

میں اس کی تفسیر معتبر ہے، یہ قادیانی نے کہا، آگے اور کہہ رہا ہے کہ اللہ کے رسول کی احادیث کوئی بھی میری تعلیم کے خلاف ہوگی تو وہ حدیث نعوذ باللہ ردّی کی ٹوکری میں ڈال دی جائے گی، یہ اس کا جملہ ہے، جب ایک شخص نہ نبی کو مان رہا ہے اور نہ آپ کے قرآن کو مانتا ہے، نہ وحی الٰہی کو مانتا ہے، آگے جا کر جیسے ہمارے یہاں مکہ مکرمہ اللہ کا مقدس اور مقرب گھر ہے، اس کی قدر اور اس کا قصد کیا جائے، اس نے قادیان جو پنجاب کا ایک شہر ہے، اس کے متعلق یہ کہا کہ مکہ مکرمہ کی طرح اس کا طواف بھی فرض ہے، نعوذ باللہ آگے یہ لکھتا ہے کہ قادیان میں ایک قبرستان ہے اور اس کا نام ''جنتی قبرستان'' ہے، دنیا بھر کے جو مالدار قادیانی ہے، لمبا چوڑا روپیہ دے کر اپنی قبر کے لئے جگہ خریدتے ہیں، اس طریقے کی ساری باتیں انہوں نے اسلام اور دین کے خلاف فرمائی، جو عقیدے مسلمانوں کے ہیں، ان تمام عقیدوں کو رد کر کے اپنے لئے ایک مستقل نیا دین اور عقیدہ گھڑ لیا ہے۔

علامہ اقبال قادیانی کی گرفت سے بچ گئے

دوستو بزرگو!

اس لئے اب جو محنت ہو رہی ہے، جو خطرے ہمیں محسوس ہو رہے ہیں کہ اب ہندوستان میں بھی بڑی سازش کر کے ہمارے عقائد پر حملہ کریں گے، علامہ اقبال ؒ شروع میں قادیانی کی کچھ باتیں سن کر اس طرف آ چکے تھے، لیکن جب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی آپ سے ملاقات ہوئی اور آپ نے اس کی حقیقت سمجھائی، تو پھر علامہ اقبال اس کے سب سے بڑے مخالف ہو گئے، یہاں تک کہ پنڈت جواہر لال نہرو اور علامہ اقبال کے درمیان سوال- جواب ہوئے، قادیانی کے رد میں علامہ اقبال نے قرآن وحدیث اور عقلی دلیلیں دیں، پنڈت جواہر لال نہرو خاموش ہو گئے، دونوں کے مناظرے کی کتاب انگلش میں چھپ چکی ہے، اور انٹرنیٹ پر بھی آ چکی ہے۔

قادیانیت کو سمجھیں اور ایمان بچائیں

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نبوت محمدی کے خلاف بغاوت ہے، آج پھر ہندوستان میں دوبارہ حکومت کی سرپرستی میں یہ کام ہونے کی تیاریاں ہو

رہی ہیں، اس ملاقات میں وہ ایک دوسرے سے بات کررہے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہرمسلمان قادیانی کیا ہے؟ اس کو سمجھیں، اس نے امت کی کیا کوئی خدمت کی ہے؟ ذرہ برابر بھی نہیں، بلکہ آپ کو تعجب ہوگا کہ جب اسرائیل کا وجود ہوا، فلسطین کو توڑا گیا، اس وقت انہوں نے اسرائیل کی مدد کی تھی، میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ گجراتی زبان میں لکھا تھا ''قادیانی مذہب کی حقیقت'' اس میں آخری صفحے پر اسرائیل مشن کا تذکرہ کیا ہے اور وہاں ہمارے وزیر صاحب گئے بھی تھے اور وہاں شہیدوں کی عمارت بھی ہے۔

سیاسی کھیل بازی کے ساتھ ڈرامہ

یہ شہید کس کو کہا جاتا ہے؟ انگریز کی تائید کرتے ہوئے ہندوستان کے کچھ لوگ مر گئے، ان کو شہید کہا جاتا ہے، وہاں جاکر انگریز کی تائید میں وہ لڑے اور مر گئے، ان کو ہندوستانی شہید کہا جاتا ہے، شہادت اتنی آسان چیز ہے، یہاں تو ہندوستان کے ہمارے ہندو مسلمان بھائی شانہ بشانہ ان کے خلاف لڑ رہے تھے، اور انگریز وہاں کسی کو اپنی تائید میں لے جارہے ہیں، اپنی فوج میں بھرتی کررہا ہے، وہاں وہ مر رہا ہے، نعوذ باللہ خیر گفتگو یہ ہے کہ بڑی سیاسی کھیل بازی کے ساتھ ڈرامہ کیا جارہا ہے۔

بنیادی عقائد کو جان لو

اگر ہمارے نوجوان قرآن وحدیث کے چند بنیادی عقیدے نہیں جانیں گے تو یقیناً ان کی گمراہی میں شریک ہوسکتے ہیں، وہ پہلے ہی دن سے اپنے آپ کو قادیانی نہیں کہیں گے، آہستہ آہستہ چلے جائیں گے۔

دوستو اور بزرگو! جان اور مال کو تو ہم قربان کررہے ہیں، لیکن اگر ایمان گیا تو اس کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ کہی سنی باتوں پر ہم سب کو اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(١٨) اسلام کا نظام عدل وانصاف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (پ:١٤، سورۃ النحل :٩٠)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَه لَمْ يُفْلِتْهُ، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ. (بخاری شریف: کتاب التفسیر، سورہ: ھود)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور میرے ایمان والے بھائیو!

رمضان سے پہلے اسلامی اخلاق کے سلسلے میں گفتگو چل رہی تھی، آج کی اس مجلس میں بھی اسلامی اخلاق میں سے ایک بڑا اور بہت اہتمام والا اللہ تعالی کو جو پسندیدہ عمل ہے، وہ عدل و انصاف ہے، آپ کے سامنے کلام پاک کی جس آیت کی تلاوت کی، اس میں اللہ پاک نے تین چیزوں کا حکم فرمایا اور تین چیزوں سے منع فرمایا۔

قبیلۂ بنوتمیم کا واقعہ

یہ ایک آیت ہے کہ حضرت اکثم بن صیفی جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، تو اکثم خود آپ کی خدمت میں آنا چاہتے تھے، لیکن قبیلہ کے لوگوں نے کہا: آپ قبیلہ کے سردار ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ پہلے کچھ لوگوں کو بھیجا جائے اور یہ نبی جن اخلاق اور اعمال کی تعلیم دیتے ہیں، اس کی طرف توجہ دی جائے اور ان سے کچھ گفتگو کی جائے۔

چنانچہ بنوتمیم کے سردار نے اپنے چند آدمیوں کو آپ کے پاس بھیجا، انہوں نے پوچھا: آپ کون ہو؟ اور آپ کیا ہو یعنی آپ کا خاندانی حسب ونسب کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اور میں کیا ہوں؟ اللہ تعالی کا رسول ہوں، اللہ پاک نے مجھے رسالت لے کر بھیجا ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کو قبیلۂ بنوتمیم کے سامنے پیش کی۔ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نحل:۹۰) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے کہا: دوبارہ دہرائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو دوبارہ دہرائی، اور وہ تو عرب تھے، انہوں نے اس آیت کو یاد کرلیا، اس کے بعد اپنے قبیلہ کے سردار کے پاس جا کر کہا کہ یہ نبی بہترین اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور صرف تعلیم نہیں دیتے، بلکہ عملی طور پر ہم نے ان کو اخلاق کا پیکر پایا، اس کے بعد اللہ تبارک و تعالی نے اس قبیلہ کے سارے لوگوں کو ایمان کی توفیق سے نوازا، وہ آیت کریمہ یہ ہے: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ. (درمنثور: ۱۲۸/۴) حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے اپنے زمانہ سے اس کو جمعہ کے خطبوں میں رائج فرمایا اور آج تک امام اور خطیب حضرات جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے آخر میں اس آیت کو پڑھتے ہیں۔

اس آیت کی سب سے پہلی چیز جو ہے، إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۔اللہ پاک نے انصاف کا حکم فرمایا، دوسری دسیوں آیتیں ایسی ہیں جس میں انصاف کا لفظ بار بار قرآن کریم نے ذکر فرمایا۔

عدل کا مفہوم:

دوستو اور بزرگو!

عدل کا لفظ اور انصاف کا لفظ اتنا عام ہے کہ ایک چھوٹے سے بچے یا ایک بڑی عمر کا آدمی، مرد ہو یا عورت، پڑھا لکھا ہو یا غیر پڑھا لکھا ہو، اس کو جانتے ہیں: اللہ پاک کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، ذات وصفات اس کی مانی جائے، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ مانا جائے، یہ اللہ پاک کے ساتھ عدل ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی یہی عدل ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ،ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنی ہے، یہ نبی کے ساتھ ہمارا عدل ہوا، اس طریقہ سے ماں اور بیٹی کے درمیان، باپ اور بیٹے کے درمیان، اسی طرح میاں بیوی کے درمیان عدل قائم کرنا ہے۔

قرآن کریم نے جہاں کثرت سے ''عدل'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے وہ بندوں کے آپسی حقوق کے متعلق فرمایا ہے، آیت مداینہ جس کے اندر تجارت کے قواعد اور اصول ذکر کیے ہیں، وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ (بقرہ:۲۸۲) آگے اس کے بعد یہ بھی ذکر فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان دستاویز لکھنے والے کو، کاروبار کے درمیان آپس میں معاہدہ کرنے والے کو، بیچنے والے اور خریدنے والے کو قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ جب لکھو، وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ اس کی جو قیمت ہو، اس کا جو حق ہو، اسی کو لکھا جائے، لکھنے والا اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرے؛ اس طریقے سے معاملہ میں کئی جگہ عدل وانصاف کا حکم فرمایا۔

دوسری جگہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ (مائدہ:۸) انجیل والوں کو بھی اللہ پاک نے صریح فیصلہ کا حکم فرمایا، تورات کی آیتیں ذکر کی، بنی اسرائیل کی بری چیزوں کو ذکر کیا، ان کے ظلم کو اللہ پاک نے کثرت سے ذکر کر کے ان پر اپنی وعید نازل فرمائی، آپ کے سامنے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان الله ليملى للظالم۔ اللہ پاک ظالم کو مہلت دیتے ہیں، لیکن جب اللہ پاک کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے تو اللہ پاک اس کو چھوڑتے نہیں، اور آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت فرمائی: وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهٗ أَلِيمٌ شَدِيدٌ (ھود:۱۰۲) اس حال میں کہ وہ بستی والے ظلم کرتے ہیں، یہ انصاف کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ہر جگہ عدل کا حکم ہے اور ہر جگہ ظلم سے بھی ہمیں روکا گیا، اپنی اولاد کے ساتھ بھی ظلم سے روکا گیا، اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھی، آپس کے انسانوں کے ساتھ بھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اللہ پاک کے ساتھ ظلم ہے، إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان:۱۳) حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اے بیٹے! کفر سے دور رہو اور یہ فرمایا: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

عدل وانصاف کا معیار

ظلم کی مختلف شکلیں ہیں اور انصاف کی بھی مختلف شکلیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بستی والے جو ظلم کرتے ہیں، إِنَّ أَخْذَهٗ أَلِيمٌ شَدِيدٌ (ھود:۱۰۲) اللہ پاک کی پکڑ بہت سخت عذاب والی ہے، ان حالات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپس کے معاملات میں عدل و انصاف کا حکم فرمایا، ایک جگہ پر اللہ پاک نے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والے احکام ذکر فرمائے اور اسی کے ساتھ فرمایا کہ اللہ پاک نے ترازو کو پیدا فرمایا، ترازو کا لفظ قرآن کریم میں اسی لئے ذکر فرمایا، جب بھی معاملہ ہوتا ہے، ایک تو حسی اور روزمرہ آنکھوں سے نظر آنے والا ترازو ہو اور ایک ترازو ہے قوامین بالقسط۔ انصاف کے ساتھ قائم رہنا اور حدیث شریف میں مختصر جملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم اپنے لئے پسند کرتے

ہو اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرو، یہ عدل وانصاف کا ایسا صحیح معیار اور پیمانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی طرف سے ہونے والے عدل کو بھی پہچان سکتے ہیں اور ظلم کو بھی پہچان سکتے ہیں۔

سیدنا حضرت عمرؓ اور جبلہ بن ایہم کا واقعہ:

سیدنا حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ اور آپ کی خلافت کے دور میں ایک قبیلے کا سردار جبلہ بن ایہم اسلام لایا، اسلام لانے کے بعد یہ طواف کر رہا تھا، اتفاق سے ایک دیہاتی بھی کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا تھا، اس دیہاتی کا پیر اس کی چادر سے لگ گیا اور جاہلیت میں وہ خمار تھا عصبیت والا کہ ہم ہی سب سے بڑے ہیں، میں بادشاہ ہوں، یہ غصے میں آگیا اور اس نے ایک طمانچہ دیہاتی کو رسید کر دیا، جب معاملہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، تو آپ نے فرمایا کہ اس دیہاتی کو راضی کر دو، ورنہ ہم انصاف سے کام لیں گے، یہ رات کو بھاگ گیا اور دوسرے قبیلہ میں جا کر یہ بتلایا کہ وہاں عدل وانصاف ایسا ہے کہ چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق اسلامی حکومت اور اسلامی نظام میں نہیں ہوتا ہے۔

حدود کے نفاذ میں سختی اور صلح کے قیام میں نرمی

قبیلۂ قریش کی عورت نے چوری کی، آپ صلی اللہ علیہ سلم کے پاس اس کے ہاتھ کاٹنے کی بات آئی، لوگوں نے آپ کے چہیتے صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آمادہ کیا کہ حضور کے پاس جائیں اور اس کی سزا کو ہلکی کرادیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں یعنی یہود میں یہی طریقہ تھا کہ جب مال اور عزت والا کوئی گناہ کرتا تو اس کے گناہ کو چھپانے کی کوشش کی جاتی اور سماج میں نچلے طبقے والا اور کوئی غریب گناہ کرتا تو اس کو سزا دی جاتی، پھر آگے آپ نے فرمایا: اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ (بخاری: کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد)، یہ عدل وانصاف اسلام نے بتلایا، مکہ کے مشرکین جنہوں نے کئی سالوں تک ستایا، عمرہ کی نیت سے گئے، وہاں بھی

بہت ساری رکاوٹیں پیدا کیں، لیکن اللہ تبارک وتعالی صحابہ کرام کو صلح کے موقع پر بھی فرماتے ہیں: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا (مائدہ:۲) تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کو چھوڑ کر ان کے ساتھ ظلم کرو، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ (نحل:۱۲۶) لیکن ایک اور آیت میں فرمایا: وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ (نحل:۱۲۶) صبر سے کام لیں، معاف کر دیں، یہ بڑے الوالعزم بہت بڑے ہمت والوں کے کام ہیں اور اللہ پاک نے انبیائے کرام کو یہ حصہ عطا فرمایا ہے، ان کی پوری زندگی اور سیرت ہم دیکھتے ہیں، ان کے یہاں اللہ پاک کے لیے معاف کرنے کا طریقہ ہے، تو عدل وانصاف یہ اتنا قیمتی ہے۔

انسانی زندگی میں امن وچین کے دو سبب

اللہ تبارک وتعالی نے سورۂ قریش میں فرمایا: لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝۱ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ مکہ کے مشرکین کو کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اس گھر کی جس نے ابرہہ کے لشکر پر اپنا آسمانی لشکر نازل فرمایا، اپنا آسمانی لشکر بھیجا اور تم نے ابرہہ کا لشکر تباہ ہوتے دیکھا، فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝۳ اسی بیت اللہ کے رب کی طرف سے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو، الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝۴ آگے فرمایا: جس اللہ تبارک وتعالی نے تمہیں بھوک سے نجات دی، کھانے پینے کی فراوانی اور راحت نصیب فرمائی، وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ اور جس اللہ نے تمہیں خوف سے نجات دی۔ معلوم یہ ہوا کہ انسانی زندگی میں امن اور چین دو چیزوں سے ہوتا ہے، ایک تو اس کا روزی روزگار کا مسئلہ حل ہو جائے، اللہ پاک نے اس کو اچھے طریقے سے روزی عنایت فرمائی ہو اور دوسرا بے خوف ہو، بے اطمینانی نہ ہو، فساد نہ ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اعلان

جب سماج میں انصاف ہوتا ہے، حکومتیں انصاف سے کام لیتی ہیں، مظلوموں کے اوپر اور

کمزوروں کے اوپر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں اٹھا سکتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے، آپ نے سب سے پہلے اعلان فرمایا کہ تم میں کا طاقتور میرے نزدیک سب سے کمزور ہے اور تم میں کا کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے، اس لیے کہ جو کمزور ہے اس کو انصاف اور حق میں دلاؤں گا، جو حق مظلوم کا لیا گیا ہے اس کو میں ظالم سے وصول کروں گا، اس لئے حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سات آدمیوں کے متعلق حکم فرمایا: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ. (بخاری: كتاب الزكاة، باب الصدقة باليمين) قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جس وقت اللہ تعالی کے عرش کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس موقع پر الگ الگ قسم کے چند آدمیوں اور افراد کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ پاک اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے، اس دن کہیں سایہ نہیں ملے گا، اللہ پاک کے عرش کا سایہ ہوگا، ان میں ایک فرمایا: امام عادل۔ انصاف کرنے والا بادشاہ، انصاف کرنے والا حاکم اور ذمہ دار۔

سیدنا حضرت داود علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالی نے خلیفہ بنایا، آپ کے متعلق سورۂ ص میں ذکر فرمایا: يَادَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَق (ص:۲۶) اے داود علیہ السلام! ہم نے آپ کو نبی بنایا، زمین پر اپنا نائب بنایا، لیکن آپ پر ضروری ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لو اور آگے فرمایا وَلَا تُشْطِطْ (ص:۲۲) زیادتی نہ کرو۔

ولید کو ایک عالم دین کا امان کی شرط پر حق بات بتلانا

ولید بن عبدالملک جو مسلمانوں کا بادشاہ گزرا ہے، عبدالملک کے صاحبزادہ نے اپنے زمانہ میں بہت بڑے عالم کو بلایا اور پوچھا کہ کیا بادشاہ کا بھی اللہ پاک کے یہاں حساب ہوگا؟ اس بزرگ نے کہا: اگر آپ مجھے امان دیتے ہو حق بات کہنے کے اوپر تو میں آپ کو حق بات کہوں، ولید نے کہا: کہئے، تو اس بزرگ نے فرمایا کہ اللہ پاک سیدنا داود علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں کہ يَادَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَق۔ حضرت داود علیہ

السلام کو خلافت کے بعد انصاف کا حکم ہو رہا ہے، جب اللہ کے نبی اور خلیفہ کو بھی یہ حکم ہے تو آپ بھی بادشاہ ہیں، آپ بھی خلیفہ ہیں، آپ کو بھی یہ حکم ہو رہا ہے کہ آپ دوسروں پر زیادتی نہ کریں۔

کفر کے ساتھ حکومت چل سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں

دوستو اور بزرگو!

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیات نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا: ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي. (مسلم: کتاب البر و الصلة، باب تحريم الظلم) اے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام فرمایا اور تم کو بھی یہ حکم دیا جا رہا ہے، تمہارے اوپر بھی یہ حرام ہے، یہ ظلم اللہ پاک کو ناپسندیدہ ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ اس سے پہلے آپ سن چکے ہیں، اللہ پاک کفر کے ساتھ حکومت برداشت کر لیتے ہیں، بردباری سے کام لیتے ہیں، لیکن جب ظلم کے ساتھ حکومت ہوگی تو اس کو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

اللہ پاک کا ظالم کو ڈھیل دینا

اللہ پاک فرماتے ہیں: وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ (ھود: ۱۰۲) فرعون کو چار سو سال تک درد سر نہیں ہوا، اتنا تندرست تھا اور بنی اسرائیل پر کتنا ظلم اور زیادتی کی، لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جب ہمارا وقت آ گیا تو ہم نے فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا، اس روایت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک ظالم کو ڈھیل دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ پاک فرماتے ہیں: إِنَّ أَخْذَهٗٓ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ھود: ۱۰۲) یہ آیت مجھے اور آپ کو مخاطب ہو کر فرماتی ہے کہ ہمیں اپنے اپنے دائرے میں جو انصاف کرنا ہے، میاں بیوی کا انصاف؛ شوہر کے ذمہ جو حقوق ہیں، بیوی کے ذمہ جو حقوق ہیں، اولاد کی ذمہ داریاں ہیں، آپس کے معاملات، شادی بیاہ کے موقع پر ایک دوسرے سے تعلقات، آپس کے معاہدات اور معاملات ایک دوسرے کے ساتھ کیسے ہوں، ان سب میں ظلم کے بجائے انصاف کا حکم دیا۔

موجودہ حالات کا جائزہ اور علاج

مسلمانوں پر یہ حالات سیدنا حضرت نوح علیہ السلام سے چلے آئے ہیں اور قیامت تک آتے رہیں گے، اللہ پاک نے صاف اعلان فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (بقرہ:۱۵۵) ضرور بالضرور ہم تمہارا امتحان لیں گے، آزمائش لیں گے، پس تمہیں خوف دیا جائے گا، تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد اچانک مسلمان دنیا کے کسی بھی علاقے میں خوف زدہ ہوتے ہیں، ایسے واقعات پیش آتے ہیں، حالات اس طرح کے پیش آتے ہیں، ایسے موقع پر ان پر ظلم اور زیادتی ہوتی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ پاک نے ہمیں بتلایا کہ اللہ پاک ضرور مختلف چیزوں میں ہمارا امتحان لیں گے، یہ مومنین اور مسلمانوں کی اللہ پاک کے ساتھ تعلق کی ایک دلیل ہے۔

اس سے پہلے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ جب کسی مسلمان کو ستایا جاتا ہے، اکیلا ہو یا ایک ساتھ چند مسلمانوں کو ستایا جارہا ہو، یہ کوئی نئی چیز نہیں، یہ سارے معاملات پیش آئے، خاص کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں کتنے ظلم اور زیادتی کا شکار ہونا پڑا، تین تین سال تک شعب ابی طالب کی ایک گھاٹی کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان چلے گئے، مکہ والوں نے آنے والے تجارتی قافلوں کو کہہ دیا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی خرید وفروخت کا معاملہ نہ کریں، آج مسلمانوں کی دکانوں کا بائیکاٹ کیا جارہا ہے، یہ پہلی چیز نہیں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ ہو چکا ہے، اس طرح یہ معاملات صحابہ کرام کے ساتھ بھی ہوئے ہیں۔

معشوق کی طرف سے عاشق کا امتحان

دوستو اور بزرگو!

عزت اور ذلت کا معیار ہم نے یہ سمجھا ہے کہ کسی مسلمان کو صرف ایمان کی نسبت پر کسی جگہ مارا گیا پیٹا گیا، ہم سمجھتے ہیں مسلمان ذلیل ہوئے کمزور ہوئے، یہ تو آپ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ادا کرتے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا: أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ

لَا يُفْتَنُوْنَ (عنکبوت:۲) ایمان کے بعد آزمائش نہ ہو، محبت کے دعوے ہوں، عشقِ الٰہی کا اور معرفت الٰہی کا دعویٰ کرو، اور محبوب اور معشوق کی طرف سے کوئی امتحان نہ لیا جائے، دنیائے عشق میں ایسا کبھی نہیں ہوتا، جب مجازی اور دنیا کا جسم والا عمل یہ انسان کو اس طریقہ کی مصیبتیں اور آزمائش پر آمادہ کر دیتا ہے، اسی لئے اللہ پاک غزوہ احد کے اندر مسلمانوں کی جو عارضی شکست ہوئی، اس موقع پر قرآن کریم میں فرمایا: اِنْ تَكُوْنُوْا تَأْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَأْلَمُوْنَ كَمَا تَأْلَمُوْنَ (نساء:۱۰۴) اگر تمہیں الم اور تکلیف ہو رہی ہے تو تم سے پہلے انہیں بدر میں تکلیف پہنچ چکی ہے، لیکن ایک فرق ہے، وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ (نساء:۱۰۴) تم اللہ پاک سے امید رکھتے ہو، جو کچھ میں برداشت کروں گا، اللہ پاک اس کا بدلہ مجھے دنیا میں بھی دیں گے اور آخرت تو ہے ہی اس کے لئے۔ اللہ پاک نے ایک اور آیت میں فرمایا: خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (اعراف:۳۲) ایمان والوں کے لیے اللہ پاک کے یہاں اس کا خاص بدلہ (بہترین) ملنے والا ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کی امیر لشکر کو نصیحت

دوستو بزرگو!

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ پر اپنا لشکر روانہ کر رہے ہیں، تو لشکر کے امیر کو آپ نے فرمایا کہ تم تیاری کے اعتبار سے اور ہتھیار کے اعتبار سے بھی کم ہو اور تعداد کے اعتبار سے بھی دشمن کے مقابلہ میں کم ہو، اب جب مادیت کا مادیت سے اور اسباب کا اسباب سے مقابلہ ہوگا تو یقیناً ان کے پاس زیادہ اسباب ہے، وہ غالب آجائیں گے، فتح پالیں گے، لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کا مقابلہ جب کفر سے ہوگا تو ایمان غالب آجائے گا، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سب سے پہلے یہ حکم فرمایا کہ ہم اپنے معاملات درست کر لیں، عدل و انصاف آپس میں ایک دوسرے ایمان والے کے ساتھ کرنا ہے، جب یہ کریں گے تو اللہ پاک کی طرف سے برکتوں کا ظہور ہوگا، اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ ہے، بار بار قرآن کریم میں اللہ پاک نے فرمایا۔

عدل کیا ہے؟

اب عدل کیا ہے؟ جس کا جو حق ہمارے ذمہ ہے، ہم اس کو پورا پورا ادا کریں، اپنا حق جیسے وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ کے بندوں کے ساتھ ایسے ہی ادا کرنے کی کوشش کی جائے، نابالغ اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کی تعلیم وتربیت کریں، اس کو دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اللہ کی معرفت اور پہچان سے محروم نہ رکھیں، اس لئے یہ بھی ظلم ہوگا، ہم اپنی اولاد کو دنیا تو بہت کچھ سکھلائیں گے، لیکن ایمان کا کلمہ ان کو یاد نہیں، اسلامی عقائد کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایک مسلمان کا کیا عقیدہ ہو، ہماری اولاد کو اگر یہی معلوم نہیں ہے تو ہماری طرف سے یہ بھی ان پر ظلم ہے۔

آپسی عدل وانصاف کا حکومت پر اثر

یہ ظلم اور عدل کا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اکیلے پرائیویٹ لائف Private life گزار رہا ہے یا اجتماعی اور سوسائٹی والی زندگی میں ہم رہ رہے ہیں، معاملات اور معاشرت میں رہتے ہیں، سماجیات کے اندر اور آپس کے لین دین میں، ان تمام کے اندر مسلمان جب عدل وانصاف کرے گا، اللہ پاک عدل کی بنیاد پر روئے زمین کے اوپر اچھے حکمران دیں گے، جب ظلم کیا جاتا ہے، اللہ پاک کی طرف سے ظالموں کو بٹھا دیا جاتا ہے، پندرہویں پارہ کے پہلے رکوع میں بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ تم نے زیادتی کی، اگر دوبارہ زیادتی کروگے تو پہلے جیسے ظالم کو مسلط کیا، تو دوسری مرتبہ ہم دوسرے کسی کو مسلط کریں گے، فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ (اسراء:۷) اللہ پاک نے یہاں قوموں کے ساتھ اور نبیوں کی امت کے ساتھ جو معاملات ہوتے ہیں، اس کو ذکر فرمایا۔

اس آیت میں جو اللہ پاک نے فرمایا کہ اللہ پاک کی عبادت کرو، جس نے تمہیں خوف سے نجات دی اور بھوک سے نجات دی، معلوم یہ ہوا کہ بھوکا ہونا اور ظلم وزیادتی کا شکار ہونا یہ چیزیں اللہ پاک پسند نہیں فرماتے، اس لئے اللہ تعالی نے ہمیں خود حکم دیا کہ تم ان ممنوعہ چیزوں کا ارتکاب نہ کرو، جب تم اپنا معاملہ اللہ پاک کے ساتھ درست کروگے، تو اللہ پاک کی طرف سے

تمہارے حالات بھی درست ہوں گے۔

صاف بات ہے کہ دنیوی اعتبار سے اس طرح کی مصیبتیں مسلمانوں پر آتی ہیں، تو ایک طرف حکومتِ وقت تک اپنا پیغام پہنچانا ہے، عدل وانصاف خود بھی بجالانا ہے اور دوسروں سے اس کا مطالبہ بھی کیا جائے، آپ جس حکومت میں رہتے ہیں اور جن افسران کے ماتحت ہیں، ان تک ہمارا پیغام پہنچایا جائے، یہ تو اپنی جگہ پر ضروری ہے۔ ایک سیکولر ملک کے اندر اس کے اصول اور ضابطے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں زندگی میں ایسے حالات کیوں آتے ہیں اور یہ حالات دور کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ان دونوں چیزوں کو بتلایا ہے، ظاہری اسباب کے ساتھ ان چیزوں کو آپس کے معاملات درست کرلیں تو اللہ پاک ہم پر ظالم بادشاہ کو مسلط نہیں کریں گے۔

ظالم کا مسلط ہونا امتحان بھی اور اعمال کا نتیجہ بھی

حدیث شریف میں ظالم کو مسلط کرنے پر فرمایا گیا کہ جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان پر ایک ظالم کو مسلط کر دیتا ہوں۔ (مجمع الزوائد: ۲/ ۲۵۲) ایک تو امتحان ہوتا ہے اور ایک ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے، دونوں طرف توجہ کی جائے، ایسا نہ ہو کہ دنیوی اسباب کو اختیار کریں، لیکن اللہ پاک اور اس کے رسول ﷺ نے ان حالات سے نمٹنے کے لئے کیا کرنا چاہیے؛ یہ چیزیں ہمیں بتلائی ہیں، ہم اس سے دور ہوجائیں تو یقینی بات ہے، Minority اور Majority کا مقابلہ ہے، اور اس میں Majority جیت جاتی ہے، لیکن جب مومن مظلوم ہوتا ہے، **اتق دعوة المظلوم.** (بخاری: کتاب الزکاۃ، باب أخذ الصدقة من الأغنياء) مظلوم کی بددعا سے بچو، اس لئے کہ اللہ پاک اور اس کے درمیان بیچ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، وہ عرش الہی کے پائے پکڑتی ہے، صلہ رحمی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات؛ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صلہ رحمی نے عرش کا پایہ پکڑا، اللہ پاک سے فرمایا: مجھ کو آپ کی پناہ دے دیجئے، اللہ پاک نے فرمایا: جو تیرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ

آپس میں اچھا سلوک کریں گے تو میں ان کے ساتھ بہترین معاملہ کروں گا اور اگر وہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ صحیح معاملہ نہیں کرتے تو اللہ پاک کی طرف سے بھی ایسے ہی فیصلے آتے ہیں، اس لئے پہلے تو ہم اپنے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

مصیبتوں سے نجات کا علاج: دعا

اس کے ساتھ دوسرا نسخہ ہے دعاؤں کا اہتمام: آج امت اسباب کو تو سمجھ رہی ہے، لیکن مسبب الاسباب کے سامنے ہاتھ اٹھانا ہے، یہ مانگنا اللہ پاک کو اتنا پسندیدہ ہے إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي (غافر:۶۰) کہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، لیکن یہاں مفسرین فرماتے ہیں کہ عبادت مطلوب نہیں ہے، دعا مانگنا ہے، جو لوگ میری عبادت سے یعنی مجھ سے مانگنے سے تکبر کرتے ہیں، وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں کہ اللہ سے مانگیں، نعوذ باللہ جبکہ حدیث قدسی میں اللہ پاک نے فرمایا: بندے مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں، میں نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہوں، یہ اللہ پاک کا نظام ہے، جب بندے مانگیں تو دنیا اور آخرت دونوں کو مانگیں، اس لئے عدل وانصاف ایک طرف تو ہم اپنے سماج میں قائم کریں، دوسرے نمبر پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی گزارنے کے جو اصول بتلائے ہیں، اس پر عمل کریں، اللہ تبارک وتعالی ان آنے والے حالات میں ہمارے ایمان کو محفوظ فرمائیں گے، ہمارے نوجوانوں کو صحیح سمجھ نصیب فرمائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شکلیں بتلائی ہیں ہم اپنائیں تو ان شاءاللہ حالات سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی، حالات تو آتے ہیں: مکہ والے دوبارہ آرہے ہیں، وہ احد کے بعد تمہارے مقابلے میں جمع ہو رہے ہیں، فَاخْشَوْهُمْ ان سے ڈرو، اللہ پاک فرماتے ہیں وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا (احزاب:۲۲) ان کے ایمان میں بڑھوتری ہوئی، هَذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ (احزاب:۲۲) غزوۂ خندق کے موقع پر یہ آیت فرمائی کہ یہ اللہ تعالی کا وعدہ ہے، صحابہ نے اس کو سامنے سے قبول کیا۔

اپنے مقصد کو مدنظر رکھیں

دوستو!

جب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے، اللہ پاک دلوں میں چین اور سکون نصیب فرمائیں گے، اس لیے یہ دن جو ہمارے گزر رہے ہیں، مستقبل میں حالات کیسے ہو؟ اس لئے سمجھداری اور عقلمندی اسی میں ہے کہ ہم اپنے مقصد میں لگ جائیں، کبھی کبھار لوگ یہ کہتے ہیں کہ مولوی لوگ صرف دین کی باتیں کریں گے، بھائیو اور دوستو! جس خداوند قدوس نے پیدا کیا، اسی نے اپنے قرآن میں اور نبی کو بھیج کر انبیاء کے ذریعہ دنیا کے سارے نظام کیوں ہو رہے ہیں اور کیسے ہو رہے ہیں ان سب کو بتلایا، سبب بھی بتلایا اور علاج بھی بتلایا، اس لئے دنیا کے کسی اور انسان کے پاس اسباب تلاش کرنے جائیں گے تو نہیں ملے گا، اپنے اللہ پاک کی طرف اپنے آپ کو متوجہ کرو۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور امت مسلمہ کے حالات کو درست فرمائیں آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۱۹) اسلام میں امانت کا مفہوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِأَمَانَاتِہِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ ○ (پ:۲۹، سورۃ المعارج :۳۲)

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ (احزاب:۷۲) اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ (شعراء:۱۰۷) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ (شعراء:۱۹۳) مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ (تکویر:۲۱)

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ (مومنون:۸) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ (نساء:۵۸) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ (انفال:۲۷) يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ (قصص:۲۶)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: لا ایمان لمن لا امانة له، و لا دین لمن لا عهد له. (مسند احمد: رقم الحدیث:۱۲۳۸۳، ۱۹/ ۳۷۵)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ و الشَّاکِرِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور میرے ایمان والے بھائیو!

گزشتہ چند جمعہ سے آپ حضرات کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتوں کی روشنی میں اسلامی اخلاق اور اسلامی کلچر کا تحقیقی ذکر چل رہا ہے، گزشتہ دو جمعہ سے اسی روایت کے سلسلے میں باتیں ہورہی ہیں، امانت داری جو آج کا موضوع ہے اور اس سے پہلے صدق اور کذب پر گفتگو کی، دوسرے نمبر پر اپنے عہد اور وعدے کو پورا کرنا، اس کو ذکر کیا۔

اللہ پاک کے یہاں امانت داری کی اہمیت

آج اس روایت کا تیسرا حصہ ہے، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. منافق کی یہ نشانی ہے کہ جب اس کو کوئی امانت کی چیز دی جائے، تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے، اس کے مقابلے میں وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (معارج:۳۲) ایمان والے بندوں کی صفات کو بیان کیا، اللہ پاک نے کچھ امانت تم کو سپرد کی ہے، اس کی پوری پوری پابندی کرو، اللہ پاک نے قرآن کریم نازل کرنے کے لئے جس فرشتہ کا ذکر کیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صفات قرآن کریم میں اللہ پاک نے بیان فرمائی: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ (شعراء:۱۹۳) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امانتداری صفت ہے اور ایک جگہ پر فرمایا: مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (تکویر:۲۱) آسمان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی فرشتے پیروی کرتے ہیں، اور ان کی بات مانتے ہیں اور وہاں پر وہ امانت دار سے مشہور ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کا قرآن پاک میں اللہ تعالی نے ذکر فرمایا، ہر نبی کے ذکر کے ساتھ فرمایا: إِنِّي لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ (شعراء:۱۰۷) کہ میں تمہارے لئے اللہ کا بھیجا ہوا اور امانت دار ہوں، معلوم یہ ہوا کہ امانت داری کی صفت اللہ تعالی کے نزدیک کتنی قیمتی ہے، اپنے پاک انبیاء کرام علیہم السلام اور اپنے فرشتوں کے ذکر کے وقت ان کی صفت کو بار بار ذکر فرماتے ہیں اور رسالت یعنی اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، اس لئے اس ذمہ داری کی ادائیگی میں جن شخصیت کا اللہ تعالی نے انتخاب کیا، جن کو اللہ تعالی نے رسالت کے لئے منتخب کیا، انبیاء کرام علیہم السلام کا سب سے بڑا وصف اور صفت یہ ہے کہ اللہ پاک نے امانت داری عطا فرمائی، یعنی اللہ تعالی نے نبی کو جو ذمہ داری سپرد کی گئی ہے وہ اپنی اس ذمہ داری کو مکمل طور پر ادا کرتے ہیں، اس میں ذرہ

برابر خیانت نہیں کرتے۔

اسی لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام کے سامنے فرمایا کہ بتلاؤ جو پیغام اللہ تعالی نے مجھے دیا تھا، وہ میں نے تم تک پہنچایا یا نہیں؟ اور پھر یہ فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہ، آپ نے مجھے جو امانت داری سپرد کی تھی، میں نے اس کو مکمل کیا، اللہ پاک نے قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے اخلاق ذکر کئے، یہ امانت داری کا وصف اللہ پاک کو انتہائی پسندیدہ ہے۔

دوست دشمن کا فرق کئے بغیر امانت کی ادائیگی

ہجرت کرنے سے پہلے جب تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں رہے، لوگوں کے درمیان آپ ﷺ کی دوصفات بہت مشہور تھیں، صادق اور امین لقب تھے، یہ سچے ہیں اور امانت دار بھی ہیں۔

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ مصر کے بہت بڑے عالم تھے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آپ ﷺ کی سیرت کے ایک واقعہ کو سن لیتے ہیں اور سرسری نظر سے گزر جاتے ہیں، بارہا ہم نے سنا، لیکن دنیوی تاریخ میں دیکھا جائے کہ ایسا واقعہ جو آپ ﷺ کے ساتھ پیش آیا، کسی اور بڑے لیڈر اور کسی بڑے سے بڑے کے ساتھ پیش نہیں آیا، وہ کیا ہے؟ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ کے مشرکین اپنی امانت کی چیزیں رکھتے تھے اور آپ ﷺ کو امانتدار سمجھتے تھے، آپ ﷺ کو اللہ تعالی کی طرف سے نبوت کا اعلان کروایا گیا، آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا، لوگ آپ کے دشمن ہوئے، آپ کی جان کے دشمن ہوئے، تین تین سال تک آپ اور آپ کے رشتے دار اور ایمان والوں کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا، یہ سب کچھ آپ نے برداشت کیا، اس کے باوجود جو امانتیں آپ کے پاس تھیں، آپ کو دشمنوں نے کتنی تکلیفیں دیں لیکن آپ نے کبھی امانت میں خیانت نہیں کی، حتیٰ کہ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے جا رہے ہیں اور اس موقع پر آپ اپنے چچا زاد بھائی اور اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلاتے ہیں اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ

ذمہ داری سپرد کر کے جا رہے ہیں کہ لوگوں کی جتنی امانتیں میرے پاس ہیں، ان امانتوں کو ان تک پہنچا دینا، اللہ پاک کی طرف سے ہجرت کے سفر کو مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اور اسی لیے بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی دو پہر کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، جب کہ عامۃً جانے کا وہ وقت نہیں تھا (بخاری: کتاب البیوع، باب اذا اشتری متاعاً فوضعہ عند البائع..) اور عرب کے ریگستانی علاقے کا سخت گرمی کا موسم تھا اور اس میں دو پہر کا وقت؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک کی طرف سے اس واقعہ کو چھپانے کا حکم تھا، تو آپ دو پہر کو پہنچے اور یہ کہا کہ مجھے اور آپ کو ہجرت کا حکم ہو گیا اور اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہو ئے ہیں، یہ تو چھپانا ضروری تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے جائیں اور امانت داروں کی امانت ان تک نہ پہنچے تو ان کے دل میں وسوسے گزر سکتے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اللہ پاک نے وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (یس:۹) مکہ کے بڑے بہادر لوگ کھڑے ہیں، اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کر کے وہاں سے نکلوائے، ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی امانتیں سپرد کیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ امانتیں ان لوگوں تک پہنچائیں۔

دنیا کی تاریخ میں ایسی مثال ملنا مشکل ہے کہ ایسے لوگوں کی امانتیں جو سب قتل کرنے کے لئے کھڑے تھے، اگلے دن سارے مکہ کے تمام خاندان کے آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے تیار ہیں، تاکہ پورے مکہ مکرمہ کے ہر خاندان سے بنو ہاشم مقابلہ نہ کر سکے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امانت مستحقین تک پہنچا دی۔

امانت کا مفہوم

قرآن کریم میں اللہ پاک نے فرمایا: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (احزاب:۷۲) ہم نے اپنی امانت آسمان اور زمین کے سامنے پیش کی، ان سب نے انکار کیا اور انسان نے اس کو اٹھایا۔

دوستو اور بزرگو!

یہاں پر امانت کیا ہے؟ دین اور شریعت جو اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ پوری انسانی برادری کو عطا فرمائی، یہ امانت حضرتِ انسان کو دی گئی، اللہ پاک اس آیت میں اس دین کو اور اس ذمہ داری کو امانت سے تعبیر کرتے ہیں، یہ بتلانا ہے کہ اللہ پاک کا یہ دین مکمل امانت ہے۔

دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لفظ کو استعمال کرتے ہیں اور یہ ہمارے سماج، معاشرے اور ہماری زبان (Language) میں بھی بولا جاتا ہے، لیکن ہمارے یہاں جب اس لفظ کا معنیٰ ہوتا ہے تو بہت مختصر ہوتا ہے اور قرآن کریم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی زبان سے کسی لفظ کو استعمال کرتے ہیں تو اس کا بہت وسیع معنی ہوتا ہے، سچائی کے متعلق میں آپ کو کہہ چکا ہوں کہ سب یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کے سامنے سچ بولنا اس کو سچ کہتے ہیں، اسلام نے کہا: نہیں، دین میں بھی سچائی ہوتی ہے، عقیدے میں بھی سچائی ہوتی ہے، زبان کی بھی سچائی ہوتی ہے اور عمل کی بھی سچائی ہوتی ہے، کتنا وسیع لفظ ہے، قرآن کریم میں سے آج میں نے آپ کے سامنے جو آیت پڑھی، اس سے پتہ چلتا ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (انفال:۲۷) اے ایمان والو! اللہ پاک کے ساتھ خیانت مت کرو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت مت کرو اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ خیانت مت کرو، خیانت نہ کرنے اور امانت ادا کرنے کی تاکید کی جاتی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امانت کی تاکید فرمائی اور خیانت سے بچنے کا حکم دیا، اس لئے یہ امانت سے مراد بہت وسیع معنی ہے، اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (اعراف:۱۷۲)

ہم سب نے اللہ سے جن چیزوں کا وعدہ کیا ہے ان وعدوں کو پورا کرنا یہ بھی امانت ہے، دین اور شریعت کے جو عقائد ہیں اس کو عمل میں لانا بھی ہمارے لئے امانت ہے۔ آپس کے ایک دوسرے کے جو معاملات ہوتے ہیں اور امانتیں جو سپرد کی جاتی ہیں یہ بھی امانت ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **المجالس بالأمانة۔** (ابو داود: کتاب الادب، باب فی نقل الحدیث) آپ مجلس میں بیٹھے ہیں، کوئی راز کی بات آپ کے سامنے کہے تو یہ مجلس تک رہے گی، مجلس کے باہر کسی کو کہنا نہیں ہے کہ فلانے نے فلاں بات کی ہے، فلانہ کا فلانہ مسئلہ ہے، جن مجلسوں میں بیٹھے ہیں، ان مجلسوں میں کوئی امانت کی راز کی بات ہوتی ہے، وہیں تک محدود رکھا جائے، ایک اور روایت میں فرمایا: **المستشار موتمن.** (ابو داود: کتاب الادب، باب فی المشورة) جس سے مشورہ لیا جائے یہ بھی امانت ہے۔

آج ایک آدمی آپ کو اچھا اور شریف سمجھ کر اور امانتدار سمجھ کر اپنا کوئی پرائیویٹ مسئلہ ہے، سوشیل لائف کا مسئلہ ہے، کاروباری لائن کا مسئلہ ہے یا کوئی اور پریشانی ہے وہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہے تو آپ کو اس کی امانت کا لحاظ کرنا ہے۔

مشورہ میں امانت داری کا خیال رکھیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے، دو مطلب ہیں، ایک تو مشورہ امانتداری والا دیا جائے، یعنی وہ مشورہ لینے آیا، آپ کو معلوم ہے کہ میں یہ مشورہ دوں گا، تو یہ اس کے لئے خیر ہے، لیکن آپ نے نقصان کرنے کے لئے غلط مشورہ دیا تو پہلا مطلب یہ ہوا کہ سامنے والا آپ کو امانت دار سمجھ رہا ہے تو آپ کو اس کو مشورہ اسی طرح کا دینا ہے جو مشورہ آپ اس کے حق میں خیر سمجھ رہے ہیں، آپ اس کو اس خیر کا مشورہ دیں اور یہ مشورہ جب دیں تو اس کے بعد اس کو امانت رکھیں، دوسروں تک نہ پہنچائیں، ہاں، اگر اس مشورے میں یا آپس کی کسی گفتگو کے اندر کسی دوسرے آدمی کا نقصان کرنا چاہے، کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے، کسی کے قتل کے مشورے ہوئے، کسی کو مالی طور پر نقصان پہنچانے کے مشورے ہو رہے ہوں تو پھر وہاں محدثین نے فرمایا کہ

اس آدمی کو اطلاع دی جائے کہ آپ کے متعلق اس طرح کے مشورے ہو رہے ہیں، چاہے اجمالی طور پر مختصر کہا جائے، لیکن جب تک اس طرح کی کوئی چیز نہ ہو، امانت امانت ہے۔

حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ایک آدمی آپ سے گفتگو کرتا ہے اور گفتگو کرتے وقت وہ ادھر ادھر دیکھ رہا ہے، تاکہ کوئی تیسرا نہ سننے پائے، یہ بھی امانت ہے۔

دوستو اور بزرگو!

اس وقت اسی امانت کی ادائیگی میں ہماری طرف سے کوتاہی ہوتی ہے، امانت کس کو کہا جاتا ہے؟ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کسی بھی آفیس میں، سرکاری ہو یا پرائیویٹ ہو، ملازم ہوں تو آپ کے حق میں اس کے سلسلہ کی جتنی چیزیں ہیں، وہ امانت ہے، آپ کا وقت اور کام امانت ہوگا، وہاں کی جو چیزیں رکھی ہوئی ہے یہ بھی امانت ہوگی، آپ کی ملکیت نہیں ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ کا اصول

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اصول تھا کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا، رات کا وقت ہے، دیا جل رہا ہے، آپ نے اس کو بجھا دیا اور دوسرا دِیا روشن کیا، اس نے پوچھا: ایسا کیوں کیا؟ تو کہا کہ میں حکومت کا کام کر رہا ہوں، یہ سرکاری خزانہ کے لیے ہیں اور جب آپ میرے پاس آئے تو آپ کی اور میری پرائیویٹ گفتگو ہے، تو اس وقت ہم اس روشنی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

دوستو اور بزرگو!

اسلام اور دین نے امانت کی یہ چیزیں اس لیے بتلائیں تا کہ اللہ کے بندوں کے حقوق ادا ہوں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کئے جائیں، سب سے بڑی چیز قرآن کریم میں اللہ پاک نے دو نبیوں کے قصے ذکر کئے، سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر، ان دونوں قصوں میں ان دونوں نبیوں کو جن حالات سے گزرنا پڑا اور اس کے بعد اللہ پاک نے ان کو عزت دی، عزت کی ترقی پر جوان کو پہنچایا اس کے پیچھے قرآن کریم خود اس

کی وجہ ذکر کر رہا ہے۔

محسن کے احسان کو یاد رکھیں

حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ جو آپ پہلے سن چکے ہیں، ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ (یوسف:۵۲) جب آپ جیل میں ہیں، بادشاہ کو خواب آیا، اس کی تعبیر بتلائی، آپ کو بادشاہ کی طرف سے درباری بلانے کے لئے آئے، آپ نے کہا کہ میرا جی نہیں چاہتا ہے، مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ (یوسف:۵۰) جب تک وہ جس گناہ کے جرم میں جیل میں بھیجے گئے، اس کو ذکر نہیں کیا، یہ اس واقعہ کے ضمن میں چھوٹا سا اشارہ تھا، اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آقا عزیز مصر اور وہ جنہوں نے بچپن میں آپ کی پرورش کی، آپ ان کو بدنام کرنا نہیں چاہتے تھے، اسی لئے حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ زلیخا کو پوچھا جائے کہ اس نے میرے اوپر جھوٹا الزام کیوں لگایا اور مجھے جیل میں کیوں بھیجا؟ بلکہ یہ فرمایا کہ اس موقع پر عورتوں نے انگلیاں کیوں کاٹ دی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے لطیف اشارہ کر کے اس واقعے کی طرف اشارہ کر دیا، یہی امانت داری اور یہ تعلقات کو نبھانا ہے اور پھر اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے کہنے پر بادشاہ نے سب عورتوں کو پوچھا، برسوں پہلے کا قصہ تھا، انہوں نے اس کو صاف کیا، انہوں نے اس مسئلہ کو صاف کیا، کیوں کہ عزیز مصر جنہوں نے میری پرورش کی ہے، آج میرے لئے ضروری ہے کہ ان کے دل کو صاف کروں، اس لئے کہ آپ جانتے ہیں جیسے وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ (یوسف:۲۵) حضرت یوسف علیہ السلام دلوں کو پاک کر کے جیل سے باہر نکل رہے ہیں، بالکل دروازے پر یوسف علیہ السلام کو اور اس عورت کو عزیز مصر نے پایا اور اس نے اپنی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا، یہ الگ بات ہے کہ یہ سمجھ رہا تھا اور اسی لئے فرمایا: يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (یوسف:۲۹) کہ یوسف آپ اس کو معاف کر دیجیے اور اپنی عورت سے کہا کہ اپنے گناہوں سے استغفار کیجئے، لیکن دل میں ایک وسوسہ ہو سکتا ہے۔

کامیابی کا زینہ تقویٰ اور صبر

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آقا کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کے ساتھ خیانت نہیں کی، اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ (یوسف:۵۲) کوئی بھی خیانت کرنے والا دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوگا، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (یوسف:۹۰) کہ تقویٰ اور صبر کی بنیاد پر اللہ پاک بندوں کو ضائع نہیں کرتے، تو دیانت کی بنیاد پر کامیابی ملتی ہے، دوسرے موقع پر زلیخا نے آپ کو دعوت دی اس وقت بھی آپ نے کہا تھا اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (یوسف:۲۳) ہ اللہ پاک ظالمین کو معاف نہیں کریں گے، کامیاب نہیں کریں گے۔

عہدہ طلبی صلاحیت کے مطابق ہو

اسی بنیاد پر پھر بادشاہ کی طرف سے آپ کو جب عہدہ سپرد کرنے کی بات ہوئی، اس موقع پر بھی آپ نے ایک جملہ فرمایا: إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ (یوسف:۵۵) میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علیم جاننے والا ہوں، یہ دو لفظ فرما کر آپ نے بتلایا کہ جب کوئی کسی کو ملازمت پر رکھے یا آپ کسی جگہ پر ملازمت کے لئے جائیں تو آپ میں دو صفات ہونی ضروری ہے، ایک تو علیم جو کام آپ کرنے جارہے ہیں، اس کام کا آپ کو تجربہ ہو، آپ کے پاس ڈگری ہو اور ایسا بھی نہ ہو کہ ڈگری کوئی اور شعبہ کی ہو اور ملازمت آپ کسی اور جگہ کریں یا کوئی اور شعبے میں کریں، ایک تو یہ بتلادیا کہ اس کام کو کرو جس کا تجربہ ہو اور دوسرا لفظ فرمایا: حفیظ؛ حفیظ کا معنیٰ حفاظت اور ذمہ داری اور نگرانی کرنے والا ہو، یہ امانت داری کو بھی شامل ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا قصہ

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو قرآن کریم نے بھی ذکر کیا کہ آپ فرعون کے دربار میں رہتے تھے، اور پھر آپ سے غلطی ہوئی یعنی دو آدمی اسرائیلی اور قبطی لڑرہے تھے،

اصلاح کے لئے آپ ایک کو دور کرنے گئے، لیکن آپ کا زور سے گھونسا ایسا لگا کہ وہ قبطی انتقال کر گیا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں مشورے ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ رہے ہیں اور مدین کی طرف جا رہے ہیں اور ایسی پریشانی میں کہ مفسرین فرماتے ہیں: ایک تو فرعون سے خوف، فرعون کے آدمیوں سے خوف اور راستہ اس زمانے کا صحراء ریگستان ،آج بھی وہ علاقہ مشہور ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام ان علاقوں سے گزر رہے ہیں، کھانے پینے کی کوئی چیز آپ کے پاس نہیں ہے، درختوں کے پتے کھا کر آپ اپنا گزارہ کرتے تھے، ایسے موقع پر اللہ پاک کی طرف سے انتظام ہوا۔

حضرت شعیبؑ کی بیٹیوں کی شرم وحیا

حضرت موسی علیہ السلام مدین کے چشمہ پر جہاں لوگ پانی نکالتے تھے، آپ وہاں پہنچے، وہاں پر لوگوں کو دیکھا کہ وہاں پانی بھرنے میں ایک دوسرے کی باری آرہی ہے اور پانی لے رہے ہیں، لیکن دو بچیوں کو دیکھا کہ یہ لوگوں سے پیچھے ہٹ رہی ہیں، جانوروں کو پیچھے کر رہی ہیں، حضرت موسی علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا بات ہے! تم اپنے جانوروں کو آگے کیوں نہیں کرتی؟ انہوں نے کہا: یہ مرد لوگ ہیں، یہ بڑے لوگ ہیں، بڑے چرواہے ہیں، یہ جب تک پانی نہیں بھرتے وہاں تک ہم وہاں نہیں جائیں گے، شرم اور حیا کی وجہ سے، اور مردوں کے ساتھ ملنا یہ مناسب نہیں ہوگا اور دوسری بات یہ فرمائی کہ ہمارے والد یعنی ہمارے گھر سے کوئی مرد کیوں نہیں آئے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے والد بڑے بوڑھے ہیں، یہ جواب دے کر بچیاں خاموش ہوگئیں۔

امانت حضرت موسیٰؑ کی دعا کے قبول ہونے کا سبب بنی

حضرت موسی علیہ السلام کو ان بچیوں کے اوپر رحم آیا، آپ نے برتن کو اٹھایا اور ان کے پانی کا انتظام کر دیا، معاملہ تو ہو گیا، یہ کوئی تصور نہیں تھا کہ اب کیا ہوگا؟ لیکن قرآن فرما رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سایہ میں گئے اور دعا کی: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

(قصص:۲۴) کہ میرے مولیٰ! اے میرے رب! آپ ہی روزی دینے والے ہیں، آپ جو بھی میرے ساتھ فیصلہ کریں گے میں تو فقیر آدمی ہوں، میں تو محتاج ہوں، آپ میرے لئے خیر کا فیصلہ کر دیجئے، آپ جو بھی نازل کریں، اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کے لئے انتظام فرمایا، یہ بچیاں گھر گئیں اور روزانہ کے مقابلہ میں جلدی گئیں، والد محترم نے پوچھا کہ آپ آج جلدی کیوں آئیں؟ انہوں نے کہا: ایک شخص نے پانی کا انتظام کر دیا، اور جب ان دونوں نے پورا قصہ سنایا، وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے وہ بھی اللہ کے نبی تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے بچی کو بلانے کے لئے بھیجا، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ گئے، ان کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام جس وقت جا رہے تھے، آپ نے پانی کے انتظام کے وقت بھی امانت داری کی تھی، آپ نے اپنی نظریں نیچی رکھیں اور جب آپ بچی کے ساتھ جا رہے تھے، تو اسی انداز میں جا رہے ہیں، ذرہ برابر نظر ادھر ادھر نہیں کی، خیانت نہیں کی، قرآن فرماتا ہے: يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (غافر:۱۹) اللہ پاک آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں اور دلوں میں جو راز ہے اس کو بھی جانتے ہیں۔

امانت داری کا ثمرہ

حضرت موسی علیہ السلام نے جب یہ کیا تو اللہ تعالی نے آپ کے لئے اس امانت کے سبب حضرت شعیب علیہ السلام کی تربیت میں اور آپ کی زیر نگرانی دس سال کا انتظام فرمایا، دونوں مقصد حل ہوئے، نبی کی تربیت میں بھی رہے اور ساتھ میں کھانے پینے کا انتظام بھی اللہ پاک نے فرمایا، یہ سب کچھ امانتداری کی وجہ سے ہوا۔

عقلمند بیٹی کا مشورہ

بیٹی نے یہ کہا: اے میرے والد محترم! آپ گھر میں ایک کام کرنے والے کو چاہ رہے ہیں، اس کے لئے آپ کو آدمی چاہئے، کسی آدمی کو لانا چاہتے ہیں، لڑکی نے سیدھا یہ نہیں کہا کہ فلاں کو رکھو، انہوں نے کہا: جو صفات ہونا ضروری ہے ایک تو مضبوط اور قوی ہو، اور امین ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام میں دونوں صفات تھیں، اتنے بڑے برتن کو کنویں سے اٹھانا یہ آپ کی قوت کا مظہر تھا اور آپ کی نگاہوں کی حفاظت امانت داری تھی، ان دو چیزوں کی وجہ سے قرآن نے اس قصے کو ذکر کیا، اللہ پاک کی تدبیریں ہوتی ہیں، لیکن ظاہری اسباب میں اللہ پاک نے حضرت موسی علیہ السلام کے لئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے انتظام فرمایا۔

خلاصہ

یہ دونوں واقعات دوستو اور بزرگو ہمیں یہ بتلاتے ہیں کہ جب بندہ امانت داری سے کوئی کام کرتا ہے، اللہ کو راضی کرنے کے لئے تو یقیناً اللہ پاک کامیاب کریں گے اور اگر دوسری طرف خیانت کی، تو بات ایسی ہے کہ آپ نے برسہا برس امانت داری سے کام کیا، لیکن کسی وقت ذرا سی خیانت ہوگئی، سامنے والا آدمی برسوں کی امانت کو بھول جائے گا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **لا ایمان لمن لا امانة له۔** (مسند احمد: رقم: ۱۲۳۸۳، ۱۹/۳۷۵) اگر امانت داری نہیں ہے تو اس کا ایمان کمزور ہے۔

اس لئے دوستو اور بزرگو! آج ہمیں اس ملک میں امانت داری کے ساتھ رہنا ہے، جناب نبی اکرم ﷺ کے اخلاق پر عمل کریں، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۲۰) قوموں کی فتح یابی اور ناکامی کے اسباب موجودہ حالات کے تناظر میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ علٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى فِى الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (سورة آل عمران:۲۶)

قَالَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللّٰهُمَّ لا احصى ثناءاً عليك أنت كما أثنيت على نفسك. (صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

لمحۂ فکریہ

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور میرے ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جس آیت کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنی پہچان اور اپنا تعارف کروایا ہے کہ اللہ پاک کی ذات کون ہے؟ کیا ہے؟ آج ہمارا یہ حال ہے کہ اگر ہمیں اپنے کسی تعلق والے کے متعلق کچھ باتیں کہنا ہے، ہم گھنٹے دو گھنٹے اپنے رشتے دار یا اپنے تعلق والے کی تعریف کرلیں گے، بہت سارے ان کے فضائل ذکر کریں گے،

لیکن ایک مؤمن اور مسلمان سے اگر یہ کہا جائے کہ جس اللہ کو آپ مانتے ہیں، جن کو اپنا خالق اور مالک اور اپنی زندگی کا ہر مسئلہ جن سے تم نے وابستہ کر رکھا ہے، اس کی تعریف کی جائے، اس کے فضائل بیان کئے جائے، اس کی قدرت اور اس کی عظمت کا لوگوں کے سامنے استحضار کیا جائے، وہ کیا ہے؟ بہت افسوس ہے کہ ہم لوگ بہت کم بیان کر سکیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم یہ اللہ پاک کی وہ کتاب ہے جس میں اللہ تعالی نے اپنا تعارف اور اپنی پہچان کروائی اور امت کا حال یہ ہے کہ قرآن کریم سے امت بہت دور ہو چکی ہے، اس لئے دنیا کی جن چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، جن چیزوں کی طاقت اور قدرت کا انٹرنیٹ کے ذریعے، ٹی وی کے ذریعے مشاہدہ کرتے ہیں یا آنکھوں سے جن چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کی عظمت، ان کی بزرگی اور ان کی قدرت اور طاقت کا تو ہمارے سامنے استحضار ہے، لیکن عالم الغیب والشھادہ اس اللہ پاک کی معرفت اور اس کی پہچان ہمارے پاس کم ہے، جبکہ اللہ پاک کا کلام اس سے بھرا پڑا ہے۔

اللہ پاک کی ذات ہمارے علم ومعلومات سے وراء الوراء ہے

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت میں نے آپ کے سامنے پیش کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللّٰهُمَّ لا احصی ثناءاً علیك أنت كما أثنيت على نفسك. اے میرے اللہ! آپ نے اپنی تعریف جس طریقے سے فرمائی ہے، میں آپ کی تعریف اس طریقے سے ادا نہیں کر سکا، گویا ہم اللہ پاک کی تعریف بیان کرنے سے عاجز ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم تعریف نہیں کر سکتے، ہم جو کچھ کہیں گے، ہم اپنے علم اور معلومات کی بنیاد پر کہیں گے اور اللہ پاک کی ذات اس سے وراء الورء ہے، اس میں بہت آگے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روایت کے ذریعے ہمیں یہ بتلایا کہ اللہ پاک کی تعریف اور اس کی عظمت بیان کی جائے، اس کی کبریائی اس کی طاقت کے کیا کیا کرشمے ہیں، آیتوں میں بہت مختصر جملوں میں اس پوری کائنات اور اس کی طاقت اور اس کی حکومت کس طریقے سے کام کرتی ہے، اس کا اللہ تعالی نے ذکر فرمایا ہے۔

ایمان والے بوکھلاہٹ کے شکار نہ ہوں

دوستو اور بزرگو!

یہ مضمون میں نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ حکومتوں میں ذرا معمولی سی تبدیلی آجاتی ہے یا ہمارے خلاف کچھ کلمات کہے جائے تو ہمارے ایمان والے بھائی بوکھلاہٹ میں آجاتے ہیں، یہ معلوم نہیں ہے کہ پوری تاریخ اس میں بھری پڑی ہے، حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان سے ایک چیز شروع ہوئی تھی اور یہ سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام اور دجال پر ختم ہوگی، یہ پوری انسانی تاریخ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات سے بھری پڑی ہے، امتحان اور آزمائش سے بھڑی پڑی ہے، تو دوسری طرف اللہ پاک نے جب نبیوں کی نافرمانی کے نتیجہ میں قوموں کو ہلاک و برباد کیا، یا نبیوں کو اور ان کے نائبین کو اللہ پاک نے بچا لیا اور سر بلند کیا، تو کیسی کیسی اللہ پاک کی طاقتیں اس کائنات میں کارفرما ہوئیں اور بڑے سے بڑے طاقتور کو کیسے زمین میں گاڑ دیا، قرآن کریم میں اپنے آپ کو أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى (نازعات: ۲۴) کا دعوی کرنے والا فرعون کا واقعہ آپ بار بار سن چکے ہیں اور قرآن بار بار اس کو نقل کر رہا ہے، یہ عبرت کے لئے اللہ پاک نے دنیا کو بتلا دیا، اللہ تعالیٰ کی طاقت کام کرتی ہے، تو پانی میں کس طرح سے اس کو دبو یا گیا، آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس: ۹۱) اس کے جسم کو لوگوں کے لیے عبرت کا نمونہ بنایا۔

کائنات پر اللہ پاک کا قبضہ ہے

تو جو آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی، اس میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں، قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (آل عمران: ۲۶) یعنی اللہ پاک کی طاقت کا اظہار اللہ پاک اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پوری انسانیت کو کروا رہے ہیں، اس لئے فرمایا: قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ اے میرے حبیب! آپ فرما دیجئے اور آپ یہ دعا کیجئے، قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ کہ اے ہمارے پروردگار! آپ ملک کے مالک

ہیں، ملک سے مراد صرف کوئی صوبہ، کوئی ایک ملک اور روئے زمین کا کوئی ایک حصہ نہیں ہے، ملک سے مراد کائنات کے اس کونے سے لے کر اس کونے تک، اس دنیا کا کوئی انسان جانتا نہیں ہے، صرف اللہ پاک ہی اس کائنات کو جانتے ہیں۔

آئن اسٹائن نے اپنے تجربے کے ذریعے سے بتلا دیا کہ کائنات کتنی وسیع اور عریض ہے، یہ ہم اور آپ اپنے علم سے کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے، آج بھی بڑی سے بڑی چیز نئی دریافت میں آرہی ہے، گزشتہ دس دن پہلے کچھ اور اتنے سیارے مل چکے ہیں، جس کی اب تک سائنسدان تحقیق نہیں کر سکے ہیں اور یہ تو بہت دور کی بات ہے، گزشتہ دو مہینے پہلے ہی سائنسدانوں نے یہ تحقیق کی کہ انسانی پیٹ میں ایک چھوٹا سا عضو ہے اور آج تک سائنسدان (ڈاکٹر حضرات) اس سے غافل ہیں، اخبارات میں اس کا فوٹو بھی آیا ہے، معدہ اور پیٹ رات دن جس کا آپریشن اور سرجری ہوتی ہے، انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، انسان کی اپنی زندگی ہے اور جس سے سائنسدانوں کو روزانہ کام پڑتا ہے، سرجری کرنے والوں کو جس سے رات دن کام کرنا پڑتا ہے، لیکن ایک چیز کے علم سے وہ محروم تھے، اس کا علم ان کو نہیں تھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ کیا کام کر رہی ہے؟ اللہ پاک نے غافل کر دیا، آپریشن کرتے وقت اس عضو پر نظر بھی پڑی ہوگی اور اپنی لیبوریٹری میں اور چھوٹی چھوٹی مشینوں کے ذریعے اس کو برابر کر کے دیکھا بھی ہوگا، لیکن جب اللہ پاک ان کو ناواقف رکھنا چاہتے ہیں تو شداد کی جنت ہو، یاجوج ماجوج کی دیوار ہو، یہ تو بہت دور کی چیز ہوئی، جس پر اشکال کرتے ہیں، تمہارے جسم کی ایک چھوٹی سی چیز وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ذاریات:۲۱) تمہاری اپنی ذاتوں میں ایسی اللہ پاک کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ تم جس کو جان نہیں سکتے۔

بندہ اللہ پاک سے صحیح معنی میں تعلق جوڑے

دوستو اور بزرگو!

مجھے آپ کے سامنے یہ عرض کرنا تھا کہ سب سے پہلی چیز تو یہ کہ ایک مومن کا اپنے اللہ سے جو ایک تعلق ہوتا ہے، عشق اور محبت اور معرفت، اللہ پاک کی کبریائی اور اس کی عظمت کو اور اس کی

طاقت کو بیان کرنے کا اور اس کے نتیجے میں اپنی عاجزی اور اپنی کمزوری کو ذکر کرنا، آخر حدیث شریف میں کیوں فرمایا: **الدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ**.(ترمذی:ابواب الدعوات) کہ دعا ساری عبادتوں کی جان ہے، اس لئے کہ دعا کا جو سب سے آخری حاصل ہے کہ انسان یوں کہے کہ مولی! میں کچھ نہیں ہوں، میری کوئی طاقت نہیں ہے اور ساری طاقت ہر اعتبار سے آپ کے ہاتھ میں ہے، میں جسمانی طور پر بھی کمزور ہوں، میں روحانی اعتبار سے بھی کمزور ہوں، اپنی مشینریوں کے اعتبار سے بھی کمزور ہوں۔

ذات سبحان کا مفہوم

ہوائی جہاز چلائے گا وہ بھی دعا پڑھے گا: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ (زخرف:۱۳، ۱۴) پاک ہے وہ ذات جس نے ہوائی جہاز کو، اس مشین، کو پیٹرول کو، Digital Science کو ہمارے تابع کئے، یہ اللہ پاک کی کبریائی وہ بھی بیان کرے گا، ایک سائیکل چلانے والا اور جانور پر سوار ہونے والا انسان وہ بھی یہی دعا پڑھے گا، سب سے پہلا جملہ سُبْحَانَ وہ کہہ رہا ہے کہ اتنی بڑی مشینری اور یہ ایک Switch آن کرنے سے چلتی ہے، مشینری کو Start کرنے سے اتنی بڑی مشین چالو ہو جائے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؛ اللہ پاک نے فرمایا: تو نہیں چلا رہا ہے، وہ پاک ذات چلا رہی ہے، جو بے عیب ہے اور اسی لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کے سفر میں لے جایا گیا، قرآن کریم نے اس واقعہ کو نقل فرمایا، سب سے پہلا جملہ فرمایا: سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى (اسراء:۱) پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے چھوٹے سے حصے میں اپنے بندے کو مکہ مکرمہ سے لیا اور بیت المقدس پہنچایا اور وہاں سے ساتوں آسمان کی سیر کروائی اور کیا کیا ہوا وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (نجم:۱۳، ۱۴) اوپر تک پہنچ گئے، جہاں فرشتوں کی بھی رسائی نہیں، حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بھی وہاں رک گئے اور صرف آپ ہی ہے، کیا باتیں ہوئی؟ أَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (نجم:۱۲) جو چیزیں ہمارے

حبیب ﷺ نے دیکھی، کیا تم شک کرتے ہو؟ اللہ پاک نے جنت جہنم دکھلایا، ہماری جو تقدیر ہے، اس کا قلم جو لکھ رہا ہے، اس کی جو حرکتیں ہیں، حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تصریف الاقلام کو بھی سنا، اس قلم کے چلنے کی آواز کو بھی سنا، آپ ﷺ نے یہ ساری چیزیں وہاں دیکھیں اور سنیں، لیکن فرمایا: سبحان.

مسبب الاسباب کو پہچانو!

مکہ کے مشرکین کو پہلے ہی جواب دے دیا، جانے والی ذات کو مت دیکھو، وہاں تمہیں اشکالات ہوں گے، وہ کیسے اوپر گئے؟ لیکن الَّذِیْٓ اَسْرٰی جو ذات لے گئی اس کو دیکھو، سبحان۔ یہ تمہارے گرمی اور سردی کے علاقوں سے بے نیاز ہے، جس نے ابراہیم خلیل اللہ کے لئے آگ کو باغ بنا دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پانی میں راستے بنا دیئے ہیں، حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ رکھا، حضرت ایوب علیہ السلام کی ساری اولاد اور ساری بیٹیاں اجڑ گئی، لیکن اللہ پاک کی رحمت سے حضرت ایوب علیہ السلام کو ساری چیزیں واپس دے دی، جس نے (۳۰۹) سال تک اصحاب کہف کو غار میں سلایا، سورج کا نظام جن کے تابع کر دیا، (۳۰۹) سال تک سلا کر زندہ رکھا، سو سال تک حضرت عزیر علیہ السلام کو سلایا اور پھر ان کا گدھا اور ان کا کھانا؛ آپ کو سلایا، آپ کا گدھا بھی سو گیا، لیکن وہ کھانا جو ایک دو دن میں بگڑ جاتا ہے، اس کو اللہ پاک نے جیسا کھانا تھا سو سال کے بعد بھی ایسے ہی باقی رکھا، لَمْ یَتَسَنَّهْ (بقرہ:۲۵۹) ذرہ برابر کوئی اس میں بگاڑ پیدا نہیں ہوا، جس میں بگاڑ دیر سے پیدا ہوتا ہے، اس انسان کو تو موت دی، اس گدھے کو تو موت دی اور کھانے کو جو کہ چند گھنٹوں کے بعد بگڑ جاتا ہے، اللہ پاک نے سو سال تک اس کو باقی رکھ کر اپنی قدرت کی نشانیاں قرآن کریم میں بتلا کر ہمیں اپنی عظمت اور اپنی طاقت کا اظہار فرمایا۔

غزوۂ خندق کا منظر

دوستو اور بزرگو!

اس لیے جب کبھی بھی اللہ پاک کے دشمنوں کی طرف سے چاہے لفظی دھمکیاں دی جائے، حقیقت میں کوئی بات کہی جائے، ایک مومن ایک مسلمان کا ایمان اس میں پختہ ہوتا ہے، غزوہ خندق کے موقع پر جب سارے دشمنوں نے پورا جزیرۃ العرب کا جو مغربی حصہ ہے جس کو حجاز مقدس کہا جاتا ہے، یہ پورا مسلمانوں کے خلاف ٹوٹ پڑا، اللہ پاک نے خود یہ فرمایا: إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ (احزاب:۱۰) اے مسلمانو! یاد کرو، اس اللہ کی نعمت کو جب کہ اللہ کے دشمن تمہارے اوپر سے پہاڑی پر سے آئے تھے، نیچے سے آئے تھے، ہر چہار سمت سے مسلمانوں کو گھیر لیا تھا، وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (احزاب:۱۱)

اللہ پاک فرماتے ہیں: جس کے کلام میں مبالغہ نہیں، کسی چیز کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا نہیں ہوتا ہے، وہ خداوند قدوس فرما رہے ہیں کہ میں نے نبی اور ان کے ساتھ صحابہ کرام کا جب امتحان لیا، وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (احزاب:۱۱) ہمارے لئے تو ایسے حالات ابھی نہیں آئے ہیں، معمولی سی حکومت ادھر سے ادھر ہوئی ہے۔

اسلام کسی سیاسی تحریک کا نام نہیں

دوستو!

اصل چیز جو سمجھنا ہے کہ اسلام یہ کوئی سیاسی تحریک اور سیاسی جماعت نہیں ہے، اسلام جو ہے یہ ہر آدمی کا اپنا اور اپنے اللہ تعالیٰ کا ایک تعلق ہے، ہمیں اللہ کے کسی بندے سے کوئی دشمنی نہیں ہے، ہمارا جو کچھ تعلق ہے یہ اللہ سے تعلق کی بنیاد پر ہے، اللہ کے بندوں سے تعلق ہوتا ہے، رَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ. (بخاری: کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ بالیمین) حدیث شریف میں فرمایا: عرش کے سایہ میں سات قسم کے لوگ ہوں گے، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّه. جس دن اللہ پاک کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، ایسے موقع پر وہ دو آدمی عرش کے سائے میں ہوں گے، جنہوں نے اللہ کے لئے محبت رکھی تھیں، جن کی دشمنی اللہ کے لئے ہوئی، اجْتَمَعَا عَلَيْهِ. ان کا جمع ہونا بھی اللہ کے لئے اور ان کا علیحدہ ہونا بھی اللہ کے لئے ہے، یہ حدیث

شریف میں عرش کے سائے میں رہنے والے ہیں، اس نے ہمیں بتلایا کہ ہمارا کسی قوم سے کوئی اختلاف نہیں، کسی قوم سے ہمارا مالیات اور Economi کا کوئی اختلاف نہیں، اگر کوئی چیز ہے تو اللہ سے تعلق کی بنیاد پر ہے، جو اللہ کو ایک مانتے ہیں، اللہ کی باتوں کو مانتے ہیں، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، یہ چاہے دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو، یہ اللہ سے محبت والے بندے ہیں، ہماری ان سے محبت ہوگی اور جو اللہ تبارک وتعالی کو نہیں مانتے ہیں، چاہے قریبی رشتہ دار ہو، قرآن کریم نے فرمایا: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ (توبہ:۲۴)

والدین کی خدمت میں اعتدال

سارے خاندان کے رشتوں کو ذکر فرمایا، یہ جب آپ سے اللہ سے دور ہونے کی بات کرے تو تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ تم ان کو چھوڑ دو اور اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاؤ، لیکن قرآن کریم میں والدین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں باپ کی خدمت کرنی ہے، ان کے حقوق ادا کرنے ہیں، یہ اگر اسلام پر نہیں ہے تب بھی خدمت کرنی ہے، لیکن وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (لقمان:۱۵) جب تجھے وہ شرک کی دعوت دے، ایک اللہ کے علاوہ غیر کے آگے جھکنے کی دعوت دے، فَلَا تُطِعْهُمَا۔ ایسے موقع پر فرمایا: ان کی بات نہ مانو، لیکن فوراً فرما دیا، ان کے ساتھ بھلائی سے سلوک کرو، کفر کی حالت میں ہے، ان کی کفر کی بات نہیں ماننا ہے، لیکن فوراً فرما دیا۔ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا. (لقمان:۱۵) آپ ان کے ساتھ دنیا میں حسن سلوک کیجئے۔

ہم نے یہ سمجھ لیا کہ برسوں سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت رہی، پھر انگریز کی حکومت آئی اور ملکی حکومت آئی، اکثریت اور ایک بڑی تعداد والی قوم کی اس ملک میں ہمارے ساتھ حکومت میں شرکت رہی، اب کبھی کبھار اس قسم کے جو حالات آتے ہیں جو ابھی یو پی میں

آئے، اور جو آوازیں مسلمانوں کے خلاف لگ رہی ہیں اور مسلمان ان چیزوں کو سیاست کے نقطۂ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

غزوۂ خندق اور احد میں ہمارے لئے عبرت

دوستو اور بزرگو!

سارا ڈر اسی لئے ہے، ورنہ یہی چیز میں آپ کو کہہ رہا تھا، غزوہ خندق میں اور اسی طریقے سے غزوۂ احد میں مسلمانوں کی عارضی طور پر شکست ہوئی، ابوسفیان اور اس کے لشکر کو آگے جا کر یہ خیال آیا کہ آج بہت اچھا موقع ہے، مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، ہماری فتح ہو چکی ہے، لیکن اس کے باوجود اللہ پاک نے ان کو واپس کر دیا، اسے خیال آیا کہ ہم پھر چلیں، یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاس آ کر لوگوں نے کہی، الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا (آل عمران: ۱۷۳) کہ لوگ تمہارے خلاف پھر جمع ہوئے ہیں، پھر حملہ کرنے آ رہے ہیں، ستر افراد شہید ہوئے ہیں، کتنے زخمی ہوئے ہیں، خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخموں سے چُور ہیں، لیکن اس موقع پر قرآن فرما رہا ہے کہ جب لوگوں نے یہ کہا ہے الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ۔ لوگ تمہارے خلاف جمع ہوئے ہیں، فَاخْشَوْهُمْ. ان سے ڈرو اور اپنے لئے کوئی تدبیر سوچو، قرآن کریم فرما رہا ہے: فَزَادَهُمْ إِيمَانًا. لیکن ان کے ایمان میں بڑھوتری ہوئی، دوسری ایک آیت میں غزوہ خندق کے موقع پر فرمایا: یہ تمہارے خلاف مختلف طریقے اور سمتوں سے دشمن جمع ہو گئے، انہوں نے کیا کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب: ۲۲) صحابہ نے فرمایا: اللہ کے رسول نے ہمیں وعدہ کیا تھا کہ دشمن تمہارے خلاف اکٹھا ہو کر آئے گا لہذا اگر نہ آتا تو شک پیدا ہوتا، مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه یہ تو قرآن نے وعدہ کیا۔

کفار کی طرف سے ملنے والی دھمکیاں

حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا جا رہا ہے کہ اے شعیب! آپ نے اگر ہمارے دین کی

طرف واپسی نہیں کی، آپ نے گھر واپسی نہیں کی تو کیا ہوگا؟ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے، ہم تمہیں گھر سے نکال دیں گے، آپ کو ہماری طرف واپس آنا ہوگا، لیکن حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا، اللہ پاک سے مانگا۔

حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا: لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ (شعراء:۱۱۶) اور حضرت لوط علیہ السلام سے فرمایا: لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَالُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (شعراء:۱۶۷) پتھر مار مار کر ختم کریں گے، (موب لنچنگ) گھر سے نکالیں گے، حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں، اے میرے پروردگار! فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (شعراء:۱۱۸) آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے، پھر اللہ پاک کا فیصلہ آیا۔

یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین کے واقعات ہے، قرآن کریم نے ہمیں قیامت تک کے لئے یہ سب محفوظ فرما کر بتلا دیا کہ اس امت کو اگر اپنی تاریخ میں ایسے حالات پیش آئے تو اس موقع پر انبیاء کرام، صحابہ اور اسلامی پوری تاریخ کے مناظر کو دیکھیں، جب بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے تو پھر اللہ پاک کی مدد کس طریقہ سے آتی ہے، ذرا اس کا اندازہ لگاؤ۔

اللہ پاک چاہے تو جانور سے بھی بلواتا ہے

قیروان افریقہ کا جنگل ہے، صحابہ کرام وہاں پہنچے ہیں اور ایک جگہ کھانے پینے کی ضرورت تھی، جنگل میں جانور تلاش کر رہے تھے کہ اس کو ذبح کرے اور کھائے، ایک یہودی راستے میں ملا، اس سے پوچھا: اس جنگل میں حلال جانور ہوں گے، جو پالتو ہو، اس لئے کہ جن جانوروں کا کھانا حلال ہے اسی کو تلاش کرنا ہے، اس نے جھوٹ بولا کہ یہاں جنگل میں ایسا کوئی جانور نہیں ہے، یہاں تو سب وہی جانور ہے جن کا آپ کے مذہب میں کھانا جائز نہیں ہے، حرام جانور ہے، اچانک جنگل میں سے ایک بیل نے آواز لگائی'' **كذب عدو الله**''.

دوستو اور بزرگو!

یہ کوئی قصہ کہانی نہیں ہے، ایسی قصہ کہانیاں اس ملک کے مذہبی کتابوں میں ہم نے بہت

پڑھی ہے لیکن ہمارے یہاں تو یہ ہے کہ ولی سے اگر کرامت ہوئی تو یہ ولی کے ہاتھوں ہوئی، لیکن کرنے والی ذات اللہ پاک کی ہے، انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزات ہوئے، یہ ان کی نبوت کی دلیل ہے، لیکن یہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے نہیں ہوئے، یہ اللہ پاک نے کروایا، اس لئے یہ جو چیزیں ہوتی ہیں، ہم اس میں کسی انسان، کسی جانور، کسی جادو کو نہیں دیکھتے ہیں، یہاں وہی بات آتی ہے، قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (آل عمران:۲۶) جو ذات ملک کی مالک ہے، اسی ذات نے حضرات صحابہ کرام کے لئے انتظام فرمایا، جنگل کا بیل یہ بول رہا ہے، **کذب عدو الله** اللہ کا دشمن جھوٹ بول رہا ہے، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

سورۂ کہف کا خلاصہ

چار فتنوں کا ذکر ہے: (۱) دین کا فتنہ (۲) مال کا فتنہ (۳) علم کا فتنہ (۴) حکومت کا فتنہ

دجال بھی چار فتنے کے ساتھ آئے گا، مردہ کو زندہ کرے گا، مال بھی ہوگا، لوگ اس کے علم خبر سے مرعوب ہوں گے، اور طاقت بھی ہوگی، جنت وجہنم بھی ہوگی۔ ان فتنوں سے بچاؤ کا راستہ یہ ہے (۱) دین کے فتنے سے بچاؤ، محبتِ صالحین سے ہوگا، واصبر نفسك (کہف:۲۸) اور آخرت کی یاد سے ہوگا (۲) مال کا فتنہ دنیا کی حقیقت اور اس سے بے تعلقی سے ہوگا، واضرب لهم (کہف:۳۲،۴۵) اور آخرت کی یاد اور نامۂ اعمال حساب کتاب کی فکر سے ہوگا (۳) علم کا فتنہ تواضع سے ختم ہوگا، ستجدنی ان شاء الله صابرا (کہف:۶۹) (۴) حکومت کا فتنہ اخلاص سے ختم ہوگا، هذا رحمة من ربی. (کہف:۹۸)

سورت میں حرکت زیادہ ہے، حضرت خضر کی، حضرت موسیٰ کی، اصحاب کہف کی، جمعہ بھی حرکت والی، دعوت کہف کی بادشاہ کو باغ والے کی، استاذ شاگرد، ذوالقرنین کی رعیت کو دعوت۔

عہد حاضر کا شرک مادی مشینری اور نیچر کی قوت پر ایمان لانا ہے۔

دنیا کی ظاہری حقیقت اور باطنی ارادۂ الٰہی میں عجیب فرق ہے، دنیا اتنی ہے جو ہم دیکھتے

ہیں، یہ بے حد پیچیدہ ہے۔

جلاوطنی کا اعلان نیا نہیں ہے

ایمان تازہ کرنے کے لئے قرآن کریم نے اس قسم کے واقعات ہمارے سامنے ذکر کئے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی پوری تاریخ ہمارے سامنے ہے، مکہ سے نکالے جا رہے ہیں، دس سال پورے نہیں ہوتے ہیں، جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (اسراء:۸۱) سن آٹھ ہجری میں اللہ تبارک وتعالی آپ کو مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان سے داخل فرما رہے ہیں، لیکن نبیوں کا داخل ہونا اور ہوتا ہے اور بادشاہوں کا داخل ہونا اور ہے، ہمارے یہاں تو ابھی حکومت بنی نہیں، اس سے پہلے مسلمانوں کے لئے اعلان ہو رہے ہیں کہ آپ کو یہ گاؤں چھوڑ کر جانا ہوگا، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

بادشاہوں کا فاتح زمین پر ظالمانہ رویہ

قرآن کریم میں واقعہ موجود ہے کہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے جو گفتگو کی اس گفتگو کو قرآن کریم نے نقل فرمایا، اس میں بلقیس یہ سمجھی کہ نعوذ باللہ حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا کے بادشاہوں کی طرح کوئی بادشاہ ہوں گے، تو اس نے اپنے وزیروں سے کہا إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ (نمل:۳۴) اس نے بادشاہوں کا بہترین نقشہ جو کھینچا ہے، اس نے کہا: بادشاہ لوگ جب فاتحانہ طور پر ظالمانہ طور پر کسی ملک پر قبضہ کر رہے ہیں، یہاں قبضہ نہیں لیا صرف سیاسی طور پر سیکولر طور پر واٹنگ میں کسی بھی طریقے سے حکومت انہیں مل گئی، اس بنیاد پر وہ بول رہے ہیں، حاکم نہیں ہے، یہ ملک سیکولر ہے، پھر دوبارہ الیکشن ہوگا، پھر وہ حالات ختم ہوں گے، اللہ پاک نے وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران:۱۴۰) فرمایا، بدر میں فتح ہوئی اور احد میں شکست ہوئی، پھر اس کے بعد اللہ پاک نے فتح نصیب فرمائی، پھر حنین میں امتحان لیا، تو یہ امت کے مقدر میں اللہ پاک کی طرف سے بار بار آزمائش لکھی ہوئی ہے۔

اعمال صالحہ پر زمین کی خلافت کا وعدہ

اس لئے مجھے یہ کہنا ہے کہ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ پاک کے ساتھ ہمارا تعلق مضبوط ہو، دین اسلام کوئی سیاسی مذہب نہیں، سیاست کے لئے ہمارے یہاں محنت نہیں ہوتی، اپنے دین کے لئے محنت ہوتی ہے، اللہ پاک اس کی برکت سے حکومت خود ان کے ہاتھوں میں عطا فرماتے ہیں، الَّذِيْنَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (حج:۴۱) اللہ پاک فرماتے ہیں، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور:۵۵) اللہ پاک نے وعدہ فرمایا، دنیا میں کوئی انسان وعدہ کرے تو وعدہ کرنے کے بعد یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے ذمہ میں نہیں ہے، میں نے تو صرف آپ سے وعدہ کیا تھا یہ ایک جملہ تھا، ہم تو جملہ باز لوگ ہیں، لیکن مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ پاک قرآن کریم میں یہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وعدہ کیا تو یہ اللہ پاک کی ذات عالی کی طرف سے لازم ہو گیا، ضرور وہ چیز ہو کر رہتی ہے، تو اللہ پاک نے وعدہ فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ۔ ہم تمہیں زمین کا مالک بنائیں گے، جب اللہ پر ایمان لائے، اعمال صالحہ ہوئے، دنیا کی سپر پاور طاقتیں چاہے رومن امپائر ہو، چاہے ایرانین امپائر ہو، چاہے کسی طرح کی ہزاروں سالہ تہذیب و کلچر والی مصری حکومت ہو؛ سب مسلمانوں کے ہاتھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کو پچیس تیس سال پورے نہیں ہوتے ہیں اور دنیا کا دس لاکھ مربع میل کا علاقہ دنیا کی اس وقت کی سپر پاور طاقتوں کا بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا، یہ کیا ہے؟ آمَنُوْا مِنْكُمْ۔ اللہ پاک نے وعدہ فرمایا: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ، ایک اور آیت میں اللہ پاک نے فرمایا: أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ کہ اس زمین کے مالک ہم اپنے نیک اور صالح بندوں کو بنائیں گے، لیکن یہ ساری چیزیں اور حکومت اصل نہیں ہے، بلکہ اصل چیز تو اللہ کی رضامندی ہے۔

کرتا دھرتا صرف اللہ پاک ہے

دوستو اور بزرگو!

یہ جو تصور ہم کرتے ہیں، کہیں سیاست ہماری چلی گئی، کسی علاقے میں ہمارے ایم ایل اے MLA کم ہوگئے، کینڈیڈیٹ کم ہوگئے، اس کی بنیاد پر ہم لوگ یہ سمجھ رہے ہیں، نعوذ باللہ ہم ان کے سہارے پر، کانگریس کے سہارے پر، عہدوں کے سہارے پر نہیں تھے، ہمارا سہارا پہلے بھی ایک اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا اور آج بھی اللہ پاک کی ذات پر ہے، یہ اعتبار اور اطمینان مسلمانوں کو رکھنا ضروری ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اور دنیا کی کوئی چیز پر بھروسہ کرو گے، اللہ پاک امتحان لے کر بتلا دیں گے کہ مخلوق پر بھروسہ کیا ہے، صحابۂ کرام کا معمولی سا یہ تصور غزوہ حنین کے بارے میں کہ مکہ فتح ہو چکا ہے، مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار کی ہے، لشکر کے لوگوں کے دل میں کثرت تعداد کا خیال آیا تو اللہ پاک نے فرمایا: لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوۡمَ حُنَيۡنٍ إِذۡ أَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡئًا وَضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡأَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُدۡبِرِينَ (توبہ:۲۵) تمہاری تعداد کے زیادہ ہونے نے تمہارے دل میں ایک چیز پیدا کی کہ اب تو ہماری فتح ضرور ہوگی، اور اللہ پاک نے امتحان لے لیا، اس لئے اللہ پاک اپنے نیک اور صالح بندوں کا بھی امتحان لیتے ہیں، ایمان والے بھی اللہ کے بندے ہیں، اس لیے اس قسم کی چیزیں آئے گی۔

ہمارا مقصد پوری روئے زمین پر اللہ پاک کا پیغام پہنچانا ہے

لیکن دوستو! اصل چیز جو ہے ہم نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں کی ہے، ہم نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت نہیں پہنچائی، ہم نے اس ملک کو صرف سیاست کا اکھاڑا سمجھا، ہم نے اللہ تعالیٰ کے بندوں تک خواجہ معین الدین چشتی اجمیری جس طریقے سے آئے تھے، سید علی ہمدانی آئے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ بزرگوں کی ایک لمبی لسٹ ہے، امن وسلامتی اور انسانیت کا درس دینے کے لئے ملک میں آئے،

آج کا مسلمان بھی اپنے آپ کو اس ملک کے دوسرے باشندوں کی طرح صرف کھانا پینا اور زندگی کو ایک روٹنگ کی طرح گزارنا سمجھ رہا ہے، جب کہ تجھے ایک بہت بڑے مقصد کے لئے پیدا کیا، یہ مقصد ہے پوری روئے زمین پر اللہ کے پیغام کو پہنچانا، اس ملک میں سیاست کی بنیاد پر ہم نے دعوت کے پہلو کو فراموش کیا، اللہ پاک نے ہر چہار سمت سے دروازے بند کر دیئے اور بتلایا کہ اگر پھر سے تمہیں نجات لینی ہے تو اسی دعوت والے عمل کے ذریعے لینی ہے، اللہ کے بندوں سے ملو اور ان کو یہ بتلاؤ کہ قرآن میں یہ تعلیم ہے، اپنے عمل سے ہم یہ بتلائیں، ایک مسلمان تاجر اور غیر مسلم تاجر کی دوکان پر آنے والے کو فرق محسوس ہو، سیاست کے اندر کوئی رہنے والا دوسرے جس طریقے سے جھوٹے وعدے کرتا ہے، یہ مسلمان بھی جھوٹا اگر وعدہ کرے تو پھر آپ کی سیاست اور اس کی سیاست میں کوئی فرق نہیں رہے گا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے بازار میں چکر لگا رہے ہیں، ایک جگہ گیہوں گیلے نظر آئے، آپ نے فرمایا: **من غشنا فليس منا**. (ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب النھی عن الغش) جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، گیہوں میں پانی ملا کر لوگوں کو دھوکا دیا جا رہا ہے، ایک مسلمان تاجر اس طرح نہیں کر سکتا۔

قرآن سے رشتہ جوڑو

اس لئے یہ ساری چیزیں ہیں، لیکن افسوس ہم نے بنیادی چیز قرآن کریم کو فراموش کر دیا، ساری باتیں قرآن کریم میں موجود ہے، ہم نے قرآن مجید کے علاوہ سب کو پڑھا، اللہ پاک حضرت مولانا اسماعیل صاحب بھوٹا کو جزائے خیر دے، انہوں نے قرآن کریم کی گجراتی زبان میں ایک تفسیر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی جس میں قرآن ہے، حدیث ہے، فقہ کے مسائل ہے، اور اس وقت دنیا میں جو مسائل پیش آتے ہیں، ان ساری چیزوں کے جوابات حضرت مفتی شفیع صاحب نے لکھے، حضرت مولانا اسماعیل صاحب نے گیارہ جلدوں میں اور وہ بھی ایک ایک جلد میں آٹھ سو آٹھ سو صفحات ہیں، آٹھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل گجراتی زبان میں تفسیر آچکی ہے، دنیا کی ساری چیزیں پڑھتے ہیں، کل قیامت کے دن اللہ پاک پوچھیں گے کہ

سب کو پڑھا لیکن مجھے پڑھا؟ میں اپنے دعوت وتبلیغ کے احباب سے بھی کہوں گا کہ فضائل اعمال کو پڑھیں، لیکن آپ ایک داعی ہے، آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ قرآن کو بھی سمجھیں، آپ کو سمجھ میں نہیں آرہا ہے، علماء کرام سے پوچھیے اور یقین کی جو کیفیت ہے، وہ قران سے بڑھ کر کہیں نہیں مل سکتی۔ قرآن نے جن کیفیتوں کو ذکر کیا ہے اور آپ بھی عربی پڑھنے والے اور سمجھنے والے ہوجائیں تو اصل لذت تو قرآن کی عربی زبان میں آئے گی، اللہ تبارک وتعالی فصاحت و بلاغت کے ساتھ توحید کی منظر کشی فرماتے ہیں، تو یہ گجراتی زبان میں ہمارے لئے اتنا بڑا تحفہ ہے، لائبریری کے لئے خریدیں، اپنے لئے خریدیں، اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے اس کو خریدا جائے اور اس کو عام کیا جائے، اتنا بڑا کام آسان نہیں تھا، اللہ پاک نے اس بندے سے لیا، میں نے حضرت مولانا سے یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن یہ پوچھیں گے کہ اسماعیل کیا لے کر آیا ہے؟ آپ نے اتنا کہہ دیا کہ آپ کے اس کلام کی تفسیر کا گجراتی کر دیا، چھ کروڑ گجراتی زبان جاننے والے ہیں، ان کے پاس پہنچانے کے لئے، صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، ہم آپ دوسروں تک پہنچاتے نہیں ہیں، تو اللہ پاک کی طرف سے مار آتی ہے، اس لئے سارے احوال کا پیش آنا قرآن کو چھوڑنے کی بنیاد پر ہے، اللہ پاک ہمیں توفیق عنایت فرمائے، ایمانیات مضبوط رکھے اور قرآن کریم کی تعلیم میں ہم لوگوں کو لگائے رکھے اور ان کو سمجھنے کی اللہ پاک توفیق دے۔

اس لئے کہ یہی تو اللہ تعالیٰ کا وہی کلام ہے جو پوری انسانیت کے لئے اللہ پاک نے نازل فرمایا، اس کو پڑھنے والے، سمجھنے والے، خریدنے والے بنیں، اللہ پاک کہی سنی باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(۲۱) اصلاح معاشرہ

(بمقام: گارڈن مسجد، بھروچ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ علٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى اٰلِه وَ اَصْحَابِه اَجْمَعِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وتَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ○بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○(سورة النحل:۹۰)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ والشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

انسان کا سماج اور سوسائٹی سے تعلق

ایک فرد ہوتا ہے اور ایک پورا سماج وسوسائٹی ہوتی ہے، تو سماج بھی ضروری ہے اور ایک آدمی بھی ضروری ہے، قیمتی ہے، اس کی اصلاح بھی ضروری ہے اور سماج اور سوسائٹی کی اصلاح بھی ضروری ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کرام تشریف لائے تو انہوں نے الگ الگ ہر انسان پر اور پھر پورے سماج پر محنت فرمائی، آپ کی روایات اور قرآن کریم کی آیات ہمیں ہر ایک کو انفرادی پرائیویٹ طور پر خطاب کررہی ہے، یہ اجتماعی طور پر پورے سماج اور

سوسائٹی سے وابستہ ہے، یورپ نے یہ کہا کہ ایک فرد اور ایک انسان کی آزادی اہم اورضروری ہے، اس کی بنیاد پر ایک ایسی محنت کرو کہ اس کا تعلق اپنے سماج سے کٹ جاوے، اس کا تعلق اپنے مذہب سے الگ ہوجائے، اس کا تعلق اپنے ملنے جلنے والے سب سے الگ ہوجائے۔

ایک بڑا جانور شیر اور چیتا کسی جانور کا شکار کرتا ہے، تو جان بوجھ کر اس کو چھیڑتا ہے اور اس کو اپنے پیچھے ڈوراتا ہے اور جب ریوڑ سے وہ الگ ہوجاتا ہے تو اس کو دبوچ لیتا ہے، اسی طریقے سے دنیوی شیطانی دجالی قوتیں ایمان والوں کو اپنے مذہب اور سوسائٹی سے الگ کرنے کی کوشش کرتی ہیں، یورپ میں تو یہ کامیاب ہوگئے اور انہوں نے انسان کی آزادی کے عنوان پر اس کو اپنے سماج سے، اپنے مذہب سے اور سب چیزوں سے الگ کردیا، کون باپ؟ کون ماں؟ کون سے رشتہ دار؟ اور کون تعلق والے؟ کسی کا پتہ نہیں، الیومنیٹی نام کا گروپ ہے، اس کی کوشش دنیا بھر میں یہی ہے کہ انسانوں کو اپنے مذہب سے، اپنی سوسائٹی سے اور اپنے تعلق والوں سے، جن جن سے وابستگی ہوسکتی ہے، سب سے الگ کرو، آپ دیکھ چکے ہیں کہ سوشل میڈیا حکومت کے قبضے میں بھی نہیں ہے، حکومت کنٹرول کرنا چاہے پھر بھی ان کے کنٹرول سے باہر ہوچکی ہے، یہ سب چیزیں کیوں ہورہی ہے؟ ایک فرد ایک انسان کو آزادی حاصل کرنے دو اور اس کی آزادی کے لئے اس طریقہ کی محنت کرو کہ وہ خودبخود سماج سے کٹ جائے، پھر اس پر حملہ کرنا آسان ہے۔

یہ عالمگیریت اور گلوبلائزیشن جو چل رہا ہے کہ سب کی سوچ ایک ہو، یہ پوری محنت میڈیا کے ذریعہ ہورہی ہے، ہمارے لباس کو بھی نشانہ بنایا جارہا ہے، ہمارا شرعی حلیہ اور ہماری ڈاڑھیوں کو بھی نشانہ بنایا جارہا ہے، اس لئے اس کے پیچھے محنت کرتے ہوئے سب کو ایک کردو اور فکرو دماغ بھی سب کا ایک ہوجائے، پھر اس پر حملہ کرنا آسان ہوجائے، یہ پوری محنت انسان کی آزادی کے عنوان سے ہورہی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرد پر بھی محنت فرمائی اور ایک ایک انسان پر محنت کرنے کا حکم فرمایا، ہمارے امام صاحب نے مغرب کی نماز میں جو آیات پڑھی، سماج اور سوسائٹی کے عنوان پر؛ یہ ساری آیات سورۂ حجرات کی ہیں۔

سماج اور سوسائٹی کو توڑنے والی برائیاں

سماج اور سوسائٹی میں وہ کون سی برائیاں ہیں جو سماج کو توڑتی ہے، آپس میں حسد، بغض، کینہ اور ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارنا یہ ساری چیزیں ہیں، جو سماج میں انفرادیت اور آپس میں ٹوٹ پیدا کرتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے کتنی شاندار مثال بیان فرمائی، آپ سن چکے ہوں گے کہ کچھ لوگ کشتی کا سفر کر رہے ہیں، لوگ کشتی میں ہے، اوپر کا منزلہ ہے، نیچے کا منزلہ ہے، نیچے منزل والے جب پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اوپر آتے ہیں اور پانی اوپر ہونے کی وجہ سے ان کے بار بار آنے کی وجہ سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، تو نیچے والوں نے یہ کہا کہ بہتر یہ ہے کہ ہم کشتی میں نیچے سوراخ کر کے نیچے سے پانی لے لیں، صاف بات ہے کہ سمندر کا پانی کشتی میں آئے گا، تو سب ڈوب جائیں گے (بخاری: کتاب الشهادات، باب القرعة فی المشكلات)، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر سمجھایا جیسے یہ نیچے والوں کا کشتی میں سوراخ کرنا نیچے والے اوپر والے دونوں کے لیے نقصان دہ ہے، اسی طرح سماج میں ایک انسان کوئی برائی، کوئی گناہ کرے گا اور اس کے اوپر کوئی روک لگانے کی کوشش نہیں کرے گا، تو آہستہ آہستہ پورا سماج اس میں گر جائے گا، یہ بہترین مثال جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے کر ہمیں بتلایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (تحریم:٦) اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ راستے سے گزر رہے ہیں، ایک یہودی بچہ ادھر سے آ رہا ہے، وہ صرف آپ کو اتنا کہہ دے کہ یہ راستہ جس پر آپ جا رہے ہیں، آگے زہریلا جانور ہے، آپ اس کو یہ نہیں پوچھیں گے کہ تو مسلمان ہے؟ تو غیر مسلم ہے؟ تیرا کیا نام ہے؟ بلکہ اس پر بھروسہ کر کے سیدھے اس راستے سے واپس آ جائیں گے کہ آگے خطرہ ہے، انبیاء کرام علیہم السلام ہمارے سامنے آخرت کی زندگی کو پیش کرتے ہیں، ہمارے ایمان کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی بچے کی بات پر ہمیں بھروسہ ہے، لیکن انبیاء کی بات

پر نہیں کہ مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ آخرت کی زندگی میں کیا ہوگا؟ ہمیں اتنا اطمینان نہیں ہوتا جتنا اس بات پر ہے، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماج اور فرد دونوں کو جھنجھوڑا۔

انسانی سماج میں سوسائٹی اور سماج کا کردار

دوستو اور بزرگو!

انسانی تاریخ اور ہسٹری بتلاتی ہے کہ سماج اور سوسائٹی کا انسانی سماج کے اندر بہت بڑا مقام ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایک بہت بڑی اسلامی حکومت مسلمانوں کو عطا ہوئی، اس کے بعد بہت سارے مسائل بھی پیدا ہوئے، آپس میں جنگیں ہوئی، لیکن پورا سماج اور پوری سوسائٹی، منظم تھی، سماج کے اندر برائی کو برائی سمجھی جاتی تھی، نیکی کو نیکی سمجھی جاتی تھی، اس کا اثر یہ ہوا کہ حجاج بن یوسف جیسا ایک ظالم آیا، مختار ثقفی آیا، خلفائے بنو امیہ، خلفائے بنو عباسیہ میں بہت سارے ظالم آئے، لیکن اسلامی سماج اور سوسائٹی کا ڈیفنس کا نظام بہت مضبوط تھا اور برائی کو برائی سمجھ رہے تھے، اس بنیاد پر سماج پر کوئی برائی غالب نہیں ہوئی، ایک بڑا حملہ تاتاریوں کا ہوا، مسلمان منتشر ہو گئے، لیکن سماج کے اندر اخلاقیات تھی تو اس کی بنیاد پر اللہ پاک نے پھر دوسرے کو آگے کیا اور عثمانی سلطنت کے ذریعے چار سو سال تک خلافت کا نظام باقی رہا۔

اچھی صلاحیت کی بنیاد پر حکومت قائم رہتی ہے

اللہ پاک نے دنیا کے نظام میں یہ رکھا ہے کہ جب کسی سماج اور سوسائٹی میں اچھی صلاحیت ہوتی ہے تو دنیا کی صلاحیت کی بنیاد پر اللہ پاک ان کو حکومت بھی دیتے ہیں، اسی ہندوستان میں انگریز آئے اور ایک بڑا جنرل رابرٹ کلائیو جس نے انگریز حکومت ہندوستان میں قائم کرنے کے لئے بہت بڑی قربانی دی، لیکن جس وقت ان سے غلطی ہوئی تو انگریزوں نے اسے انگلینڈ بھیج دیا اور پھر اس کے بعد ان کا حساب لیا، احتساب کیا اور اس کو اس عہدے سے الگ کر دیا کہ یہ ایک غلطی ہوئی ہے، دوسری غلطی ہوگئی تو ہندوستان پر ہماری حکومت کا اثر ختم ہو جائے گا، حکومت چلانے کے کچھ اصول اور ضابطے جانتے تھے کہ پبلک کے ساتھ کس طریقے سے رہا

جائے؟ یہاں تک انگریز کا اس ملک میں سورج غروب نہیں ہوا، لیکن جب انگریزوں میں بھی بگاڑ آ گیا، تو اس ملک سے بھی ان کی حکومت گئی، تو اللہ پاک نے فرد اور جماعت ان دونوں کا اس طریقہ سے تعلق رکھا ہے، جیسے اپنے ایمان کی فکر کرتے ہیں، اپنے اطراف میں بھی لوگوں کی فکر کریں، ہمارے اطراف کے اندر کوئی برائی ہو رہی ہے تو یوں نہ کہے کہ اس کے یہاں آگ جل رہی ہے، ہمارے یہاں نہیں، آگ گرمی پکڑے گی، اس طریقے سے یہ برائی یہ خرابی بڑی، یہ آگ ہمارے گھر کو بھی نہیں چھوڑنے والی ہے، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس بات کی تاکید کی کہ ہم لوگ اس کو سمجھیں، اسلامی معاشرہ، سماج کی اصلاح اور درستگی ہم میں سے ہر ایک انسان کی فکر میں رہے۔

ایمانیات واسلامیات کے بقاء میں سماج کے نیک لوگوں کا کردار

دوستو بزرگو!

روس کے اتنے بڑے ظالم نظام کے باوجود، کمیونسٹ نظام کے مظالم کے باوجود ستر سال کے بعد جب روس کا نظام ٹوٹا، اس میں قزاقستان، ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان وغیرہ سارے جتنے علاقے ہیں، اللہ پاک نے ان کے آباء واجداد کی مسلسل محنت کی وجہ سے ان کو ایمان پر باقی رکھا، آج سے دس اور بارہ سال پہلے یہی ترکی جس پر آج طیب اردگان جیسا نیک صالح انسان حکمراں ہے، وہاں بھی مسلمانوں کو کس طرح ستایا گیا، اذان پر پابندی لگائی گئی، ظلم وتشدد بڑھتا گیا، لیکن نقشبندی سلسلے کے علماء کرام اور صوفیاء کرام نے اندر سے محنت جاری رکھی تھی، تو معاشرہ اور سوسائٹی منظم تھی، اتنا انتشار پیدا ہونے کے بعد بھی ان سب میں آپس میں اپنے سماج کے سلسلے کی ایک فکر تھی، صوفیاء کرام نے یہی کیا تھا کہ شادی بیاہ کے موقع پر کچھ گانا رکھوایا اور اس گانے میں ایمانیات اور اسلامیات کی چیزیں رکھ دی، اور اس طریقے سے لوگوں کے دلوں میں ایمان باقی رکھا، عید کے دن نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، صرف ٹوپی پہننے کی اجازت تھی، ان ٹوپیوں نے ان کا اسلام بچایا، چیچنیا پر حملہ ہوا، پورا ملک تباہ و برباد

ہو گیا، لیکن پوری تاریخ میں ہمیں یہ نہیں ملتا ہے کہ چیچنیا کے مسلمان مرتد ہوئے ہو، یہ نہیں ہوا، پہلے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ہمیں کیوں مارا جارہا ہے؟ کس بنیاد پر؟ صرف یہی ایمانیات کی بنیاد پر یا ترک نسل ہونے کی بنیاد پر؟ لیکن ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ان کو کیوں مارا جارہا ہے، جب یہ کہا گیا کہ تم مسلمان ہو تو ان کو پتہ چلا کہ ہم مسلمان ہیں، لیکن اب ہم مسلمان کیوں ہیں؟ اور مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ یہ تلاش اور جستجو ہوئی، تو اللہ پاک نے ان کو ایمان پر باقی رکھا، تو سماج اور سوسائٹی مضبوط ہوتی ہے، برائی کو برائی سمجھنے کا جس سماج میں احساس باقی رہتا ہے، اللہ پاک اس سماج کو دنیوی اعتبار سے بھی کامیاب فرماتے ہیں اور دینی اعتبار سے بھی کامیاب فرماتے ہیں، اس لئے اس وقت سب سے بڑی ہماری ضرورت یہی ہے جس کے لئے آپ حضرات کو یہاں جمع ہونے کی زحمت دی گئی۔

ہمارے پورے بھروچ ضلع کے اعتبار سے ہر ہر گاؤں کے اندر اصلاحی معاشرتی پروگرام ہوئے ہیں اور ہر گاؤں میں کچھ افراد کو تیار کیا گیا ہے کہ آپ اپنے گاؤں میں آپس کے مسلمانوں کے جھگڑے اور مسائل پریشانیاں ہوں تو مل جل کر بیٹھ کر مصالحت کے طریقے پر اپنے مسائل کو حل کریں۔

دوستو بزرگو!

اسلامی حکومت ہے نہیں، اس ملک کا نظام سیکولر ہے، لیکن جو نظام آگے آرہا ہے اس کے اعلانات ہورہے ہیں، یہ مسلمانوں کے لئے خطرے کی چیز ہے، ہماری نئی نسل کے لئے اسکول کے نظام میں اور نصاب میں ایسی چیزیں آرہی ہیں جو ان کے ایمان کو محفوظ نہیں رکھ سکتی، جہاں ملازمت کررہے ہو، اس طرح جہاں جہاں جن شعبوں میں کام کررہے ہوں گے، یقینا کچھ حالات آئیں گے، اللہ پاک نے خود صاف صاف ارشاد فرمایا: أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (عنکبوت:۲) کہ جب تم نے کلمہ پڑھ لیا تو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ صرف لا الہ الا اللہ پڑھ لینا کافی ہوگا؟ وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

فَلَيَعْلَمَنَّ اللهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ (عنکبوت: ۳) اللہ پاک صرف آزمائش لینا چاہتے ہیں کہ کون سچے ہیں، اور کون ادھر سے ادھر ہو جانے والے ہیں، اس آزمائش کے موقع پر ہمیں وہی کرنا ہے جو صحابہ کرام نے فرمایا اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران: ۱۷۳) غزوۂ اُحد میں شکست ہوئی اور ابوسفیان لشکر لے کر آگے چلے گئے، آگے جا کر خیال آیا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے، تو پھر دوبارہ آرہے ہیں، اس طرح کی خبریں آرہی ہیں، مسلمانوں سے کہا گیا تو ایمان والوں نے کہا فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ان کے ایمان میں اور بڑھوتری ہوگئی اور یہی کہا کہ حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ لوگ تمہارے مقابلے میں جمع ہوئے ہیں، حملہ کرنے آرہے ہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے فرمایا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران: ۱۷۳)

غزوۂ خندق کے موقع پر بھی قرآن پاک نے صاف ارشاد فرمایا ہے، جب یہ کہا گیا کہ إِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (احزاب: ۱۰) تمہارے اوپر سے نیچے سے سب جگہ سے آئے ہیں، وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (احزاب: ۱۱)، سخت آزمائش میں مبتلا ہو گئے، لیکن قرآن مجید فرماتا ہے کہ جب صحابہ کرام کو کہا گیا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب: ۲۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تمہارے مقابلے کے لئے اس طریقہ کی کوشش کریں گے، قیامت تک یہ چیز رہے گی، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان کی حفاظت مضبوط طریقے سے کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری دنیا بھی برباد ہو اور ہمارا دین بھی برباد ہو، دنیا کے مقابلے میں ہم دین کو ترجیح دیں گے اور دین کی چیزوں پر مضبوطی سے قائم رہیں گے، اپنی اولاد کی فکر کریں گے، اپنے پڑوسیوں کی فکر کریں گے۔

آپس میں صلح کرانا

دوستو اور بزرگو!

سب سے بڑی چیز ہے مصالحت؛ دو ایمان والوں میں آپس میں جھگڑا ہوا ہو تو ہم ان کے جھگڑے کو دور کرنے کے لئے جو کوشش ہو اس کے لئے ہم تیار رہیں، اللہ پاک ہمیں اس کے لئے کچھ استعمال فرمالیں، یہ مشکل کام ہے، شیطان ایسے موقع پر آ کر کہتا ہے کہ اچھا ہوا ہے، اس مسئلے کو اور لگاؤ، اور ان کے درمیان اتحاد اور اتفاق نہ ہونے دو، یہ کوشش چلے گی، لیکن مسلمان اور مومن کے درمیان صلح اور مصالحت کی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ فضیلت ذکر فرمائی ہے، دو آدمیوں کے درمیان لڑائی ختم کرنے کی حدیث شریف میں فضیلت ذکر فرمائی ہے کہ اس کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے، حالاں کہ جھوٹ بولنا سب سے بڑا گناہ ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی موقع پر دو آدمی کے درمیان صلح کروانے کے لیے جھوٹ بولا، تب یہ جھوٹ آپ کے ثواب کا ذریعہ بنے گا (ابو داود: کتاب الادب، باب فی اصلاح ذات البین)، آپ دونوں کو جوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس نے دوسرے کی تعریف نہیں کی ہے، پھر بھی کہو کہ فلانہ تو آپ کی تعریف کر رہا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرانا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جو تعریف فرمائی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ میرا بیٹا حضرت حسن اللہ پاک ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح فرمائیں گے (ابو داود: کتاب السنة، باب مایدل علی ترک الکلام فی الفتنة)، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ ہی عراق اور جزیرۃ العرب کے خلیفہ تھے اور ملکِ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک طرف مسلمانوں کا چالیس ہزار کا لشکر تھا، دوسری طرف مسلمانوں کا ساٹھ ہزار کا لشکر تھا، یہ مسلمانوں کی سب سے بہترین جماعت اور پوری ملت اسلامیہ جن میں صحابہ کرام اور تابعین ہیں، ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ حضرت

حسن رضی اللہ عنہ نے صلح فرمالی اور خلافت حضرت معاویہ کے حوالے کردی اور مسلمانوں کا اختلاف اور انتشار ختم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا: میرے اس بیٹے کے ذریعہ اللہ پاک امت کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح فرمائیں گے، خاندان کی عورتیں بیوہ ہونے سے بچے گی اور بچے یتیم ہونے سے بچ جائیں گے اور آپس کے جھگڑے اور انتشار سے جو آپس میں گناہ اور برائیاں پیدا ہوئی یہ سب کے سب ختم ہوگئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت معاویہ نے اس کے بعد بائیس سال تک حکومت کی اور یورپ کا ایک حصہ اور افریقہ کے جزیرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس صلح کی برکت سے اللہ پاک نے حکومت اسلامیہ میں شامل فرمائے، اور اتنے لوگوں کے ایمان کا ذریعہ بنا، جب آپس میں جھگڑے اور فتنہ وفساد ہوگا تو اس کی بنیاد پر نہ نمازوں میں چین، نہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں چین اور سکون نصیب ہوگا، آپس میں انتشار ہوگا اور مسائل حل نہ ہوں گے۔

اس لئے سب سے بڑی ضرورت ہے کہ ہمارے ذریعے ہمارے آپس کے جھگڑوں سے صلح ہو، میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا (نساء:۳۵) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کے جھگڑے میں آپ گواہ اور فیصل بن رہے ہیں اور آپ ان کے جھگڑوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے، اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا (نساء:۳۵) لڑکے اور لڑکی والوں کے آپس کے جھگڑے، اسی طرح میراث کے جھگڑے کثرت سے چلتے ہیں، ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، ہم اللہ کو رازق حقیقی سمجھیں، ہم جب اللہ کے حکم پر چلیں گے تو آخرت میں ثواب ملے گا، دنیا میں اللہ تعالی ہمارے مال ودولت میں برکت عطا فرمائیں گے۔

معاشرہ کا ہر فرد اپنے حقوق بجالائے

لہٰذا اصل چیز ہے وہ ہے برکت؛ مال مل جائے، لیکن گھر میں سکون نہ ہو، کسی کا حق دبایا ہوا ہے اور آپ نماز پڑھ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **انی یستجاب لھا؟** اس کی دعا

کیسے قبول ہو؟ **مشربه حرام و مطعمه حرام.** (مسلم کتاب الزکاۃ، باب قول الصدقة من الکسب الطیب وتربیتها) اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، بہنوں کا حق لگا ہوا ہے، پھوپھیوں کا حق لگا ہوا ہے، آپس کے رشتے داروں کا حق لگا ہوا ہے، بھائی بھائی کی ملکیت پر قبضہ کیے ہوئے ہیں، تو یہ اس قسم کی چیزیں ہیں جو ہمارے سماج کو کھا جاتی ہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ کی رحمت سے دور کر دیتی ہیں اور اس کے مقابلے میں جو چیزیں ذکر کی گئیں یہ ہمیں اللہ کی رحمت سے قریب کر دے گی، اس لئے یہ اصلاح اور درستگی کے لئے ہم میں سے ہر فرد کوشش کرے، **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته.** (بخاری: کتاب النکاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها) ہم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک کو قیامت کے دن اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا، امر بالمعروف بھلائی کا حکم دینے والی نہی عن المنکر برائی سے روکنے والی جماعت بنا کر بھیجا ہے، اس لیے پہلے ہم برائی سے رکیں اور پھر اللہ کے بندوں کو برائی سے روکنے کی کوشش بھی کریں، اللہ تبارک وتعالی ہمارے اس مجمع کو قبول فرمائے اور جو کچھ اس سلسلے میں بات چیت ہوئی، آپ اس میں تعاون فرمائیں، ہماری زبان، ہمارے کہنے، ہمارے بیٹھنے سے اگر دو ایمان والوں کے جھگڑے دور ہو جاتے ہیں، آپس کے مسائل حل ہوتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالی بہت خوش ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ پاک کہی سنی باتوں پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۲۲) طلاق ثلاثہ اور سپریم کورٹ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا ○(سورۃ الطلاق:۱)وَقَالَ تَعَالٰی: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ(بقرہ:۲۲۹)وَقَالَ تَعَالٰی: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ(بقرہ:۲۳۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم اور مکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

آپ حضرات کے سامنے کلام پاک کی جو آیات کریمہ پیش کیں، ان میں پہلی آیت تو سورۂ طلاق کی ہے،سورۃ کا نام ہی سورۂ طلاق ہے، دوسری آیت طلاق کے متعلق ہے، ہمارا گزشتہ پورا ہفتہ سپریم کورٹ میں طلاق کے مسئلے پر گزرا، اور گزشتہ کل بحث ختم ہوئی، مسلسل چھ دن تک

مخالفین، مسلم پرسنل لابورڈ اور جمیعت علماء کے وکلاءسب نے مل کر بحث کی۔

اسلام کا نظام طلاق

دوستو اور بزرگو!

اسلام میں طلاق کے مسئلے کو تفصیل سے کتاب اللہ میں اور اس سے زیادہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا، اور ان دونوں کو بنیاد بنا کر ہمارے علماء اور مجتہدین نے، اسلامی قانون کے ماہرین نے انسائیکلوپیڈیا اور بڑی بڑی کتابوں میں نقل کیا، طلاق اور نکاح مسلم پرسنل لا کے ضروری جزء ہیں، بہت تفصیل سے ان کو کتاب وسنت کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے اور اُس وقت ذکر کیا ہے جبکہ دنیا میں عورتوں کے سلسلے میں کوئی قانون نہیں تھے، نہ ہندوستان میں تھے اور نہ دنیا کے اپنے آپ کو مہذب کہنے والے رومن امپائر اور ایرانین امپائر کے پاس تھے، اور اس ملک میں بھی نہیں تھا، جس ملک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس ملک کی اس سے بدتر حالت تھی، کلام پاک کی آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌ بِإِحۡسَانٍ (بقرہ:۲۲۹) اور فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۡ بَعۡدُ حَتَّى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُ (بقرہ:۲۳۰) ان آیتوں کے ذریعے اللہ تبارک وتعالی نے اسلام کے طلاق کے نظام کو بہت واضح انداز میں ذکر فرمایا۔

طلاق ثلاثہ کا ذکر قرآن مجید میں

یہ میں آپ کے سامنے اس لئے گفتگو کرتا ہوں کہ گزشتہ ہفتے کئی وکلاء کی طرف سے حتی کہ مسلم پرسنل لا کے جو وکیل تھے، کپیل سبل صاحب کی طرف سے بھی یہ جملہ نکلا کہ اسلام میں طلاق کی تعداد کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں، جمیعت کے وکیل صاحب نے بہت وضاحت کے ساتھ کہا کہ قرآن کریم میں بھی اور احادیث مبارکہ میں بھی تفصیل موجود ہے، اس قسم کی جو باتیں پیش آتی ہیں اور مسلمان کنفیوز ہوتے ہیں، آخر کتاب وسنت میں کیا ذکر کیا؟ اسی طرح ایک وکیل

جو پہلے مسلم پرسنل لا اور شاہ بانو کیس میں بدتمیزی کر چکے ہیں، یہ بھی ہمارے مخالف عورتوں کی طرف سے وکیل بن کر آئے اور کہا کہ قرآن کریم میں طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں، صرف مولوی ملاؤں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے اور سب سے بڑے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا ہے، یہ ایک تاریخی نادانی وناواقفیت یا زیادہ سے زیادہ کہیں تو جان بوجھ کر شرارت کی ہے۔

عارف محمد خان علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے Student رہ چکے ہیں، پڑھے لکھے ہیں، راجیو گاندھی کے زمانے میں وزارتی عہدے پر فائز رہ چکے ہیں، اور ابھی بڑھاپے میں یہ چیزیں سمجھ میں آرہی ہے، یہ میں آپ کے سامنے اس لئے کہتا ہوں کہ قرآن کریم میں طلاق کے مسائل کو ذکر کیا ہے اور تین طلاق کے مسئلہ کو بھی ذکر کیا ہے، جو آیت آپ کے سامنے پڑھی، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ. طلاق دو مرتبہ ہے فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ دو طلاق دینے کے بعد آدمی کو اختیار رہے، اگر اچھے طریقے اور سلوک کے ساتھ اپنی بیوی کو رکھنا چاہے تو فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوف شریعت اسلامیہ میں اس کو اختیار ہے؛ اگر نہیں رکھتا ہے تو أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ کہ احسان کے ساتھ سلوک کر کے اس عورت کو رخصت کرے۔

یہ آیت کریمہ آپ ﷺ پر نازل ہوئی، صحابۂ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قرآن میں دو طلاق کا تو ذکر ہے، بخاری شریف کی روایت میں آپ کے سامنے نقل کر رہا ہوں، آپ ﷺ سے صحابہ کرام نے پوچھا کہ تیسری طلاق کا ذکر قران میں کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ. دو طلاقیں ذکر کر کے شریعت نے اس کے لئے ایک آپشن رکھا ہے، یا اچھے طریقے سے اپنے نکاح میں رکھتا ہے، یا جدا کرنا ہے، جب دو مرتبہ کا قرآن ذکر رہا ہے، اس کے بعد قرآن یہ فرما رہا ہے: تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔ پہلی دوسری کو قرآن نے ذکر کر دیا ہے، قرآن فرما رہا ہے، فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ اور یہ دو مرتبہ کے طلاق کے بعد تیسری طلاق کا جو آپشن کھلا رکھا ہے، اگر تم نے ان میں سے ایک پر عمل کر کے عورت کو طلاق دی، فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ یہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک کہ کسی دوسرے مرد سے شادی کرے، یہ الفاظ قرآن کے ہیں، مولوی ملاؤں کے نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حلالہ کو ایجاد نہیں کیا بلکہ قرآن کریم میں یہ صاف فرمادیا گیا ہے۔

زمانۂ جاہلیت اور طلاق

تو پہلی بات یہ ہے کہ عرب جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ مرد عورت کو طلاق دیتا تھا، ایک، دو، تین، پانچ، سو اور بعد میں رجوع کر لیتے تھے، اسی طرح عورتوں کو پریشان کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کے دستور کو ختم کرنے کے لئے اس آیت کریمہ میں تذکرہ فرمایا، طلاق کے طریقے کو قرآن کریم میں جس جگہ پر ذکر فرمایا ہے اس کو سوچنا ہے، مجھے آپ سے عرض کرنا ہے کہ بہت سارے افراد نے، اخبار اور میڈیا نے پورے ہفتے میں اتنی باتیں چلائی جبکہ وہ قرآن اور حدیث کو جانتے نہیں ہیں، کچھ ڈگری حاصل کر لی ہے، پڑھے لکھے ہیں، بلکہ میں یہ کہوں گا کہ وکلاء حتی کہ ماہر وکیل کپیل سبل صاحب یا اور دوسرے دو ہیں، جو قرآن اور حدیث کے لئے روزانہ بحث کرتے ہیں اور مسلم پرسنل لا آفس میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ایک ہفتے سے نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے ہیں اور مولانا ولی رحمانی صاحب اور مولانا فضل الرحمن مجددی صاحب یہ تینوں سیکریٹری وہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اور علماء کرام کی پوری ٹیم بیٹھی ہوئی ہے اور یہ حضرات وکلاء کو دلائل فراہم کرتے تھے اور سپریم کورٹ میں جا کر انہوں نے دو دن میں دلیلیں پیش کی۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کوئی شخص دو دن تین دن کی تعلیم سے پوری سسٹم کو جان نہیں سکتا ہے، اس لئے ان کو اسلام کے طلاق و نکاح کے سسٹم کا پورا علم نہیں ہے، اور چونکہ ہندوستان میں فقہ حنفی ماننے والی بہت بڑی اکثریت ہے، اس لئے یہ جو کیس چلا تھا وہ حنفی مسلک کے مطابق تھا، کیس دائر کرنے والی لڑکیاں سائرہ بانو اور دوسری دو عورتیں یہ خود بھی حنفی مسلک ماننے والی، ان کا گھرانہ بھی حنفی مسلک ماننے والا، ان کے خاوند بھی حنفی ہیں، اس لئے اس پورے مسئلہ اور پوری سسٹم میں بحث کی گئی ہے وہ حنفی مسلک کے مطابق کی گئی ہے، دوسرے مسالک پر یہ مسئلہ نہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاق اور حکومت ہند کی سازش

دوستو اور بزرگو!

ہم کو اس اہم بات اور پوئنٹ کو سمجھنا ہے کہ حکومت ہند اس مسئلہ میں جس چیز کو چاہ رہی ہے کہ اس طلاق کی سسٹم کو بالکل ختم کر دینا ہے، تین طلاق کو بالکل کالعدم یعنی شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے، اس کو رد کر دیا جائے، اس کو کینسل Cancel کر دیا جائے، ہمارے شیعہ حضرات اور غیر مقلدین حضرات ان کا مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دی تو وہ ایک واقع ہوتی ہے، وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ واقع ہی نہیں ہوئی، یہاں بحث یہ ہے اور اس مسئلے کو سمجھنا ہے کہ وہ حضرات بھی اپنے یہاں طلاق کو واقع کر رہے ہیں، اسلام کی آٹھویں صدی میں امام حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے اختلاف کیا؛ لیکن ان کی دلیل مضبوط نہیں تھی، دوسری طرف چاروں امام؛ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور چھ محدثین جن کو ہم اصحاب صحاح ستہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور دوسرے حضرات ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آدمی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی تو وہ تین ہی کہا جائے گا اور یہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ بخاری شریف میں مستقل ایک روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئی ہے کہ تین طلاق کو تین ہی واقع قرار دیا جائے، صاف روایت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جن کو ہمارے غیر مقلدین حضرات بہت مانتے ہیں، ان کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ بخاری شریف کھولئے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک عنوان قائم کرتے ہیں اور امام بخاری کا پورا فقہ اور سمجھداری ان کے ہیڈنگ (ٹائٹل) میں ہوتا ہے، عنوان میں ہوتا ہے، جو وہ حدیث کے اوپر لگاتے ہیں، ان میں امام بخاری بہت مشہور ہیں'' **فقه البخاری فی تراجمه**'' مشہور ہے۔ میں نے آپ حضرات کے سامنے جو آیت پڑھی ہے۔ **اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ**۔ بخاری شریف میں اس آیت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا اور ساتھ میں فرمایا: ''**باب من اجاز الطلاق**'' جو تین طلاق کو جائز قرار دیتے ہیں ان میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو

جائز کہہ رہے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو مکروہ فرمارہے ہیں اور اس کو ہم طلاق بدعت کہتے ہیں، لیکن اگر کسی نے طلاق دی تو قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقع ہوجائے گی۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (بقرہ:۲۳۰)

قرآن کریم میں طلاق ثلاثہ کی ترتیب

دوسری گفتگو یہ ہے کہ اصل میں اس آیت کریمہ کو قرآن میں اس ترتیب سے کیوں ذکر کیا؟ سپریم کورٹ میں یہ مسئلہ پیش آیا، قرآن میں تین طلاق کا ذکر ہے، یقیناً تین طلاق ایک مجلس میں دی جائے، ایسا صراحتاً لفظ نہیں، لیکن قرآن میں جو ترتیب ذکر فرمائی ہے، پہلے فرمایا: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ آپ کو میں کہہ چکا ہوں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کے یہاں تعداد نہیں تھی، دو سو پانچ سو طلاق دے دیتے تھے، حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ صحابی فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیوی کو زمانہ جاہلیت میں اتنی طلاق دے دی، اسلام نے طلاق کی تعداد پر بریک لگائی اور تین تک شریعت مطہرہ نے اجازت دی، تین سے پہلے تک کا الگ حکم ہے، یہ واضح کرنے کے لئے اللہ پاک نے الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فرمایا، طلاق دو مرتبہ ہے، اگر اللہ پاک یہ فرماتے الطَّلَاقُ مَرَّةٌ کہ طلاق ایک مرتبہ ہے پھر اس کے بعد دوسری مرتبہ ہے، ترتیب میں پہلی اور دوسری میں کوئی فرق نہیں ہوتا، قرآن میں اس کو ملحوظ رکھنے کے لئے فرمایا، حد بندی بتلائی، ایک طلاق دے گا اور عدت کے دنوں میں رجوع کرلیا اور بیوی کو بوسہ دے دیا، بیوی نکاح میں واپس آجائے گی، لیکن یہ طلاق ''صریح طلاق'' ہو، صرف لفظوں میں لفظ طلاق بولی ہوئی ہو، اس کو طلاق صریح کہتے ہیں۔

اگر صریح ہے تو عدت کے دنوں میں اور جب عورت کو حیض کا خون نہیں آتا ہے تو تین مہینہ تک اس کی عدت ہے، ان مدت کے درمیان میں اگر شوہر نے اپنی بیوی کو بوسہ دے دیا تو وہ نکاح میں واپس آجائے گی، ایک ہو تب بھی یہ مسئلہ ہے، دو ہو تب بھی یہی مسئلہ ہے، لیکن یہ پورا معاملہ بیچ میں ختم ہوگیا، ایک طلاق دینے کے بعد شوہر نے اس سے رجوع نہیں کیا، بوس و کنار، صحبت وغیرہ نہیں کی، تو ایک طلاق پڑے گی، اب اس کے بعد زندگی میں جب بھی اس

عورت سے نکاح کرنا چاہے تو صرف نکاح کر لینا کافی ہوگا، حلالہ کی نوبت اور اس کی ضرورت نہیں ہوگی، ایک طلاق میں بھی یہی مسئلہ ہے، دو طلاق میں بھی یہی مسئلہ ہے۔

قرآن کریم اس کو واضح کرنے کے لئے مسئلہ بیان فرما رہا ہے کہ اگر ایک دی ہے یا دو دی ہے، نتیجے کے اعتبار سے فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ ایک کے بعد تم عورت کو واپس لا سکتے ہو، چاہے نکاح کے ذریعے یا عدت میں ہی واپس لا کر، دونوں میں سے کوئی ایک شکل اپنائیں، لیکن دونوں میں فرق اتنا رہے گا کہ طلاق دینے کے بعد عدت میں رجوع کیا تو پھر نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر عدت کے بعد رجوع کیا تو نکاح کی ضرورت ہوگی، جب یہ دو دے چکا ہے، اب تیسری دے گا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں، یہ پورا پروسیجر جو قرآن کریم نے ذکر فرمایا، عورتوں کی ہمدردی کے لئے اور عورتوں کی غمخواری کے لئے ہے، جب کہ زمانۂ جاہلیت میں ان پر زیادتی ہوتی تھی، اس پر بریک لگانے کے لئے اللہ پاک نے یہ حکم فرمایا اور اس لیے ہم اپنی مرضی سے یہ چاہیں کہ قرآن کریم میں تین طلاق کا ذکر نہیں ہے، اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی تو اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا، قرآن ہمارے تابع نہیں ہے، احادیث مبارکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی، قرآن کریم کی تشریح وتفسیر ہوگی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان آیتوں کو واضح کر کے بتلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے واقعات ہوئے، کسی نے ایک سے زیادہ طلاق دی اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نافذ فرمائیں۔

اسلامی تعلیمات کو ہم سمجھیں

لیکن گفتگو یہ ہے کہ ہم اپنا کیس ہمارے غیر مسلم بھائیوں کے سامنے عملاً اسلام کی مخالفت والا رکھتے ہیں، اس کی جو شکل بنتی ہے، فیس بک پر یا اپنے موبائل فون پر اپنی بیوی کو تین طلاق دی، اس سے طلاق واقع ہوگئی، ایک سیکنڈ میں جو حلال تھی وہ حرام ہوگئی، یہ طریقہ قرآن کریم نے پسند نہیں

فرمایا، فارسی میں مثل مشہور ہے'' لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی''۔ کچھ لمحے ہوتے ہیں، کچھ گھڑیاں ہوتی ہیں، اس میں ہم غلطی کرتے ہیں تو صدیوں پیچھے ہوجاتے ہیں، ہندوستان کی سپریم کورٹ میں چھ دن تک مسلسل عورت کی ہمدردی اور غمخواری کے عنوان سے اسلام کو ایسی بدشکل میں پیش کرنے کی بار بار سازشیں اور کوششیں ہو رہی تھیں، جو اسلام کو ایک ظالم اور عورتوں کی حق تلفی کرنے والا مذہب ثابت ہو، یہ ہماری غفلت کی وجہ سے ہو رہا ہے، ہمیں اللہ پاک سے ڈرنا چاہئے، اس لئے کہ اس مسئلہ کا تعلق اس سپریم کورٹ سے نہیں بلکہ اوپر کی سپریم کورٹ سے ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کو نازل فرمایا، وہ اس کی وجوہات، لطافت و باریکیاں سمجھتے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمان اسلامی شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ اور قانون کے مطابق طلاق نہیں دیتے، اس طرح بگاڑ کر پیش کرتے ہیں، جیسے میں نے کہا: معمولی غصہ میں شوہر نے فوراً تین طلاق بول دی، قرآن ایک سسٹم پیش کر رہا ہے، قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے صرف اسلامی نکاح اور طلاق کے مسائل ہی کو نہیں دیکھنا ہے، بلکہ انسان اسلام کو مکمل اس وقت سمجھ سکے گا جب پیدائش سے لے کر موت تک اور عقیدے سے لے کر اعمال تک کی پوری سسٹم کو آدمی سمجھے گا، ایک چیز اٹھا کر پیش کر دیں گے، صرف تین طلاق کے مسئلہ کو ذکر کر دیا۔

اسلام کی خاندانی اور سماجی زندگی

اسلام میں عورتوں کو کیا حقوق ملے؟ وراثت میں کس طرح ان کا خیال رکھا، سماجی زندگی میں عورت پر کوئی ذمہ داری نہیں رکھی، ساری ذمہ داری مردوں پر ہوتی ہے، اس طرح سے ایک ایک قانون کو ہم نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے، اس کا نام'' اسلام کی خاندانی اور سماجی زندگی'' اور ابھی دو دن پہلے چھپ کر آئی ہے، اسلام میں نکاح کے نظام کو کس طرح سے رکھا ہے، نکاح کے بعد میاں بیوی کے آپس کے تعلقات قرآن نے کس طریقے سے ذکر فرمائے، ایک تعبیر دیکھیے کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ:۱۸۷) وہ مرد عورت کے لیے لباس ہے اور عورت مرد کے لیے لباس ہے، لباس کا لفظ قرآن میں ذکر فرمایا کہ لباس

جیسے سردی وگرمی سے بچنے کا ذریعہ ہے، ہمارے اندر کے عیب اور ستر کو چھپاتا ہے، لباس سے مراد لِبَاسًا يُوَارِیْ سَوْآتِكُمْ وَرِيْشًا (اعراف:۲۶) فرمایا کہ تمہارے ستر کو ڈھانپنے کے لئے اور تمہارے بناؤ سنگار، زیب وزینت کے لیے، عورت اپنے شوہر کے لیے اور شوہر اپنی بیوی کے لیے ایک دوسرے کے غم اور ایک دوسرے کی خوشی میں شریک ہو، شوہر غمگین ہے تو بیوی بھی غمگین ہے، رات دن ہم دیکھ رہے ہیں، ہمارے ہندوستانی معاشرے میں میاں بیوی کے تعلقات اتنے مضبوط اور استوار ہے، یورپ کے سسٹم کی طرح ہمارا سسٹم بیکار نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ سویز رلینڈ کے سفر میں گئے، اور وہاں ان کا ڈرائیور تھا وہ گورا تھا، چالیس سال کی عمر تھی تو آپ نے پوچھا: شادی کب کروگے؟ چالیس سال تو ہو گئے، آپ سمجھتے ہیں کہ وہ یورپ جو چھوٹے چھوٹے بچوں کو سیکس Sex کی تعلیم دیتے ہیں، وہاں کا آدمی چالیس سال کی عمر میں شادی کرے، اس کے بیچ کے مرحلے میں جو سیکس کو اُبھارتا ہوگا، اپنی شرمگاہ کو کیسے محفوظ رکھتا ہوگا؟ کیا حال ہوتا ہوگا؟ اس زمانے کا یورپ کا پورا نظام اس میں فیل ہو چکا ہے، یہ اس میں ہتھیار ڈال چکے ہیں کہ ہم نے آزادی کے نام پر جو کچھ کیا تھا، یہ آزادی آپے سے باہر ہوگئی، یہ سسٹم پورا کا پورا فیل ہوگیا۔

تو مولانا نے یہ کہا: کیا تمہارے والد زندہ ہے؟ اس نے کہا کہ انتقال ہوگیا، تو آپ نے کہا کہ آپ کے بھائی بہن ہیں؟ تو اس نے کہا کہ میرے بھائی بہن کو اس سے کیا مطلب؟ یہ یورپی نظام ہے، پندرہ سولہ سال میں لڑکا لڑکی ماں باپ سے الگ، کوئی کسی سے تعلق نہیں، ایسے ماحول کے اندر، میرے بھائی بہن کا میری شادی سے کیا تعلق؟ جبکہ اسلام نے رشتے دار میں اپنے کو ماں-باپ، بھائی-بہن، رشتے دار آپس کے تعلقات، پڑوسی حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمائے ہیں کہ مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ۔ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے متعلق مسلسل یہ نصیحت فرماتے رہے حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ (الترغیب والترھیب: ۳/ ۳۲۵) یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ اللہ پاک پڑوسی کو میری وراثت میں شریک کردیں گے،

اتنے حقوق پڑوسی کے جہاں ذکر کئے، اس سے آگے ”والصاحب بالجنب“۔ پہلو کا ساتھی، تھوڑی دیر کے لئے ہم مسجد میں قریب میں بیٹھے ہیں، کوئی پہچان نہیں، اس کے بھی حقوق ہیں، قریب والے کے ساتھ آپ کسی طرح بھی بیٹھے ہو، ٹرین میں، بس میں، ایئرپورٹ پر بیٹھے ہیں، صرف دس منٹ بیٹھیں، اس مجلس کا بھی حق ہے، قرآن جب اس مجلس کا ذکر کرے تو پوری زندگی ساتھ رہنے والی عورت کے حقوق کے متعلق قرآن ذکر نہ کرے ایسا نہیں ہوسکتا، بہت تفصیل سے قرآن نے عورتوں کے مسائل کو ذکر کیا ہے۔

ہم شریعت پر عمل نہیں کرتے، اس کے نتیجے میں سپریم کورٹ میں ہمارا کیس پہنچا، اگرچہ اس میں بدمعاشی بھی بہت ہے، مسلم عورتوں سے زیادہ غیر مسلم عورتیں پریشان رہتی ہیں، لیکن سپریم کورٹ میں جو پورا کیس چلا، اس وقت سے بدمعاشی ہوئی، اصل بات یہ ہے کہ مرد عورت کی وراثت کا کیس چلا تھا، جو جج تھے، انہوں نے عورت کو حصہ نہیں دیا اور عورت کو وراثت سے محروم کردیا۔

مذہب اسلام اور دیگر مذاہب کے مابین عورت کے حقوق

دوسرا جملہ جج صاحب نے یہ کہا کہ مسلمان کے یہاں عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا، بات ہو رہی تھی ہندو مذہب کی، ہندو لا ہندو میرج ایکٹ Marriage Act کی جو پریشانیاں تھیں، وراثت کی پریشانی ابھی بھی ہے، ہندو مذہب میں تو وراثت کا تصور ہے ہی نہیں، ۱۹۵۶ء میں ہندو Marriage Act اور Hindu section Act جواہر لال نہرو نے جو قانون بنائے تھے، اس کے ذریعے عورتوں کو کچھ حقوق ملے، اس طرح کی چیزیں جج صاحب نے ایک طرف رکھ دی، اور سیدھا کہہ دیا کہ مسلمان عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے، جب کہ طلاق کی تعداد ہمارے مسلمانوں میں کم ہے، لیکن ہمارے یہاں طلاق کے بعد نکاح ہوسکتا ہے، لیکن ہندو مذہب میں نکاح نہیں ہوتا ہے، چاہے Hindu Marriage Act میں دوسرے نکاح کا ذکر ہے، لیکن ہندو مذہب کے اعتبار سے یہ جملہ سن چکے ہیں، પતિ એક عورت کو اس کے مطابق زندگی گذارنا ہے۔ પરમેશ્વર

دوسری طرف نکاح کو اسلام میں ایک بندھن قرار دے کر دونوں کے درمیان اگر ناچاقی ہوئی، تو حل بتلایا، یہ حل دنیا کے کسی قانون نے نہیں بتلایا، ۱۹۵۴ء کا قانون کہہ رہا ہے کہ اس سے پہلے ہندو مذہب میں یہ نہیں تھا، نہ عیسائی مذہب میں تھا۔

تیز بہادر سنگھ ایک صحافی تھے جو آزادی سے پہلے ہندوستان کے پارلیمنٹ کے ممبر تھے، انہوں نے صاف لکھا ہے کہ ہندوؤں میں سول ایکٹ (Civil Act) کے سلسلے میں جتنی باتیں آئیں، جتنے حقوق آئے وہ اسلام سے آئے ہیں، دنیا کے کسی قانون میں تھی ہی نہیں، تو پھر آئی کہاں سے؟ اب تک کیوں نہیں لائے؟ محترمہ اینی بسنٹ ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں شریک رہی ہے، انہوں نے خود عیسائیوں کو کہا: ڈیڑھ سو سال پہلے تک اسلام کے علاوہ عورت کی وراثت کا حق کسی بھی مذہب میں نہیں تھا۔

دوستو اور بزرگو!

ہمارا اتنا اچھا مذہب ہے، ہم طلاق کے طریقوں کو سمجھیں، میاں بیوی کے حقوق سمجھے، شادی سے پہلے سمجھیں، اور شادی کے بعد اس پر عمل کریں، اور خدانہ خواستہ اگر طلاق کی نوبت آئے، تو مفتی حضرات کے پاس جائیں، ایسی کوئی پریشانی ہے تو کیا کرنا ہوگا، وہ آپ کو سمجھائیں گے اور خاندان کو ملانے کی کوشش کریں گے، اور صلح کی کوشش کریں گے۔

اسلام کے قانون کو جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے، مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دل کے مؤمن ہونے کے ساتھ دماغ کا مومن ہونا بھی ضروری ہے، ذرا کسی نے آپ کے دل میں شک پیدا کر دیا اور اللہ پاک کے قانون پر وسوسہ آیا، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ طلاق کی آیت ذکر کر کے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط (طلاق:۱) جو اللہ کے حدود پر زیادتی کرے گا، وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے۔

اس لئے اسلامی قانون کو جاننا، اسلامی نکاح کے نظام کو جاننا ہر مسلمان کا فرض ہے، ذرا بھی کسی چیز میں اور عقیدے میں گڑبڑ ہوئی، یا اللہ کے قانون میں ہمیں شکوک وشبہات پیدا

ہوئے، میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے عقل کے دعوے دار ایسے اشکالات کر رہے ہیں، اعتراضات کر رہے ہیں، وہ اس کو سمجھتے ہی نہیں، اسلامی سسٹم کو نہ پڑھنے کی بنیاد پر اعتراض ہو رہا ہے۔

اسلام میں عورت کو طلاق کا اختیار کیوں نہیں؟

مرد عورت کے مقابلہ میں پیدائشی طور پر زیادہ حقیقت پسند، ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے والا، حلیم ومدبّر اور زیادہ قوت فیصلہ رکھنے والا ہے؛ جبکہ عورت فطرۃً جذباتی، معمولی باتوں سے بہت جلد متأثر اور مشتعل ہونے والی اور طیش میں آکر جلد ہی آخری قدم اٹھا لینے والا مزاج رکھتی ہے۔

یہ کوئی میں آپکے سامنے حکمت اور فسلفہ کی باتیں نہیں کر رہا ہوں؛ بلکہ اسکی صداقت کی مضبوط دلیل خود یورپی مما لک ہیں، جہاں عورت کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے، وہاں ۴۰ فی صد شادیوں کا نتیجہ طلاق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

علم النفس (Psycology) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے اوسطاً ۱۰۰ گرام کے برابر کم ہوتا ہے، جسمانی طور پر عورت ایک ثلث کے بقدر مرد سے کمزور ہوتی ہے، عورت کا دل بھی جو زندگی کا مرکز ہے، مرد سے ۶۰ گرام کے برابر چھوٹا اور ہلکا ہوتا ہے۔ اسکے سانس کا نظام اور حرارت بھی مرد سے کم ہوتی ہے۔ مرد کی ایک گھنٹہ میں ۱۱ر گرام حرارت غزیری کم ہوتی ہے، جبکہ عورت کی ۶ گرام سے کچھ زیادہ کم ہوتی ہے۔

اسلامی قانون کی رو سے مرد اور عورت کا دائرۂ کار الگ الگ ہے، اور عملی زندگی میں مرد کو عورت پر فوقیت دی گئی ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (طلاق:۱) جب سائنسی دور شروع ہوا تو اس اسلامی اصول کا بہت مذاق اڑایا گیا، اور اسکو دورِ جہالت کی یادگار قرار دیا گیا، مگر یورپ کے طویل تجربہ نے یہ بات ثابت کر دی کہ پیدائشی طور پر دونوں یکساں نہیں ہے اسلئے دونوں کو یکساں فرض کر کے جو سماج بنایا گیا اسنے لازمی طور پر بے شمار خرابیاں پیدا کر دیں، آزادیٔ نسواں کی تحریک کی تمام تر کامیابیوں کے باوجود آج بھی موڈرن (مہذب) دنیا میں مرد

ہی جنسی برتر (Dominant sex) کی حیثیت رکھتا ہے۔

امریکہ ویورپ میں زندگی کے کسی بھی شعبہ میں اب تک عورت کو مرد کے برابر کا درجہ نہیں مل سکا ہے؛ بلکہ آپکو حیرت ہوگی کہ امریکہ ویورپ میں تو عورتوں کی تعداد سرکاری ونجی ملازمتوں میں بھی اب اور کم ہورہی ہے۔

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب	-	کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

یورپ کا پہلے یہ کہنا تھا کہ عورت اور مرد کا فرق محض سماجی حالات کی پیداوار ہے؛ مگر موجودہ زمانے میں مختلف شعبوں میں اس مسئلہ کا جو گہرا مطالعہ کیا گیا، چنانچہ ہاوَرڈ یونیورسٹی میں نفسیات کے پروفیسر جیروم کاگن اپنے طویل ریسرچ کے بعد لکھتے ہیں کہ مرد اور عورت میں بعض نفسیاتی فرق محض معاشرتی تجربہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ لطیف قسم کے حیاتیاتی فرق کی وجہ سے ہے۔

امریکی سرجن Edgar Berman کا فیصلہ ہے کہ عورتیں اپنی ہارمون کیمسٹری کی وجہ سے اقتدار کے منصب کے لئے جذباتی ثابت ہوسکتی ہیں، چنانچہ اب امریکہ میں یہ بات سمجھی گئی ہے کہ اس فرق کی اصل وجہ سماج یا قانون نہیں بلکہ خود فطرت کی بنیاد پر ہے فطری طور پر عورت بعض حیاتیاتی محدودیت Biology of Limitations کا شکار ہے، میل ہارمون اور فیمیل ہارمون کا فرق دونوں میں پیدائشی ہے۔ چنانچہ اب امریکہ میں آزادی نسواں کے حامی کہتے ہیں کہ فطرت ظالم ہے ہمیں چاہئے کہ پیدائشی سائنس OF EUGENICS SCIENCE کے ذریعہ جینٹیک کوڈ بدل کر نئے قسم کے مرد اور عورتیں پیدا کریں، یہ ہے انسانی قانون کی بے بسی اور لاچاری کہ اب وہ نئے قسم کے مرد عورت بنانے کی فیکٹری قائم کریں گے۔

مجبور ہیں معذور ہیں مردان خردمند	-	کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ

آزادیٔ نسواں کہ زمرّد کا گلوبند

ڈاکٹر الیکس کیرل عورت اور مرد کے فعلیاتی فرق Physiologieal بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ فرق صرف اعضاء کی خاص شکل، رحم کی موجودگی یا حمل ہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ

بنیادی طور پر نسیجوں کی بناوٹ اور پورے جسمانی نظام میں خاص کیمیائی مادے جو عورت کی بچہ دانی (خصية الرحم) سے مترشح ہوتے رہے ہیں، وہ اختلاف کا حقیقی سبب ہے۔عورت کے جسم کے ہر خلیے میں زنانہ پن کا اثر ہے اور انسانی آرزؤں سے اسکو بدلا نہیں جا سکتا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ عورتیں اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیں اور مردوں کی نقالی کرنے کی بیکار کوشش نہ کریں۔

ان یورپی آقاؤں کے سائنسی وجنسی بیانات سننے کے بعد ایک عورت کی حقیقت وحیثیت کا احساس ہو گیا ہوگا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خالق فطرت نے مرد کو کیوں طلاق کا اختیار دیا ہے۔

علامہ اقبال نے اسکو اسطرح واشگاف کیا ہے :

ہزار بار حکیموں نے اسکو سلجھایا	-	مگر یہ مسئلہ زن رہا وہاں کا وہیں
قصور زن کا نہیں اس خرابی میں	-	گواہ اسکی شرافت پہ ہے مہہ و پروین
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور	-	کہ مرد سادہ ہے، بیچارہ زن شناش نہیں

مسلمانوں میں کثرت طلاق کی خبر ایک پروپیگنڈا

صحیح رپورٹ کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ مسلم خاندانوں میں طلاق کی کثرت ہرگز اتنی نہیں ہے، جتنی میڈیا بتاتا ہے، یہ تو چند استثنائی واقعات ہیں جن کو غلط طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

اس سے لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گویا لاکھوں مطلقہ عورتیں مسلم گھرانوں سے نکالی جا چکی ہیں ،اور سڑکوں پر زندگی بسر کررہی ہیں؛ جبکہ معتبر اعداد وشمار کے مطابق طلاق کا تناسب مسلم معاشرہ سے دوگنا ہندو معاشرہ میں ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندو سماج میں طلاق شدہ عورت کے نکاح ثانی کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا، جبکہ مسلم معاشرہ میں نکاح ثانی ہوتا رہتا ہے۔مسلم عورت کی فکر کرنے والوں کو پہلے اپنے گھروں کی خبر لینی چاہئے۔ ہندو عورتیں کن پریشان کن حالات سے گذر رہی ہیں اسکو دیکھو، ہندو مذہب کی روٗ سے عورت کو طلاق دینا ممنوع ہے،اور اگر طلاق ہوئی بھی تو نکاح ثانی کا راستہ بند ہے، بالآخر ہندو عورت خودکشی کا راستہ اپناتی ہے،روزانہ اخبارات میں دلہن کا جلنا ،جہیز کے جھگڑے میں سسرال والوں کا دلہن کو جلا دینا یا عورت کا خود جل جانا، یہ سب

واقعات کثرت سے پڑھنے میں آتے ہیں، جبکہ الحمد للہ مسلمان عورتوں کی خودکشی کے واقعات شاذونادرہی ہوں گے،اگر مسلمان عورت میڈیا کے کہنے کے مطابق اتنی پریشان حال ہوتی،تو ان میں خودکشی کے واقعات زیادہ ہوتے، یہ بات ہم کوتسلیم ہے کہ سماج کے ہمہ گیر پیمانے پر پھیلے ہوئے بگاڑ کے اثر سے آج کل مرد شریعت کے عطاء کردہ حق طلاق کو بلاضرورت بلکہ بے جا طریقہ سے بھی استعمال کرنے لگے ہیں، مگر سوچنا چاہئے کہ کسی کی شخصی غلطی اورحماقت کے نتیجہ میں اس ظالم شوہر کے بجائے دین وشریعت پر طعن وتشنیع کرنا اور قانونِ طلاق کونامناسب قرار دینا کونسی عقلمندی ہوگی؟

کثرت طلاق کو روکنے کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ مسلم سماج کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، اوردینی ودنیوی علوم کے حصول کی طرف توجہ دی جائے،سماج سے بے کاری دورکرنے کی تدابیر کی جائیں،شریعت مطہرہ نے مردوعورت کے حقوق کی جوتفصیلات قرآن وحدیث میں بیان فرمائی ہیں؛ان سے مردعورت دونوں کو واقف کرایا جائے۔ اگر شریعت مقدسہ کے بیان فرمائے ہوئے حقوق وآداب کا مردعورت دونوں لحاظ کریں گےتو ان شاءاللہ دونوں کی زندگی نہایت خوشگوار اور چین وسکون سے گذرے گی۔

کیا مسلم عورت کچھ مسائل میں ہی قابل رحم ہے یا۔۔۔؟

مسلم عورتوں کے ان نام نہاد ہمدردوں سے گزارش ہے کہ وہ عورتوں کے واقعی حقوق دلانے میں مدد کریں، مثلا لینڈسلنگ ایکٹ کے تحت عورتوں کی حق تلفی ہورہی ہے،اِنکم ٹیکس کے معاملہ میں عورتوں کی کوئی رعایت نہیں، مسلم خواتین کیلئے قائم کئے گئے تعلیمی اور صنعتی اداروں کی منظوری نہیں دی جارہی ہے،ان مسائل کا حل نکالا جائےتو مطلقہ وغیر مطلقہ دونوں کو فائدہ ہوگا۔صرف اسلام دشمنی کی بنیاد پر آپ کو طلاق کے لفظ سے آڑ ہے،تو آپ کے سیاسی رہنماؤں نے گجرات فسادات میں عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کرکے صرف جمہوریت کو ہی نہیں بلکہ انسانیت کوبھی تین طلاق دی تھی، اسوقت آپ کی شرافت، ہمدردی اورجذبۂ خیرخواہی کوکونسا گرہن لگ گیا تھا؟

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے -	شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

تین طلاق کا وقوع زمانۂ نبوی میں

تین طلاق کے وقوع کا ثبوت زمانۂ نبوت میں تھا ہی نہیں یہ بالکل غلط ہے، قرآن کریم نے صاف فرمایا: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ (بقرہ:۲۲۹) آگے آیت میں ارشاد ہے: فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ (بقرہ:۲۳۰) آیت میں مرتان اثنان کے معنی میں ہے، جیسے کہ دوسری آیت میں ہے نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ (احزاب:۳۱) مطلب یہ ہے کہ دومرتبہ طلاق کے بعد جب تیسری مرتبہ طلاق دی، چاہے ایک مجلس میں ہو یا علیحدہ مجلس میں، فلاتحل له من بعد تو اب بغیر حلالہ کے وہ عورت حلال نہیں ہوسکتی۔ حدیث شریف کی صحیح اور معتبر کتاب بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے طلاق ثلاثہ کے وقوع کے جواز پر باب قائم فرما کر اسی آیت کو ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ مسلم شریف: ج/۱، ص/۴۷۶، بخاری شریف: ج/۱، ص/۷۹۱-۷۹۲، دارقطنی: ج/۲، ص/۴۴۴، ابوداود: ج/۲، ص/۳۱۱، نسائی: ج/۲، ص/۳۶، مشکوۃ ۲۸۴ میں تین طلاق کے وقوع پر احادیث مذکور ہیں، اسکے علاوہ جمہور صحابۂ کرام، تابعین اور ائمہ فقہا سے تین طلاق ہی واقع قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور ائمہ محدثین، امام بخاریؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعی، دارمی، ابن حزم وغیرہ کا یہی مسلک ہے اور سلف سے خلف تک اسی کے مطابق فتوی دیا جارہا ہے، پہلی دفعہ اس مسئلہ کو ساتویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی اجتہادی قوت سے زوروشور کے ساتھ پیش کیا تھا، لیکن ہمارے علماء نے اسے قبول نہیں کیا، ابن تیمیہؒ کو ماننے والے سعودی حکومت کے سب سے بڑے مفتی اور داعی شیخ عبداللہ بن باز اور انکی مجلس ھیئۃ کبار العلماء نے بھی تین طلاق کو تین ہی شمار کیا ہے، اہل حدیث علماء کا بھی فتویٰ ہے کہ اس مسلک (تین کو ایک) کے ماننے والوں کے علاوہ کے لئے اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا مشورہ دینے والے صرف قانونی پہلو پر نظر کرتے ہیں، اخلاقی

اور دینی روح کو بالکل نظر انداز کرتے ہیں، حالانکہ ایک مسلمان کے نزدیک نکاح وطلاق قانون سے زیادہ مذہبی اور دینی حیثیت رکھتے ہیں، کل اگر پارلیمنٹ یا عدالت تین طلاق کو باطل قرار دے، یا ایک ہی شمار کرنے کا حکم دے تو کیا دینی شعور اور غیرت والے مسلمان تین طلاق دینے کے بعد بھی اس نکاح کو باقی سمجھیں گے؟ ہرگز نہیں، اور اگر مفاد پرست اسکو مان کر ازدواجی رشتہ کو باقی رکھے تو اسکا گناہ کس پر ہوگا؟ اصول فقہ کا قاعدہ ہے **اذا اجتمع الحلال والحرام او المحرم والمبیح غلب الحرام والمحرم** یعنی حلال وحرام کے تقابل کی شکل میں حرام کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی اور دوسرا قاعدہ ہے کہ افعال شرعیہ سے نہی ممانعت کے باوجود مشروع ہوتی ہے، ورنہ نہیٔ عاجز لازم آئے گی، جیسے بیع فاسد، اجارۂ فاسدہ اور عید کے دن روزہ کی نذر وغیرہ بے شمار مثالیں ہیں، جہاں ممانعت اور فساد کے باوجود وہ اپنا اثر کرتے ہیں، مزید ۱۴ رمثالیں فتاوی رحیمیہ: ج ر ۲: ص ر ۱۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں، تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کی شکل میں آپ عورت کا کیا فائدہ کرنا چاہتے ہیں؟ جو شخص طلاق دینے کا ارادہ کر چکا ہے، تو وہ تین مجلس میں طلاق دے گا یا عورت کو **وتذروھا کالمعلقہ** کا مصداق بنائے گا، یعنی نہ طلاق دے کر علیٰحدہ کرے گا نہ اسکے حقوق ادا کرے گا، عورت کو پریشان کرنے کے مرد کے پاس بہت سے حیلے ہیں وہ کسی کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔

دوستو بزرگو!

امت مسلمہ کے لئے اس وقت ایمان کو بچانا بہت ضروری ہے، اسلام اور اس کے احکامات پر جو اعتراضات ہو رہے ہیں، اس کے ہمیں جوابات دلائل کی روشنی میں دینے ہوں گے، خود اپنے کو بھی مطمئن کرنا ہوگا، اور دوسروں کو بھی مطمئن کرنا ہوگا، اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

(۲۳) اصلاح معاشرہ

علمائے کرام کی ذمہ داری

(بمقام: دارالعلوم کنتھاریہ محمودنگر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتَابَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

(سورۃ آل عمران:۷۹)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْکِتَابَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ○ (سورۃ فاطر:۳۲)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یَحْمِلُ ھَذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُولُہُ یَنْفُونَ عَنْہُ تَحْرِیفَ الْغَالِینَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِینَ وَتَأْوِیلَ الْجَاھِلِینَ.

(البدایۃ والنھایۃ: ۲۶۲/۶ ،تخریج مشکاۃ المصابیح: ۱۶۳/۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم قابل صد تکریم حضرت صدر محترم دامت برکاتہم، دیگر حضرات مشائخین عظام اور حضرات علماء کرام!

یقیناً جو عنوان مجھے دیا گیا ہے یہ چوں کہ ہم سب کا فرض منصبی ہے، اس لئے ہم میں سے ہر

ایک اپنی اس ذمہ داری اور فرائض کو جانتا ہے، میں وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ذاریات:۵۵) کے پیش نظر کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ والے بن جاؤ

محترم ومکرم حضرات علماء کرام!

جس آیت کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں: وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ (آل عمران:۷۹) اور دوسری آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر:۳۲) یہ دونوں آیتیں ہماری ذمہ داری اور ہمارے فرض منصبی اور فضیلت کو بھی واضح فرماتی ہیں، اللہ پاک نے ہمیں فرمایا: اللہ والے بن جاؤ؛ اور یہ لفظ رب کی صفت تربیت کی طرف اشارہ کر رہی ہے، اس لئے حضرات علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود رب والے بن کر اللہ کے بندوں کو رب کی طرف بلائیں، تربیت کا پہلو کسی درجے میں وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ سے ثابت ہوتا ہے، امت کی تربیت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور ہمیں آپ کی نیابت حاصل ہے۔

علماء کرام انبیاء کے نائب

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے کسی شخص کو نبی کا نائب بنایا ہو اور امت کی ایک جماعت اس کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہی کام کرے جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے، اسی طرح علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم کرسی پر بیٹھتے ہیں یہ کرسی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرسی ہے، اس پر کوئی انسان نہیں بیٹھتا ہے، بلکہ نیابۃً اور وراثۃً بیٹھتا ہے، اس لئے اس کرسی پر بیٹھ کر اس کو بھی وہی ذمہ داری نبھانا ہے، جس ذمہ داری کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبھایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم جیسے علمی وارث، عملی وارث، اخلاق اور اعمال کے وارث، اسی طرح اصولاً اس درد کے بھی وارث ہیں جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات علمائے کرام کو فرمایا: مصابيح الارض. (جامع صغير:

۵۶۸۵) کہ یہ اس زمین کے چراغ ہیں، دوسری حدیث میں فرمایا: **إن مثل العلماء في الارض كمثل النجوم في السماء.** (مسند أحمد: ۵۲/۲۰، رقم: ۱۲۶۰۰) علمائے کرام کا مقام زمین پر ایسا ہے جیسے ستارے آسمان پر؛ چراغ جلتا ہے اور جلاتا ہے اور روشنی دیتا ہے، اس لیے ہمیں اشارہ کیا گیا کہ جلنا ہوگا امت کے لئے، امت کے درد اور امت کی فکر کے لئے، کسی سے اگر کوئی غلطی ہورہی ہے، برائی ہورہی ہے تو یہ تعلیم ہمیں دی جارہی ہے کہ اسے صرفِ نظر نہیں کر سکتے، دل میں یہ بے چینی ہو کہ اللہ پاک کے اس بندے کو اس برائی سے کیسے بچاؤں، یہ درد وہ درد ہے جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں ملا ہے، آپ نے چراغ بتلا کر ہمیں جلنے کی بھی دعوت دی اور دوسرے چراغوں کو روشن کرنے کی بھی دعوت دی، ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے، سورج سے سورج نہیں جلتا ہے، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی شاندار مثال دے کر سمجھایا۔

دوسری مثال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ستاروں کی طرح فرمایا، قرآن کریم نے ستاروں کے سلسلے میں تین آیتیں ذکر فرمائی ہے، ایک آیت میں ارشاد فرمایا: وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (نحل:۱۶) ان ستاروں کے ذریعے رات کی تاریکی میں سفر کرنے والے رہنمائی پاتے ہیں۔

اور رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ (ملک:۵) دوسری صفت ذکر کی، شیطان کے لئے یعنی رجوما لافکار الشیاطین۔ علمائے کرام کا کام یہ ہے کہ شیطان کی جو فکر ہوتی ہے، ان کو دور کرنا، ان کے سلسلے میں چوکنا رہنا۔ اکابرینِ علمائے دیوبند میں سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ فتنہ آرہا ہے تو سب سے پہلے یہ حضرات سدِّ باب کی کوشش کرتے ہیں، ہمارے اکابرین نے ہمیں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کے مطابق وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ کے ذریعہ بتلایا کہ حضرات علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ آنے والے فتنوں اور پریشانیوں اور آنے والی مختلف چیزوں میں امت کی صحیح رہنمائی کر کے امت کی حفاظت کرنے کی کوشش کریں، اور اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝۶ (صافات:۶) کے ذریعہ علماء کو امت کی تزیین وآرائش کا

ذریعہ بتایا کہ وہ شریعت کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں اور خود بھی اس پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ شریعت لوگوں کے سامنے مزین ومبرہن شکل میں نظر آئے۔

حکومت ہند کی نئی تعلیمی پالیسی

محترم سامعین کرام!

۲۰۱۶ء سے حکومت نے تعلیمی پالسی کو مکمل کرلیا ہے، ویب سائٹ پر لوگوں سے مشورے لئے گئے اور اس کی آخری تاریخ بھی ختم ہوگئی، اس کے بعد اب اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش ہورہی ہے، میں مکاتب میں پڑھانے والے ہمارے نوجوان علمائے کرام سے عرض کروں گا کہ اس تعلیمی پالسی میں انہوں نے دو تین باتیں بنیادی طور پر ذکر کی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ رکھی کہ ہندوستان میں جو پرانی ہندو درسگاہ تھی، نالندا، تکش شیلا، جہاں ہندو مذہب اور دوسری چیزوں کی تعلیمات دی جاتی ہے، RSS کے پیشِ نظر تعلیمی پالسی میں پرانے جتنے بھی ہندو مفکرین ہیں، چاہے انہوں نے کوئی سائنسی کارنامہ انجام نہ دیا ہو، لیکن مختلف طریقوں سے ان کی تعریف کی گئی ہے، ان کے تذکرے کئے گئے ہیں اور یہ سمجھانے کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کا سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم آج کے یورپ کے علوم سے بہت قدیم اور بہت بہتر تھا، عجیب وغریب قسم کی باتیں آتی ہیں کہ جس کو دیکھ کر اور جس کو پڑھ کر سائنسدان بھی ہنسنے لگے ہیں، لیکن اس میں افسوس کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں مسلم سلاطین کے (۶۰۰) سال کے دور کے کسی ایک مسلم مفکر کا اور کسی ایک مسلم سائنسداں کا ذکر نہیں ہے، اس لئے ہم ہمارے مکتب کے بچوں کو ہمارے مسلم بادشاہ، ہمارے مسلم سائنسدان اور اس قسم کی جو بھی خدمات مسلمانوں نے کی ہیں، ہم اپنے بچوں کو اس سے واقف کرائیں۔

دوسرے نمبر پر یوگا کو بہت ترجیح دی گئی ہے، ورزش کا عنوان دیا گیا ہے، لیکن ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ یہ ایک مذہبی رسم ہے۔

تیسرے نمبر پر ہندو تہذیب، سنسکرت زبان اور ہندو دیوی دیوتاؤں کے جو قصے ہیں، اس

کوسب سے زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے، اس لئے آنے والے سال میں اسکول میں ان تینوں چیزوں پر سب سے زیادہ توجہ دی جائے گی، یہی ان کی پالیسی کا بنیادی مرکز اور پوائنٹ ہے، اس لئے ہم ان کی طرف بھی توجہ دیں، اس کے ساتھ ساتھ اس وقت کے جو مسائل ہیں، ان مسائل میں کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق حکومت سے ہے، لیکن کچھ مسائل وہ بھی ہیں جن کا تعلق امت مسلمہ سے ہے، ہمارے سماج کی وہ برائی اور سماج کے وہ مسائل جو ہمارے اپنے پیدا کردہ ہے، ان مسائل پر توجہ دیں اور ان مسائل کو کس طریقے سے حل کیا جائے؟ امت کے درمیان کس طریقہ سے تعاون کر کے امت میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کی جائے۔

مقاصد ثلاثہ

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (مائدہ:۲) اللہ پاک کا شکر ہے کہ اس وقت تین بڑی جماعتیں بلکہ وہ مقاصد ثلاثہ جس کو لے کر حضرت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، یہ تینوں مقاصد علمائے حق اور علمائے دیوبند کی طرف سے چل رہے ہیں۔

تعلیم مدارس اسلامیہ کا ایک بڑا اور معتدل طبقہ علمائے دیوبند اور دیوبندی مدارس سے ہندوستان میں وابستہ ہے۔

دوسرے نمبر پر تصوف کی دنیا یا تزکیہ کی دنیا؛ الحمد للہ مختلف خانقاہیں قائم ہیں، اس میں بھی علمائے دیوبند کا بڑا حصہ ہے۔

تیسری چیز دعوت وتبلیغ؛ یہ بھی ہماری ہی جماعت سے وابستہ ہے، اس لئے ہم تینوں جماعتیں مل کر کے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، تینوں جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں۔

ہماری مختلف تنظیموں کے مابین اتحاد؛ وقت کا اہم تقاضہ

دوستو اور بزرگو!

دنیا کی مختلف تنظیمیں (امریکہ کا صدر جیتتا ہے اور ہندوستان میں خوشیاں منائی جاتی ہیں)

ایک سوچ اور ایک فکر کی بنیاد پر جب ان کا آدمی دنیا کے دوسرے کونے میں جیتتا ہے تو آپس میں اتحاد کی بنیاد پر ان کو خوشی ہوتی ہے تو ایک دیندار عالم اہل علم کا طبقہ اور دعوت وتبلیغ کا طبقہ اور خانقاہی نظام والے حضرات کے مقاصد بھی ایک ہی ہیں، تو علمائے کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اگر دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہیں، مدارس سے وابستہ ہیں اور اگر وہ احسان اور تزکیہ سے وابستہ ہیں تو تینوں طبقوں میں ربط ہونا چاہیے اور جب بھی کوئی کام ہو رہا ہو تو تینوں اس کو اپنا کام سمجھے، چاہے کام شروع کرنے والی کوئی بھی تنظیم ہو، جب تک یہ اتفاق اور اتحاد ہماری صفوں میں رہے گا، ان شاء اللہ، دشمن کامیاب نہیں ہوگا۔ اور اگر ہم نے اس طرح کی تفرقہ بازی کردی، اگر ہم نے اختلاف اور انتشار کو اپنے اندر جگہ دے دی تو دشمن تو یہی سازش کررہے ہیں، آپ نے سبر مریم سوامی کا بیان سن ہی لیا ہوگا کہ مسلمانوں میں آپس میں کیسے اختلاف اور تفرقہ کیا جاوے، اس لئے امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے یہ جو ہماری تنظیم کھڑی ہوئی ہے، اس کی تنظیمی شکل ہمیں کرنا ہے، ہر عالم دین اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر امت کی رہبری کے لئے کام کرتا ہی رہتا ہے، اسی لئے اس کام کو ہم مہذب طریقے سے کریں گے، ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ کریں گے اور دل کی دردمندی اور فکرمندی ہو جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکرمندی تھی، تو دوستو اور بزرگو! یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں کامیاب فرمائیں گے، اس لئے سب سے بڑی ذمہ داری احساس عمل کی ہے۔ مدارس اسلامیہ سے تعلیم لے کر ہم آئے ہیں، مکاتب میں ہم پڑھا رہے ہیں، یا کسی تنظیمی کام سے یا دعوت وارشاد کے کام سے وابستہ ہیں، ہر جگہ پر ہم اس پڑھے ہوئے سبق کو بھول نہ جائیں، بلکہ اس سبق کو یاد رکھ کر کام کرتے رہیں گے تو ہمارے اس کام کے اندر برکت آئے گی، جو کچھ خرافات اور جو کچھ برائیاں ہیں، وہ بس ہم اپنی آنکھوں سے یعنی عریانیت اور ننگا پن جو امت مسلمہ میں آرہا ہے ہم دیکھ رہے ہیں، تعلیمی اعتبار سے امت مسلمہ کو جو اعتقادی برائیوں کی طرف پہنچایا جارہا ہے، جس میں فضول خرچیاں ہورہی ہیں، نکاح اور طلاق کے مسائل میں جو بے اعتدالیاں ہورہی ہیں، اور سب سے زیادہ یہ فکر کرنی ہے کہ

امت اپنے مسائل کو حضرات مفتیان کرام کے پاس لے جائیں، دار القضاء اور امارت شرعیہ اور اسی طرح سے مختلف مدارس کے دار الافتاء سے امت اپنے آپ کو وابستہ کرے، اس لیے ذہن سازی کرنی ہے، شریعت مطہرہ، اللہ پاک کا دین اور اس کی ابدیت، اس کی جامعیت کو امت کے سامنے واضح کرنا ہے، اور خود اہل علم کے دل میں غیر متزلزل یقین ہو، عالم کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ امت کے سامنے بات کرنے والا ہو، اگر ہمارے دل میں شکوک وشبہات ہوں گے تو ہماری دعوت مؤثر نہیں ہوسکتی۔

بڑے مقاصد کے لئے خود کو تیار کرنا

عقائد، اعمال، معاشرتی اصلاح، ملی تشخص کی حفاظت، زمانہ کے ساتھ علوم دینیہ کی تطبیق بڑے مقاصد کے لئے خود کو تیار کرنا:

فضول خرچی، ناچ گان، زن وشوہر کا اختلاف دور کرنا، آفت سماوی میں مدد کرنا، الیکشن میں مفاد مسلمین کی رعایت کرنا، امن وامان کی کوشش، شادی بیاہ کے رواجات کو بند کرنا، نہی عن المنکر کے لئے ایک جماعت کا ہونا، دعوت، مدرسہ اور خانقاہ تینوں کو تعاونوا علی البر پر عمل کرنا، طلاق کی کثرت کو روکنا، نزاع کو دور کرنے کی کوشش، وراثت کی صحیح تقسیم، لباس عریانیت پر روک، اسکول کالج کے طلبہ کی اصلاح کی فکر، دعاء۔

الراحمون یرحمهم الرحمٰن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء. (ترمذی:أبواب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة المسلمین)

ربانیین، دعوت وتربیت کی طرف توجہ، اشاعت دین اصلاح معاشرہ، رضائے الٰہی، ارتداد کی روک تھام کی فکر ہیں۔

عالم کو چاند سے تشبیہ، سماج ومعاشرہ کے لئے قبلہ نما، خدمت خلق کا میدان سنت رسول ہے، حلف الفضول، ریلیف کام، دعوت اور دعاء بھی نہ بھولے، حکمت ومصلحت اندیشی سے کام لے، امام غزالیؒ کا بغداد کو خیر باد کہنا، امام الحرمین کی خدمت میں پہونچنا، صوفیائے کرام سے بڑھ کر

کوئی عقلمند نہیں، **ان لله تعالیٰ عبادافطنا**.(ریاض الصالحین:ص ۱/۱)، علماء اور عوام کے درمیان فاصلے کو دور کرنا، علماء چوکیدار ہے، یقین غیر متزلزل، حمایت دین کا جذبہ، دولت اسلام سے بڑی نعمت وشکر آوری، علم صرف علم نبوی ہے یہ یقین ہو، چراغ جلتا ہے تو لوگوں کو روشنی دیتا ہے، کالنجوم فی السماء.ستارے راہ دکھاتے ہیں، شیاطین کو بھگاتے ہیں، سمندر کی گہرائیوں میں راہ دکھاتا ہے، **العلماء مصابیح الارض**.(جامع صغیر:۵۶۸۵) **اتبعوا العلماء، فإنهم سراج الدنیا و مصابیح الآخرة**.(جامع صغیر:۹۴) یہ ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے، جلا کر روشنی دیتا ہے، جو چراغ سلگنے کے لائق نہ ہو وہ شوکیس کا چراغ ہے، نمائش والا ہوگا، امت کی محبت درد کے لئے جلنا ہوگا، یہ حدیث کا کریڈٹ تب ہی ملے گا جب امت کا درد ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا عمل پیش کیا، ہدایتی بات رکھی جو مؤثر ہوتی ہے، سیاسی لوگ اپنا منشور پیش کرتے ہیں نہ کہ عمل، عمل سے دعوت میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، رجو مالا فکار الشیاطین عالم کا کام ہے، باطل فرقوں کا جواب، علم وحمیت ایمانی، دینی غیرت، آنکھوں کو بے خواب اور ذہن کو متفکر، مدرسہ کا مقصد صرف پڑھنا پڑھانے کے لئے نہیں ہے، دیوبند کی تحریک کیوں اٹھی؟ حضرت نانوتویؒ کے مقصد کو شیخ الہند نے ذکر کیا ہے، آج بھی گھر واپسی، پرسنل لاء میں تبدیلی کی آواز، ہماری ذمہ داری مسلمانوں کے ایمان کی فکر، ہندو تہذیب کا غلبہ اَمۡ کُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ (بقرہ:۱۳۳) حضرت یعقوبؑ کی وصیت، دیہات میں مکاتب شرک سے بچاؤ کا ذریعہ، اسکولوں میں سریہ نمسکار (સુર્ય નમસ્કાર)، سرسوتی مرتی کی تعلیم دی جاتی ہے، منہ دکھانے کے قابل بھی ہوں گے جب طائف کے زخمی نبی محشر میں سوال کرے، مسلمان کی نئی نسل نے اسلام کو یورپ سے پڑھا ہے، قانون غیر سے پڑھتا ہے، غیروں کے دل و دماغ کو بھی باللتی ھی احسن طریقہ سے سمجھانا ہوگا، عقلی دلائل، سائنسی نظریات وامثال سے سمجھانا، حضرت نانوتویؒ کا مناظرہ دیانند سرسوتی (દયાનંદ સરસ્વતી) سے نامۂ اعمال کے دفاتر کتنے بڑے ہوں گے، جواب عقلی دیا، چھوٹا دماغ پھر بھی اتنی سب باتیں، کتابیں یاد ہے؟ تو حق تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے؟ جواب عصر حاضر کی روشنی

میں ہو۔نبیوں والا کام تڑپنا، آنسوں بہانا امت کے لئے، نبی کی میراث علم کے ساتھ تڑپ بھی ہو۔

فتنے مختلف لائن کے ہیں تو اس کا جواب بھی دعوت علم تزکیہ کے ذریعہ ہو، باہم تعاون ہو، مختلف جہت سے فتنوں کا سد باب ہو، **خیار امتی من دعا الی اللہ تعالیٰ و حبب عبادہ الیہ۔** (فیض القدیر: ۳/ ۴۶۳) امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی ایک جماعت ہو، اطاعت کرنا صالحین کا کام اور گناہوں سے بچنا صدیقین کا کام ہے۔

الحکمۃ ضالۃ المؤمن:

صحت و تجوید، بچوں کی نفسیات کی رعایت، استاذ زائر یونیورسیٹی والے استاذ کوئی تعلیمی پالیسی سمجھنے بھیجتے ہیں۔

طلبہ کتنے اور وقت کتنا؟ اساتذہ زیادہ رکھے جاوے، ابتداء کلاسوں میں صحیح لہجہ میں پڑھے، (۲) عقائد پر محنت کی جاوے، خدا کا کوئی اوتار نہیں۔اسلام اور غیر اسلامی تہذیب کا فرق۔(۳) مسائل: پاکی، نماز، وضوء کا طریقہ، حضرت عثمانؓ نے وضوء کیا عملاً، ہماری نماز صحیح نہیں ہوتی، سنت کے مطابق۔(۴) سیرت کی تعلیم، سیرت کا مطالعہ ضروری ہے۔

الرسول المعلم: نوجوانوں کے سوالات سمجھنا ہے، ورنہ وہ ذہنی ارتداد کا شکار ہو جائیں گے۔علماء غصہ نہ کرے۔(۵) اسلامی اخلاق، عقائد اور اخلاق میں غیروں کے ساتھ ہونے والے فرق کو بچوں کے سامنے واضح کیا جاوے، رادھن پور والے وکیل کا قصہ، تنخواہ وقت کی ملتی ہے، مدرسہ میں وقت پر پڑھانے کی، مہمان، اخبار اور موبائل جائز نہیں، وقت امانت ہے۔

بدلنے والا زمانہ اور نہ بدلنے والے دین کے درمیان رشتہ پیدا کرنا تفقہ ہے. فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۝۱۲۲ (توبہ: ۱۲۲) دین اصلی حالت پر باقی رہے، زمانہ کا احتساب ہو، قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم:۶) صحابہ کرام نے کبھی اولاد کو آگ میں ڈالنا سوچا نہیں تھا، پھر یہ مثال کیوں دی؟ آج اسکول کالج کے حوالے کرنے والے سوچے، افسوس کہ فرعون

کوکالج کی نہ سوجھی بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون (آل عمران ۷۹:)علم و مطالعہ کا تسلسل مانگتا ہے، راسخ علم ، اتقانِ عمل، ذوق عبادت ، وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (آل عمران:۲۰۰) ، ظاہری ومعنوی مورچہ سنبھالنا ہے، امتیازی شان کفر سے بے زاری، پرسنل لاء، زبان وکلچر،نسل نو کی فکر کا مورچہ، اس کے لئے دور بینی حقیقت شناسی ،غیر مسلموں کے ایمان کی دعوت وفکر اور اسلام کا تعارف خیر امت کا تعارف ،حضرت ربعی بن عامر کا قصہ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ(ھود:۱۱۶) کا مصداق بنے۔

راعنا کہنے سے پرہیز کروا کران کی نقل سے بچایا،لفظ مراد نہیں،تمدن وکلچر مراد ہے،علماء قبلہ نما ہوں، وہ ہر جگہ صحیح قبلہ بتا تا ہے،ابن الوقت نہ ہو۔ پختہ یقین ہو،ثم اورثنا الکتاب، دین کے ساتھ بزرگوں کی زندگیاں نمونہ ہے، یہ توریث قیامت تک جاری رہے گی،علم وعمل اور گڑھن میں بھی فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ ،**یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین، وانتحال المبطلین، وتاویل الجاهلین.**(البداية والنهاية:۲۶۲/۶، تخریج مشکاة المصابیح: ۱۶۳/۱)

اہل علم کی ذمہ داریاں

علماء کی سیرت واخلاق پر ہی عوام کی دین سے وابستگی کا انحصار ہے، ہمارے پاس قرآن کریم ہے سب سے بڑی قیمتی چیز جس کا براہ راست اللہ پاک سے تعلق ہے۔

حضرت ابن تیمیہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: دشمن ہمارا کیا بگاڑے گا قرآن و سنت میرے سینے میں ہے، جمعہ کا بے روح بیان دے کر قانع ہو گئے، ذمہ داری ادا کر دی، جس دین کو دس سال پڑھا تواصی بالحق کی ذمہ داری ادا کرے،منبر ومحراب،انفرادی ملاقات، مکاتب،تصنیف وتالیف، مدارس قائم کر کے،مسجد میں درس قرآن وحدیث، کتاب الرقاق، بر والصلہ ، معاشرت ، ومعاملات ، اشراط الساعۃ ،فتن کی روایات پڑھے،فقہی مسائل بیان کرے یا بلیک بورڈ پر لکھے،فرقوں کا نام نہ لے، اختلافی مسائل نہ چھیڑے، پہلے سے چلے

آئے نظام میں خلل نہ ڈالے، رفیق بنے فریق نہ بنے، حلیف بنے حریف نہ بنے، وقت کا تعین مشورہ سے کرے، اس کی اہمیت سمجھاوے، تجوید سے قرآن سکھائے، جمعہ کا بیان جاندار ہو، جامع ہو، حالات کے مطابق بات ہو، کتاب وسنت کا مواد ہو، جدیدیت کے فتنہ کو خود سمجھے، اور لوگوں کو بچانے کی فکر کریں، بدعات ورسومات کو دور کرنے کی کوشش کریں، سب سے بڑا ہتھیار دعاء، تضرع زاری سے رب کو راضی کرے، اسی سے مانگے، چار باتیں حضرت علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں: جن کے ذریعہ عالم میں اسلام کو پھیلاؤں، (۱) نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت، کوئی بچہ ایمانیات سے محروم نہ ہو، (۲) ملی تشخص کی حفاظت، عائلی قوانین کی حفاظت، (۳) پیام انسانیت (۴) دین کی تعلیم وتبلیغ، عصری اسلوب میں علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی، تزکیۂ نفس، حسد بغض، کینہ وغیرہ سے پاکی بھی مطلوب ہو، بزرگوں کی صحبت سے اصلاح مقصود ہو، خلافت کے چکر یا صرف حاضری مقصود نہ ہو، وظائف پورے ہوں، باطنی عیوب کی اصلاح بہت ضروری ہے، غزالی، احمد بن حنبل، گنگوہی، تھانوی، نانوتوی بلیاوی ان حضرات کو کس چیز نے بے چین کیا؟

اس لئے سب سے بڑی ضرورت ہے کہ ہم خود دینی عقائد کے سلسلے میں، دینی معاملات کے سلسلے میں اور آپسی جھگڑوں کے سلسلے میں کتاب وسنت کو ہی اپنا رہنما اور رہبر بنائیں، ان شاء اللہ تعالی ہم اس پر قائم رہیں گے تو اللہ پاک ہم کو دونوں جہاں میں کامیاب فرمائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس مقصد کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں، اللہ تعالی اس کو کامیاب اور کامران فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۲۴) نکاح کے فوائد اور زنا کے نقصانات

(بمقام: وہالو)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (سورۃ النور: ۳۲)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ، فَإِنَّہٗ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ أَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّہٗ لَہٗ وِجَاءٌ. (بخاری شریف: کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

نکاح انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت

محترم اور مکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں بہت سی مخلوقات کو پیدا فرمایا اور اس میں انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا، انسان اور دوسری مخلوقات کے درمیان اللہ پاک نے ایک فرق رکھا کہ انسانوں میں شادی بیاہ کا طریقہ رائج فرمایا، جانوروں کے لئے اس طرح کا کوئی سسٹم اور طریقہ نہیں بنایا، جانور اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی خواہشات کو پورا

کرتے ہیں، لیکن حضرتِ انسان کے ساتھ اللہ تعالی نے خصوصی کرم اور مہربانی فرمائی کہ انسانوں کو شادی بیاہ کا طریقہ عطا فرمایا، قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ سے پہلے بہت سے انبیائے کرام کو ہم نے بھیجا اور ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا، یہ عجیب وغریب جملہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہیں: **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ** (رعد:۳۸) آپ سے پہلے بہت سے انبیاء کرام کو بھیجا، **وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَ ذُرِّيَّةً** (رعد:۳۸) اور ان سب کو ہم نے بیوی بچوں والا بنایا، کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے کہ انسانوں کے لئے سب سے بڑا نمونہ انبیاء کی ذات ہے، ان کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی بیوی بچوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت

صحابہ کرام کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی، اتفاق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں تھے، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی عبادتوں کے متعلق پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادتوں کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، تو ان لوگوں کو آپس میں یہ خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے یہاں بخشے بخشائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں عبادت زیادہ کرنی چاہیے اور آپس میں انہوں نے مشورہ کیا اور ان میں سے ایک صحابی نے فرمایا: میں پوری زندگی شادی نہیں کروں گا، ایک صحابی نے کہا کہ میں پوری زندگی روزے رکھوں گا، اسی طرح سے ان لوگوں نے اپنے لئے ان تمناؤں کا اظہار کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا: **انی لاخشاکم لله** میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا ہوں، **واتقاکم له**. اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں، **لکنی أصوم و أفطر**۔ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں، نوافل کی بات ہو رہی ہے اور میں روزے چھوڑ بھی دیتا ہوں، مہینوں کے کچھ دنوں میں روزے رکھتا ہوں اور کچھ دنوں میں نہیں رکھتا ہوں، اور دوسرا

فرمایا: وأصلی وأرقد. رات کو میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت میں اس طرح فرمایا کہ جب آپ دیکھنا چاہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے وقت نفل نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ سکتے ہیں اور میں یہ بھی ذکر کروں گی کہ آپ آرام فرما رہے تھے، اسی طرح رمضان المبارک کے علاوہ مہینوں میں آپ کبھی روزہ رکھتے بھی تھے اور کبھی نہیں بھی، اور تیسری بات یہ فرمائی کہ واتزوج النساء۔ میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، یہ تین جز آپ نے ارشاد فرمائے اور آگے فرمایا : من رغب عن سنتی فلیس منی. (بخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح) جو میری سنتوں کو چھوڑ دے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

دوستو اور بزرگو!

اللہ تعالی نے انسانوں میں شادی بیاہ کا طریقہ رائج فرمایا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے خطاب کیا: وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (نور:۳۲) جو تم میں سے بے شادی شدہ ہو تم ان کی شادی کراؤ اور اللہ کے نیک صالح بندے اور بندیاں اور غلاموں باندیوں کا بھی نکاح کرواؤ، إِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (نور:۳۲) اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے اور شاید وہ اس کی فکر کر رہے ہیں کہ آنے والی اولاد کو کیا کھلائیں گے؟ کیا پلائیں گے؟ اللہ پاک بیان فرما رہے ہیں کہ میں ان سب کو مستغنی اور بے نیاز کر دوں گا، إِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (نور:۳۲) اللہ کو اپنے بندے کا علم ہے اور اس کی قدرت اور طاقت ہے کہ وہ ہر ایک کو اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق روزی عطا فرمائے، اس لئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شادی بیاہ کا حکم فرمایا۔

قرآن کریم میں شادی بیاہ کے مسائل کا ذکر کیوں؟

دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عبادتوں کا ذکر فرمایا تو مختصر فرمایا، لیکن معاملات کے مسائل،

شادی بیاہ اور سماجی زندگی کے مسائل قرآن کریم میں بہت تفصیل سے بیان فرمائے اور احادیث مبارکہ میں آپ نے بھی بہت تفصیل سے بیان فرمایا، یہ سوچنا چاہیے کہ قرآن کریم تو آسمانی کتاب ہے، یہ ہدایت کی کتاب ہے، یہ تقوی وطہارت کی اور پاکدامنی کی کتاب ہے، لیکن شادی بیاہ کے مسائل کیوں بیان فرمائے ؟ یہ انسان اور جانور کے درمیان فرق بتلاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے مسائل کو بھی تفصیل سے بیان کیا، ہم اور آپ جس زمانے سے گزر رہے ہیں اس میں انسانوں کو انسانیت سے نکال کر جانوروں کی طرف پہنچانے کی رات دن کوششیں کی جارہی ہیں، اسکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب کے اندر بھی ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط اور سیکس ایجوکیشن کی تعلیم دی جاتی ہے، یہ ساری چیزیں ٹی وی کے پروگراموں میں اور موبائل کی دنیا میں عام ہے، فحاشی، بے حیائی اور بے شرمی کی طرف لے جا کر انسان کو انسانیت کے دائرے سے نکال کر جانوروں تک پہنچانے کی ساری کوشش ہوتی ہیں، شیطان کو جس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نیچے اتارا، اس نے اللہ تعالیٰ سے کچھ چیزوں کی درخواست کی، اللہ نے اس کو مہلت دی اور اس میں اس نے یہ کہا کہ میں ان کے پاس آؤں گا، آگے سے، پیچھے سے، اوپر سے، نیچے سے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق وبناوٹ میں تغیر کرواؤں گا۔

شرم گاہ اور زبان کی حفاظت

آج کی دنیا میں شیطان اور دجالی قوتوں کا وہ آخری حربہ اور ان کی چالیں چھپی ہوئی نہیں ہیں، انہوں نے ساری اسکیموں کو کھول کر رکھ دیا ہے، آج ہمیں سب سے بڑا مسئلہ اپنے بچوں اور بچیوں کی حفاظت کرنا ہے، جو لوگ اپنے بچوں کو دنیوی ایجوکیشن دینا چاہتے ہیں، دنیوی تعلیم دینا چاہتے ہیں، ان کے لئے بڑے پیچیدہ مسائل کھڑے ہوئے ہیں، کس طریقے سے اپنے بچوں کی حفاظت کریں؟ ان کو کس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق ایک پاکیزہ، شرم اور حیا والا سماج اور سوسائٹی دی جائے، ایسے مشکل وقت میں ہمیں سوچنا ہے کہ کیسے شیطانی قوتوں سے دور رہا جائے اور بچا جائے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مَنْ

يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رجليهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ. (بخاری: کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان) جو شخص مجھے اپنے دو جبڑں کے درمیان کی یعنی زبان کی ذمہ داری دے دے اور اپنے دونوں رانوں کے درمیان کی یعنی شرمگاہ کی ذمہ داری دے تو میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری دیتا ہوں، آج کی دنیا میں ہم غور کریں تو سب سے زیادہ کوئی چیز گناہوں کی طرف دھکیلتی ہے تو شرمگاہ اور زبانیں ہیں، کسی کی چغلی ہو تو کسی کی غیبت ہو، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لایعنی باتیں جو کسی کام کی نہ ہو ایک مؤمن کو اس میں الجھنے سے منع فرمایا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پاکدامنی اور عفت کا نظام مسلمانوں کو ہی نہیں دیا بلکہ ساری انسانیت کو عطا فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیتیں نازل ہوئی، جو میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھیں اور بھی کئی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں، ان سب کے پیچھے مقصد کیا ہے؟ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (نور: ۳۰)، آپ ایمان والے بندوں کو کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں، یہی بات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی روایت میں فرمائی، جو روایت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! اے نوجوانوں کی جماعت! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ۔ تم میں سے جو شخص شادی کرنے کی طاقت رکھتا ہو، فَلْيَتَزَوَّجْ۔ چاہئے کہ وہ شادی کر لے، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ۔ اس لئے کہ شادی آدمی کی نگاہ کو نیچی کرتی ہے وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ۔ اور شرمگاہ کی پاکدامنی کا ذریعہ ہے، نگاہ اور شرمگاہ ان دونوں کی حفاظت جس شخص نے کر لی تو اللہ تعالی اس کو کامیاب فرماتے ہیں۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نور: ۳۳) اور نکاح کی جو شخص طاقت نہیں رکھتا وہ اپنے آپ کو بچائے اور حدیث شریف میں یہی فرمایا، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ۔ جو شادی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے بس اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے، اسلام نے یہ ایک نظام بتلایا کہ اس کے ذریعے انسان انسانیت کے دائرے میں باقی رہے۔

دومثالیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک اس زمین پر اللہ اللہ کا لفظ کہا جائے۔(مسلم: کتاب الایمان، باب ذھاب الایمان آخر الزمان) اور جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا، اس موقع کو آپ نے اپنی روایت میں فرمایا کہ انسانوں کا حال یہ ہو جائے گا کہ" فیبقی شرار الناس فی خفة الطیر و احلام السباع"(مسلم: کتاب الفتن و أشراط الساعة، باب فی خروج الدجال..) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پر دومثالیں ذکر فرمائی، کہ اپنی خواہشات پوری کرنے میں پرندوں جیسے ہلکے اور بد اخلاق ہوں گے، کہ ایک پرندہ دوسرے پرندے کے ساتھ اپنی خواہش پوری کرتا ہے، ان کو کوئی عار اور شرم محسوس نہیں ہوتی، اسی طرح آپ نے دوسری بات ارشاد فرمائی، درندوں جیسی ان کی عقلیں ہوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت سے پہلے کی بہت سی نشانیوں کو ذکر فرمایا، جو نشانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہمارے زمانے میں جب ان دو چیزوں کو دیکھتے ہیں کہ انسان جانوروں جیسا ہوگیا، اپنے معمولی سے مقصد کے لئے انسانوں کی جان لینے پر اتر آتا ہے، ایٹم بم کے ذریعے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں جو بھی جنگیں اور لڑائیاں ہورہی ہیں اور دنیا کی سپر پاور طاقتیں دوسروں کو آپس میں لڑا کر اپنے ہتھیار بیچ رہی ہیں، اسی طرح انسان ہوکر انسانوں پر حملہ کرتے ہیں اور آپ کو تعجب ہوگا کہ انسائیکلو پیڈیا میں ایک لفظ آیا ہے، ایٹم بم کس کو کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ لکھا گیا کہ ایٹم بم وہ چیز ہے جس نے ایک کروڑ انسانوں کی جان بچائی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جان لی اس کو ذکر نہیں کررہے ہیں، امریکہ نے ۱۹۴۵ء میں جاپان کے اوپر سب سے پہلے ایٹم بم سے حملہ کیا اور جاپان کے دو بڑے بڑے شہر تہس نہس ہوگئے، ابھی بھی وہاں اس کے اثرات پائے جاتے ہیں، کتنے انسانوں کو نقصان پہنچانے کے بعد بھی یہ ایٹم بم کی تاریخ پر فخر کررہے ہیں کہ اس نے دو بڑی جنگوں میں انسانوں کو بچایا، دنیا میں دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک چھ یا سات سال تک چلتی رہی، جاپان پر ایٹم بم کے حملے کے ذریعے

اس کا اختتام ہو گیا، ابھی بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ عراق کا کیا حال ہوا؟ شام میں بھی اس وقت کیا ہو رہا ہے؟ افغانستان میں کیا کیا؟ اور اس نے دنیا بھر کے ملکوں میں مومنین کے ساتھ کیسا ظلم وستم کیا ہے؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انبیائے کرام نے ایک صاف ستھرا طریقہ بتلایا ہے۔

نکاح اور زنا میں فرق

دوستو اور بزرگو! نکاح اور زنا ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ ہم اس کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، نکاح کے سلسلے میں انسان ذمہ دار بنتا ہے، ایک عورت سے شادی کرتا ہے، اولاد ہوتی ہے، سب کے کھانے پینے اور اس کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ایک شوہر اور ایک مرد پر ہوتی ہے اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، دوسری طرف گھریلو زندگی کی یہ عورت ذمہ دار ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار

حدیث شریف میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہے اور روزہ رکھتی ہے اور اپنے شوہر کے مال اور اپنی عزت کی حفاظت کرے گی۔ (ابن ماجہ: كتاب النكاح، باب أفضل النساء)، یہ عورتوں کی ذمہ داری جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی اور یہ دو طریقے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلائے ہیں، مردوں کی ذمہ داری الگ اور عورتوں کی ذمہ داری الگ، اس نظام کے ساتھ سماج وسوسائٹی چلے گی تو نکاح کا بندھن مضبوط رہے گا، عورت گھر سے باہر کمانے اور دوسرے مسائل کے لئے نکلے گی تو دنیا میں کیا ہوگا؟ اپنی آنکھوں سے ہم لوگ مشاہدہ کر رہے ہیں، کیا ہو رہا ہے؟ کسی ملک میں پچاس فیصد عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے اور کسی ملک میں ساٹھ فیصد، نکاح اور طلاق ایک کھلونہ بنالیا ہے، سماجی زندگی کا مقصد فوت ہو چکا ہے۔

فیملی سسٹم کی تباہی

نئی آنے والی جو نسل ہے، اس کی ذمہ داری کو نبھانے کا ان کے بچوں کا بچیوں کا کوئی پرسان حال نہیں، میاں بیوی میں جھگڑے ہوتے ہیں، جب آپس میں کڑواہٹ ہوتی ہے، یہ

معصوم بچے جو بیچارے کھیلنے ہی کی عمر میں ہوتے ہیں، لیکن ماں باپ کے جھگڑوں، گھر کے رشتہ داروں کے جھگڑوں میں یہ معصوم اولاد نہ اِدھر کی اور نہ اُدھر کی رہتی ہیں، ان کی تعلیم اور تربیت کا کوئی نظام نہیں اور یورپ یہ ساری برائیاں چکھ چکا ہے، وہاں ایک دوسرا نظام بنایا ہے جو طلاق کی کثرت کا ہے، تو اب کیا کیا جائے؟ اگر مرد طلاق دیتا ہے تو اتنے روپیہ عورت کو دینے پڑیں گے، یہ بیماری یہاں بھی آ گئی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ مردوں کی کمائی کا ایک بہت بڑا حصہ عورتوں کے پاس چلا گیا، تو وہاں مردوں نے سوچا کہ شادی کرے تو طلاق ہو، اور طلاق کے بعد ہمیں عورتوں کو خرچہ دینا پڑے، تو ایک کونٹراکٹ سسٹم چالو ہوئی، مرد اور عورت چند سالوں کے لئے کونٹراکٹ کرتے ہیں، پانچ چھ سال ہو گئے، ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور اگر اولاد ہوئی تو اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے، یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔

یورپی ممالک کا حال

افریقہ اور یورپ میں ایک بیماری ایسی پھیلی ہے یعنی چھوٹے چھوٹے بچے اسکول میں پڑھ رہے ہیں اور گن اور بندوق کے ذریعہ پروفیسر کو تو کبھی اسکول کے ساتھیوں کو مار ڈالتے ہیں، آپ نے اخبارات میں رات دن سنا ہوگا کہ امریکہ میں کوئی ایک آدمی ایسا کرتا ہے اور بیس پچیس آدمیوں کی جان لے لیتا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے کمسن مجرمین ہیں، یہ وہ بچے ہیں، جن کو نہ ماں کی مامتا ملی ہے اور نہ باپ کی شفقت ملی ہے، اس لئے کہ مرد اور عورت نے اپنی خواہش پوری کر لی اور پوری کرنے کے بعد ان پیدا ہونے والی اولاد کی حکومت پرورش کرتی ہے، ابھی دنیا میں جو یہ سب سے بڑی Black Water فوجیوں کی جماعت ہے، جو فوجی ریٹائرڈ ہوتے ہیں، دنیا بھر میں یہ کونٹراکٹ پر فوجی بھیجتے ہیں، امریکہ نے افغانستان میں ان کا استعمال کروایا اور بھی کئی ملکوں نے استعمال کیا، یہ کون لوگ ہیں؟ اس قسم کی ناجائز اولاد ہے کہ حکومت نے ان کو بڑا کیا، اب اس کے بعد حکومت نے دیکھا کہ اس کا نہ کوئی باپ ہے، نہ ماں ہے، نہ کوئی اور ہے تو انہوں نے فوج کے اندر بھرتی کیا اور دنیا کے اندر امریکہ نے ان

لوگوں کو استعمال کیا، جو بچے بغیر باپ اور ماں کے ہوتے ہیں، باپ اور ماں کی شفقت اور پرورش ان پر نہیں ہوتی وہ بے چارہ یا تو بزدل ہوتا ہے یا تو وہ ظالم اور جابر ہوتا ہے، سائیکولوجکل لوگ ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ماں باپ بچپن سے ہی اپنی اولاد کو گھر میں تربیت دیتے ہیں، سب اپنے بچوں کو پیار سے پالتے ہیں، باپ غصہ ہوگا تو ماں نرم ہوگئی، ماں غصہ ہوئی تو باپ نرم ہوگا، اس طریقے سے اچھی تربیت سے بچوں کو پالتے ہیں تو ان میں نرمی بھی آتی ہے اور سختی بھی، لیکن بچوں کو ماں اور باپ کی شفقت نہیں ملتی تو یہ بیچارے انتہائی کمزور اور بزدل ہوتے ہیں یا لوگوں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں۔

اسلام نے نکاح کا جو طریقہ رائج کیا تھا، یورپ نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا، اس کو چھوڑ کر انہوں نے اپنی چاہت والی زندگی اپنائی، سب سے زیادہ اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں۔

روح کیا ہے؟

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوحِ۔ مکہ والے آپ سے روح کی حقیقت پوچھ رہے ہیں، جواب میں فرمایا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ آپ فرما دیجئے کہ روح کی حقیقت تم کیا سمجھو، یہ اللہ پاک کا ایک امر ہے، قرآن کریم میں چودہ سو سال پہلے فرمایا: روح کیا چیز ہے؟ سائنس آج تک بتلا نہیں سکتی، روح کا مادہ کیا ہے؟ جسم میں روح کہاں پر رہتی ہے؟ کوئی نہیں بتلا سکتا، روح کس طرح نکلتی ہے؟ آج تک سائنسدانوں نے بہت محنتیں کی، پلان بنائے اور ایک انسان کو مرنے سے پہلے ایک بند بکس میں رکھ دیا اور آکسیزن کا انتظام کیا، لیکن جب وہ انسان مرا تو پتہ ہی نہیں چلا، فرشتہ کہاں سے آیا اور وہ روح لے کر کیسے چلا گیا، ہم آنکھوں سے رات دن کے مشاہدے کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے نازل فرمایا کہ روح کا معاملہ بڑا ہے اور آگے ارشاد فرمایا وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلاً (اسراء: ۸۵) کہ اے انسانو! جو تمہیں علم دیا گیا ہے، وہ تھوڑا سا دیا ہے، آج کی سائنس نے قبول کرلیا ہے کہ انسان کو جو علم ملا ہے وہ تھوڑا علم ہے، ہم میں سے ہر ایک نے بچپن کی زندگی کھیل کود میں نکالی، پھر اسکول،

مدرسوں میں گئے پھر کالج میں بیس پچیس سال کی زندگی ہوگئی اور کوئی ڈگری پاس کی، اب اس کے بعد ملازمت کرتے ہیں، ساٹھ سال کے بعد بدن کے اعضاء کمزور ہونا شروع ہوتے ہیں، اتنی عمر میں انسان کو بیماریاں اور کتنے سماجی مسائل ہوتے ہیں، اللہ پاک کا علم وسیع وعریض ہے، اس لئے نکاح کا اللہ پاک نے جو طریقہ دیا ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ نکاح میں خیر ہے، بھلائی ہے، اس طریقے کو چھوڑ کر جب انسان اپنی انسانی خواہش کے مطابق زندگی گزارنے جائے گا تو جو حال یورپ اور امریکہ کا ہوا کہ وہاں کا سماجی بندھن بالکل ٹوٹ چکا ہے، کیوں ٹوٹ چکا ہے؟ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ (حشر:۱۹) کہ انہوں نے اللہ کے نظام کو بدلا اور بے چارے آج سماجی زندگی میں پریشان ہے۔

انسان اللہ پاک کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق زندگی گذارے

دوستو اور بزرگو!

اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ جب اللہ کے نظام کے مطابق انسان نہیں چلتا ہے، تو فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۔ اپنی ذات سے ہی بھلا دیئے جاتے ہیں، یہ آج کی دنیا کا حال ہے، اللہ تعالیٰ کا ہم شکر ادا کریں کہ اللہ پاک نے بہترین نظام جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہمیں دیا، دوسروں کو دیکھیں تو پتہ چلے؛ ہم اپنی جوان عورتوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ یورپ کی عورتیں اسلام میں داخل ہورہی ہیں، وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں اچھے اچھے مضامین لکھ رہی ہیں اور ہماری مسلمان بہنوں کو کچھ پتہ نہیں، وہ غیروں کے ہاتھ میں جارہی ہیں، یہ کیا ہے؟ ہم اپنی اولاد کی صحیح تربیت اور گھر کے نظام کو صحیح چلائیں، گھر میں قرآن اور حدیث کی تعلیم دیں۔

ورنہ آنے والی نسلیں ہمارے ہاتھ میں نہیں رہے گی، اللہ پاک نے نکاح کا نظام باقی رکھا، تاکہ انسان انسان باقی رہے، جانور نہ بن جائے، دعا ہے کہ اللہ تعالی ہونے والے نکاح کو قبول فرمائے اور ہم سب کی نگاہوں اور شرمگاہ کی حفاظت فرمائے، (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۲۵) موجودہ حالات میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز اور حکیم کا استحضار کریں۔

(بمقام انکلیشور، بس ڈپو مسجد)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ (سورۃ البقرۃ:۲۶۰)

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ (سورۃ النساء:۱۵۸)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اللّٰھُمَّ لا احصی ثناءً علیک أنت کما أثنیت علی نفسک۔ (مسلم: کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

قرآن پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک و تعالی اپنی قدرت اور طاقت کا مظاہرہ فرمانے کے لئے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک سوال کرواتے ہیں اور پھر اللہ تعالی کی طرف سے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ پاک کی قدرت وطاقت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزے کا ظہور ہوتا ہے۔

قرآنی قصے ہمارے لئے عبرت وموعظت ہے

دوستو بزرگو!

کلام پاک میں اللہ تعالی نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پچیس واقعات ذکر فرمائے ہیں، صراحۃً پچیس انبیائے کرام کا نام لے کر ان کے واقعات بیان فرمائے ہیں اور تین نبی ایسے ہیں جن کا صراحتاً نام تو نہیں لیا، لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا تعلق حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ہے، یہ جو پچیس انبیائے کرام کے نام لئے گئے ہیں اور ان کے واقعات کے جن پہلوؤں کو قرآن کریم نے ہمارے سامنے کھول کر بتلایا، یہ مجموعی طور پر اس امت محمدیہ کو قیامت تک جتنے حالات سے گزرنا ہوگا، جن مختلف مسائل کا ان کو سامنا کرنا ہوگا، اللہ نے انبیائے کرام کے ان خصوصی واقعات کے انہیں حصوں کو ہمارے سامنے ذکر فرمایا، جو نہایت اہم اور ضروری ہے، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے مکمل واقعات ذکر نہیں فرمائے، اللہ پاک خود فرماتے ہیں: مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (غافر ۷۸) ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کے واقعات کو ہم نے ذکر فرمایا اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات کو ہم نے ذکر نہیں فرمایا۔

لیکن مجموعی طور پر ان تمام واقعات میں ہمارے لئے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں، وہ یہی ہے کہ جب بھی اپنی زندگی میں امت میں سے کسی انسان پر انفرادی طور پر کوئی مسئلہ پیش آئے یا اجتماعی طور پر امت مسلمہ کو پیش آئے، بلکہ پوری انسانیت کو جو مسائل پیش آئیں، اللہ تعالی ان واقعات کے ذریعے ہماری رہنمائی فرماتے ہیں۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں ذکر فرمایا،

یہ واقعات ہم آپ کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ موعظت، رحمت، عبرت اور ہدایت ہو ایمان والوں کے لیے۔ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف:۱۱۱) اوران واقعات میں انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ عقل مندوں کے لیے عبرت ہے، مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (یوسف:۱۱۱) یہ من گھڑت قصہ کہانیاں نہیں ہے، بلکہ آسمانی کتاب تورات اورانجیل کی تصدیق ہے۔

صفت عزیز

دوستو اور بزرگو!

صفت عزیز کے ساتھ اسی بات کو اللہ پاک نے ذکر فرمایا، چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں: وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (آل عمران:۱۲۶) کہ اللہ تبارک وتعالی بدر کے موقع پر ان آیات کو ذکر فرماتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ ان سب کو یہاں جمع کریں، اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو نصرت اور ملک کے لئے وعدہ کیا گیا، وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (آل عمران:۱۲۶) اور نصرت صرف اللہ پاک کی طرف سے ہوسکتی ہے، اگر اللہ پاک نہ چاہیں تو کوئی مدد نہیں دے سکتا ہے، مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (فاطر:۲) وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ (یونس:۱۰۷) اگر اللہ پاک تم کو تکلیف دینا چاہے تو کائنات کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی، اگر اللہ پاک کوئی رحمت دینا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صاف فرمادیا کہ اے انسان! اگر اللہ تمہیں راحت وآرام دینا چاہیں گے اور ساری مخلوق مل کر یہ چاہے گی کہ تمہیں تکلیف دیں تو کائنات کی کوئی مخلوق تم کو تکلیف نہیں دے سکتی، اللہ پاک راحت دینا چاہے تو اس کو کوئی چھین نہیں سکتا۔ (ترمذی: ابواب صفة القیامة، رقم: ۲۵۱۶)

حدیث قدسی

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، حدیث قدسی میں ہے کہ تم میں سے اول اور آخر: لو ان اولکم و اخرکم و انسکم و جنکم. (مسلم: کتاب البر و الصلة، باب تحریم الظلم) تمہارے پہلے والے اور آخر والے، تمہارے جنات اور انسان سب مل کر سب کے سب متقی اور پرہیزگار بن جائیں، میری حکومت میں ذرہ برابر اضافہ نہیں کر سکتے، اس لئے کہ میری حکومت میں اضافہ کی ضرورت ہی نہیں ہے، میں مکمل ہوں اور تمہارے پہلے اور آخر والے تمہارے انسان و جنات سب مل کر انتہائی درجے کے گنہگار اور فاجر ہو جائیں، فاسق ہو جائیں، وہ میری حکومت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کر سکتے، یہ روایات اور آیات ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ ہم جس خداوند قدوس کو مان رہے ہیں، جس کا کلمہ ہم نے پڑھا ہے لا الہ الا اللہ، معبود حقیقی، مسجود حقیقی، مقصود حقیقی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی اپنی قوم کو دعوت

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو قرآن نے ذکر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو ان میں سے ہر ایک کا میں انکار کرتا ہوں، میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ پاک شفاء دیتے ہیں، مجھے کوئی تکلیف ہوتی ہے یا پریشانی ہوتی ہے تو اس پریشانی کو اللہ تبارک وتعالی دور کرتے ہیں، اس لئے صاف صاف یہ فرمادیا کہ اگر تم مجھے مجبور کرو گے اور اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی عبادت کرو گے تو یہ ہرگز نہیں ہوگا، اس لئے کہ تم اس خدا سے نہیں ڈرتے ہو جس سے میں ڈرتا ہوں، میں ان سے کیوں ڈروں؟ جن کا نفع نقصان کا اختیار ان کے ہاتھ میں نہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایمان اور توحید کو ہمارے سامنے ذکر فرمایا، کہ اس امت کو سب سے زیادہ مناسبت ہے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہے، ہم نے اس امت کا نام مسلمان رکھا: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (حج: ۷۸) قرآن پاک نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو ذکر فرمایا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اورآگےفرمایا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (بقرہ:۱۲۹)

مسلمان اور دوسری قوموں کے درمیان فرق

دوستو اور بزرگو!

دنیا کی دوسری امتیں اور دوسری قومیں اور اس امت کے درمیان جو سب سے بڑا فرق ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے خالق اور مالک ایک اللہ کو مان لیا اور اس کے علاوہ دنیا کی مخلوق نے جس کو جو پسند آیا، اس کو اختیار کیا،لیکن ہم نے اس خدا کو اختیار کیا ہے، جو عزیز ہے اور ساتھ میں حکیم ہے، آج کے دور میں اور آج کے ماحول میں اللہ پاک کی ان دونوں صفات کو یاد رکھنا،یقین رکھنا، اس پر مکمل بھروسہ کرنا اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنا یہ مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

صفت عزیز اور حکیم کا استحضار قرآنی واقعات کی روشنی میں

اللہ پاک نے جن آیات میں ان دونوں صفات کا ذکر کیا ہے تمام جگہیں وہ ہیں جہاں یا تو اللہ کی طرف سے نصرت اور مدد کا وعدہ ہے، میں نے آپ کے سامنے ایک آیت پڑھی ہے، اللہ پاک نے اس میں بھی فرمایا: إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ (توبہ:۴۰) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر گئے اور اس موقع پر مکہ کے مشرکین غار کے بالکل کنارے پر آ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! دشمن ہمیں تلاش کرتے ہوئے غار تک پہنچ گئے ہیں، اگر نیچے ذرا جھانک کر دیکھ لیں تو ہم پکڑے جائیں گے، آپ نے فرمایا: ان دونوں کا حال کیا ہوگا؟ جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہوگا، یہ جملہ اللہ پاک کو بہت پسند آیا اور اللہ پاک نے قرآن کریم میں اس کے متعلق آیت نازل فرمائی۔

جہاد کے موقع پر صحابہ کے دل میں خیال آیا کہ وقتی طور پر جہاد رک جائے اور کھیتی باڑی وغیرہ درست کرلیں، اللہ تبارک وتعالی نے آیت میں فرمایا: إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ (توبہ:۴۰)اب جب اتنی بڑی مسلمانوں کی جماعت ہوگئی اور تم اللہ کے دین کے لئے سوچ رہے ہو، اللہ فرماتے ہیں: ہمیں کسی کی نصرت کی ضرورت نہیں ہے، فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ إِذْ أَخْرَجَهُ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ:۴۰) اللہ پاک اپنے نبی کی ضرور مدد فرمائیں گے، جب کہ مکہ سے نکلے تھے، ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ غار کے اندر یہ دونوں چھپے ہوئے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق کے جواب میں اللہ کے رسول نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اے ابوبکر! غمگین نہ ہونا اور نہ گھبرانا، اللہ پاک کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔

مکمل اسلام میں داخل ہوجاؤ

دوستو اور بزرگو!

یہ مدد خداوندی اللہ پاک کی طرف سے صفات کی بنیاد پر ہے، حسب ونسب اور خاندان کی بنیاد پر نہیں، اللہ پاک کی طرف سے یہ سارا تعلق ایمان اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ہے، اس لئے آج کا مسلمان اگر یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اللہ تعالی اور اللہ کے رسول کی باتوں کو صرف مسجد تک رکھیں، ہماری تجارت دنیوی اصول کے مطابق چلے، ہماری شادی بیاہ کا معاملہ ہماری زندگی کے تمام مسائل کے حل دنیاوی اعتبار سے کریں، اور پھر عبادات ادا کرنے کے لئے صرف مسجد میں آئیں، ایسا کھوکھلا ایمان جو ہمیں تجارت میں نہیں چلاسکتا، جو ہم کو اپنے معاملات میں نہیں چلاسکتا، آپس کے معاہدوں میں اور جو مومنین کے ایک دوسرے کے وعدے اور ایک دوسرے کے کاروبار کے اندر نہیں چلاسکتا، یہ ایمان مسجد میں بھی کمزور پڑ جائے گا، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (بقرہ:۲۰۸) اے ایمان والو! مکمل طور پر اسلام میں داخل ہوجاؤ۔

حضرت ابراہیمؑ اور اطاعت خداوندی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور واقعہ قرآن کریم میں ذکر فرمایا: فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ (صافات:۱۰۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم کے مطابق ذبح کرنے کی تیاری شروع کی، اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ (صافات:۱۰۳) دونوں نے اطاعت کی، دونوں نے فرمانبرداری کی، بلکہ لفظ لایا گیا

''أَسْلَمَا'' اور اسلام کا معنیٰ ہے اپنے آپ کو مکمل حوالے کرنا اور کس کے حوالے کرنا؟ وہ ذات جو ساری کائنات کے اوپر طاقت اور قدرت رکھتی ہے۔

حضرت یوسفؑ کا قصہ

یہ قرآن کریم کے واقعات جو ذکر فرمائے، حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ موجود ہے، کبھی بظاہر تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہیں، لیکن یہ سارے واقعات ہوئے، اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کو کیسے بچایا؟ کیسے کیسے حالات پیدا کئے؟ بظاہر پریشانی نظر آرہی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا، والد محترم نے کہا کہ بھائیوں کو نہ بتاؤ، لیکن بھائیوں کو معلوم ہوگیا اور یہ خواب بظاہر اچھا تھا لیکن اس نے بھائیوں کو حسد کرنے پر آمادہ کیا، حضرت یوسف علیہ السلام دیکھ رہے ہیں، إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ (یوسف:۴) یہ سب مجھے سجدہ کررہے ہیں، یہ تو ایک عزت کا مقام تھا، یہی ظاہر سبب بنا تھا بھائیوں کے حسد کا، اس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک کنویں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈالا، حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ہیں اور پریشانی کا عالم ہے، لیکن یہی سبب بن رہا ہے اللہ پاک کی طرف سے عزیز مصر کے دربار میں آپ کے پہنچنے کا، قافلہ والے آئے اور کنویں تک پہنچے اور اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے گھر میں پہنچایا، وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ (یوسف:۲۱) وہ بچہ جس کو کنویں میں بھائیوں نے ڈال دیا، اس کے ساتھ حسد کر کے اس کو پریشان کردیا، لیکن اللہ پاک نے فرمایا: وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ (یوسف:۶) کہ یوسف اس وقت تمہارا حال ظاہر برا نظر آرہا ہے، لیکن ہم تمہیں نبی بنائیں گے اور یہ بھائی تمہارے سامنے آئیں گے، اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے ذلیل ہوکر، اس کے بعد اللہ پاک نے بادشاہ کو خواب دکھلایا، حضرت یوسفؑ کو زلیخا نے جیل میں ڈلوایا تھا، عزیز مصر کے گھر میں جانا آپ کے لیے عزت کا سبب، لیکن یہی سبب بظاہر آپ کو

دوبارہ تکلیف میں مبتلا کررہا ہے اور جیل میں ڈال رہا ہے، جیل کا ایک ظاہری منظر ہے پریشانی اور تکلیف کا، لیکن اسی نے بادشاہِ وقت کے پاس آپ کو پہنچایا، یہ پورے اتار اور چڑھاو قران کریم نے ہمارے سامنے بیان کیا اور واقعے کا پورا اتار چڑھاؤ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ کیسی ذات ہوگی، وہ کیسے اپنے بندوں کو بچاتی ہے، وہ کیسے پریشانی اور تکلیف میں نجات کے راستے پیدا کرتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا قصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق سنیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو رہی ہے اور پیدائش سے پہلے فرعون کو نجومیوں نے بتلا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا، اس کے ہاتھوں سے تمہاری حکومت کا زوال ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل شروع کردیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کہہ رہے ہیں، اے موسیٰ! آپ کی پیدائش سے پہلے بھی ہم ستائے گئے اور پیدائش کے بعد بھی ہم ستائے گئے، حضرت موسی علیہ السلام کی والدہ کو اپنے بیٹے کے متعلق اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہورہا ہے کہ آپ اپنے بیٹے کو سمندر کے حوالے کردیجئے اور ذرہ برابر غمگین اور پریشان نہ ہونا، ہم موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی طرف واپس ہی نہیں کریں گے، بلکہ ہم ان کو اپنا رسول بنائیں گے، ایک بچے کی زندگی کا سوال ہے، ماں اپنے بیٹے کو کیسے سمندر میں ڈال سکتی ہے، لیکن اللہ پاک کا حکم تھا، اللہ پاک کی طرف سے دل میں یہ بات ڈالی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حالات کے پیش نظر بہتر یہ سمجھا کہ فرعون کے ہاتھوں اپنے بیٹے کو شہید ہوتے دیکھوں، اس کے مقابلے میں اس کو سمندر میں ڈال دوں، اللہ پاک نے فرمایا: فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (قصص:۸) یہ آیتیں سمجھنے کی ہے۔

قرآنی واقعات اور ہندوستانی مسلمانوں کے حالات

دوستو اور بزرگو! ان تمام قصوں میں اللہ پاک نے جو واقعات ذکر فرمائے، اس وقت

ہندوستانی مسلمانوں کے حالات اگرچہ اتنے خطرناک نہیں ہے، جتنے موسی علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کے تھے، اس لئے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جس قوم کو ذلیل سمجھا گیا، جن کو حقیر سمجھا گیا، ان کو زمین میں ہم بڑا بنائیں گے، جن کو زمین میں کمزور سمجھا گیا ہے ان کو ہم سر بلند کر دیں گے، اللہ تعالیٰ نے سر بلند کیسے فرمایا اور فرعون جو موسی علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بچے قتل کر رہا تھا، اللہ پاک نے اس کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی اور آیت میں اللہ نے فرمایا کہ فرعون اور ہامان جو کچھ سوچ رہے تھے، یہ غلطی پر تھے، یہ اپنی تدبیر کر رہے تھے اور رب حسنِ انتظام کر رہا تھا، اللہ پاک کی صفت عزیز نے بتلا دیا کہ اللہ پاک کیسے قدرت رکھتے ہیں، دشمن کے گھر میں اللہ تبارک وتعالی نے موسی علیہ السلام کی تربیت فرمائی۔

قرآن کریم سے وابستہ رہیے

دوستو اور بزرگو!

قرآن پڑھنا ہے، آج امت قرآن سے دور ہوگئی، قرآن میں ہمارے لئے سارے احوال کے مطابق عبرتیں ہیں، تسلیاں ہیں، لیکن افسوس کہ ہم بیکار کی چیزوں کو اور واٹس ایپ کی خبروں کو کتنا یقینی مان رہے ہیں اور عالم الغیب والشہادہ کے بھیجے ہوئے رہبر پر ہم یقین رکھتے نہیں ہیں، ہم قرآن کریم کو پڑھتے نہیں ہیں، سنتے نہیں ہیں، قرآن کی تفسیر دیکھیں اور پڑھیں، اللہ پاک نے کیسے حالات اور کیسے واقعات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر فرمائے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کا قصہ

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے بنی اسرائیل سارے منصوبہ بنا رہے ہیں، وقت کی حکومت رومی سلطنت تھی، یہودیوں نے ان کے کان میں یہ بات ڈالی کہ یہ فتنہ ہے، ان کے خلاف میں طرح طرح کے منصوبے اور پلان رچے جا رہے ہیں، درخواستیں دی جا رہی ہیں، قرآن شریف کے خلاف بھی درخواست دائر کی گئی تھی، اس کو کلکتہ ہائی کورٹ نے خارج کر دیا تھا، ابھی پھر وشنو گپتا جو ہندو سینا کا ذمہ دار ہے، اس نے پھر درخواست دی۔

آج قرآن کریم اور مسلمانوں کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ یہ ملک کے لئے خطرہ ہے، ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی اس کو اس بہانے قرآن پڑھنے کی توفیق دے اور قرآن کو پڑھے اور سمجھے، اللہ پاک ایسے حالات پیدا کرتے ہیں، ہم اس کی دعوت نہیں پہنچا سکتے، اللہ پاک غیبی انتظام فرما دیتے ہیں، کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کو صرف اس لئے پڑھا تھا کہ قرآن کریم میں عیب لگائے، قرآن کریم کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے نعوذ باللہ قرآن کریم کے متعلق کیا کیا باتیں بتائیں، وہ سب کہنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا، جب انہوں نے قرآن پڑھا تو پتہ چلا کہ انہوں نے جہاد کے متعلق جو آیات ہیں، اس میں غور و فکر کیا، تو اللہ پاک نے ایمان کی توفیق سے مالا مال کیا۔ اور کچھ معترضین ایسے بھی تھے کہ ان کو زیادہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا، کیوں کہ جو احکام ہے اس کو مکمل آگے پیچھے سے پڑھنا ہوگا، آدھے حصے سے سمجھ میں نہیں آئے گا، چھ ہزار سے اوپر قرآن کریم کی آیات میں سے چوبیس آیتوں میں صرف جہاد کا ذکر ہے، تو باقی آیات میں کس چیز کا ذکر ہے؟ یقیناً اخلاقیات، اعلی تعلیمات اور اعلی کیریکٹر اور اللہ تعالی سے تعلق کے متعلق مضامین ہیں۔

لیکن دوستو بزرگو! افسوس ہے!

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ایک آیت فرمائی: وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا (فرقان: ۳۰) کل قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: اے باری تعالی! میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا، آیت کا ظاہری خطاب ابوجہل اور مشرکین مکہ کے لئے ہے، لیکن ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں، ہمیں کتنی فرصت ملی ہے قرآن کریم کے واقعات کو پڑھنے اور سننے کی اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی، تو صفتِ عزیز اللہ پاک نے ظاہر فرمائی، بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (نساء: ۱۵۸) یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ساری کوشش کر رہے ہیں اور وقت کی حکومت بھی تیار ہے، لیکن اللہ تعالی بچانا چاہتے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (نساء: ۱۵۷) یہ چیلنج

اللہ پاک نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آئی، جب بندہ اللہ کے دین پر چلتا ہے تو اللہ کی غیبی مدد کیسے آتی ہے، ظاہری اسباب کیسے ساتھ دیتے ہیں، اور اللہ پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (نساء:۱۵۸)

کیوں نہیں؟ وہ اللہ طاقت اور قوت والا ہے، اس کی طاقت اور قدرت کے آگے دنیا کی کوئی طاقت چل نہیں سکتی، وہ چاہے تو ابابیل کے ذریعے کام لے لیتا ہے؛ وہ چاہے تو دس مہینے کی گابھن اونٹنی کو چٹان کے اندر سے پیدا کردے اور اس سے بچہ پیدا کرے؛ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی مانگی، اللہ تعالی نے معجزے کا ظہور کیا؛ جب وہ چاہتا ہے تو مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈے کے ذریعے حفاظت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے متعلق قرآن مجید میں فرماتے ہیں: إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ:۴۰) اور یہ آیت آج ہمیں بھی کہہ رہی ہے کہ ہرگز غمگین نہ ہونا، اس کی طاقت، قدرت اور ساتھ میں حکیم اور اس کے ساتھ اس کی حکمت اور سمجھ اور اس کی عقلمندی اور دانائی کام کرتی ہے، فرعون اور ہامان اپنے آپ کو بہت طاقتور اور عقلمند سمجھتے تھے، لیکن اللہ پاک نے ان کی بے وقوفی ظاہر کی کہ سارے بنو اسرائیل کو قتل کرنے کے لئے پوری کوشش لگائی جارہی ہے اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت اپنے گھر میں کررہا ہے۔

ہدہد پرندہ زمین کے اندر کہاں پانی ہے؟ اس کو جان لیتا ہے، لیکن زمین پر بچھائی ہوئی جال وہ نہیں دیکھتا ہے، اللہ پاک نے اس کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے؛ اللہ پاک نے دکھادیا کہ میں جب چاہوں تو معمولی سے معمولی مخلوق کو بلندی کے مقام پر پہنچاتا ہوں اور جب پکڑتا ہوں تو عاد اور ثمود کی قومیں جن کو اتنا مضبوط بنایا تھا، إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (فجر:۷،۸) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ایک ایسی امت کو میں نے پیدا کیا کہ اس کے برابر مضبوط اور طاقتور کسی کو نہیں بنایا، لیکن کیا ہوا؟ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (حاقہ:۷) جب اللہ پاک کی پکڑ آئی تو ایسے پکڑ آئی کہ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ

أَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (حاقہ:۷) قوم پر اللہ پاک کی طرف سے مسلسل ہفتے تک عذاب آیا اور ایسا آیا کہ دوسری جگہ پر اللہ پاک نے فرمایا کہ اس سے مضبوط قوموں کو اللہ نے کس کس طریقے سے عذاب دیا اور کمزوروں کو یعنی بنواسرائیل کو اللہ پاک نے بچایا، سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پورا ماحول ناخوش گوار لیکن اللہ پاک نے بچا لیا؛ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سارے حالات اور سارے مسائل بنتے رہے، لیکن اللہ تعالی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کامیاب فرمایا؛ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ پاک نے بچایا اور اس کے بعد اللہ تعالی نے عزیزِ مصر بنایا، بھائی آپ کے پاس آئے، آپ نے ان کو معاف کردیا۔

صبر کا مطلب

دوستو اور بزرگو!

یہ بھی سمجھنا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کے موقع پر اپنے سارے دشمنوں کو معاف کردیا، ہمیں ضرورت ہے کہ جہاں ظلم ہو رہا ہے وہاں قرآن کریم نے خود فرمایا: وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِيْنَ (نحل:۱۲۶) لیکن صبر کا دامن تھامنا ہے، صبر کا مطلب عربی زبان میں ظلم کو برداشت کرنا نہیں ہے، قرآن نے فرمایا: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (بقرہ:۴۵) اے ایمان والو! تم مدد مانگو نماز اور صبر کے ذریعے، قرآن کی آیت ہمیں بتلاتی ہے کہ مدد چاہنے کے جو ذریعے ہیں وہ اللہ کے گھر میں جانا ہے اور اس سے مدد مانگنا ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام سے ایک بہت بڑے فلسفی نے پوچھا کہ اللہ پاک اگر تیر چلائے اور بندے اس کا نشانہ ہو تو پھر انسان کہاں جائے اور کیسے بچ سکتا ہے؟ تو حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا، بہت آسان ہے کہ اسی کی گود میں چلے جاؤ، اسی کی طرف متوجہ ہوجائے، نعوذ باللہ اللہ پاک جسم وجسمانیات سے پاک ہے اور اس کی کوئی گود نہیں، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوری:۱۱) تو اللہ جیسا کوئی نہیں، کوئی مثال بیان نہیں کرسکتا مخلوق اللہ پاک کی تعریف نہیں کرسکتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

کہنا پڑا، اے باری تعالیٰ! میں آپ کی تعریف نہیں کرسکتا، جیسا کہ آپ نے اپنی تعریف کی ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کبریٰ کے لئے ساری امتوں کو لے کر بارگاہِ ایزدی میں جائیں گے، حساب کتاب شروع ہوا نہیں ہوگا، تمام انبیاء سے سفارش کی جائے گی، تمام انبیاء کرام علیہم السلام عذر پیش کریں گے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں گے، آپ بارگاہ الٰہی میں جائیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اس وقت اللہ پاک میرے دل میں تعریفی کلمات ڈالیں گے، جو مجھے ابھی معلوم نہیں ہے، اس وقت اللہ پاک کی طرف سے تعریفی کلمات دل میں ڈالے جائیں گے۔ (بخاری: کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء)

صفت حکیم

وہ ذات عزیز ہے، لیکن جو حالات ہم دیکھ رہے ہیں صفت حکیم کو جاننا ہوگا، عَسٰی أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (بقرہ:۲۱۶) جب اس کا ہر کام حکمت کے ساتھ ہوگا، وہ تمہارے لئے خیر ہی کا فیصلہ کرے گا اور جب اس کا الٹا ہوتا ہے تو وہ جس کو تم ہمدردی سمجھتے ہو، اسی کے نتائج برے ہوں گے، اس لئے اس کی حکمت یہ ہے کہ کائنات میں اس نے اپنے نیک بندوں کے ساتھ امتحان اور آزمائش کا معاملہ کیا، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟ جن کو اللہ پاک نے رحمت للعالمین بنایا، لیکن کیا ہوا؟ پوری زندگی جس میں مکہ والوں نے آپ کا بائیکاٹ کیا، آپ کا قبیلہ، آپ کا خاندان اور آپ کے رشتہ داروں نے آپ کا بائیکاٹ کردیا، ایک دن ہو تو برداشت کرسکتے ہیں، لیکن دوستو! تین سال تک؛ یہ کوئی کم مدت ہے؟ اللہ پاک ہم سے چاہتے ہیں کہ یہ آرام کی زندگیوں کو چھوڑ دو اور اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اپنے آپ کو اللہ کی طرف لاؤ، کل حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم کا فون آیا، آپ نے فرمایا: اس وقت امت کے نیک اور صالح لوگ مایوسی کا شکار ہیں اور امت کے گنہگار غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اس لئے ان دونوں باتوں کی طرف امت کو متوجہ کیا جائے، اللہ پاک کی قدرت اور طاقت کو بتلائیں، آپ کے سامنے سورہ

کہف کی آیت پڑھی گئی ہے، اللہ پاک نے نوجوانوں کا قصہ ذکر فرمایا، اللہ پاک کو اپنا رب مانو، جب رب مان لیں گے تو یہ یقین ہوگا کہ جب اللہ ہمارے مطابق کوئی فیصلہ کرتا ہے تو بظاہر ہمیں پسند نہیں آئے گا لیکن وہ ذات ایسی ہے کہ ہمارے حق میں خیر ہی کا فیصلہ کرنے والی ہے، اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ واقعات پیش آئے۔

نگاہ مسبب الاسباب پر ہو اس کا واقعہ

میں آپ کو چھوٹا سا قصہ سناؤں کہ ساؤتھ افریقہ کے ایک محدث بھروچ آئے اور انہوں نے کہا: بمبئی کا ریزرویشن کرانا ہے، ویٹنگ میں دو سو ڈھائی سو سے اوپر مل رہا تھا، جب ان کو خبر دی کہ سیٹ نہیں ہے اور ویٹنگ بھی لمبا ہے، اس وقت انہوں نے کہا کہ اب ہو جائے گا، مجھے تھوڑا تعجب ہوا، انہوں نے کہا کہ اب تک ہماری توجہ ریلوے اسٹیشن کے ماسٹر کی طرف لگی ہوئی تھی، اور جب وہاں سے ناامید ہو گئے، اب ہماری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی، اب اس سے مانگوں گا، بندوں سے مانگ لیا تو نہیں مل رہا ہے، اب اس سے مانگوں گا اور یہ وہ در ہے جہاں سے واپس نہیں کیا جاتا ہے، وہاں سے تو آوازیں آتی ہے کہ کون ہے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والا؟ کون ہے اپنی توبہ و استغفار کرنے والا؟ جب ویٹنگ زیادہ ہو گیا تو ریلوے والوں نے ایک کوچ کا اضافہ کر دیا اور اس طرح ان کا انتظام ہو گیا۔

دوستو اور بزرگو!

یہ برکت والے دن ہیں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دنوں کو برکت والا فرمایا ہے، قرآن نے قسم کھائی ہے، وَالْفَجْرِ ، وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ دس راتیں اس لئے ہے کہ اپنے آپ کو اللہ رب العزت کی طرف متوجہ کریں، صرف توبہ استغفار کے لئے ہیں۔

موجودہ حالات میں رجوع الی اللہ

دوستو اور بزرگو!

کسی انسان کی طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی مردے کو زندہ کرے، یہ سب جو موت اور

حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس سے بڑھ کر کوئی نہیں، اللہ پاک نے حضرت ابراہیم کو بتلایا اور اشارہ بھی کر دیا کہ اے ابراہیم ! آج تو ہم تمہارے سامنے مردہ کو زندہ کر رہے ہیں، یہ قدرت اللہ پاک کی ہے، یہ حالات آتے رہیں گے، لیکن اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا، تو یہ حالات وہاں سے آتے ہیں، ہم پیدا نہیں کر رہے ہیں، جب ہم اللہ کے نہیں ہوتے تو اللہ غیروں کو ہم پر مسلط کر دیتا ہے، نماز کا وقت ہے، نماز اگر نہیں پڑھیں گے، اگر رکاوٹ ہوگی تو ہم کوشش کریں گے، ہمیں کس نے روکا تھا، نکاح اور طلاق کے بارے میں ہم نے جب نظام کو بدلا تو اللہ نے مسلط کیا، ہم وراثت نہیں دے رہے ہیں، کون روک رہا ہے، کل حکومت اسلام کے قانون کے خلاف کوشش کرے گی تو ہم اس کے خلاف کریں گے، ابھی ہمیں کس نے روکا ہے، اس لئے جب ہم خود اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے ہیں تو اللہ پاک کا نظام چلتا رہتا ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

(۲۶) فتنۂ مہدویت کا
تاریخی وعلمی جائزہ

(بمقام: دارالعلوم کنتھاریہ محمودنگر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ○ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ○ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ○ (سورۃ الزخرف:۵۹،۶۰)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم، وإمامکم منکم.

(بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم قابل صد تکریم حضرت صدر محترم دامت برکاتہم، دیگر حضرات مشائخین عظام اور حضرات علماء کرام!

آپ حضرات نے صبح کی مجلس میں شکیل بن حنیف کے سلسلے میں کافی باتیں سنی ہیں، مجھے جو موضوع دیا گیا ہے، حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کا تعارف اور شکیل بن حنیف کی تحریفات ہے، میں ہمارے نوجوان حضرات علماء کرام کی خدمت میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ کی روایات مدارس اسلامیہ کے نصاب کی حدیث شریف کی کتابوں میں آتی ہے، لیکن چونکہ یہ پچھلے ابواب میں ہوتی ہے اور عمومی طور پر ہم لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں، علماء کرام ان چیزوں کا مطالعہ نہیں فرماتے ہیں، لہٰذا ان کی نظروں سے امام مہدی کی روایات مخفی ہوتی ہے۔

''نزل'' کے معنیٰ

دوستو اور بزرگو!

حضرت امام مہدی کے سلسلے میں میں نے آپ کے سامنے بخاری شریف کی جو روایت پیش کی، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارا حال کیا ہوگا؟ جب حضرت عیسی بن مریم تمہارے درمیان تشریف فرما ہوں گے، ''نزل'' اوپر سے نیچے تشریف لائیں گے، اس نزل کے لفظ پر شکیل نے معنیٰ ٹھہرنا کیا ہے، اور عجیب وغریب قسم کی تاویلات کی ہے، لیکن إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (قدر:۱) جیسی قرآن کریم کی انزال اور تنزیل کی اتنی آیتیں ہیں، جن میں کسی بھی طریقے سے اس طرح کے باطل لوگوں کو موقع نہیں ملتا، اس لئے میں نے ''نزل'' کا معنی یہی کیا، اللہ پاک نے صاف ارشاد فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (نساء:۱۵۷) یہودیوں اور رومیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو قتل کرنے کی جو سازش کی، اس کے لئے وہ لوگ کامیاب نہیں ہوئے، ان کے درمیان میں ایک آدمی کو حضرت عیسی علیہ السلام کے مشابہ قرار دیا گیا اور یہ لوگ شبہ میں پڑ گئے، بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ (نساء:۱۵۸) اللہ تبارک و تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''اذا نزل''۔ جب تمہارے درمیان حضرت عیسی علیہ السلام دمشق کی جامع

مسجد کے مشرقی منارے پر سے تشریف فرما ہوں گے، و امامکم منکم۔ اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا، یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

امام مہدی کا انکار یا تاویلات کرنے والوں کا اعتراض اور اس کے جوابات

جن لوگوں نے امام مہدی کا انکار کیا تھا یا تاویلات کی تھیں، ان کا ایک بہت بڑا اعتراض یہی ہے کہ صحیحین میں حضرت امام مہدی کا ذکر نہیں، لیکن بخاری شریف کی اس روایت میں ذکر ہے، مسلم شریف میں سات روایتیں ہیں اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمان السنہ کتاب میں ایک عجیب وغریب اصول ذکر فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم کا نام لے کر جو لوگ امام مہدی کی شخصیت کا انکار کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مسلم شریف میں بہت ساری علامتیں آپ ﷺ نے ذکر فرمائی، اور ترمذی و ابوداود میں جب یہ روایتیں آتی ہیں صراحت کے ساتھ، تو مسلم شریف کی روایت کو مجمل سمجھا جائے گا، اور ابوداود اور ترمذی کی روایتوں کو اس کی تشریح سمجھا جائے گا، ان روایتوں کو بھی مسلم شریف کی روایت کا درجہ دیا ہے، اس لئے کہ اس میں اجمال ہے اور وہ روایت اس کی تشریح کرتی ہیں۔

اجمالی طور پر جتنی بھی روایتیں آپ کے سلسلہ کی ذکر کی ہیں، اس کو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم اور مفتی اسعد صاحب سنبھلی نے اپنے اپنے رسالوں میں ان روایتوں کو اور ان کی سند کے سلسلے میں جتنی گفتگو ہے، ان تمام کو تفصیلی طور پر ذکر فرمایا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتوں کی تعداد ۵۷ کے قریب صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔

ان روایتوں پر سب سے پہلے اعتراض علامہ ابن خلدون نے کیا، اور ان کا منشا صحیح تھا، لیکن روایتوں کے انکار پر جو ان کی دلیلیں ہیں یا مجموعی طور پر ان روایتوں پر ضعف کا جو حکم ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لگا رہے ہیں، وہ اس فن کے آدمی نہیں تھے، انہیں کے زمانے کے اور انہیں کے ہم عصر شیخ احمد بن محمد صدیق انہوں نے کتاب لکھی: ”ابراز الوھم المکنون من کلام ابن

خلدون''۔اور اس میں سو سے زیادہ روایتیں آپ نے جمع فرمائی ہے، یہ تمام روایتیں انٹرنیٹ پر موجود ہے، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے اکابرین جب قادیانی کے مقابلے میں امام مہدی کے سلسلے میں لکھ رہے تھے، اس وقت یہ کتاب ہمارے علماء کے سامنے نہیں تھی، اس لئے کہ مل نہیں رہی تھی، اس کا مخطوطہ بھی نہیں تھا، اس لئے یہ حضرات ان روایتوں کو جمع نہیں کر پائے، لیکن اب یہ ہمارے سامنے آ چکی ہے، اسی طرح کے ایک اور عالم ہے شیخ عبدالعلیم ابن عبدالعظیم بستوی، جامعہ السعود مکہ مکرمہ سے آپ نے ماجسٹر کی ڈگری حاصل کی ہے، آپ کا جو مقالہ تھا، اس مقالے کا عنوان ہی امام مہدی کے سلسلے کی روایتیں تھی، تو آپ نے بھی اپنی کتاب میں امام مہدی کے سلسلہ کی روایتیں جمع فرمائیں۔

امام مہدی کے سلسلہ کی روایتوں کی تین اقسام

ان روایتوں کی آپ نے اور دوسرے محدثین نے تین قسمیں کی ہیں: ایک تو آثار مرفوعہ، احادیث مرفوعہ۔ جن احادیث مرفوعہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی کی صفات کو ذکر کیا اور ساتھ میں مہدی لفظ نہیں ذکر کیا، ان روایتوں کے محدثین نے الگ جواب دیئے، اور دوسری وہ روایتیں ہیں جن میں آپ نے امام مہدی کا لفظ صاف صریح ذکر کیا اور آپ کے ارشادات مبارکہ کو جمع کیا، وہ احادیث مرفوعہ جن میں مہدی کا صریح ذکر ہے، دوسرے نمبر پر آثار صحابہ کا ذکر کیا، ان آثار صحابہ میں بھی دو قسم کے آثار ہیں، کچھ آثار وہ ہیں جس میں صحابہ کرام نے مہدی کا نام لیا ہے اور کچھ وہ روایتیں ہیں، جن میں ان کی صفات کو صاف ذکر کیا، اس طریقے سے احادیث مرفوعہ اور آثار مرفوع کو حضرات محدثین نے جمع کیا، لیکن پریشانی اس وقت ہوئی جیسے آپ صبح سن چکے ہیں کہ جب شیعیت نے مہدی کو منصبِ الوہیت کا درجہ دیا۔

شیعیت نے مہدویت کو الوہیت کا درجہ دیا

شیعہ مذہب کے عقائد کی کتابوں میں بارہ ائمہ میں سے جو آخری امام ہے محمد بن الحسن العسکری۔ جن کا آپ صبح میں ذکر سن چکے، جب کہ تاریخی اعتبار سے ان کی اولاد ہی نہیں تھی، لہٰذا

بعد میں کوئی امام غائب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن چونکہ شیعہ کے مذہبی عقائد میں توحید اور رسالت کے ساتھ مہدی کے مسئلہ کو الوہیت کا درجہ دیا گیا اور ان کی کتابوں میں تفصیل سے اس انداز میں ذکر کیا گیا، جس میں حضرات خلفائے راشدین کی توہین کی گئی، اکابر شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق انہوں نے بہت گڑ بڑ کی اور شیعہ منتظر ہے کہ وہ قرآن جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا نعوذ باللہ وہ نہیں ہے، وہ اصل قرآن محمد بن حسن عسکری کے پاس ہے، تابوت سکینہ وہیں پر ہے، یہ ساری چیزیں لے کر ان کا ظہور قیامت سے پہلے ہوگا اور اس لئے وہ لوگ نعوذ باللہ اس قرآن کے انتظار میں ہے، مہدویت کو الوہیت کا درجہ دیا تھا۔

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب وغریب گفتگو فرمائی:

علم حدیث کے سلسلے میں مختلف ادوار کے شرائط اور ہر زمانے میں ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی ایک گروہ افراط کا شکار ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں ایک گروہ تفریط کا بھی شکار ہوا حضرت مولانا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جب شیعیت نے مہدوی کو الوہیت کا درجہ دیا تو ہمارے محدثین نے چونکہ ان کی روایتیں بہت زیادہ موضوع تھی اور وہ آج بھی چل رہی ہے، ان موضوع روایات کے ساتھ احادیث مبارکہ میں جیسا کہ میں نے ذکر کیا، احادیث مرفوعہ میں بھی اور آثار میں بھی اجمال تھا، تفصیل بھی تھی، ان کا صریح نام بھی تھا اور ان کا نام نہیں بھی تھا، ان تمام روایتوں کے سلسلے میں محدثین نے بہت شدت سے کام لیا، تاکہ شیعیت اس مسئلہ کو بنیاد نہ بنائے، اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ حضرات محدثین کی اس تشدد آمیز نگاہ نے وہ حکم لگایا، جو علم حدیث کے عام سادہ اور نارمل حالات پر محدثین نے نہیں لگایا۔

ابن خلدونؒ کے روایتوں پر اعتراض کی وجہ اور جوابات

پھر اہل علم کے طبقے کا ان روایتوں کے ساتھ انہماک کم رہا، ۸ ویں صدی ہجری میں علامہ ابن خلدون تشریف لائے اور انہوں نے امام مہدی رضی اللہ تعالی عنہ کا انکار تو نہیں کیا، لیکن یہ

تاریخ کے آدمی تھے،فلسفہ تاریخ میں مقدمہ آپ نے لکھا ہے، آپ کی نظر ایک فلسفیانہ اور مورخانہ انداز میں تھی، آپ کی نیت میں اخلاص تھا،لیکن آپ کا زاویہ نگاہ اور آپ کی جو سوچ تھی اس سوچ کی بنیاد پر آپ نے غلطی کی، آپ کی سوچ یہ تھی کہ آئے دن نئے نئے فتنے پیدا ہوتے ہیں اور نئے نئے لوگ مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، تو بہتر یہی ہے کہ مہدی کی ان تمام روایتوں کو ضعیف قرار دیا جائے، تاکہ کوئی مہدی ہونے کا دعوی ہی نہ کر سکے، یہ بنیاد بنی امام مہدی کے متعلق سب سے پہلے انکار کی ایک شکل کی۔

حضرات اکابر تابعین اور تبع تابعین میں سے بھی کچھ کی طرف منسوب کیا گیا کہ ان حضرات نے مہدی کی روایتوں کا انکار کیا ہے، لیکن یہ صحیح طریقہ سے کوئی سند کے ساتھ ثابت نہیں ہوسکا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن خلدون کے اس رسالہ کے جواب میں ایک مختصر سا رسالہ لکھا اور حضرت تھانویؒ نے اس کا نام بھی بہت شاندار دیا، **مواخذۃ الظنون عن کلام ابن خلدون**"، ابن خلدون کے کلام میں جو شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں، ان کا آپ نے مواخذہ کیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایتوں کے سلسلے میں علامہ ابن خلدون کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ تمام روایات اپنی جگہ پر صحیح ہے، حضرت امام مہدی کے سلسلے میں سب سے پہلے شیعیت گمراہ ہوئی، اس کے بعد ہمارے گجرات میں ایک شخص جونپور سے تشریف لائے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے "تاریخ دعوت وعزیمت" میں سید محمد جونپوری کی پوری تفصیل ذکر کی اور شیعیت میں مہدی کا کیا منصب ہے، حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ نے "ایرانی انقلاب اور شیعیت" میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے نوجوان فارغ علماء ان نصوص کے اصول تک پہنچیں اور ان فتنوں کی اصل تک پہنچیں، تاکہ پتہ چلے کہ ہمارے اکابرین نے پہلے صدی سے لے کر آج تک ان کے کیا جوابات دیئے، علامہ ابن خلدون کا جواب دیتے ہوئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھی بات تحریر فرمائی، آپ نے فرمایا کہ جس طریقے سے صحابہ کرام اور تابعین

کے زمانے میں یہ روایتیں محدود تھیں، اور کوئی راوی مجہول یا کسی راوی کے اوپر کوئی ضعف کا حکم نہیں لگایا، سلف کے زمانے میں یہ روایتیں بغیر اس قسم کے راویوں کے موجود تھیں اور امت کے صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے، اب بعد کے دور کے اندر اگر کسی راوی پر کوئی کلام ہوا تو یہ بعد کی پیداوار ہے، امت کے اجماع سے پہلے اس میں کوئی چیز نہیں تھی، حضرات صحابہ کرام کے زمانے میں امام مہدی کے سلسلے میں ایسی روایتوں پر کوئی گفتگو اور شکوک وشبہات پیدا نہیں ہوئے۔

مہدویت کا دعویدار محمد علی جونپوری

دوسرا ہے جن کا میں آپ کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ مہدیت کا دعویدار محمد علی جونپوری گجرات میں احمد آباد شہر کے جمال پورا یریا میں آ گیا، اکبر کا زمانہ ہے، اس زمانے میں انہوں نے مہدیت کا دعوی کیا تھا اور یہ مکہ مکرمہ بھی پہنچے اور وہاں بھی انہوں نے مہدی ہونے کا دعوی کیا، جیسے مہدی کے سلسلے کی روایت موجود ہے، اس نے یہاں اسی طرح کرنا چاہا۔

مہدویت کا تعاقب کرنے والے شیخ علی متقی اور شیخ محمد طاہر پٹنی ؒ

لیکن اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے گجرات کے محدثین کو، شیخ علی المتقی نے سب سے پہلے اس کے رد میں ایک رسالہ لکھا، حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ مہدی کے سلسلے کا لکھا ہے، حضرت شیخ علی متقی نے اس کی تلخیص فرمائی، اور ان کے شاگرد رشید شیخ محمد بن طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے اس فتنے کا تعاقب کیا، اکبر بادشاہ نے آپ کے سر پر عمامہ باندھا، آپ نے اس کو قبول کیا، پھر اس کے بعد مہدوی فرقہ یہاں زور پکڑنے لگا تو آپ نے اکبر سے کہا کہ آپ کا عمامہ میں واپس کرتا ہوں، جب تک ہماری سرزمین میں مہدویت کا جھوٹا دعویدار موجود ہے، جب تک اس کا قلعہ قمع نہ کیا جائے میں عمامہ نہیں باندھوں گا، اکبر نے یہاں کا امیر جس کو بنایا تھا، یہ نیک تھے، لیکن ان کے بعد دوسرا امیر آیا، گجرات کا گورنر آیا، یہ مہدوی حضرات سے ملا ہوا تھا، آپ اسی سلسلے میں اکبر سے ملاقات کے لئے دہلی جارہے تھے اور راستے میں اجین کے قریب آپ کو شہید کردیا گیا۔

فتنۂ مہدویت اور گجرات

یہ مہدی کا مسئلہ گجرات کے لیے کوئی نیا نہیں ہے، اکبر کے زمانے میں ہمارے علمائے محدثین نے اس سلسلہ میں سختی سے کام لیا ہے اور ذرہ برابر اس سلسلے میں نرمی نہیں برتی، شاہ وجیہ الدین علوی رحمۃ اللہ علیہ نے منع کیا، حضرت مولانا محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط ''تاریخ گجرات'' میں موجود ہے، حضرت شاہ وجیہ الدین علوی رحمۃ اللہ علیہ کی جو سوانح حیات لکھی گئی ہے، اس میں بھی خط موجود ہے، حضرت مولانا ابو الظفر احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ گجرات میں اس کو لکھا ہے، حضرت مولانا محمد بن طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مضمون ہے، آپ کی علم حدیث کی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار میں آپ نے یہ صاف لکھا ہے کہ نبوت و رسالت کو بچوں کا کھلونا سمجھ لیا ہے، چھوٹے بچے کسی کو بادشاہ بنائے، کسی کو وزیر بنائے، نعوذ باللہ منصب نبوت اس طریقہ سے ہلکا درجہ ہے کہ کوئی بھی کھڑے ہو کر اپنے لئے مہدویت کا اور کوئی بھی اپنے لئے عیسیٰ ہونے کا دعوی کرے، آپ نے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو مہدی ہونے کے دعویدار کے طور پر لوگوں میں پیش کیا، تو کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو ابن مریم کے نام پر پیش کیا۔

گجرات میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے، آج سے ساڑھے چار سو پانچ سو سال پہلے ایک نے عیسیٰ کا بھی دعویٰ کیا تھا، کسی نے اپنے آپ کو خدیجہ کہا، کسی نے اپنے آپ کو عائشہ کہا، کسی نے اپنے آپ کو مہاجر کہا، کسی نے انصار کہا، حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو ابوبکر اور عمر بتلایا، یہ اس طرح کا دعویٰ کرنے والے جب کھڑے ہوئے تو علماء محدثین نے ان کا جواب دیا۔

تیسرے نمبر پر جس نے مہدویت کا دعوی کیا وہ قادیانی ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اس نے بھی سب سے پہلے مجددیت کا دعوی کیا، اس کے بعد مہدویت کا دعوی کیا، اس سے آگے بڑھ کر ابن مریم کا دعوی کیا اور ابن مریم کا دعویٰ کرنے کے لئے سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی، اور اس کو ثابت کرنے کے لئے اپنے آدمیوں کے پاس لمبا مضمون لکھوایا،

نعوذ باللہ بالفرض والتقدیر حضرت عیسی علیہ السلام کا انتقال بھی ہوا ہو، تو کیسا کہ تیری نبوت ثابت کرنے کے لئے حضرت عیسی علیہ السلام کا انتقال ہونا ثابت ماننا پڑے، یہ عجیب وغریب جھوٹے فلسفے ان کے ہوتے ہیں، لیکن امت مسلمہ کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی وضاحت وصفائی فرمائی کہ مہدی کے سلسلے میں ہمارے پاس سو سے زیادہ روایتیں ہیں اور ان میں پچاس سے زائد روایات وہ ہیں جن کی تنقیح ہو چکی ہے اور وہ حسن کے درجے میں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے ''تلقی بالقبول'' کا لفظ استعمال کیا اور تعلیقات بخاری کے درجے میں ان روایتوں کو قرار دیا، حضرت عیسیٰؑ کے سلسلے میں ۱۷۷ دلیلیں ہیں جس میں پچاس قرآن کریم کی آیتیں ہیں، جو حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے قرآن کریم میں ذکر فرمائی گئی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ختم نبوت'' میں ۱۲۷ روایتیں پیش کیں، جن میں حضرت عیسی علیہ السلام کا آسمان سے اترنا اور اس سلسلے کی جتنی وضاحتی روایات اور کلام ہے اس کو پیش کیا ہے۔

نزول حضرت عیسیٰؑ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے

خیر! میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی تھی، جس میں اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں، إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (انبیاء:۹۸) اس پر مشرکین کو اعتراض ہوا کہ اگر ہم اپنے معبودان باطلہ کی پرستش کرتے ہیں وہ جہنم میں جائیں گے، تو یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی لوگ حضرت عیسی علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، تو کیا وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ اس کا جواب اللہ تبارک وتعالی نے اس آیت میں دیا ہے، وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (زخرف:۵۷) یہ صرف ان کی ہٹ دھرمی ہے، اس کے علاوہ کوئی دلیل ان کے پاس نہیں، آگے اللہ پاک فرماتے ہیں: إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ (زخرف:۵۹) یہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندے ہیں، حضرت عیسی علیہ السلام نعوذ باللہ الوہیت کے درجے پر نہیں ہے، ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لئے ایک

مثال کے طور پر پیش کیا اور آگے اس کی تشریح فرمائی، حضرت عیسی علیہ السلام قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے، اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (زخرف:۶۱) حضرت عیسی علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، اللہ پاک دوبارہ آپ کو آسمان سے نیچے اتاریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو مسئلہ دجال کے ساتھ پیش آئے گا اس کو اس آیت کی روشنی میں حضرات مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

مہدی کا تیسرا دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی

حضرت امام مہدی کے سلسلے میں تیسرا شخص قادیانی ہے، جس نے مہدویت کا دعویٰ کیا، تو اس کے جواب میں ''مسیح موعود کی پہچان'' میں حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے ذکر کیا، ختم نبوت میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا اور اس سلسلے کی بہت ساری کتابیں ہیں، یہ تین وہ ہیں جنہوں نے مہدی ہونے کے دعوے کئے اور اس کے علاوہ ہمارے یہاں کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے مہدی کا انکار تو صاف طور پر نہیں کیا، لیکن ان کی گفتگو اس طرح ہے کہ جس سے لوگوں کو اشتباہ ہو رہا ہے، اس میں سب سے پہلے ابن خلدون کے بعد ہمارے زمانے کے تین مصنفین ہیں، سرسید احمد صاحب نے بھی اس مسئلے میں گڑبڑ کی ہے، امام مہدی کے سلسلے میں ان کی باتیں بھی صحیح نہیں، اس کے بعد جناب ابوالاعلی مودودی صاحب نے اپنے رسالے میں مہدی کا اقرار کیا، لیکن اس سلسلے کی روایتوں کی تفصیل کو ضعیف قرار دیا اور پھر یہ کہا کہ کشف اور کرامت کے طور پر آپ ظاہر نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کے پاس لڑائی کے ہتھیار ہوں گے، ٹیکنالوجی ہوگی، اس کی بنیاد پر آپ اس مسئلہ کو حل کریں گے، امام مہدی فتنوں کو ختم کریں گے، ظاہری طور پر ان کے بھی جوابات ہمارے علماء کی طرف سے دیئے گئے، عصر حاضر کے ایک مصنف ابھی زندہ ہے، وحیدالدین خان صاحب، یہ بھی بہت ساری باتیں اس قسم کی کرتے ہیں اور انہوں نے بھی مہدی کے سلسلے میں اس طرح کا انداز اختیار کیا ہے، کہ آپ ہی مہدی موعود ہو۔

فتنہ شکیل بن حنیف

خیر! میں نے ہمارے نوجوان علماء کرام کے سامنے مہدی کے سلسلہ کی گفتگو اور تاریخی بات اس لئے ذکر کی کہ ہم کتاب وسنت اور اکابرین کو پڑھیں گے، یہ آنے والے جتنے بھی اس قسم کے ہوں گے، ان روایتوں کی روشنی میں ہم ان کا جواب دے سکیں گے، اس کے بعد مسئلہ ہے، ہمارے زمانے کا ایک شخص جو دربھنگہ میں پیدا ہوا، پیدا ہونے کے بعد روزی روٹی کمانے کے لئے دہلی آیا، وہاں اس نے تھوڑی کچھ حرکتیں شروع کیں، وہاں کے لوگ اس کو جانتے تھے، تو فوراً اس کی پکڑ کی گئی، اس نے دہلی چھوڑا نہیں، یہ لوگ چھوڑنے آئے، ٹرین آنے میں دیر ہو گئی تو وہ لوگ چلے آئے اور دہلی کے دوسرے کونے لکشمی نگر میں چلا گیا اور وہاں اس نے یہ فتنہ شروع کیا، وہاں پھر پکڑا گیا، اس کو پکڑ کر اچھی طرح پیٹائی کی گئی، معافی نامہ اس سے لکھوایا گیا، یہ سب کچھ اس نے کیا، لیکن اس کے بعد تھوڑے دنوں کے بعد یہ اورنگ آباد چلا گیا، حکومت وقت ہر زمانے میں اس طرح کی باطل طاقتوں کی مدد کرتی ہے اور ہندوستان تو پہلے سے اس کا مرکز رہا ہے، جتنے بھی مسلمان بادشاہ یہاں آئے، عباسی خلافت کے زمانے میں ہو یا اس کے بعد میں ان کی ہندوستان فتح کے لئے آنے کے وجوہات تلاش کیے جائے تو راجا داھر سے لے کر محمود غزنوی تک کا جو زمانہ ہے، ان سب میں نظر یہ آتا ہے کہ گجرات کے راجہ مہاراجاؤں نے عباسی خلافت کے جو باغی لوگ تھے ان کو پناہ دی، عباسی خلافت نے ان کے تعاقب کے لئے آدمی بھیجے، پہلے یمن پھر ہمارا کاٹھیاواڑ باغیوں کا مرکز بنا، جب قادیانی نے نبوت کا دعوی کیا تو اس وقت بھی ان کی مدد کی، اس وقت علامہ اقبال اور جواہر لال نہرو کے درمیان خط و کتابت ہوا، انگلش میں ہوا ہے، اس میں جواہر لال نہرو نے علامہ اقبال سے یہی کہا کہ جب ہمیں ہندوستان میں نبی مل رہا ہے تو عربستان جانے کی ہمیں کیا ضرورت ہے، اس لئے راشٹر وادوالے یہ چاہتے ہیں اور اندر سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ نعوذ باللہ نبوت محمدی کے خلاف یہ بغاوت ہے، ایسے باغیوں کو پشت پناہی دی جائے، اس لئے اس وقت بھی اس کو پشت پناہی حاصل ہے، اس سے

پہلے احمد آباد میں بھٹی صاحب قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہوئے پکڑے گئے، ان لوگوں کے ساتھ مسلمانوں نے سختی کی، لیکن حکومت کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ دوسرا رہا۔

ستیزہ کار ہے ازل سے تا امروز -	چراغ مصطفی سے شرارِ بولہبی

چونکہ یہ شکیلیت کا مسئلہ ہمارے احمد آباد اور سورت شہر میں آ گیا اور میں اور آپ یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ بھروچ شہر میں ہمارے ضلعے میں یہ فتنہ نہ ہو، ابھی دوپہر کے کھانے میں حضرت مولانا شاہ عالم صاحب نے بتلایا کہ سورت شہر میں تین ہزار آدمی ہوں گے، جو اس فتنے کا شکار ہو چکے ہیں، بھوپال میں دعوت وتبلیغ میں لگے ہوئے بہت قریب کے ساتھی ان کی اولاد اس راہ پر چلی گئی تھی، ان کو معلوم نہیں تھا اور جب پتہ چلا تو پانی سر سے بہہ چکا تھا، ہمارے جو علماء شکیلیت کے خلاف کام کر رہے ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے جو نوجوان ان کے یہاں جاتے ہیں، پھر واپس نہیں آتے، یہ بیچارے اپنا ایمان کھو بیٹھتے ہیں، دنیا کی لالچ ہو یا ہم حضرات علماء کی تعلیم وتربیت کی کمی، ہم کو مہدویت جیسے باطل فتنے اٹھنے سے پہلے ہی تیار رہنا ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مہدویت کے سلسلے میں ایک رسالہ لکھا ہے، اور آپ نے اس میں احادیث جمع کی ہے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل علم کی مجلس میں جب مہدویت پر گفتگو ہوئی تو یہ پتہ چلا کہ بہت سارے علمائے کرام مہدی کے سلسلے کا تحقیقی علم نہیں رکھتے، صبح میں مولانا نے جو اشارہ فرمایا تھا، میں بھی یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری عقائد کی کتابوں میں یہ شامل کیا جاوے کہ امام مہدی کا آنا ہماری اجمالی ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، ہمارے محدثین منع فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے متعلق قطعی طور پر یہ کہا جائے کہ یہ مہدی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علامتیں بتلائی ہیں اور جب ان کا ظہور ہوگا، امت اس کو خود ہی قبول کر لے گی اور امت کے ابدال حضرات، امت کے نیک اور صالح حضرات مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے جائیں گے، چونکہ امام مہدی مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے، یہ یہاں سے مکہ مکرمہ بچنے کے لئے چلے جائیں گے، لیکن حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان طواف کرتے ہوئے علماء

اورمحدثین ان کو پکڑ لیں گے اوران کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لئے مجبور کریں گے،مہدی تو وہ ہوتا ہے جومہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ یہ اپنے آپ کی بیعت کرنے سے انکار کرنے والے ہوں گے،لیکن اس کے باوجودان کا ہاتھ پکڑا جائے گا اوران کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔(ابو داود: اول کتاب المهدی، رقم: ۴۲۸۶)

یہ روایت ہمارے درمیان معروف نہیں، ان روایتوں کا ہم نے استحضار نہیں کیا، ہماری عقائد کی کتابوں میں یہ چیزیں آتی نہیں اور جب مہدی کے سلسلے کی گفتگو ہوتی ہے تو ہمارے علمائے کرام ان احادیث کو نہ جاننے کی وجہ سے اور چونکہ شیعیت نے مہدی کے سلسلے میں موضوع روایت گھڑ لی ہے تو ہمارے محدثین نے محتاط طور پر ان روایتوں کے سلسلہ میں کافی غور وفکر کیا اوران روایتوں میں سے ہرایک پر الگ الگ حکم لگایا ہے۔

حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوا کہ جب کسی نے مہدی کے دعوے کئے تو محدثین نے سختی فرمائی،لیکن جب حالات نارمل ہوئے تو محدثین نے اس مسئلے میں روایتوں کی دوبارہ جانچ پڑتال کی، اصول حدیث کے انداز میں اس کی تحقیق کر کے اس کو ذکر کیا اور کبھی کسی عالم کے سامنے ابن خلدون جیسوں کی عبارتیں پہنچ جائیں تو وہ حضرات ان روایتوں کا انکار کرتے ہیں یا جواب دینے کے لئے اہل علم کے پاس مواد نہیں ہوتا، اس لئے سب سے پہلی چیز تو یہ چاہیے کہ بنیادی عقائد کو ہمارے علماء کرام پڑھے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہدی کے سلسلے کی مختلف روایتیں پیش کی ہے، جیسا کہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا صبح میں حضرت مولانا نے حوالہ دیا، حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی رحمہ اللہ نے آپ کے رسالے کی تلخیص اپنی کتاب ترجمان السنہ کی چوتھی جلد میں فرمائی اوراس میں آپ نے یہ نیچے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مولانا نے جوترتیب واقعہ کی پوری ذکر کی ہے، حدیث شریف میں یہ واقعہ بالترتیب نہیں، اس لئے کچھ چیزیں آپ نے دوسری روایتوں کے سہارے سے جمع کی، اس لئے حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے میں جب بعد میں آگے

پورا مضمون احادیث کے ذریعے لکھا، اور یہ کہا کہ نفس روایت سنی جائے، ترتیب کے پیچھے نہ رہا جائے، ہاں، ابھی ہمارے زمانے کے مصنفین ترتیب لکھ رہے ہیں تو ترتیب تو وہ آدمی ذکر کرسکتا ہے جس کو ماضی، حال، مستقبل کا پتہ ہو، مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟ اس وقت کون سی جماعت نکلے گی، کہاں سے نکلے گی؟ خراسانی کون ہے؟ سفیانی کون ہے؟ یہ تعیین کرنا مشکل ہے، کن کی شہادت ہوگی اور تین صاحبزادے آپس میں لڑیں گے، شکیل صاحب نے اس کو بھی دعوت وتبلیغ کے ساتھ جوڑ دیا، اور حضرت جی کے انتقال کو کہا کہ یہ آخری خلیفہ ہے، اور جو تین بزرگ ہے ان کے نام لے کر کہا کہ یہ تین اسی مسئلہ پر ہیں، یہ عجیب وغریب یعنی ایسی دلیل ہے، حضرت مولانا شیخ محمد طاہر پٹنی کی زبانی بچوں کے کھلونے ہیں، ایسوں کی دلیل ذکر کرتے ہوئے بھی ہمیں افسوس ہوتا ہے۔

ہم شکیل کو انبیاء کرام کے تقابل کے لئے پیش کریں، اس کی باتیں اور دلیلیں اس کی کتاب میں آچکی ہیں، ایک صاحب نے ایک مہینہ پہلے میرے اوپر بھیجی، واٹس اپ کھولا، اس کو پڑھا، اس کے بعد دل میں ناگواری ہوئی، میں نے کہا: آج بھی کیا ہمیں شک ہے کہ ایسی چیزوں کو پڑھا کریں، اگرچہ دلیل کے طور پر پڑھنا چاہیے، لیکن فورا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات آجاتی ہیں، آپ کی خدمت میں مسیلمہ کذاب آیا اور گفتگو کرنا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نے کہا کہ مجھے اگر اپنے بعد خلیفہ بنالیں تو میں آپ کی نبوت کو ماننے کے لیے تیار ہوں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی، آپ نے کہا: یہ بھی نہیں مل سکتی اور پھر آپ نے اس سے گفتگو نہیں کی، آپ نے کہا: میرے صحابی ثابت بن قیس تم سے بات کریں گے اور آپ نے اس مجلس کو چھوڑ دیا، بخاری شریف کی روایت ہے۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب قصة الاسود العنسی)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور عشق نبوی

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت پر یہ فرماتے ہیں کہ آپ کی مجلس میں وہ حاضر نہیں ہوا، لیکن علامہ کشمیری کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت تھی، جس نے

آپ کو اس بڑھاپے میں بھاولپور کے مقدمے کے لئے پاکستان پہنچایا، حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ عشقِ رسول میں یہ فرماتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب کی جناب نبی اکرم ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی، وہ حضور کی مجلس میں نہیں آیا۔

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے شیخ کو چونکہ جناب نبی اکرم ﷺ سے محبت تھی، اس بنا پر آپ یہ فرمارہے ہیں، ورنہ روایات میں اس کا آنا ثابت ہے اور وہ دو مرتبہ آیا ہے، ایک مرتبہ وہ حضور کی مجلس میں آیا تھا اور ایک مرتبہ مدینہ میں اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں آیا تھا، جناب نبی اکرم ﷺ ایسے مدعیان نبوت سے بات نہیں کرتے تھے، صحابہ کرام نے مسیلمہ اور اسود عنسی جیسوں سے کوئی دلیل نہیں مانگی تھی، اس لئے ایسے جھوٹوں کی دلیلوں کو ہم پڑھیں اور واٹس ایپ پر اس کو ڈالنا صحیح نہیں ہے، ہمارے جاہل لوگ بیچارے مرعوب ہوجاتے ہیں۔

نوجوان فضلاء کی ذمہ داری

اس لئے میں ہمارے نوجوان علماء سے گزارش کروں گا کہ جن کتابوں کے میں نے آپ کو حوالے دیئے، ان کتابوں کو پڑھا جائے، اپنے علم کو پختہ کیا جائے، اپنے عقیدے کو مضبوط کیا جائے، چونکہ آپ کو بلانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ جن دیہاتوں میں اور جن علاقوں میں رہتے ہیں، وہاں کوئی مریض بیچارہ اس قسم کا ہو یا باتیں سنتے سنتے پڑھتے پڑھتے اس کے کان میں آگئی اور وہ آپ سے سوال کریں اور آپ کے پاس مواد نہ ہو اور آپ صحیح جواب اس کو نہ دے سکے تو اس کے ایمان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے، اس لئے اس باطل فتنہ کے قلع قمع کرنے کے لئے اور اس کو ختم کرنے کے لئے اور اس سے امت مسلمہ کو بچانے کے لئے ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے بھی قادیانی کی باتوں کو پیش کیا، حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی عبارتوں کا تقابل کروایا اور بتلایا، اس طرح ہمارے عصر حاضر کے کچھ علمائے کرام نے شکیل کو ذکر کیا اور اس کے مقابلے میں امام مہدی کو بھی، کیونکہ اس نے پہلے مہدویت کا

دعویٰ کیا اور کبھی اپنے آپ کو عیسیٰ ابن مریم کہہ رہا ہے، اب یہ اس کا دوسرا دعوی ہے۔

حضرت مولانا محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں بھی ایک شخص نے جیسے جونپوری صاحب نے مہدی کا دعوی کیا تھا، ایک نے اپنے لئے عیسیٰ ابن مریم کا دعویٰ کیا، اس لئے میں اپنے نوجوان علمائے کرام سے گزارش کروں گا کہ حضرت امام مہدی کے سلسلے کی جتنی روایات ہمارے اکابر محدثین نے ذکر کی، اس کو یاد کیا جائے۔

ابن خلدون نے جو اشکال کئے ہیں، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن خلدون کے تمام اشکالات کو انہوں نے تین میں منحصر کیا، یہ پہلا اشکال تو جرح وتعدیل میں ہے، اور تعدیل وجرح میں انہوں نے جرح کو ترجیح دی لیکن ہمارے علماء کرام اور اصول حدیث کے ماہرین جانتے ہیں کہ مطلق جرح کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، مفصل کا اعتبار ہے، جب جرح اور تعدیل دونوں ہوئی اور دونوں کی تحقیق کرنے کے بعد ہی ان روایتوں کو تلقی بالقبول حاصل ہوئی، تعلیقات بخاری اور حسن کے درجے میں محدثین نے ان روایات کو شمار کیا ہے، مسلم شریف، بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداود شریف اور مسند احمد میں جو روایتیں ہیں ان کا درجہ تو مرفوع ہے، اور یہ روایتیں تو اعلی درجہ کی ہیں۔

امام مہدی شخصیت وحقیقت

دوستو اور بزرگو!

ہمارے عام آدمی کو یہ بتلایا جائے کہ مہدی تشریف لائیں گے، حضرت عیسی علیہ السلام بھی تشریف لائیں گے، اللہ پاک کی طرف سے حضرت عیسی علیہ السلام دجال کو ختم کرنے کے لئے آئیں گے اور حضرت امام مہدی دجال سے مقابلہ کریں گے، ظلم اور زیادتی کا اس وقت جو بازار گرم ہے، وہ ختم کریں گے، روئے زمین کو ظلم کے بجائے وہ امن اور سلامتی کے گہواروں میں تبدیل کریں گے، آپ کے زمانے میں سخاوت عام ہو جائے گی اور کتنی برکتیں ظہور پذیر ہوں گی، جس وقت قادیانی نے مہدی کا دعویٰ کیا، جونپوری نے دعویٰ کیا، آج تک ان میں

سے کسی کے لیے یہ چیز ثابت نہیں ہوئی اور نہ شکیل کے لئے ثابت ہوئی، اگر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کی علامتیں بتلائی ہوتی، اور ان کے مقاصد نہ بتلائے ہوتے تو ہر ایک جھوٹا دعویٰ کرسکتا تھا، لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دلیل بھی بتلائی ہے کہ جب تک اس دلیل کی روشنی میں نہیں آئیں گے، وہاں تک اس کا ثبوت نہیں ہوگا اور یہ حضرت مولانا نے صبح میں بتلایا کہ ابھی یہ علامتیں ظہور پذیر نہیں ہوئی۔

ایک واقعہ

اس لیے اس مسئلہ میں خاموشی ہی زیادہ بہتر ہے، کبھی تعیین نہ کی جائے، ہمارے کچھ علماء کرام کبھی کبھار کہہ دیتے ہیں کہ امام مہدی نکل چکے ہیں یا امام فلاں تاریخ کو آئیں گے، چند سال پہلے ہمارے گاؤں کے ایک ماسٹر صاحب انگلینڈ سے آئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ میں حج ادا کرنے کے لیے آیا ہوں، امام مہدی تشریف لائیں گے، ساؤتھ افریقہ میں کسی نے لکھ دیا تھا، اس کی روشنی میں انہوں نے کہا، میں نے کہا کہ وہ کب آئیں گے، انہوں نے انگریزی تاریخ بتلائی، میں نے کہا: امام مہدی انگریزی تاریخ میں آئیں گے یا اسلامی تاریخ میں؟ سمجھدار تھے، دعوت وتبلیغ میں وقت لگایا تھا تو فوراً سمجھ میں آ گیا، کہا کہ میں اس سال حج میں نہیں جاؤں گا، کینسل کروادیا۔

اس لیے امام مہدی کے سلسلے میں جتنی روایات ہیں ہم اس کو اجمالی رکھتے ہیں، شکیل نے جو باتیں کی ہیں، کہاں دمشق اور کہاں لکشمی نگر کی مسجد، کوئی جوڑ تو ہونا چاہیے، کوئی دوسرا دعویٰ کرے گا، ایران کی تہران کی مسجد سے، کوئی جنوبی ہندوستان والا حیدرآباد کی مسجد کہے گا، اور ہر ایک الگ الگ دعویٰ کرسکتے ہیں، یہ سب کچھ بکواس تھا، لیکن چوں کہ ان بکواسات کو فتنوں کی شکل میں پیش کررہے ہیں، ہمارے عوام کے پاس آ کر ترغیب دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ایسا فتنہ آیا، ایسا فتنہ آیا، لیکن کوئی مہدی نہیں آیا اور خود کہتے ہیں کہ ہم نے مہدی تلاش کرلیا یا ہم نے عیسیٰ ابن مریم تلاش کرلیا اور کئی مرحلوں سے اس کو گزار کر شکیل تک پہنچایا جاتا ہے، اس لئے بنیادی طور پر

ہم اہل علم اپنے ہتھیار سے لیس ہوں، ہم امام مہدی کی ساری روایتیں محفوظ کرلیں۔

خلاصہ

(۱) شیعوں کا مہدی منتظر، بارہ امام، بارہویں امام محمد بن حسن ۲۶۰ھ میں سرمن رای میں غائب ہوگئے، ۳۲۹ھ تک خصوصی پیغام بھیجتے رہے، غیبت صغری کا دور، پھر ۳۲۹ھ سے غیبت کبری، قیامت سے پہلے نکلیں گے۔ (۲) مہدوی تصور- ۸۴۷ھ، محمد جونپوری نے اکبری دور میں وعظ وجادو بیانی سے لوگوں کو گرویدہ کیا، ۹۰۱ھ میں بیت اللہ کے صحن میں مہدی کا دعوی کیا، پھر عربستان سے ہندوستان میں آکر احمد آباد جمال پور کی مسجد تاج خاں سالار میں پڑاو ڈالا۔ ۶۳ سال کی عمر میں افغانستان میں وفات ہوئی، شیخ علی متقی نے اس کے رد میں کتاب لکھی، علمائے عرب سے فتویٰ مانگا، سب نے اس کو مرتد، واجب القتل قرار دیا، علامہ محمد بن طاہر علی متقی کے شاگرد تھے، آپ نے پگھڑی باندھنے سے انکار کیا، ۹۸۰ھ میں اکبر نے وعدہ کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا، اس کا استیصال میرے ذمہ ہے، اور پگھڑی خود بادشاہ نے باندھی، مرزا عزیز الدین کو گجرات کا حاکم بنایا اس نے آپ کی مدد کی، اکبر نے جب عبدالرحیم خان کو گجرات کا حاکم بنایا تو پھر سر اٹھایا، آپ پھر دہلی جارہے تھے کہ راستے میں مہدویوں نے اجین کے قریب شہید کردیا۔ (۳) قادیانی (۴) شمس نوید عثمانی، مہدی کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواحانی بعثت کا نظریہ قائم کیا، مہدی کے قالب میں روح محمدی۔ (۵) مودودی تصور، مہدی کا ظہور برحق؛ لیکن روایات تفصیلیہ موضوع ہیں، ان کی فتوحات کشف وکرامات سے نہیں بلکہ جنگی مہارت سے ہوگی، وہ خود بھی اپنی حقیقت سے ناآشنا ہوں گے، (۶) وحید الدین خان مودودی صاحب کی طرح پس پردہ سب کی نفی و غلطی بیان کرکے عہدۂ مہدیت اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔

منکرین مہدی: بخاری ومسلم میں مہدی کا ذکر نہ ہونے کا جھوٹا بہانہ جبکہ ان میں بھی ذکر ہے، بخاری میں ایک اور مسلم میں ۷ روایات ہیں، محدثین نے اس سے امام مہدی ہی مراد

لئے ہیں، جو قیامت سے پہلے آئیں گے، نہ کوئی اور، لہٰذا نام نہ ہونے کا بہانہ معتبر نہیں ہے۔ مجموعی احادیث ۵۷ ہیں، یہ سب محدثین کے اصول کے اعتبار سے صحیح ہیں، اجماع امت کافی ہے، اس کا شیعی تخیل کہہ کر انکار صحیح نہیں ہے، ان کے محیر العقول کارنامے سمجھ میں نہیں آتے ہیں، یہی تو کرامت ہے جس کا اتنا چرچا ہے۔ ۵۷ احادیث، صحابہ کی گواہی، خیر القرون کا جم غفیر، تسلسل سے علماء کا ان احادیث کی روشنی میں عقیدہ، تمام محدثین، فقہائے احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ عصر حاضر کے تمام فرقوں کا ماننا۔

(۱) ابن خلدون کا حضرت تھانویؒ نے تفصیلی جواب دیا ہے۔ (۲) سر سید کا بھی جواب دیا گیا، روایتوں کو ضعیف بلکہ موضوع ثابت کرنا چاہا ہے؛ لیکن ابن خلدون کے اس دعوے کو تمام محدثین نے رد کیا ہے۔ ابن خلدون جرح وتعدیل میں جرح کو ترجیح، (۲) صحیحین میں نہ ہونا، (۳) ان روایات میں مہدی کی صراحت نہ ہونا ہے، تھانوی: مواخذۃ الظنون عن کلام ابن خلدون میں مکمل جوابات دیئے ہیں، مہدی کی بنیاد کشف نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ ہیں۔

جھوٹ کا دعویٰ کرنے والے بے باک وجری ہوتے ہیں، دلائل غلط استدلال سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مکاری، عیاری، کذب بیانی، جھوٹ سے ان کو کوئی شرم نہیں آتی، خود کو مطلق العنان سمجھنا، متکبرانہ انداز میں حاکمانہ گفتگو کرنا کوئی عار محسوس نہ کرنا۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں گنجھلک ہے، علماء سمجھ نہیں سکے، حالانکہ یہ دو قسم کی ہے، (۱) مطلق مجازی اسلوب والی، (۲) شخصیات جو صاف واضح جامع انداز میں ہے مہدی، دجال، عیسیٰؑ یہ آپ پر تہمت لگانا ہے۔ (۳) قادیانی کی طرح احادیث کی من مانی تشریح ضعیف کو صحیح اور صحیح کو ضعیف، جو علامت اس میں پائی جاوے وہ صحیح، ورنہ لا اعتبار۔ (۴) ظہور مہدی سے پہلے خلیفہ مولانا حضرت جی، امارت کے لئے ۳ صاحب زادے، سعد، اظہار الحسن، زبیر صاحب ہیں۔ (۵) دمشق سے دہلی کی لکشمی نگر کی مسجد کا منارہ، حدیثوں کا من چاہا مطلب لینا، یہ کوئی غلطی نہیں ہے دنیا طلبی وجاہ پرستی ہے۔ (۶) کوئی جواب نہ بن پڑے تو یہ

میرے اور خدا کے درمیان راز ہے کا شوشہ چھوڑ دیتا ہے۔(۷) حضرت عیسیٰ کا پیدا ہونا اور وہ خود میں ہی ہوں، دیوبند کے فتوے کا تمسخر احمد رضا خان کے ساتھ فتویٰ میں جھوٹ کا الزام۔ (۸) مہدی و عیسیٰ کی کوئی علامت نہ ہونا، باپ کا نام حنیف سے (ابراہیم) مراد ہے، عبداللہ مراد نہیں، نام کے شروع میں محمد کافی ہے، چاہے مرکب نام ہے۔(۹) مہدی دعوہ نہیں کریں گے، یہ دعوہ کرتا ہے جو کاذب کی نشانی ہے، مہدی کے ظہور کے بجائے جلا وطنی مراد لینا، کس نے لیا؟ (۱۰) مہدی کے سلسلہ کی ضعیف یا موضوع روایات اپنے مطلب کے لئے لینا، کہاں سے جلاوطن کیا؟ (۱۱) ۲۰۰۹ میں حرم جانے کا دعوہ کیا؛ لیکن ڈر لگا تو ۲۰۲۳ کا دعوہ کیا، انگریزی تاریخ کا حوالہ، آسمانی رہبر کا بہانہ مہدی کے جہاد کا۔(۱۲) جتنی روایتیں بھاری پڑتی ہے ان کا انکار کرتا ہے، سفیانی کے لشکر والی کا، میری ذات وصفات ہی دعوہ کی دلیل ہے (جھوٹ) (۱۳) مہدی ۹ سال حکومت میں باطل کو شکست دیں گے، اس کو ۱۵ سال گذر گئے، غار سے باہر نہیں نکلتا ہے، نہ کوئی فتح ہوئی۔

مہدی کا دعوہ دار مسیح کا بھی دعوہ کرتا ہے، قادیانی، جونپوری کا مرید، شکیل سب نے دعوۂ مسیح کیا، خواب سے استدلال کرتا ہے، لا مہدی الا عیسی کی روایت پر حضور اسی کو خواب میں آئے، ۱۴۰۰ سال تک کسی کو نہیں آئے، دجال سے مراد امریکہ فرانس ہے، گدھے سے مراد فائٹر جہاز ہے، سیٹیلائٹ سے دجال کی آنکھ مراد لی ہے۔ محمد بن عبداللہ حسینی دعوہ نہیں کریں گے، ظلم ختم کریں گے، پیدائش مدینہ منورہ ۴۰ سال کی عمر میں مقام ابراہیم کے پاس بیعت کریں گے، تجدید دین کی آخری کڑی امام مہدی ہے۔

قاضی شوکانی نے ۵۰ مرفوع اور ۲۸ آثار جمع کئے ہیں، ۸۷ روایات ہوئی ہے، مسند احمد، ابوداود، ترمذی میں یہ ہیں، قیامت کی دو قسم کی نشانیاں (۱) کبریٰ دجال، یاجوج ماجوج، مہدی، عیسیٰ، مہدی و عیسیٰ کی نشانیاں ہونے کے باوجود لوگوں نے دعوے کئے۔ **کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم.** (بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول

عیسی ابن مریم)

دوستو اور بزرگو!

''خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں۔''

ہمارے بحر کی موجیں ٹھنڈی پڑی ہوئی ہیں، ایسے فتنے کھڑے ہوتے ہیں، اندر کے ایمان اور اندر کے علم کو للکارا جارہا ہے، آپ سب حضرات کو اسی لئے جمع کیا ہے، نبوت محمدی کے خلاف بغاوت کرنے والے ایسے کھڑے ہوں اور ہم خواب غفلت میں سوئے رہیں، ہم اپنے موبائل کی دنیا میں رہیں، ہم اخبارات اور دنیا کی دوسری چیزوں میں پڑے رہیں اور دشمن ہمارے گھروں سے ایمان کو نکال لے، لڑکیوں کو ارتداد کی شکل میں اور لڑکوں کو شکیل کی شکل میں، اس طرح کی چیزیں ہوگی تو ہم علماء کرام کی ذمہ داریاں ہوگی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے'' اَیَنْقُصُ الدِّیْنُ وَ اَنَا حَیّ۔'' جملہ فرمایا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی صدیقی ہیں، آپ نے اس جملے کو لیا، ہم میں سے ہر اہل علم کو یہاں اس لیے جمع کیا ہے، اس روایت کو بنیاد بنا کر اس وقت بھی دنیا میں کمی کرنے والے کھڑے ہوئے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق نے مقابلہ کیا، ہم سب حضرت صدیق اکبر کے وارث ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو حضرت صدیق اکبر کا صحیح وارث بنائے اور حضرت نانوتوی اور اکابر علمائے دیوبند کا وارث بنائے اور آنے والے فتنہ سے اللہ پاک امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے، (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

(۲۷) اسلام کا ایجوکیشن سے کیا تعلق ہے؟

(بمقام لوناواڑا)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۳۳) وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ○ (سورۃ القصص: ۸۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم قابل صد تکریم حضرت صدر محترم دامت برکاتہم، دیگر حضرات مشائخین عظام اور حضرات علماء کرام!

حضرت مولانا برہان الدین صاحب نے مجھے کیا عرض کرنا ہے اس کا عنوان طے فرما دیا

ہے، میں ہمارے تعلیم یافتہ یا تعلیم پا رہے ان طلبہ عزیز اور اساتذہ کرام کو سمجھ میں آئے ایسی تھوڑی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

دوستو بزرگو!

اسلام کا تعلیم سے کیا تعلق ہے، ایجوکیشن کا اسلام سے کیا تعلق ہے، اللہ کے رسول ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے آسمان پر اٹھایا، اس کے قریب چھ سو سال کے بعد اللہ پاک کی طرف سے اس روئے زمین پر وحی الٰہی کا نزول ہو رہا ہے، چھ سو سال تک انسان اللہ تعالیٰ کی وحی سے محروم ہے، پوری انسانیت کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ تشریف لائے، جو برائی ہونی تھی، وہ ساری برائیاں جزیرۃ العرب میں اور اس وقت کی دو بڑی طاقت ایرانین امپائر اور رومن امپائر کے علاقے میں تھیں، ابھی دنیا میں امریکہ اور روس ہے تو اس وقت دنیا کے بڑے حصے پر یہ دو طاقتوں نے قبضہ کیا تھا، اس پورے علاقے میں ساری برائیاں تھیں۔

پہلی وحی میں حصول علم کا ذکر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل فرمائی، اس پہلی وحی میں توحید کا ذکر ہوسکتا ہے، شرک کا ذکر ہوسکتا ہے، اور بہت ساری برائیاں تھیں، ان کا ذکر ہوسکتا ہے، لیکن اللہ پاک نے پہلی وحی نازل فرمائی: اِقْرَأْ۔ پڑھنے کا ذکر اللہ پاک نے فرمایا، لیکن اللہ پاک نے آگے ذکر فرمایا کہ علم کے ذریعے سے کیا حاصل کیا جائے؟: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ جو اللہ کی معرفت اور اس کی پہچان کے بغیر حاصل ہوگا، وہ سوائے تباہی کے کچھ نہیں مچائے گا، جیسا کہ اس وقت اپنی آنکھوں سے دنیا کی ٹکنالوجی کو دیکھ رہے ہیں، سب سے زیادہ فساد اس نے دنیا میں مچایا ہے اور اس کو کتنا مہذب انداز دیا ہے۔

ایٹم بم کس کو کہتے ہیں؟

جو حضرات جانتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم ہوئی اور ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' میں جو

ایک کتاب ہے، اس میں اچھے اچھے لکھنے والوں کے مضامین لکھے جاتے ہیں اور دنیا کی سب سے معتبر کتاب سمجھا جاتا ہے، اس میں تعریف کی گئی ہے کہ ایٹم بم کس کو کہتے ہیں؟ اس میں لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس نے دنیا کے کروڑوں انسانوں کی جان بچائی، حالانکہ جو حضرات جانتے ہیں، دوسری جنگ عظیم ہوئی اور اسی ''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' میں لکھا ہے کہ چھ کروڑ انسان مارے گئے اور آخر میں امریکہ نے جاپان پر بمباری کی، اور اسی سے جاپان کے دو بڑے شہر تباہ ہو گئے، اور دنیا کی جنگ کا نقشہ پلٹ دیا اور جاپان تباہ و برباد ہو گیا، یہ کہہ رہے ہیں کہ جاپان پر بم پھینکے تھے، اس لئے جنگ بندی ہوئی، اسلئے ایٹم بم کی تعریف کی گئی کہ یہ وہ چیز ہے جس نے کروڑوں انسانوں کی جان بچائی، اور جس کو مارا، اس کا ذکر نہیں ہو رہا ہے اور جن کی جان بچائی گئی ان کا ذکر ہو رہا ہے، اس لیے قرآن کی یہ آیت میں اللہ پاک نے ایک لفظ کو بڑھا دیا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ.

جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا

امریکہ کے ایک مصنف مسٹر ڈریپر نے کتاب لکھی ہے اور اس کا انگریزی سے اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، ''معرکۂ مذہب و سائنس'' ۔ مذہب اور سائنس کی لڑائی؛ مذہب سے مراد عیسائی مذہب ہے اور سائنس کی لڑائی ہے، اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جو علم اللہ پاک کی معرفت کے بغیر ہوگا وہ علم دنیا میں تباہی مچائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا نہیں ہوگا، وہ کسی رسول کی رسالت کو مانتا نہیں ہوگا اور مرنے کے بعد کی زندگی کے حساب و کتاب کو جانتا نہیں ہوگا، اس پر وہ ایمان نہیں لاتا ہوگا، یہ دنیا میں جانور جیسی زندگی گزارے گا، کوئی اس پر روک لگانے والا نہیں ہوگا، نہ اس کو آخرت کا خوف ہوگا کہ اندر سے بے چینی پیدا ہو، اس لئے دنیا میں فساد اور تباہی اس وقت آتی ہے کہ جب علم کی نسبت علم کو پیدا کرنے والی ذات سے الگ ہو جاتی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی اتنے سال بعد نازل ہو رہی ہے، اس سے اشارہ ہے کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے جو دنیا میں انقلاب آئے گا، علم کا انقلاب آئے گا، علم صحیح طریقے سے پڑھا جائے گا اور صحیح طریقے سے علم پر عمل کیا جائے گا۔

دوستو اور بزرگو!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جب یہ علم پھیلا اور مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی کائنات میں پھیلی ہوئی چیزوں پر ریسرچ اور محنت کرنا شروع کیا، تو بغداد کے اندر دنیا کی سب سے بڑی سائنسی لیبارٹری قائم ہوئی، جس کو ''بیت الحکمت'' کہا جاتا ہے، مامون رشید نے اس کو قائم کیا، دنیا گول ہے یا نہیں؛ یہ مسئلہ ہمارے سائنس پڑھنے والے طلبہ سمجھتے ہیں کہ گزشتہ دوسو تین سوسال سے یہ مسئلہ حل ہوا ہے۔

میڈیکل سائنس کی بنیاد رکھنے والے مسلمان

دراصل بات یہ ہے کہ مامون رشید کے زمانے میں عراق کے ایک شہر جس کو ''سنجار'' بولتے ہیں، پورا نقشہ بنا کر اس کی جانچ کی، زمین گردش کرتی ہے یا سورج گردش کرتا ہے؛ یہ پورا انہوں نے بتلا دیا، اس کے بعد سائنس میں مزید ترقی ہوئی، جب تک سائنس کا علم مسلمانوں کے پاس رہا مسلمانوں نے اس کو یونانیوں سے لیا ہے، اس کو عربی میں ''یونان'' کہتے ہیں، انگریزی میں اس کو ''گریک'' کہتے ہیں، یہاں بڑے بڑے سائنسدان تھے، مامون رشید نے ان کی کتابوں کا ان زبانوں سے عربی میں ترجمہ کروا کر اس کو چھپوایا، اس کا عربی کروایا اور مسلمانوں نے سائنس کو ترقی دی، ہمارے سائنس کا طالب علم جب سائنس پڑھتا ہے تو اس کو پہلے بتلایا جاتا ہے کہ یہ گریک کا سائنس ہے، پھر اس کے بعد کے ایک ہزار سال جو مسلمانوں کے گزرے ہیں، ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد آئزک نیوٹن سے شروع کیا جاتا ہے، آپ کے سامنے اس کی مختصر تعریف صرف اتنی عرض کرتا ہوں کہ جب تک سائنس مسلمانوں کے ساتھ رہی، کوئی ٹکراؤ پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ مسلمانوں نے سائنس کی ابتدا کی تھی باسم ربک سے؛ وہ ہر چیز میں یہ جانتے تھے، اللہ نے ان سب چیزوں کو پیدا فرمایا، اللہ پاک نے سینکڑوں آیات میں اپنی تخلیق، اپنی بناوٹ اور اپنی تسخیر کو ذکر فرمایا، ایک مسلمان اور مومن قرآن پاک کی آیت پڑھتا ہے تو اس کو پتہ چلتا ہے کہ اللہ پاک اپنی کون کون سی نشانی بتاتے ہیں، هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْأَرْضِ

جَمِیْعًا (بقرہ:۲۹) اور اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ پیدا فرمایا، سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ نے پوری کی پوری اپنی توحید، اپنی طاقت اور اپنی قدرت کو ذکر فرمایا، اور سورہ نحل میں اللہ پاک نے پوری سورہ میں اپنے انعامات کو ذکر فرمایا کہ ہم نے تم کو سواریاں دی اور قسم قسم کے جانور ہم نے دیئے، سورج اور چاند کا نظام ہم نے تمہارے تابع کر دیا، یہ پوری کائنات کی ہر چیز تمہارے فائدے کے لئے بنائی گئی، یہ ساری چیزیں قرآن کریم نے کھول کر رکھ دیں۔

اب ایک مسلمان جب ان سائنس کی چیزوں میں ترقی کرتا ہے اور ریسرچ کرتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ میرے اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں، ایک مسلمان سائنس پڑھنے والے طالب علم اور آج کے جدید ماڈرن سائنس پڑھنے والے طالب علم کے درمیان فرق ہے، آج کی دنیا میں کہا جاتا ہے سائنس میں اللہ تعالی کی معرفت کے بغیر سوچنے کی ابتدا کرو، اپنے نظریے سے تحقیق کرو اور ریسرچ کرو کہ یہ کیوں ہوا؟

دو بڑے فتنوں کا مقابلہ

دوستو بزرگو!

اس کے پیچھے ایک تاریخ ہے اور وہ مجھے آپ کو اس لئے عرض کرنی ہے کہ اس وقت ایجوکیشن میں ہمارے سامنے دو بڑے فتنے ہیں، ایک فتنہ تو ہمارے سامنے یورپ کی لائی ہوئی تہذیب اور کلچر کے ساتھ یورپ نے جو ایجوکیشن دیا ہے، سب جگہ وہی چل رہا ہے، ایک تو یورپ میں یہ ایجوکیشن کہاں سے آیا؟ اور یہ کیا بگاڑ پیدا کر رہا ہے؟ نتیجے میں کیا ہوتا ہے؟ اور دوسری چیز اس کا تعلق ہمارے ملک سے ہے، برہمن وادی کلچر کی اس ملک میں ایک نیا نصاب ایک نیا نظام نافذ کرنے کی مکمل تیاری ہو چکی ہے، ۲۰۱۶ء نومبر سے اس کی ابتدا ہو چکی ہے، انٹرنیٹ پر یہ سب چیزیں آ چکی ہیں اور آئندہ جیسے جیسے اکثریت ملتی جائے گی، قانونی طور پر ان کے لئے پریشانیاں دور ہوگی تو یہ دوسرا نصاب یہاں بھی لایا جائے گا، اس لئے مسلمان طالب علم کو ایک طرف یورپی تہذیب اور کلچر جو خدا کے انکار پر سائنس کی ابتداء کروا رہا ہے وہ بھی پڑھنا ہے، اس

سے بھی مسلمان مرتد اور گمراہ ہوسکتا ہے۔

اور دوسری طرف اس ملک میں شرک، کفر اور ہندووانہ تہذیب میں تعلیم دی جارہی ہے، دیوی دیوتاؤں کے ذریعہ ہمارے اللہ پاک کی ذات اور صفات پر اشکالات لائے جاتے ہیں، اللہ پاک اپنی ذات میں اکیلے ہیں، اسی طریقے سے اللہ تبارک وتعالی اپنی صفات میں بھی اکیلے ہیں، روزی صرف وہی دے سکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور میں طاقت اور قدرت نہیں ہے، اسباب اختیار کرنے کا حکم فرمایا، انبیائے کرام نے خود ان اسباب کو اختیار فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا: **طلب الحلال فريضة بعد الفريضة.** (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۹۴) حلال کمانا ایسا ہی فرض ہے جس طریقے سے نماز اور روزہ فرض ہے، لیکن حدیث شریف کے الفاظ دیکھیے؛ بعد الفریضۃ عجیب جملہ ہے، ایک آدمی روزی روٹی کمائے اور نماز نہ پڑھے اور یہ کہے کہ یہ بھی فرض ہے جیسے نماز فرض ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بعد الفریضۃ۔ تیرے ذمہ میں نماز ہے اور اس کے ساتھ تو روزی روٹی کے لیے جا، پہلے فرض کے بعد دوسرا فرض ادا کر۔

یورپ میں سائنس میں بگاڑ کیسے پیدا ہوا؟

خیر! گفتگو یہ کرنا ہے کہ یورپ میں سائنس میں بگاڑ کیسے پیدا ہوا؟

دوستو اور بزرگو! یہ اس لئے سمجھنا ہے کہ جب تک سائنس مسلمانوں کے قبضے میں رہی، دنیا میں کوئی الحاد اور لادینیت نہیں پھیلی، بڑے بڑے مسلمان سائنسدان پیدا ہوئے، لیکن کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا جو آج اس طریقہ سے اللہ پاک کا انکار ہو رہا ہے، ہمارے سائنس پڑھنے والے طلباء ان کو پہلے دن میں یہ سمجھایا جاتا ہے کہ سیب اوپر سے نیچے گرتا ہے، نیوٹن نے سائنس میں بتلایا کہ سیب اوپر سے نیچے گرتا ہے، اوپر کیوں نہیں جاتا؟ اور اس کے ذریعے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ زمین میں کشش (ગુરુત્વાકર્ષણ બળ) ہے، ہر چیز کے اندر دوسری چیز کو کھینچنے کی قوت ہوتی ہے اور نتیجے کے طور پر دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں، وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئی

ہیں اور اس سے پوری دنیا کا نظام قائم ہے، اس نظریہ کے پیچھے بات یہ ہے کہ نعوذ باللہ اللہ پاک کا کوئی وجود نہیں ہے، یہ پوری دنیا اپنی نیچر اور اپنی فطرت سے چل رہی ہے، کوئی اس کا بنانے والا نہیں، کوئی اس کا چلانے والا نہیں، انسان خود بخود ایک چیونٹی سے بڑا کیڑا بنتا ہے، چھوٹی مچھلی سے بڑی مچھلی بنتی ہے، بندر سے نکل کر ایک انسان بن رہا ہے، یہ سائنس میں سکھلایا جارہا ہے، ایک امیبا سے لے کر آخر میں انسان بنتا ہے، جب مسلمانوں نے سائنس کی چیزیں سیکھیں اور یورپ والوں نے اسپین میں جاکر -جو کہ یورپ ہی کا ایک ملک ہے- علم حاصل کیا، پھر وہ اپنے عیسائی ملک میں گئے، عیسائی ملک میں عیسائی مذہب چل رہا ہے، لیکن عیسائی مذہب اصل تو مشرق وسطیٰ اور بیت المقدس کے علاقے میں تھا، یہاں سے یورپ پہنچا اور روم والوں نے عیسائی مذہب قبول کیا، اس کے لئے عیسائی مذہب والوں نے ایک بہت بڑی غلطی کی، انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مذہب یورپ میں پھیلانا ہے، تو کس طریقے سے پھیلایا جائے، اس زمانے میں روم اور یورپ کے ملکوں میں ایک ''اپولو'' نام کا دیوتا تھا اور اس کو یہ بھگوان کا بیٹا سمجھ رہے تھے، عیسائیوں نے یہ کہا کہ ہم بھی اسی طریقے سے ملتا جلتا عقیدہ لے آئیں؛ تا کہ عیسائی مذہب وہاں پھیل جائے، تو انہوں نے یہ کیا نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور اس طریقے سے کہا کہ تم فلاں کو بھگوان کا بیٹا مانتے ہو تو کیا فرق پڑتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مان لو اور اس طریقے سے انہوں نے ان چیزوں کو پھیلایا۔

حضرت حافظ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر میں سورۂ روم کی تفسیر کرتے ہوئے ان چیزوں کو مختصر طور پر ذکر فرمایا ہے: الۗمّۗ. غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ اس کے ضمن میں عیسائی مذہب کی تاریخ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی اور پورے واقعے کو اس میں ذکر کیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' اور مسٹر ڈریپر نے اپنی کتاب ''معرکۂ مذہب وسائنس'' میں تفصیلات لکھی ہیں، عیسائی مذہب میں جو نئے پڑھے لکھے لوگ اسپین سے گئے اور انہوں نے نئی نئی باتیں کی۔

چرچ کا ظلم وتشدد

عیسائی مذہب وہ مذہب نہیں تھا جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، انہوں نے اس میں تبدیلی کردی تھی، سینٹ پول والی بگڑی ہوئی عیسائیت تھی، اس لئے عیسائی مذہب میں اتنی قدرت نہیں تھی کہ آنے والے سائنسی نظریات اور سائنسی جو سوچ ہے اس کا جواب دے، تو چرچ والوں نے یہ کیا کہ جو لوگ اس طرح کا عقیدہ لے کر آئے، ان کو ملحد کافر اور بے دین کہا، معاشرے میں ان کا بائیکاٹ کیا گیا، انہوں نے اس کے لئے بڑی بڑی تحقیقی عدالتیں قائم کیں اور ان میں ان کو بلایا گیا، گلیلیو (جن کے نام سے بہت بڑا استارہ ہے) سائنس میں بہت بڑا آدمی ہے، اس نے یہ کہا تھا کہ زمین گردش کررہی ہے، تو اس کے جواب میں پادریوں نے یہ کہا کہ تم کو یہ حق نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس زمین پر پیدا ہوئے ہو اس کو گھومنے والی کہو، کیوں کہ جو گھومتا ہے وہ تابع ہوتا ہے، جس کے گرد گھومتا ہے وہ اصل ہوتا ہے، زمین اگر گردش کرتی ہے اور چکر لگاتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تابع ہے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جنم بھومی ہو وہ گھوم نہیں سکتی، پادریوں نے اس طریقہ سے گلیلیو کو مجبور کیا کہ اپنے عقیدہ سے واپس آؤ، ورنہ قتل کئے جاؤ گے، دھمکی دی جارہی ہے، پھانسی کی سزا اس کے لیے طے ہوئی، اسی سال کی عمر میں چرچ میں گھٹنے ٹیک کر معافی مانگی کہ میں اپنے اس نظریے کو واپس لے لیتا ہوں، (جبکہ یہ نظریہ اس سے پہلے مسلمان قائم کر چکے تھے) تب اس کو معاف کیا گیا۔

میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ مامون رشید کے زمانے میں یہ نظریہ ثابت ہو چکا، لیکن اسلام میں اس پر کوئی اشکال نہیں تھا، چاہے زمین گھومے یا سورج گھومے۔ کیوں کہ قرآن نے فرمایا: كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یس: ۴۰) ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں، سب گھوم رہے ہیں، مسلمانوں کو اس طریقے سے کوئی اعتراض اور اشکال نہیں ہوتا، سائنس کا علم ترقی کرتا جارہا ہے، نیچر کا علم ہے، فطرت کا علم ہے، اللہ کی قدرت اور کائنات کا علم ہے، یہ بڑھتا گیا اور چرچ کا زور کم ہوتا گیا، چرچ نے اتنا ظلم کیا تھا کہ اب چرچ میں ہمت نہیں

تھی کہ ان کا مقابلہ کر سکے، آہستہ آہستہ چرچ والوں نے اور انہوں نے آپس میں صلح کر لی اور یہ کہا گیا کہ پادریوں کا کام صرف اور صرف چرچ میں رہنا ہے، یہی دوستو سمجھنا ہے۔

اس وقت پرسنل لا پر جو اشکال ہو رہے ہیں، اس کے پیچھے جو سوچ (Theary) کام کر رہی ہے کہ مسلمان صرف مسجد تک رہے، ان کے بازار کا کاروبار قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہو، اس میں قرآن وحدیث کی کوئی ضرورت ہی نہیں، ان کی ملازمت قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہو، ان کی زندگی کے کسی عمل میں قرآن سے رہنمائی لینے کی ضرورت نہیں ہے، صرف مسجد میں نماز تک کا ہی وہ مسلمان ہے، یہ چیز سب سے پہلے عیسائیوں نے اپنائی اور چرچ نے قبول کیا کہ اب ہم چرچ میں ہی رہیں گے اور مذہبی امور کو ہی سنبھالیں گے اور دوسرے سارے امور ان سائنسی لوگوں کو سونپ دیئے، اب جب ان کے قبضے میں یہ چیز آئی تو انہوں نے سوچا کہ جب مذہب نے ہم پر ظلم کیا ہے، تو سارے مذاہب ایسے ہی ہوں گے، قرآن مجید کو انہوں نے نہیں پڑھا اور اس ظلم کا ری ایکشن (REACTION) ہوا، انہوں نے اس میں سارے مذاہب کو غلط کہا اور اب دنیا میں یہودیوں کی طرف سے گزشتہ چار سو سال سے ایک اسکیم چلائی جا رہی ہے کہ نعوذ باللہ خدا کا وجود ہی نہیں ہے، سائنس میں جب ہمارا طالب علم پڑھتا ہے تو یہی چیزیں پڑھائی جاتی ہے۔

جدید سائنس اور مذہب سے دوری

دوسری بات یہ ہوئی کہ آدمی کو اس کے مذہب سے کاٹ دیا، جب مذہب سے کاٹ دیا، تو سماج سے بھی کاٹ دیا ایک سائنٹسٹ کھڑا ہوا، جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان بھی ایک سماجی جانور (સામાજિક પ્રાણી) ہے، جیسے دوسرے جانور ہے انسان بھی ایک جانور ہے؛ کیا مطلب؟ نعوذ باللہ شادی بیاہ کے رشتے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ دیکھیں یورپ میں کیا ہو رہا ہے! اس کے پیچھے یہ فلسفہ کام کر رہا ہے اور اس طریقہ سے انسانوں کو اپنے مذہب سے اور اپنے خاندان سے آزاد کر دیا اور جب ایک بکری اپنے ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے تو چیتا اس پر حملہ کرتا ہے، یہ پوری اسکیم ہے کہ کسی طریقے سے ان لوگوں کو اپنے مذہب سے الگ کریں،

عیسائیت تو ختم ہو چکی اور ان کا پورا حملہ ہمارے اوپر ہے، ہمارے ہندو سماج میں یہ چیزیں عیسائیوں کی طرح آہستہ آہستہ آ رہی ہے، اور یہ بھی اپنے مذہب سے کٹ رہے ہیں، جو پڑھا لکھا طبقہ ہے، اندر سے ان کے دل کی بات دوسری ہے، باہر رکھ رکھاؤ اور سماجی بندھن میں ان کو کچھ کرنا پڑتا ہے، لیکن عیسائیوں کے یہاں بہت زیادہ آزادی ہے، وہاں فیملی سسٹم فیل ہو چکا ہے، اس لیے وہاں جلدی سے چیزیں وجود میں آئیں، یہاں آہستہ آہستہ آ رہی ہے، یہی چیزیں اب مسلمانوں میں داخل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کے نتیجے میں یہ چاہتے ہیں کہ نعوذ باللہ انسان اپنے مذہب سے الگ ہو جائے، اپنے سماج سے الگ ہو جائے۔

بلکہ اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ انٹرنیٹ پر ملکوں کا بھی کنٹرول نہیں رہا ہے، پہلے تو یہ تھا کہ حکومت کسی چیز پر روک لگا لیتی تھی، اب ایسی ایسی نئی نیٹ کی شکلیں آ رہی ہیں اور ایسی ایسی نئی چیزیں آ رہی ہیں کہ ملکوں پر بھی اس کا قبضہ نہیں، پوری دنیا میں گناہ عام ہو جائے، حکومت بھی اس کو روک نہیں سکتی، انسان جب اپنے پروردگار سے دور ہوگا، تو وحی الٰہی کے علوم سے محروم ہو جاتا ہے، وہ افراط وتفریط کا شکار ہوتا ہے، انسانی عقل یا تو کسی چیز میں آگے بڑھ جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ پاک نے عیسائیوں کا ذکر فرمایا: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (حدید:۲۷) انہوں نے سنیاسی پن اختیار کیا، جبکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام شادی بیاہ کرتے تھے، قرآن کریم میں فرمایا: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً (رعد:۳۸) کہ ہم نے نبیوں کو بھیجا اور ان کو بیوی بچوں والا بنایا، سماجی زندگی والا بنایا، انسان سماجی زندگی میں رہے، ساری تکلیف اور پریشانی برداشت کرے اور پھر مسجد میں آئے، گھر کا تقاضہ ہے، دکان کا تقاضہ ہے، ملازمت کا تقاضہ ہے، اس کو چھوڑ کر مسجد میں آئے گا، تب اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کی محبت کا فرق معلوم ہوگا، ورنہ فرق ہی کیسے ہوگا؟ اس لئے سماجی زندگی میں رہنے کا حکم ہوا، لیکن عیسائیت میں کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے سماج ہی کو چھوڑ دو، تو کچھ لوگ وہ ہوئے جنہوں نے شادی بیاہ کے بغیر ہی سیکس کی زندگی، جنسیات اور اپنے آپ کو جانوروں

کی طرح جہاں منہ مارنا ہو مار دیا جائے، اس طرح کا سماج پیدا ہوا، یہ کیوں ہوا؟ قرآن نے فرمایا : وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد:۱۲) آپ دیکھ رہے ہیں، جانور کسی بھی جگہ منہ مارتا ہے، اس کو یہ پتہ نہیں کہ یہ میرے مالک کا کھیت ہے یا کسی اور کا، حلال اور حرام کی جو حد اسلام نے لگائی ہے، ان کی کوئی تمیز نہیں ہوتی ہے، حلال کیا ؟ حرام کیا؟ یہ سب چیزیں اس لیے ہو رہی ہے کہ برسوں سے اس کے پیچھے محنت ہو رہی ہے۔

اسلام کا سماجی نظام

تو ایک طرف ہمارا مسلمان بچہ جب سائنس کی دنیا میں جاتا ہے، سماجیات کی کتابیں پڑھتا ہے، تو اس کو دو چیزوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے، ایک طرف سماج شاشتر میں یورپ نے جو سماجی زندگی بنادی ہے، انسان کو الگ کر دیا ہے، اپنے سماج اور سوسائٹی سے آزادی، پرائیویٹ لائف Private life، ان سب چیزوں نے انسان کو جانور کی طرح کر دیا ہے، اور دوسرا نظریہ اس ملک میں آباد غیر مسلموں کا ہے، یہاں کی شادی بیاہ کے رسم و رواجات اور سارے آپس کے تعلقات، ہمارے ہندو بھائیوں کے الگ ہے، جبکہ اسلام نے ہمیں ایک صاف ستھری زندگی عطا فرمائی، شادی بیاہ اور زنا کے درمیان فرق بتلایا ہے، اور زنا حرام فرمایا اور نکاح کو سنت انبیاء علیہم السلام فرمایا، سماجی زندگی میں ایک انسان کا سب سے پہلا تعلق اپنے ماں باپ سے ہوتا ہے، اپنے ماں باپ کے حقوق ادا کرتا ہے، دوسرے نمبر پر اس کا تعلق اگر باپ ہے تو بیٹوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور لڑکا مرد جوان ہوا ہے اور لڑکی جوان ہوئی ہے تو شادی بیاہ ہوتی ہے تو یہ میاں بیوی کے آپسی تعلقات ہوتے ہیں، پڑوسیوں کے تعلقات ہوتے ہیں، رشتہ داروں کے تعلقات ہوتے ہیں اور اڑوس پڑوس کے تعلقات ہوتے ہیں، بلکہ قرآن کریم نے اس ساتھی کا ذکر فرمایا، جو تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے، جیسے مجلس میں ہم ایک دوسرے کے قریب میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، تھوڑی دیر بیٹھنے کے بھی کیا اصول اور آداب ہے؟ قرآن کریم نے والصاحب بالجنب (نساء:۳۶) فرمایا، تمہارے پہلو کا ساتھ ہے، تمہارے پڑوس کا ساتھ ہے، تھوڑی دیر

تمہارے ساتھ ٹرین میں بیٹھا ہے، بس میں بیٹھا ہے، پانچ منٹ کے لیے ہی بیٹھا ہو، اس کے کیا حقوق ہیں؟ اس کو بھی قرآن نے ذکر فرمایا ہے، اس طریقہ سے سماجی زندگی کا ایک پورا نظام ایک پورا پیکیج قرآن کریم نے اور احادیث مبارکہ نے ہمیں عطا فرمایا، اس کے مقابلے میں ہمارے ان بھائیوں کے یہاں سماجی زندگی کے مسائل عجیب وغریب ہے، میاں بیوی کے آپسی تعلقات ان کے یہاں الگ ہے، سماج شاشٹر میں ہمارا بچہ جاتا ہے، اس بے چارے کو ان چیزوں میں پریشانیاں آتی ہے، ایک طرف تو قرآن وحدیث کے بتلائے ہوئے سماجی نظام کو نہیں جانتا ہے اور دوسری طرف وہ بچہ اس نظام پر نظر ڈالتا ہے، اس طریقے سے دونوں نظام کو پڑھتا ہے، یورپ کے نظام کو اور اس ملک کے کلچر کو، یہاں کی سوسائٹی کو دیکھتا ہے تو یہ عجیب وغریب کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔

تیسرے نمبر پر ہے History۔

انگریز کا تاریخ کے ساتھ کھلواڑ

یورپ نے ایک سیکولر نظام بنایا، جب ہندوستان میں انگریز آئے، تو ایک شرارت یہ کی کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان جدائی کرنا ضروری تھا، اس لئے 1857 کی جنگ میں یہ دیکھ لیا کہ یہ دونوں مل کر ہمارا سخت مقابلہ کرتے ہیں، اس لئے انہوں نے سوچا کہ کس طرح ہندو اور مسلمانوں کے درمیان آپس میں جدائی کروائی جائے، اس کے لئے سب سے بہترین ہتھیار ان کو ملا تاریخ ઈતિહાસ history۔ انہوں نے چن چن کر مسلمان بادشاہوں کے ایسے ایسے واقعات جو صحیح نہیں اور اپنی طرف سے ادھر ادھر کی بہت ساری چیزیں ملا کر ہندوستان کی تاریخ بگاڑ دی۔

ان میں تین بڑے بادشاہوں کو کثرت سے بدنام کیا، سلطان محمود غزنوی، اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اور ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ جبکہ ان کی پوری تاریخ صاف اور ستھری ہے، محمود غزنوی کی تاریخ کا قصہ ہے، غزنی سے لے کر سومناتھ تک اتنا لمبا سفر کیا، بیچ میں ہزاروں مندر آئے، کسی مندر کو نہیں توڑا اور سومناتھ کے پاس آ کر یہ مسئلہ اٹھایا اور جاتے وقت بھی اور کسی مندر کو نہیں توڑا، یہ پوری ایک تاریخ ہے کہ وہاں شرارت ہوئی، سلطان جب وہاں

پہنچے ہیں گجرات سے پہنچے ہیں، یہ شمالی گجرات میں پہلے آئے، پٹن یہ گجرات کا کیپیٹل تھا، پھر وہاں سے کاٹھیاواڑ پہنچے، ریگستانی علاقوں کو طے کرتے ہوئے یہاں پہنچے۔

مجھے یہ بتلانا ہے کہ ہماری تاریخ پڑھانے والے اساتذہ کے لیے ضروری ہوگا کہ ہماری ان کتابوں کو پڑھیں، علمائے کرام سے پوچھیں، کس طریقے سے یہ واقعات اسکول میں پڑھائے جارہے ہیں، جو کتاب میں لکھا ہوا ہے وہی آپ پڑھائیں گے تو آپ لکھی ہوئی چیز پڑھا رہے ہیں، انگریز نے ایک لمبی چوڑی شرارت کرنے کے بعد یہ مسئلہ ذکر کیا، اس کی میں آپ کو ایک مثال دوں، انگریز جب ہندوستان میں آئے، تو انگلینڈ کی پارلیمنٹ میں ایک انگریز نے مسئلہ کھڑا کیا، کہ سلطان محمود غزنوی سومناتھ مندر کا جو دروازہ ہے اس کو لے گئے ہیں اور غزنی میں اس کو لگا دیا، ہندوستان میں اس کی بہت زیادہ تشہیر کی گئی، شہرت دی گئی اور ملک کے اس وقت کے ہندو مسلم تعلقات اتنے خراب نہیں تھے، انہوں نے پورے معاشرے میں سوسائٹی میں آپس میں لڑانے کی اس طرح کی ایک چیز کھڑی کی، لیکن اللہ پاک نے انہیں میں سے آدمی کو کھڑا کیا اور لندن کے پارلیمنٹ میں اس نے یہ کہا کہ ہم نے اس دروازے کو دیکھا، اس کا کوئی تعلق سومناتھ کے مندر سے نہیں ہے، اس وقت کی کلا (دست کاری) اور اس وقت کی جو ڈیزائن تھی اس سے کوئی جوڑ نہیں تھا اور صاف کہہ دیا کہ یہ بالکل غلط ہے، اس طریقے سے یہ چیز چل پڑی، خیر یہ چیزیں تاریخ میں کثرت سے آرہی ہیں، کسی بھی قصے کو نقل کرنے کے لئے وہ غلط طریقے سے نقل کرتے ہیں، اس وقت سب سے بڑا جو مسئلہ ہے وہ توحید کا مسئلہ ہے، اس وقت جو ہندوستان میں ۲۰۱۶ء نومبر میں ایک نیا نصاب ہندوستان کے لئے طے ہو چکا ہے، نئی تعلیم آہستہ آہستہ آرہی ہے، گجرات میں بھی اور دوسرے صوبوں میں بھی آرہی ہے، اس میں سب سے بڑی چیز جو آرہی ہے وہ ہمارے توحید کے خلاف اللہ پاک کی ذات کے علاوہ کا تصور ہے۔

یورپ کی اسلام دشمنی اور عصبیت کا نتیجہ ہے کہ اس نے سائنس کی تاریخ اسطرح لکھی کہ طالب علم کو یونانی فلسفے کے بعد سیدھا یورپی فلسفہ پر پہونچایا جاتا ہے، اور درمیان کے مسلم سائنس

کے دور کو تاریک زمانے Dark Ages سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو اسوقت یورپ کے لئے تو یقینا قرون مظلمہ تھا؛ لیکن اسی زمانہ میں جبکہ ساری یورپی دنیا سائنس وٹیکنالوجی سے ناواقف تھیں ،یورپ کا صرف ایک مسلم ملک اسپین علم اور سائنس کی روشنی سے خوب روشن اور جگمگا رہا تھا، ایک ہزار سال تک مسلمانوں کو دنیا میں وہی حیثیت رہی جو آج امریکہ وروس کو ہے،عربی زبان دنیا کی واحد علمی اور سائنسی زبان تھی جیسے کہ آج انگریزی زبان ہے،اور پوری دنیا سے سائنس کے طالب علم اسلامی علمی سینٹر دمشق ، بغداد اور اسپین کے دو بڑے شہر قرطبہ اور غرناطہ کا اسی طرح سفر کرتے تھے جیسے آج سائنس کے طلبہ کیمبرج ،آکسفورڈ اور واشنگٹن کی یونیورسٹیوں کا قصد کرتے ہیں، عیسائی دنیا دوسو سال تک مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتی رہی؛ جو صلیبی لڑائیوں(Crusades spiritual) کے نام سے مشہور ہے، بالآخر یورپ کی مکمل ناکامی پر یہ جنگ ختم ہوگئی لیکن یورپ کو تجربہ ہوگیا کہ مسلمانوں کی فتح علم اور سائنسی ترقیات کی وجہ سے ہے، مسلمانوں کے پاس اس وقت کے بہترین ہتھیار تھے، جس سے مصری فوجوں نے منجنیقوں کے ذریعہ فرانسیسی لشکر کو شکستِ فاش دی تھی ، اسکے بعد یورپ نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو انکے ہی علم وہنر اور انکے ہی فلسفہ وسائنس سیکھ کر شکست دے سکتے ہیں، چنانچہ اولاتو اسلامی سائنس اور عربی زبان سیکھنے کی یورپ کے مذہبی لوگوں نے مخالفت کی ، یہاں تک کہ انگلینڈ کے مشہور فلسفی اور سائنسداں فرانس کن بیکن نے ۱۲۱۹ء میں عربی زبان سیکھنے کی اہمیت پر زور دیا،تو آکسفورڈ کے علماء چلا اٹھے کہ بیکن مسلمان ''Saracen'' ہوگیا،لیکن پھر بھی یورپ مسلسل محنت اور کوشش کرتا رہا،اس نئے انقلاب کو یورپ نے نشأۃ ثانیہ(Renaissance) کا نام دیا،اس نام سے یورپ کے سائنس داں یہ تأثر دینا چاہتے تھے کہ یہ مسلمانوں کا علم نہیں ہے؛ بلکہ اپنے گھر یونان(Greek) کی ہی یہ چیز ہے، حالانکہ یورپ نے تو اسکو مسلمانوں سے اسپین کی اسلامی یونیورسٹیوں میں ہی حاصل کیا تھا، اور یونانی فلسفہ کو مسلمانوں نے بہت زیادہ ترقی دے کر خالص اپنی محنت سے سائنس وٹیکنالوجی کو آگے بڑھایا تھا، جسکا یورپ کو اعتراف بھی ہے، چنانچہ بریفالٹ(Robert Briffault(اپنی

کتاب Tha making of humanity میں لکھتے ہیں کہ یورپ کی سائنسی ترقی کا کوئی ایسا پہلونہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اسکے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو، صرف فزکس ہی نہیں بلکہ اسلامی کلچر نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ،اوراسکی ابتداء اسی وقت سے ہوئی جب اسلام کی پہلی کرن اسپین پر پڑنے لگی۔

اسلام میں انسانی جسم اور روح دونوں کوسکون بخشنے کا سامان موجود ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ آج کے انسان نے کھانا، پینا، عیش وآرام اور مادی چیزوں کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہے، لیکن روح کی اس نے بالکل فکر نہیں کی، دنیا کی زندگی کو ہی اصلی زندگی سمجھی، اور رات دن مادہ کے پیچھے محنت کرنے کی وجہ سے آخرت کی زندگی سے بے خبر ہوکر اسی زندگی میں ساری راحتیں حاصل کرنے کی کوشش کی، اسکے لئے ظلم وزیادتی، لالچ، نفاق، خودغرضی، قساوت قلبی، دنیا طلبی، موڈرن انداز کی چوری، قانونی رنگ کی ڈکیتی اور حقیر سے حقیر غرض وخواہشات کے لئے ہزاروں انسانوں کی جان ومال سے کھیلنے میں لطف محسوس کیا کرتا ہے، جس سے دنیا میں بے چینی، بے اطمینانی، بے اعتمادی، مایوسی، قوم پرستی وتعصب وغیرہ کی فضاء بن کر عیش وآرام کے نقشہ میں بھی یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن گئی، نہ مالداروں کوچین ہے، نہ غریبوں کو اطمینان ہے، اسکی سچی اور صحیح تصویر انسانوں کے خالق اور مالک نے یوں بیان فرمائی: وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى ﴿۱۲۴﴾ (طہ: ۱۲۴) ترجمہ: اور جوشخص میری اس نصیحت سے اعراض کریگا تو اسکے لئے تنگی کا جینا ہوگا، اور قیامت کے دن ہم اسکو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ آج کی دنیا میں خوش منظر، دلفریب سامانوں اور دیزائنوں کی بہتات ہے، لیکن عیش وآرام اور امن وسکون مفقود ہے؛ بلکہ عیش کی جگہ تنگ حالی، امن کی جگہ ماردھاڑ، چین کی جگہ تشویش ہے، آج کا تعلیم یافتہ انسان صورۃً توانسان ہے، لیکن سیرت وکردار اور بداخلاقی میں وہ جانوروں سے کم نہیں ہے۔ یہ سب اپنے خالق ومالک کی یاد سے غافل ہونے کی وجہ سے ہے۔ عقل وخرد کے ان دعویداروں کا پردہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں چاک کیا ہے: فَاَعۡرِضۡ

عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ (نجم:۳۰،۲۹)

ترجمہ: تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اسکو کوئی مقصود نہ ہو۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے اشعار میں انکی خوب نقاب کشائی فرمائی ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا -	اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا -	زندگی کی شب تاریک سحر کرنہ سکا
اپنی حکمت کے پیچ وخم میں الجھا ایسا -	آج تک فیصلۂ نفع وضرر کرنہ سکا

کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس James Jeans Sir پچاس سال کے تجربہ کے بعد کہتے ہیں کہ جب میں چرچ میں جاکر خدا تعالی کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں، تو میری تمام ہستی اللہ تعالی کے جلال سے لرزتی ہے، اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ تو بہت بڑا ہے تو مجھے بے حد سکون وخوشی محسوس ہوتی ہے۔ یہی بات اسٹالین نے بھی کہی جب موت کے وقت اسکی زبان سے کسی نے اللہ تعالی کا نام سنا تو کہا کہ ایک کمیونسٹ ہوکر آپ خدا تعالی کو مانتے ہو! اس نے کہا کہ مانتا تو ابھی بھی نہیں ہوں؛ لیکن اسکے بولنے میں ہی سکون محسوس ہوتا ہے۔

ذاتی طور پر سائنس کا علم نیچر کا علم ہے، اسمیں کوئی برائی نہیں ہے، مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک اسمیں محنت کرکے ترقی کی ہے؛ لیکن جب سے ہم نے اسمیں محنت کرنا چھوڑ دیا، اور یورپ کی طاقتوں نے اس پر اپنا مکمل قبضہ کرلیا، تو دین، ایمان، آخرت اور حساب وکتاب کے عقیدے سے محرومی کی وجہ سے انہوں نے دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ کر ایسی چیزیں ایجاد کردی، جو ایمان میں کمزوری پیدا کرتی ہیں، آدمی آخرت سے غافل ہوکر بداخلاقی وبے مروّتی کے کام کرلیتا ہے، جس نے آج کے انسان کو سب کچھ نعمتیں ہونے کے باوجود چین وسکون سے محروم کردیا ہے، اور جسکی وجہ سے انسانی سماج کو بہت سی ایسی چیزیں بھی سائنس دانوں نے دے دی ہے، جو اخلاقی بگاڑ کا سبب ہے، اور جو خود سائنسی ترقی میں بھی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ ٹی، وی کی فحاشی وعریانی والی سیکسی فلمیں، بے پردگی، ناچ گان، مرد عورت کے آزادانہ اختلاط اور

سودی بینک کاری جیسی چیزیں جس سے سائنس داں بھی پریشان ہیں، یہ چیزیں سائنس سے ہونے والے فائدوں کو بھی نقصان میں بدل دیتی ہیں، اورجس نے انسان کو مہذب جانور بنادیا ہے، ایسے حالات میں اسلام ہی زندگی کی صحیح راہ متعین کرسکتا ہے اور مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جانے والے قرآن وحدیث کے علوم ہی شب تاریک کو سحر میں تبدیل کرسکتے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کی اپنے بیٹوں کو نصیحت

میں نے آپ کے سامنے جو آیت پڑھی، سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے رخصت ہورہے ہیں اور اللہ کے نبی جن کے والد بھی نبی اور دادا بھی نبی، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد بھی نبی اور چچا بھی نبی اور خود حضرت یعقوب علیہ السلام بھی نبی اور وہ اپنی اولاد سے کہہ رہے ہیں، بیٹوں میں بھی خود حضرت یوسف علیہ السلام نبی اور دوسرے بھائی، حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں: یہ بھی سب اولیاء اللہ ہوگئے، حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے سے توبہ استغفار کرلیا اور بعد میں یہ بھی اللہ پاک کے نیک اور صالح بندے ہوگئے، تو یہ ایسا خاندان جن میں چار چار پشتوں سے نبوت چلی آرہی ہے، اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام مرتے وقت اپنے بیٹوں کو جمع فرمارہے ہیں اور جمع فرما کر یہ کہہ رہے ہیں، میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے، دوستو! نبی پوچھ رہا ہے، اولیاء اللہ کو پوچھ رہا ہے، پورا گھر کا ماحول توحید والا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہے، اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں قیامت تک نبوت جاری فرمادی، اللہ پاک نے یہ خوشخبری قرآن کریم مین سنائی۔ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ (حدید:۲۶) ایسے نبی کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنی اولاد سے پوچھ رہے ہیں کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ اولاد نے جواب میں کہا کہ آپ کے والد اور آپ کے دادا حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی۔آگے وضاحت کردی اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔

مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ ہمیں اپنی اولاد سے غافل نہیں رہنا ہے، محض اسکول کے بھروسے پر اپنی اولاد کو نہیں چھوڑنا ہے، اسکول میں کیا تعلیم دی جاتی ہے؟ ذرا گھر آ کر اس کی تحقیق کریں، بھروچ شہر میں ایک صاحب جماعت کے ذمہ دار اور علماء کرام سے تعلق رکھنے والے انہوں نے اپنے بچے میں تھوڑا فرق دیکھا، ایسے حرکت دیکھی جو عجیب لگ رہی تھی، اس نے ایک مرتبہ کوئی چیز اٹھائی اور اٹھا کر زمین پر ہاتھ رکھا جس کو ''بھومی پوجن'' کہا جاتا ہے، اس طرح کیا، تو والد نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! یہ کیا کر رہے ہو؟ تو کہا: یہ تو روزانہ اسکول میں کروایا جاتا ہے کہ زمین سے کھانا مل رہا ہے، روزی روٹی مل رہی ہے، دھرتی ماتا ہے، اس کو ہم نہیں پوجیں گے تو کس کو پوجیں گے، اس کی اگر عبادت نہیں کریں گے تو کس کی کریں گے، تو ایسے دین دار گھرانے والے پریشان ہو گئے ہیں۔تو پتہ چلا کبڈی کا کھیل اسکول میں کھلایا جا رہا ہے، اس کے اندر بھی بچوں کے پاس اس طریقے سے کروایا جاتا ہے، ہندوستان کے ہمارے ہندو بھائی ہمارے اس جذبے کو نہیں جانتے ہیں کہ توحید کا ہمارے یہاں کیا مطلب ہوتا ہے، کیونکہ وہاں تو ہر کنکر ان کا شنکر، اس نسبت سے چیزوں کو ہی مؤثر سمجھ لیا ہے، جہاں نفع یا نقصان دیکھا اس کی عبادت شروع کر دی۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ جتنے بھی معبود ہے، دنیوی اعتبار سے یا تو وہ نفع دینے والے نظر آئیں گے یا نقصان دینے والے، اس سے بچنے کے لئے یا اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہوں نے ان چیزوں کو لے لیا، اس لئے ہماری اسکول اور ہمارے کالج کے پڑھنے والے ہمارے ان بچوں کو جب دوسرے غیر مسلم بچے کے ساتھ آنا جانا ملنا ہوگا، ان کے گھر جائے گا، کبھی وہ ہمارے گھر آئے گا اور وہ ہمارا اور ان کا فرق نہیں سمجھے گا، یہ بہت حساس مسئلہ ہے، آپ یہ سمجھ لیجئے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ یہ دنیا دیکھے ہوئے آدمی اور دنیا بھر کا فلسفہ اور دنیا بھر کی ہسٹری کے ماہر ولی اللہ، لیکن یوپی حکومت نے مولانا ہی کے زمانے میں بھاجپا جب حکومت پر تھی، اس وقت ونڈے ماترم کے سلسلے میں انہوں نے ایک مسئلہ کھڑا کیا، حضرت مولانا

کے گھر پر بھی حملہ ہوا، پولیس نے آپ کے گھر پر چھاپہ مارا، لیکن مولانا نے ایک ہی اعلان فرمایا تھا، اگر ہمارے بچوں کو اسکول کے اندر شرک اور کفر کی تعلیم دی جائے گی تو ہم اپنے بچوں کو اٹھالیں گے اور ہم اپنا اسکول اور مدرسہ قائم کریں گے، اپنی اسکول میں ہم اپنے بچوں کو پڑھائیں گے، مولانا نے بہت تفصیل سے اس موقع پر فرمایا، برسوں تک فسادات میں جانی نقصان ہمارا ہوا، مالی نقصان ہوا، ان دونوں کو ہم نے برداشت کرلیا، اس کے بعد ہمارے قانون پرسنل لا پر حملہ کیا ہے، لیکن اس وقت سارے ہندوستان کے مسلمان متفق ہوگئے اور متفق ہوکر پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم پر سب جمع ہوگئے، شیعہ سنی دیوبندی بریلوی اور سب نے ایک ساتھ ہوکر ہندوستان میں اس قانون کو بچانے کی فکر کی، الحمدللہ اس کے نتیجے میں حضرت مولانا نے بہت اچھی تدبیر کے ساتھ اس مسئلے کو حل کروایا، اس موقع پر مولانا نے فرمایا کہ یہ ساری چیزوں سے ہم گزر چکے اور آخری چیز جو باقی رہی وہ ایمان، اب وہ بھی ہم سے لے لیا گیا تو ہمارے اس ملک میں رہنے کا مطلب کیا ہوا؟ اللہ کی توحید اور وحدانیت یہی ایک مسلمان کا بنیادی امتیاز ہے، یہی چیز ہمارے پاس سے لے لی گئی تو خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (حج:۱۱) نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں

دوستو اور بزرگو!

اس لئے یورپ کا جو کلچری حملہ ہے اور انٹرنیٹ کے ذریعے جو حملہ ہو رہا ہے، یہ بھی بڑا خطرناک ہے، لیکن یہاں گھر کے اندر کا مسئلہ ہے، وہ زیادہ خطرناک ہے، اس لئے ہم ان مسائل کو توجہ سے سنیں، آنے والے حالات کس طرف دستک دے رہے ہیں، اس ملک کے حالات کیا کروٹ لے رہے ہیں، کیا سوچ سوچی جا رہی ہے، روزانہ کا اخبار، روزانہ کا میڈیا اور انٹرویو اور آپس میں ڈبیٹ یہ سب کیا ہے؟، غیر ایمانی قوت دن بدن بڑھ رہی ہے، جب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی تو مشرکین کی ترجمانی کے لئے عتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا، اس موقع پر اس نے جو پہلا جملہ کہا ہے، مجھے آپ کو وہ سنانا ہے، اس نے کہا:

آپ کے والد اور آپ کے دادا عبد اللہ اور عبد المطلب وہ بھی تو ایمان والے زمانے میں نہیں تھے، کیا وہ بھی جہنمی ہو گئے؟ یہ جملہ سوال کے طور پر کہا، اللہ کے نبی ﷺ خاموش رہے، اس کا جواب نہیں دیا، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پورے واقعہ کو نقل کیا، اس سوال کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سوال کا جواب دینا مسلمانوں کو ضروری نہیں، لہذا ہمارے ڈبیٹ کرنے والے حضرات سوچیں۔

فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام سے عجیب وغریب سوال کیے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب کا رخ موڑ دیا اور عجیب انداز سے اس کے جواب دیے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نمرود نے کہا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں اور پھر اس طریقہ سے ایک قیدی کو بلا کر مار ڈالا جو بیچارہ بے قصور تھا اور دوسرے قصور والے قیدی کو چھوڑ دیا اور کہا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور میں بھی موت دیتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مختصر جواب دے دیا: يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (بقرہ:۲۵۸) کہ میرے اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اگر خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو تو سورج کو مغرب سے نکال۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ (بقرہ:۲۵۸)

قبل از قیامت اللہ تعالیٰ سورج کو مغرب سے کیوں نکالیں گے؟

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ پاک قیامت سے پہلے پہلے سورج کو ایک مرتبہ مشرق کے بجائے مغرب سے نکالیں گے، جو قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، اس کا حدیث شریف میں ذکر ہے۔ (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ الانعام، باب قولہ: ھلم شھداء کم)، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخر اللہ پاک کو اس کی کیا ضرورت ہوئی؟ کیوں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائیت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتلائی کہ خدا وہ ہوتا ہے جو سورج کو مشرق سے بھی نکال سکتا ہے اور سورج کو مغرب پچھم سے بھی نکال سکتا ہے، اللہ پاک اپنے نبی کے اس جملے کی

لاج رکھ کر سورج کو قیامت سے پہلے ایک مرتبہ مغرب سے نکالیں گے، تاکہ اس کی خدائی کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو علامت ذکر کی، نبی کی سچائی کے لیے اللہ پاک قیامت سے پہلے پہلے سورج کو مغرب سے طلوع فرمائیں گے۔

سوال کا جواب دینے میں نبوی اسلوب

تو دوستو اور بزرگو!

انبیاء کرام علیہم السلام نے ہمیں سکھلایا کہ قوم کیا سوال کرے؟ اور آپ اس کا کیا جواب دیں؟ حضرت نوح علیہ السلام سے قوم کے لوگ کہنے لگے: اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اعراف: ۶۰) آپ گمراہی میں ہوں گے، جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ (اعراف: ۶۱) اسی طرح حضرت ھودؑ سے قوم کے لوگ کہنے لگے: اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝۶۶ (اعراف: ۶۶) ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم بے وقوفی میں مبتلا ہو، اور بیشک ہمارا گمان یہ ہے کہ تم ایک جھوٹے آدمی ہو۔ جواب میں حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝۶۷ (اعراف: ۶۷) اے میری قوم! مجھے کوئی بے وقوفی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ کتنے پیارے انداز میں سمجھا رہے ہیں اے میری قوم! سامنے قوم کافر ہے، اس سے پتہ چلا کہ ہم ہمارے ہندو بھائیوں کو کیوں دشمن کہیں، ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو ملک میں گڑبڑ پیدا کرنا چاہتی ہے، اکثریت وہ ہے جو اپنی روزی روٹی کے مسائل اور اپنی زندگی کے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں اور ہزاروں قسم کے مسائل ان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، ان کو کسی اور چیز کی کوئی پرواہ نہیں ہے، لیکن یہ اپنی حکومت کو باقی رکھنے کے لئے، اپنا دبدبہ باقی رکھنے کے لئے اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں، اب اگر اس موقع پر اپنی طرف سے ان کے سامنے ایسے جملے بولیں گے، پہلے سے جل رہا ہے اور آپ نے اس میں تیل ڈالا، بھائیو کوئی چیز بولنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ سوال کا جواب دینا ضروری ہوتا تو نبیوں سے سوال پوچھا جا رہا ہے، اللہ

تعالیٰ کے نبی جواب کا رخ موڑ رہے ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام نے سوال کیا يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ (بقرہ:۱۸۹) چاند کے متعلق؛ اللہ پاک نے فرمایا: قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (بقرہ:۱۸۹) وہ نماز کے اوقات اور دوسری تمہاری عبادتوں کے لئے ہیں، یعنی جو سوال پوچھا تھا، تمہیں اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں ضرورت ہے وہ دوسرا جواب ہے، اس طریقہ سے قرآن نے بتلایا کہ جب بھی کوئی سوال کرے، جب بھی کوئی ہمیں للکارے، تو ایسے موقع پر جوش میں آکر بولنا یہ سمجھ داری اور عقلمندی کی دلیل نہیں ہے، میڈیا میں بحث اور مناظرہ کا کوئی نہ کوئی ایشو کھڑا کر دیتے ہیں، اذان کا مسئلہ کچھ نہیں تھا، لیکن باقاعدہ ایک منظم سازش کے ذریعے اس قسم کی باتوں کو کھڑا کیا گیا، یہ کیوں؟ تاکہ مسلمانوں کی اینرجی اس قسم کے جوابات میں ہی ختم ہو جائے، لہذا ہمیں اثباتی کام کرنا ہوگا، آگے بڑھ کر اس ملک میں اپنی علمی ترقی، اپنی ٹیکنیکل، اپنی فیکٹریاں اور اپنے کاروبار کو آگے بڑھانا ہوگا، آدمی کے دل و دماغ پر ایسا فکر چھا جائے کہ اس کا ذہن منتشر ہو جائے، یہ بڑی سازش ہو رہی ہے، یہ کوئی پہلی چیز نہیں ہے، فرعون کا میڈیا بھی دنیا میں بہت طاقتور تھا، وہ اسی طرح کی حرکتیں کرتا تھا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے متعلق وہ اپنی قوم کو کہہ رہا ہے؛ یہ دونوں نوجوان اپنے جادو کے ذریعے تم کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور تمہاری زندگی کو ختم کرنا چاہتے ہیں، تمہارے دین کو لے لینا چاہتے ہیں، ایک طرف وہ ہے اور ایک طرف أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ (نازعات: ۲۴) کا دعویٰ دار اور پورا ملک مصر ہے، وہ خود کہہ رہا ہے کہ میں اس کا خود مالک ہوں، هٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي۔ (زخرف:۵۱) بڑی بڑی نہریں میرے نیچے بہہ رہی ہیں، اتنی طاقت اور گھمنڈ والا اور اس طریقے سے کہنے والا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دہشتگردی والا (Terrorist) جملہ بولا جاتا ہے، یہ جملہ فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام کے لیے استعمال کیا، لیکن اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کیا فرمایا؟

دوستو اور بزرگو!

ہم نے قرآن پڑھنا چھوڑ دیا، قرآن سمجھنا چھوڑ دیا، قرآن ہمارے لئے دستورِ حیات ہے، قرآن میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے (۲۵) نبی کا نام لے کر ان کے واقعات کا ذکر کیا گیا، مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (غافر:۷۸) پچیس کے نام اور تین نبی کے نام نہیں لئے، لیکن آیتوں کے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نبی تھے، یہاں حضرت یوشع بن نون مراد ہے، یہاں حضرت عزیر علیہ السلام مراد ہے اور یہاں حضرت حزقیل علیہ السلام مراد ہے، ان نبیوں میں سے پچیس نبیوں کا انتخاب فرما کر ان کی زندگی میں جو واقعات اور حالات پیش آئے ان کو الگ الگ طریقے سے قرآن نے ذکر کر کے ہمیں بتلایا ہے کہ تمہارے سامنے مختلف دور میں اس طرح کے حالات آئیں گے۔

حضرت موسی علیہ السلام نے سنجیدگی سے بہت ٹھنڈے دماغ سے بہت سوچ سمجھ کر فرعون کا جواب دیا، آج مسلمانوں کو ضرورت ہے جوش میں آنے سے بچنے کی، کوئی کہیں بھی کچھ بولے، عربی میں مثل مشہور ہے، **امر علی اللئیم یسبنی** میں گزر رہا ہوں ایک گالی دینے والے آدمی کے پاس سے، میں نے کہا شاید وہ مجھے گالی نہیں دے رہا ہوگا، کسی اور کو دے رہا ہوگا، تو ہم کیوں اپنے سر پر لے رہے ہیں، یہ تو اس طرح ہمیں چھیڑنا چاہتے ہیں، لیکن انبیاء کے واقعات اور وقت کا ظالم وجابر بادشاہ یہ جب موسی علیہ السلام سے پوچھ رہا ہے، سوال کر رہا ہے، حضرت موسی علیہ السلام عجیب وغریب اس کے جواب دے رہے ہیں، خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ آپ کے پاس جب عتبہ آیا، مشرکین مکہ نے دیکھا کہ آپ کے پاس روز بروز ایمان والے بڑھ رہے ہیں اور اب ہر گھر کے اندر ایک مسلمان ہے، ایک کافر ہے، اب کس طریقے سے مسئلہ کو حل کیا جائے؟ ابو جہل، ابولہب، ابوسفیان، شعبہ، ولید بن مغیرہ یہ جو بڑے بڑے سب بیٹھے، انہوں نے سوچا کہ کیا کیا جائے؟ مسئلہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے اور کیوں نہیں آرہا ہے؟ چالیس سال تک جس کی صداقت اور امانت پر بھروسہ کیا،

اب اس کو جادوگر کہیں، دل نہیں مان رہا ہے، لیکن پھر بھی شاعر کہا، کہیں مجنون کہا، کہیں کاہن کہا، یہ سب صرف الفاظ ہیں، اندر سے تو سب کچھ سمجھ رہے تھے، یہ سب بیکار بات ہے، تو اب مسئلہ کھڑا ہوا کہ دن بدن لوگ ایمان میں داخل ہو رہے ہیں اور عتبہ کو بھیجا کہ جاؤ! یہ صلح نامہ لیکر جاؤ، مال کی ضرورت ہو تو مال دے دو، شادی کی ضرورت ہو تو پہلے شادی کرا دو، سردار بننا ہو تو سردار بنا دیں، یہ سب موجود ہے، آپ نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا، جب وہ خاموش ہو گیا تو سورۂ حٰم سجدہ کی آیات پڑھنا شروع کی جب آپ ایک آیت فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ (فصلت:۱۳) پر پہونچے تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی حفاظت کرنی ہے

دوستو بزرگو!

ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی حفاظت کرنی ہے، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ کسی کے بچے کو اغوا کر لیا جاتا ہے، بچے کو اٹھا لیا جاتا ہے اور لمبی رقمیں مانگی جاتی ہے، تو اس پر کافی شور ہوتا ہے کہ فلاں کے بچے کو کڈ نیپ کر لیا گیا اور اس پر اتنی رقم مانگی گئی، یہ ہمارے بچوں کو ہمارے پاس سے لے کر ان کے ایمان کا اغوا کر رہے ہیں، ان کے ایمان کو ختم کر رہے ہیں، لیکن اس کے اوپر کوئی شور اور کوئی ہنگامہ نہیں ہوتا، برسوں پہلے اکبر الہ آبادی کی طرف سے کہا گیا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا	افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

فرعون اگر کالج قائم کر دیتا اور اس میں دہریت کی تعلیم دیتا، یہ اس کے کرنے کے کام تھے، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بچوں کو قتل کیا، قتل کر کے وہ دنیا میں بدنام ہوا، کالج کھول لیتا تو بدنام نہ ہوتا، کام وہی ہوتا جو بچوں کے قتل کا ہے، اس لئے اس وقت ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی حفاظت کرنی ہے۔

یہ حالات کچھ نئے نہیں ہے، قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور حالات

سارے کھول کر بتلا دیئے، اکیلے تن تنہا حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہے، لیکن آپ قوم سے اپنے والد سے صاف انداز میں دین کی دعوت دے رہے ہیں، اپنے والد محترم سے خطاب کرتے ہیں، قرآن میں اللہ پاک نے فرمایا ہے: یا ابتی، یا ابتی۔ بار بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے میٹھے اور اچھے محبت بھرے انداز میں اپنے والد محترم سے فرما رہے ہیں۔

دعوت کا کام امت مسلمہ کی اہم ذمہ داری

مجھے آپ سے اصل ایک دوسری بات ذکر کرنی ہے، اس وقت جو سب سے بڑا کام ہے جو امت نے چھوڑ دیا، اللہ پاک نے اس امت کو پیدا کیا ہے اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ لوگوں کے لئے ہے، اپنے لئے نہیں ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت بڑے تبلیغی مجمع میں بیان میں فرمایا کہ اگر مسلمان یہ سمجھے کہ ہم کاروبار کے لئے ہیں، ہم زراعت کے لئے ہیں، ہم کھیتی باڑی کے لئے ہیں، تو مکہ کے مشرکین میں سے ابوجہل نے کہا کہ ہم یہ سب کام تو کر رہے ہیں، پھر نئی امت کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کیا کر رہے ہیں کہ دوسروں کو آپ پیدا کر رہے ہیں، بات سمجھنے کی ہے، حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ مسلمان بھی اسی مقصد کے پیچھے چل رہا ہے، جس مقصد پر ابوجہل اور اس کی جماعت چل رہی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے امت کو پیدا کیوں کیا؟ اس کے لئے تو ہے نہیں، یعنی گویا اللہ پاک قیامت کے دن پوچھیں گے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی، اس کے لئے تو ہم نے ابوجہل کو پیدا کیا، تمہیں کس لئے پیدا کیا؟

تو دوستو بزرگو!

اس ملک میں آج بھی ابھی وقت گیا نہیں ہے، یہ سب سے بہترین دعوت کا وقت ہے، ہمارا اور ان کا تعلق چونکہ برسوں سے ۱۲۰۶ء عیسوی قطب الدین ایبک سے لے کر ۱۸۵۷ء تک بہادر شاہ ظفر تک۔ یہ پوری چھ سو سال سے اوپر کی ہماری بادشاہت کی تاریخ ہے، اس کو بگاڑ کر پیش کیا، اب جب ہم ان چیزوں میں الجھیں گے تو آپس میں جھگڑا ہوگا، اس کے بجائے

انفرادی طور پر کسی سے دوستی ہے، تعلق ہے، آپ ان کو توحید سمجھائیں۔

توحید کتنے اچھے انداز میں قرآن نے ہمیں بتلایا : یَاأَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ (حج:۷۳) اے لوگو! کان کھول کر سنو! ایک مثال بتلائی جاتی ہے، جن لوگوں کی اور جن چیزوں کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو. لَنْ یَخْلُقُوْا ذُبَابًا (حج:۷۳) وہ مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے، وَإِنْ یَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (حج:۷۳) اگر مکھی اس میٹھائی (پرشاد) کو اٹھاتی ہے تو اس بت میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اس کو ہٹائے۔

دوستو اور بزرگو!

ابھی ایک کتاب چھپی ہے سوامی سچی دانند کی، یہ آریا سماج میں سے ہے اور آریہ سماج میں شرک نہیں ہے، لیکن پھر بھی شرک ہو رہا ہے، بدھ مذہب میں خدائیت کا ہی تصور نہیں ہے، لیکن گوتم بدھ کو خود ہی خدا بنایا، اس لئے کہ یہ ملک ہی ایسا ہے، یہاں ہر چیز کی عبادت کی جاتی ہے، اس لئے مجھے جو آپ کو عرض کرنا ہے، سوامی جی نے سادہ انداز میں جو چیزیں لکھی ہے، مجھے آپ کو وہ بتلانی ہے، ہندو مذہب کا جو نوجوان طبقہ اسکول اور کالج میں پڑھتا ہے، یہ اندر سے جیسے ہمارے یہاں توحید میں گڑبڑ ہوتی ہے، ان کے یہاں شرک میں ہوتی ہے، انہوں نے بہت تفصیل سے لکھا ہے، ہر دور میں ایک نیا بھگوان پیدا کر رہے ہیں، یہ جملہ انہوں نے لکھا ہے، کسی تالاب کے کنارے پر تھوڑی تھوڑی مدت ایک اینٹ کھڑی کر دی جاتی ہے اور پھر ہم اس کو مانتے ہیں، آگے یہ لکھا کہ مسلمانوں کے یہاں مسجد میں اگر بیان ہوتا ہے تو صرف اللہ ہی کی تعریف اور اس کی بزرگی بیان ہوتی ہے اور ہمارے یہاں آنے والا اپنے گروسنت کی، اپنے بڑے کی جس کا یہ چیلا ہے تعریف کرتا ہے، اس دنیا میں بھگوان ہم پیدا کر رہے ہیں۔

انہوں نے عجیب وغریب چیزیں لکھی ہیں، ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک طرف ہم ان کو بھگوان مان رہے ہیں، دوسری طرف ان کی شادی کروا رہے ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں، یہ کیا کیا چیزیں ہو رہی ہیں، یہ چیز انہوں نے لکھی کہ یہ چیزیں آنے والی ہماری نئی نسلوں کو مطمئن نہیں

کرے گی، اس لئے انہوں نے آریہ سماج کی بنیاد پر کہا کہ ایک ہونا ہو تو اس ملک میں ایک بھگوان کو ماننا پڑے گا، یعنی بہت عجیب وغریب انداز میں یہ چیزیں لکھی ہیں، اصل تو اپنے ہندو مذہب کی حفاظت کے لئے یہ سب باتیں لکھی ہیں، اگر اس طرح ہے تو مذہب کامیاب نہیں، لیکن دوستو اور بزرگو! یہ تو ان کی بات ہے۔

دعوت دین

مجھے جو عرض کرنا ہے دعوت کا کام، ہمارے سامنے اتنا اچھا میدان کہ اب تک تو ہماری اور ان کی سیاسی کشمکش تھی، دعوتِ اسلام کی بنیادی ہسٹری ہی ہم نے کھودی اور جب ہم دوسری چیزوں میں الجھیں، تو اللہ پاک نے ان کو ہم پر مسلط کیا ہے، جب اصل مشن اور اصل ذمہ داری چھوڑ دیں گے تو بگاڑ پیدا ہوگا، اللہ پاک نے قرآن کریم میں صاف صاف فرمایا ہے کہ اگر تم اس دین پر قائم نہیں رہو گے، مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالی دوسری مخلوق کو پیدا کریں گے اور وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے، اللہ پاک کسی علاقے، حسب نسب کسی بھی چیز کا محتاج نہیں ہے، وہ دین کی کڑھن دیکھ رہے ہیں، اللہ کے بندوں کو جو بیچارے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، ان کو نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں، ہمارا یہ سب سے بنیادی موضوع ہے، اگر ہمارے نوجوان پڑھنے لکھنے والے قرآن وحدیث کو صحیح طریقے سے سمجھنے والے ہو جائیں، توحید کو کم از کم سمجھی جائے، قرآن نے فرمایا: مُتَشَاكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُل (زمر:۲۹) ایک آدمی کئی آدمیوں کا غلام ہے، مثال آپ سمجھتے ہیں، ایک آدمی کام کرتا ہے، دو گھنٹہ ان کے یہاں، دو گھنٹہ ان کے یہاں، ہمارے یہاں صاف صفائی کے لئے عورتیں آتی ہے، وہ دو چار گھروں میں کام کرتی ہے، یہاں بھی جھگڑا کہ تو دیر سے آئی، وہاں والے سے بھی جھگڑا کہ تو اتنی جلدی کیوں نہیں آئی، تو قرآن نے ہمیں سمجھایا کہ اگر ایک شخص ایک کا غلام ہو، اگر ایک کا کام کرتا ہو اور ایک وہ آدمی ہے جو کئی آدمیوں کے یہاں کام کرتا ہو؛ کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کتنا شاندار انداز میں سمجھایا۔

توحید سب سے بنیادی ضرورت

اللہ پاک فرماتے ہیں: جو ایک خدا کے در پر آئے اور جو در بدر بھٹک رہا ہو، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ مثالیں ہیں جو آسان، سادہ، نیچری اور فطری ہیں، جو قرآن کریم نے ہمیں سمجھایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں جا کر اپنے ساتھیوں کو دعوت دی، کیا ایک اللہ واحد القہار اس کی عبادت کی جائے یا مختلف لوگوں کو اپنا رب مانا جائے؟ سب کو راضی کرنے کی فکر کی جائے، یہ وہ سادہ، نیچری اور فطری مثالیں ہیں، جو آپ ایک سائنس پڑھنے والے بچے کو بتائیں گے اور سکھائیں گے، ہمارا تاجر اس کو روزی روٹی سے تو مطلب ہے، لیکن سامنے والے کی ہمدردی کر کے ایمان کی بات اچھے انداز میں کی جائے، گڑبڑ نہ کی جائے، لیکن اس کے لیے ایک مستقل ٹریننگ ہوتی ہے، قرآن پڑھیں گے اور قرآن سنیں گے، قرآن کریم نے ہمیں بتلایا کہ قرآن میں کس کس طریقہ سے نبیوں نے دعوت دی اور ہم بھی اس طریقے سے دعوت دیں، سب سے پہلے وہ چیز بتائیں جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو، توحید سب سے بنیادی ضرورت ہے، اس کی ہمیں زیادہ سے زیادہ حفاظت کرنے کی کوشش کرنی ہے، ہمارے ٹیچر حضرات اسکول کا جو نصاب ہوتا ہے، اس میں کوئی بھی چیز توحید کے خلاف نظر آئے تو وہ علمائے کرام سے پوچھیں، اور اپنے بچوں کو وہ چیز بتائیں جو قرآن وحدیث کے مطابق ہو۔

توحید سب سے بنیادی ضرورت ہے، اس کے اندر ہی گڑبڑ ہوتی ہے، ہم زیادہ سے زیادہ حفاظت کرنے کی کوشش کریں، ہمارے بچے کوڑی سلیٹ ہوتے ہیں، وہ اسکول مدرسہ میں آتے ہیں، وہ بیچارے کچھ نہیں جانتے، کوڑی سلیٹ پر آپ جو بھی لکھیں گے، وہ نقش ہو جائے گا، اس لیے ان بچوں کے ایمان کی حفاظت کروائیں، وہ غلط چیز لے کر آئیں تو اس کی طرف توجہ رکھو، اس لئے کہ ہم کو اس ملک کے سیکولر نظام میں توحید کی حفاظت کرنی ہے، میں نے آپ کے سامنے ایک آیت پڑھی، اسی پر میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں، میں نے قارون کے قصے کو ذکر کیا، میں علمائے کرام کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں، وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا

الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُوْنَ (قصص:۸۰) قارون اپنے تماشہ کے ساتھ اپنے جاہ وجلال کے ساتھ اپنی ساری مال ودولت اور جو کچھ ان کے بڑے بڑے گھوڑے ہوں گے، اونٹ ہوں گے، وہ سب کو لے کر نکلا۔ قرآن نے جملہ فرمایا: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِي زِيْنَتِهٖ (قصص:۷۹) اس وقت کے لوگوں نے کہا: يَالَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُوْنُ إِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (قصص:۷۹) یہ تو بڑے نصیب والا ہے، کاش ہمیں بھی ایسی مال ودولت ملے، یہ جملہ دنیا والوں نے کہا، قرآن فرمارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو علم دیا تھا ان لوگوں نے کہا: وَيْلَكُمْ کہ تمہاری ہلاکت ہے، تم جو سوچ رہے ہو یہ صحیح نہیں ہے، ثَوَابُ اللهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (قصص:۸۰) اللہ پاک کے یہاں تو ایمان لانے پر ثواب ملے گا، یہ ایمان قارون کی مال ودولت سے بڑھ کر ہے، آگے فرمایا ہے، وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُوْنَ (قصص:۸۰)

ایک عالم دین کی کیا سوچ ہو؟

یہ علمائے کرام کے لئے آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرق سمجھایا کہ ایک عالم لوگوں کو سمجھائے کہ بھائیو دوستو! ایمان کی دولت قیمتی دولت ہے، اللہ پاک نے دنیا دے کر بھی آدمی کونا کام کیا ہے اور دین دے کر کامیاب فرمایا ہے۔

اس کے واقعات ہمارے سامنے ہیں، اس لئے یہ آیت علماء کرام کو متوجہ کرتی ہے کہ ایک عالم کی کیا سوچ ہونی چاہیے؟ اور وہ ایسے ماحول میں کیا کہے اور کیا کرے؟ اس آیت کے ذریعے قرآن کریم نے بتلادیا: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ (قصص:۸۱) ہم نے قارون کو اس کے محل سمیت تباہ کیا، اور اس موقع پر کچھ دنیا دار لوگوں نے کہا کہ جو بات تم نے کہی تھی، وہی صحیح ہے، اگر ہم بھی اس پر چلتے تو تباہ ہوجاتے، دنیا بھی برباد ہوجاتی اور آخرت بھی برباد ہوجاتی۔

اس لئے علمائے کرام سے گزارش ہے کہ وہ ان حالات میں عوام الناس کی صحیح رہنمائی فرمائے اور ان کی تربیت فرمائے اور یہاں کا جو نظام چل رہا ہے جیسا کہ مولانا نے فرمایا؛ دوستو

بزرگو! سب سے قیمتی چیز اس وقت ایمان کی حفاظت ہے، اس لئے جو صاحب بھی یہ کام کر رہے ہیں، بیچارے اپاہج اور کمزور ہو چکے ہیں، اس کے باوجود ان کے اندر کا ایمان صحیح اور تندرست ہے۔ اللہ پاک جب کام لینا چاہتے ہیں تو بندے کی ظاہری حالت کو نہیں دیکھتے ہیں، وہ مسبب الاسباب ہے عَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (بقرہ:۲۱۶) ان حالات میں ایمان کی حفاظت کرتے رہنا ہے، اللہ پاک ان چیزوں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جب ان چیزوں کی قدر کریں گے تو: وَالَّذِينَ جَاهَدُوْا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (عنکبوت:۶۹) اور محنت کرنے والوں کو اللہ پاک کامیاب فرماتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۲۸) مذہب اسلام اور جدید سائنس

بمقام گارڈن مسجد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ و الْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ لَا إِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَکْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○

(سورۃ البقرۃ:۲۵۶)

یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا آمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِیْدًا ○ إِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ آمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ○ (سورۃ النساء:۱۳۶،۱۳۷)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ و الشَّاکِرِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جن آیتوں کی آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی ایمان

والوں کو ایمان پر مضبوطی سے باقی رہنے کا اعلان فرمارہے ہیں، ایمان والوں کو دعوت دی جارہی ہے، ایک مسلمان اور ایک مومن کو کن چیزوں پر ایمان لانا ہے، قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالی نے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا، دوسری ایک آیت آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی صاف فرماتے ہیں کہ دین کے معاملے میں کسی پر زبردستی نہیں ہے، جس کو اللہ پاک ایمان اور ہدایت کی توفیق سے نوازے، یہ کامیاب ہے، اس نے مضبوط کڑے کو پکڑلیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا، یہ گمراہ ہوگیا۔

دوستو اور بزرگو!

یہ دونوں آیتیں اس وقت تلاوت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح چند دنوں سے آپ سن رہے ہیں، مومن اور مسلمان نام والا انگلش ٹی وی پر یہ پروگرام رکھ رہا ہے اور فتوے کا عنوان اسے دیا جاتا ہے اور اس کے ماتحت قرآن اور حدیث کی ایسی تفسیر کی جارہی ہے جو -نعوذ باللہ- نہ اللہ پاک کے یہاں مقصود ہے اور نہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اس کی تفسیر فرمائی ہے۔

مسلمانوں میں بددین کیسے پیدا ہوتے ہیں؟

دوستو اور بزرگو!

ایسے لوگ تھوڑی تھوڑی مدت پر ہر زمانے میں اور ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی منافقین کی ایک تعداد تھی، بعد میں بھی اس طریقے سے ہوا، لیکن آج کا زمانہ چونکہ میڈیا (Media) کا ہے، ایک چیز آپ نے ابھی یہاں کہی، منٹوں میں وہ دنیا کے مختلف حصوں میں پہنچ جاتی ہے، اس لئے اس پروپیگنڈے کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جاتا ہے، ہمیں اس وقت یہ گفتگو کرنی ہے کہ مسلمان نام رکھنے والا اور ایک مدت تک اپنے آپ کو کمیونسٹ نظام کا تابع رکھنے والا، پھر اس کے بعد ایک دینی جماعت سے وابستہ ہونے والا، سعودی عربیہ میں دس سال جس نے گزارے، پھر کینیڈا اور پھر ہندوستان واپسی ہورہی ہے اور وہ یہاں آکر اس طرح کی باتیں کررہا ہے، آخر ایک مسلمان گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اس طریقے سے یہ چیز

کیسے کرسکتا ہے؟ جب ہم اس پر غور وفکر کرتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ پہلی چیز جو سب سے بنیادی ہے یہ اولاد کو دینی تعلیم کی صحیح باتیں بتلائیں، اس کے لئے بنیادی طور پر ہمارے یہاں مدرسوں کا، مکتب کا بچوں کو تعلیم دینے کا جو نظام ہے، اس کو مضبوط کریں، اس کے ساتھ ماں باپ اپنی اولاد کی نگرانی کریں۔ یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَکُمْ وَأَهْلِیْکُمْ نَارًا (تحریم: ۶) اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اگر چھوٹا بچہ آگ کی طرف جارہا ہے، یا گیس کا چولہا جل رہا ہے یا کوئی الیکٹرک کی چیز ہے اور بچہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے تو ماں باپ دوڑتے ہوئے اس کو پکڑ لیتے ہیں کہ کہیں بچے کو جسمانی نقصان نہ ہوجائے۔

دوستو اور بزرگو!

اس کا ہمیشہ کی آخرت کا نقصان یہ ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کا نافرمان بن کر زندگی بسر کرے اور آخرت کی ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں اللہ پاک کی طرف سے عذاب اور تکلیف ہو، یہ کیسے برداشت ہوسکتا ہے؟ اس لئے سب سے بنیادی چیز اس کی دین کی تعلیم گھر میں بھی ہو اور مدرسے کا انتظام کیا جائے، دوسری چیز اس وقت دنیا میں جو نظام اور نصاب اسکولوں اور اس سے آگے بڑھ کر کالجوں میں سکھلایا جاتا ہے، جس کو نام دیا جاتا ہے سیکولرزم کا، کسی مذہب کی تعلیم نہیں، بلکہ روزی روٹی کمانے کے لئے بچوں کو اسکول اور کالج میں بھیجا جاتا ہے، اسلام اس سے بھی منع نہیں فرماتا، یورپ کا یہ تعلیمی نظام تو گزشتہ دوسو سال سے آیا ہے، چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں بلکہ آپ سن چکے ہیں سب سے پہلے آیت اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ کے ذریعے شروع فرمائی، لیکن وہ تعلیم اگر مال سے جوڑنے والی ہے، محض تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں ہے، تو یہی دنیا اس وقت فساد اور تباہی مچارہی ہے اور کون مچارہا ہے؟

اخلاق حسنہ وقت کی اہم ضرورت

دنیوی تعلیم پانے والے، بہترین انجینئرنگ کالج میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہونے والے، میڈیکل سائنس میں اعلی نمبروں سے کامیاب ہونے والے، وہی ایٹم بم بنارہے ہیں، کوئی نیوکلیئر

بنا رہا ہے، وہ بھی انسان کی تباہی کا؛ وہی دماغ ہے جس نے اس سیکولر نظام میں تعلیم پانے کے بعد اپنے مفاد کے لئے اپنے مقصد کے لئے یہ چیزیں تلاش کیں، اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو اس وقت یورپ کا نظام ہے، جس نے انسانوں کو پریشان کر رکھا ہے، یقیناً روزی روٹی اور اعلیٰ نوکریاں اور ڈگریاں مل جائے، ہم اس کو منع نہیں کرتے ہیں، لیکن یہ کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ اخلاق اور اعلیٰ صفات اور Carecter کی ضرورت ہے، اور یہ چیزیں جس نے سب سے زیادہ دی ہے وہ جناب نبی اکرم ﷺ ہیں، آپ اس کو لے کر آئے، آپ نے ارشاد فرمایا: إنما بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ. (مجمع الزوائد: ۱۸/۹، باب ماجاء في حسن خلقه) میں اس لئے آیا ہوں تاکہ اخلاق کو مکمل کروں، یعنی دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام اور دنیا کے اچھے اور شریف لوگ بھی اخلاقی باتیں کرتے ہیں، لیکن یہ اخلاق کے متعلق جتنی گفتگو کرتے ہیں یہ ادھوری ہے، اللہ پاک نے مجھے اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں اس کو مکمل کروں اور یہ محض آپ ﷺ کا دعویٰ نہیں تھا، احادیث مبارکہ بھری پڑی ہیں، آپ ﷺ نے پرائیویٹ لائف سے لے کر سوشل لائف (Social Life) تک، ایک انسان کی اپنی نجی زندگی سے لے کر اس کا سماج اور سوسائٹی اور اخلاقیات کے اعتبار سے جہاں جہاں جس جس اعتبار سے واسطہ پڑتا ہے، ان تمام چیزوں کو بہت تفصیل سے ذکر فرمایا۔

سائنس پڑھنے والے طلباء اپنے اسلامی عقائد پر قائم رہیں

اس لئے میرا کہنا یہ ہے کہ جو اس وقت دنیوی تعلیم دی جارہی ہے، اگر ہمارا بچہ دینی تعلیم سے واقف نہیں ہے تو جو یہ سسٹم پڑھائی جارہی ہے اور سسٹم کے ساتھ کچھ نظریہ تو سائنسی نظریات پر مشتمل ہے، آپ کو آگے بڑھنا ہے تو نعوذ باللہ اس دنیا کا خالق اور مالک نہیں، ڈارون کا نظریہ جاننا ضروری ہے، آئیزک نیوٹن کا نظریہ جاننا ضروری ہے کہ سیب اوپر سے نیچے گرتا ہے، اوپر کیوں نہیں جارہا ہے؟ اور اس کی بنیاد پر جو کشش کا نظریہ قائم ہے، اسی طریقے سے ڈارون کا نظریہ ہے، اس وقت اسکول اور کالج کا نصاب اور ان کا جو پورا ابھیاس کرم اور ان کا

دَرستی کون (Vision Angle) اور نظریہ ہے، یہ سائنسی دنیا میں طالب علم کو پڑھنا ہے تو یہ بات کھل جاتی ہے کہ خدا کے وجود کا انکار کرو، کسی بھی چیز کو پہلے سے موجود مان کر سائنس میں آپ آگے نہیں بڑھ سکتے، یہ تقلید ہوگی، یہ اندھا پن ہوگا، اس وجہ سے سائنس میں سب سے پہلے اصول یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو نیوٹل کرو، کوئی سوچ دماغ میں نہ رکھیں، مذہب کے اعتبار سے اور نیوٹل ہوکر آپ سوچیں گے کہ دنیا کا نظام کس طریقے سے چل رہا ہے تو آپ سائنس میں ترقی کر سکتے ہیں، یہ بنیادی بات اس لئے آئی کہ اس کے پیچھے ایک لمبی چوڑی تاریخ ہے، جو طارق فتح اور تسلیمہ نسرین، عارف محمد خان اور سلمان رشدی جیسے اس قسم کے لوگ اس امت میں سے اپنا اسلامی نام رکھنے کے بعد کیسے وجود میں آتے ہیں؟ کہاں جا کر وہ گرتے ہیں اور کن بنیادوں پر بگڑتے ہیں؟ آخر وہ کون سی کمی ہوتی ہے، اس مسلم گھرانے اور سوسائٹی میں؟ کس طریقے سے وہ اس کو لے لیتا ہے؟ اور پھر اس کے بعد اس طرح کے نظریات قائم ہوتے ہیں، اس لئے ہمارے لیے بڑی سوچنے کی چیز ہے، اس کو اسلامی عقائد سکھلائیں۔

عیسائی مذہب میں بگاڑ کیسے پیدا ہوا؟

دوستو اور بزرگو!

بات یہ ہوئی کہ عیسائی مذہب جب تک ایشیا میں تھا، وہاں تک اس مذہب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیمات کے ساتھ شرک بھی کم آیا تھا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے تین سو سال پہلے روم میں ''قوستون ٹینوپول (قسطنطینی) نامی ایک راجہ گزرا ہے اور اس نے سب سے پہلے عیسائی مذہب کو قبول کیا، ہمارا ترکی کا بڑا شہر قسطنطنیہ اسی کے نام سے ہے، اس لئے ترکی بھی اس زمانے میں رومن امپائر کا ایک حصہ تھا، لیکن یورپ کے لوگ عیسائی مذہب میں کیسے آئے؟ اس کے لئے انہوں نے بنیادی طور پر - نعوذ باللہ - سب سے پہلے یہ عقیدہ وضع کیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ پاک کے بیٹے ہیں، کیوں ایسا کرنا پڑا؟ اس لئے کہ اس وقت کی رومن قوم جو بت پرست اور شرک والی تھی، اس کے یہاں ''اپولو'' نام کا ایک معبود تھا اور

انہوں نے اس کو خدا کا بیٹا قرار دیا، عیسائیوں نے کہا کہ جب عیسائی مذہب کو وہاں پھیلانا ہے تو یہ اچھا طریقہ ہے کہ ہم بھی کسی کو خدا کا بیٹا مانیں، لیکن اپنے ہی مذہب میں سے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی خدا کا بیٹا قرار دیا۔

یہ پوری لمبی داستان ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عیسائی مذہب میں شرک کی ملاوٹ سے ہوگئی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے قرآن کریم نے اس عقیدے کو بار بار ذکر فرمایا، لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوا إِنَّ اللهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (مائدہ:۱۷) کسی جگہ پر عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانا، کسی جگہ پر فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ط (نساء:۱۷۱) قرآن یہ فرمارہا ہے کہ Three in one اور ایک خدا میں تین حصے نہ مانو، یہ بھی عیسائیوں کے سارے عقیدے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے یورپ میں عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے انہوں نے ملاوٹ کر دیئے اور اس طرح عیسائی مذہب کو بگاڑا، اب یہ مذہب وہ نہیں تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، اتفاق کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے بعد مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی، اسپین تک، پورتوگل، ہنگری تک مسلمانوں نے اسلامی حکومت ترکی سلاطین کے ذریعے قائم کی، وہاں تک دنیا میں کوئی تکلیف اور کوئی پریشانی سائنس اور ٹیکنالوجی سے نہیں ہوئی، جس درجہ کی بھی سائنس تھی، دنیا میں کوئی فساد نہیں مچا، اس لئے کہ اس سائنس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، اور خدائی عقیدے کی بنیاد پر سائنس چلتا تھا کہ یہ پوری کائنات اللہ پاک نے بنائی ہے، اللہ پاک نے خود فرمایا ہے: وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (آل عمران:۱۹۱) آسمان و زمین میں غور و فکر کرنے والے اللہ کے نیک اور صالح بندے ہوتے ہیں، لیکن کیا مقصد ہوتا ہے؟ اس پوری کائنات کی تحقیق اور ریسرچ کرنے کے بعد ان کی زبان سے یہ نکلنا چاہئے: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران:۱۹۱) کہ اے ہمارے پروردگار! اس پوری کائنات میں جو آپ نے اتنا بڑا آسمان اور زمین کا نظام بنایا ہے، یہ پورا نظام دیکھ کر ہمیں یہ لگ

رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو بیکار پیدا نہیں فرمایا، اس کے پیچھے کوئی مقصد ہے اور یہ مقصد اللہ پاک نے قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں بیان فرمایا۔

مسلمان سائنس دانوں کی بنیاد پر یورپ میں ترقی

تو بات یہ ہے کہ یہ سائنس جب تک مسلمانوں کے پاس رہی، وہاں تک کوئی پریشانی نہیں تھی، جب تک عربوں کے ہاتھ میں حکومت رہی، وہاں تک یہ سائنس اور سائنسی علوم مسلمانوں کے قبضے میں رہے، ترکی سلاطین آئے، اللہ پاک نے انہیں فوجی اور بہادر بنایا، لیکن عربوں جیسا علم کے ساتھ ان کا رشتہ نہیں تھا، جس کی نسبت سے ترکی سلاطین کے زمانے میں سائنس مسلمانوں کے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ نکلتی گئی اور یورپ والوں نے اسپین کے مسلمانوں سے جو سائنس کا علم لیا تھا اب وہ اس کو عام کرنے لگے، اس موقع پر یہ جو ٹرننگ پوائنٹ(Turning Point) آئے، مجھے آپ کو بتانا ہے کہ اس موقع پر یہ ہوا کہ ایک طرف اسلام کی بنیاد پر یورپ میں ترقی ہو رہی تھی، نئے نئے سائنسی نظریات بیان کئے جارہے تھے، لیکن عیسائی مذہب جو اصل مذہب نہیں تھا، جس میں یونان کا شرک آچکا تھا، دیوی دیوتاؤں کی قصہ کہانیوں کی باتیں آچکی تھیں، ان کے چرچ والے اور پادریوں کے پاس وہ صحیح علم نہیں تھا، جس کی بنیاد پر جب سائنس نے ترقی کی، ان کو یہ لگا کہ یہ سائنس کی ترقی ہمارے مشرکانہ عقائد کے خلاف ہے اور لوگ ہمارے مذہب سے دور ہو جائیں گے، ان کو ڈر محسوس ہوا، یورپ کے چرچ کو کہ اگر یہ مذہب پھیلے گا تو سائنس اور ٹیکنالوجی سے ہمیں نقصان ہوگا، اس کے لئے کیا کیا جائے؟ انہوں نے سائنٹسٹوں پر ظلم اور زیادتی کی۔

سائنسدانوں نے مذہب کو اپنی زندگی سے کیوں نکالا؟

دوسری بات یہ تھی کہ یورپ کی اتنے سالوں سے مسلمانوں کے ساتھ صلیبی جنگیں چل رہی تھیں، لیکن ان کو اسلام کے متعلق کوئی چیز معلوم نہیں تھی، حتیٰ کہ ۱۴۳۰ء عیسوی میں سب سے پہلے فرانسسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ ہوا، اس کے بعد سولہویں صدی میں انگریزی زبان

میں قرآن کریم کا ترجمہ ہوا، اس سے پہلے تو ان کو اسلام کے متعلق معلومات نہیں تھی، اسلام سے دوری تھی اور صلاح الدین ایوبی نے شکست دے دی تھی، اس بنیاد پر اپنے عوام کو مسلمانوں کے خلاف بھکاتے تھے کہ یہ ظالم ہوتے ہیں، اس طرح مستقل تحریک مسلمانوں کے خلاف چلائی، اس لئے جس وقت سائنس ترقی کر رہی تھی اور عیسائی مذہب فیل ہو چکا تھا، ایسے موقع پر اگر یورپ میں اسلام ہوتا تو آج یہ برا دن یورپ کو نصیب نہ ہوتا، لیکن بات یہ ہوئی کہ اسلام سے پہلے سے ان کو دشمنی تھی، اس بنیاد پر سائنٹسٹ لوگوں کو اسلام سمجھنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی، انہوں نے سمجھا کہ جیسے عیسائی مذہب ہمارا مخالف ہے، اسلام بھی ایک مذہب ہے، اس لئے وہ ہمارے بھی مخالف ہو گئے، اس لئے سائنسدانوں نے یہ کہا کہ مذہب ہی کو زندگی سے نکال دو۔

یہودیوں کی شرارت

دوسری طرف اس میں یہودیوں کی ایک بہت بڑی شرارت بھی تھی، وہ چاہ رہے تھے کہ عیسائی مذہب کو بالکل ختم کر دیں، اس مذہب پر انہوں نے بارہا حملہ کیا، جب پورے یورپ سے عیسائی مذہب کو ختم کر دیا، تو پھر وہ اسلامی دنیا کی طرف آئے، یہاں قرآن کریم محفوظ ہے، احادیث مبارکہ محفوظ ہے، اسلامی فقہ اور جناب نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ پوری ہمارے پاس محفوظ ہے، اس لئے کسی مسلمان کو ورغلانا آسان نہیں ہے، إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر:۹) جس چیز کی حفاظت کا اللہ پاک نے وعدہ کیا ہو، اور ظاہر میں اللہ پاک نے جس کا انتظام بھی کر دیا ہو، قرآن کی تفصیل کے لئے مفسرین آئے، ائمہ مجتہدین آئے، جنہوں نے جو مسائل آئے ان کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی۔

عیسائیت اور سائنسدانوں میں نظریاتی ٹکراؤ

مسلمانوں کے زوال کے بعد جب یورپ میں جدید تحقیق کا کام شروع ہوا، تو ''مسیحی علوم'' کی غلطی واضح ہونے لگی، جدید علماء نے فلکیات، جغرافیہ اور طبیعیات سے متعلق اپنی تحقیقات شائع کیں تو مذہبی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی، مسیحی چرچ نے اولاً ان علماء کی بے دینی کے فتوے

دیئے، جب اس سے لوگوں کی زبانیں بند نہیں ہوئیں تو پوپ کے حکم خاص سے احتساب کی عدالت (Inquisition) قائم ہوئی، اندازہ ہے کہ تقریباً تین لاکھ آدمیوں کو مسیحی احتساب کی عدالت میں کھڑا ہونا پڑا، ان کو سخت سزائیں دی گئیں، تقریباً ۳۰؍ ہزار آدمیوں کو زندہ جلایا گیا، ان سزایافتگاں میں گلیلیو اور برونو (Brunoe) جیسے لوگ بھی شامل تھے۔

اس کے نتیجہ میں چرچ اور سائنس کے درمیان جنگ شروع ہوئی جو بالآخر علم اور مذہب کی جنگ بن گئی، مفروضہ مقدس عقائد پر بے جا اصرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں یہ خیال عام ہوگیا کہ علم اور مذہب دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک کی ترقی دوسرے کے لئے موت کا حکم رکھتی ہے، قرآن کریم کے مطابق علم اللہ تعالی سے قریب کرنے والی چیز ہے (فاطر:۲۸) مگر مسیحی تحریفات کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم لوگوں کو اللہ تعالی سے دور کرنے والا بن گیا۔

علم اور مذہب کا یہ تصادم تقریباً دوسو برس تک جاری رہا، یہاں تک کہ ۱۸۵۹ء میں چالس ڈارون نے اپنی کتاب (Origin of Species) شائع کی، چرچ نے اس کی زبردست مخالفت کی، مگر اب چرچ کا زور گھٹ چکا تھا، بالآخر دونوں کے درمیان (Secularism) کی صورت میں سمجھوتہ ہوگیا، مذہب اور علم کے دائرے ایک دوسرے سے الگ کردیئے گئے، مذہب کو شخصی دائرہ کی چیز قرار دے کر بقیہ تمام شعبوں میں انسان کے لئے آزادی کا حق تسلیم کرلیا گیا کہ وہ جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے اپنی تحقیق چلائے۔

عیسائیت اور سائنسدانوں میں سمجھوتہ

تاہم یہ علیحدگی محض علم اور مذہب کی علیحدگی نہ تھی، بلکہ یہ زندگی اور مذہب کی علیحدگی تھی، چرچ نے یہ نہیں کیا کہ جن غیر آسمانی افکار وخیالات کو اس نے اپنے مذہب میں شامل کیا تھا، ان کو وہ اپنے مذہب سے خارج کردے، ان کی ساری نامعقولیت کے باوجود وہ ان کو اپنے مذہب کا جزء بنائے رہا، ایسی حالت میں مذہب کو شخصی دائرہ میں جگہ ملنا بھی ناممکن تھا، کیوں کہ آدمی ایک سوچنے سمجھنے والی مخلوق ہے، جس چیز کی معنویت آدمی کے اوپر واضح نہ ہو اس کو وہ

شخصی طور پر بھی اپنی زندگی کا جزء نہیں بنا سکتا، اس تقسیم کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ مذہب زندگی کا صرف ایک رسمی ضمیمہ بن جائے، وہ کسی کی زندگی میں حقیقی طور پر شامل نہ ہو سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ خدا نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے (الاحزاب: ۴) یعنی یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے کہ دو غیر ہم آہنگ فکر یکساں قوت کے ساتھ ایک آدمی کے ذہن میں جمع ہوں، جو چیز علمی اور فکری معیار پر پوری نہ اترے وہ کسی شخص کی زندگی کا ایک غیر مؤثر ضمیمہ تو بن سکتی ہے؛ مگر وہ ایک زندہ عنصر کی حیثیت سے کبھی اس کی زندگی میں جگہ نہیں پا سکتی، مذہب کو شخصی طور پر باقی رکھنے کے لئے بھی اس کا مطابق عقل ہونا ضروری ہے، جو مذہب عقل کے مطابق نہ ہو وہ شخصی سطح پر بھی اپنے وجود کو باقی رکھنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔

عصر حاضر کے سائنسدانوں کی غلطی (خدا بیزاری)

دور حاضر کا مغربی سائنس داں کائنات کو اس کے خالق کی صفات کے علم کے بغیر اپنے مشاہدات کے بل بوتے پر سمجھنا چاہتا ہے اور اپنی تحقیقات کے دوران میں اس بات سے قطع نظر کرتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے، اور اس کی صفات خالقیت و ربوبیت ہر چیز کی ماہیت کو معین کرتی ہیں، وہ نہیں سمجھتا کہ خدا کی صفات کو کائنات سے الگ کرنے کے بعد اس کا سچا سائنسی مشاہدہ اور مطالعہ ممکن نہیں، وہ نہیں جانتا کہ کپڑے کا جو تعلق کپڑے کے تار اور پودے سے ہے وہی کائنات کا تعلق خدا کی صفات سے ہے۔

آج بد قسمتی سے اس کا مسلمان نقال بھی ایسا ہی کر رہا ہے، اس کو بھی اپنے مغربی استاذ کی راہ نمائی میں مظاہر قدرت (جو سائنسداں کے مشاہدہ اور مطالعہ کا موضوع ہیں) کے اندر خدا کا نشان نہیں ملتا، حالانکہ اسے بتایا گیا تھا کہ مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات خا لقیت، ربوبیت، کارسازی، حکمت اور قدرت سمائی ہوئی ہیں۔ اور اگر مظاہر قدرت کی کوئی حیثیت ہے تو یہی ہے کہ وہ آیات اللہ ہیں، ان کی ابتداء اور انتہاء خدا ہے اور ان کا ظاہر اور باطن خدا ہے۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن (حدید: ۳) یعنی خدا ہی اس کائنات کی ابتداء وانتہاء اور ظاہر و باطن ہے)

خدا بیزاری ہی موجودہ تمام مصائب کی وجہ

عیسائی مغرب کا خدا کے عقیدہ کو سائنس سے خارج کر دینا عالم انسانیت کا ایک نہایت ہی اہم المناک حادثہ ہے، جو بظاہر نہایت ہی خاموش، پر امن اور بے ضرر تھا، لیکن نوع انسانی کی بے شمار قدیم وجدید مصیبتیں، بدبختیاں اور تباہیاں ایسی ہیں کہ اگر ان کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا آخری اور بنیادی سبب یہی حادثہ نکلتا ہے، اسی وجہ سے نوع انسانی ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے اور ہر ٹکڑے نے اپنا نسلی، لسانی، ثقافتی اور جغرافیائی بت پوجنے کے لئے کھڑا کر لیا ہے، اسی وجہ سے قوموں کی زندگی باہمی رقابتوں اور مسابقتوں کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے، اسی کی وجہ سے استعمار پرستی اور ان کی ملحقہ برائیاں انسانوں پر مسلط ہوتی رہی ہیں، اسی کی وجہ سے انسانیت دو ہولناک عالمگیر جنگوں کی تباہ کاریوں کا سامنا کر چکی ہے اور تیسری عالمگیر جنگ کے خطرے سے دو چار ہے، اسی کی وجہ سے اشتراکیت کا خوفناک فتنہ کھڑا ہوا تھا، اسی کی وجہ سے دنیا بھر میں جنسی بے راہ روی، اخلاقی گراوٹ اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی جرم پسندی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، اسی کی وجہ سے دنیا بھر کے ملکوں میں خودکشی کرنے والوں اور دماغی ہسپتالوں میں داخل ہونے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے، اسی نے علم کی تقدیس کو ختم کر کے اسے محض مادی منفعت طلبی کا ایک آلہ بنا دیا ہے، اسی کی وجہ سے طالب علموں کے دلوں سے پروفیسروں اور استادوں کا احترام رخصت ہو گیا ہے اور تعلیمی اداروں کے ضبط اور نظم کا سلسلہ ٹوٹ کر رہ گیا ہے، اسی کی وجہ سے مادی اور حیاتیاتی سائنس کی ترقی کی رفتار متواتر سست ہوتی گئی ہے اور نفسیاتی اور انسانی سائنسوں کی ترقی مدت سے رکی پڑی ہے، اور اسی وجہ سے مذاہب کے درمیان کی خلیجیں سمٹنے کے بجائے اور وسیع ہوتی جا رہی ہیں۔

دوستو اور بزرگو!

یہ چیز وہ اسلام کے متعلق بھی سمجھ لیں، اب جب ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو بچپن سے ہی دین کی تعلیم نہیں ملتی، قرآن اور حدیث شریف کو وہ صحیح نہیں سمجھتا ہے، جب وہ میڈیکل سائنس

(Medical Science) یا پولیٹیکل سائنس (Political Science) میں جاتا ہے اور وہاں اس قسم کے نظریے سے گفتگو ہوتی ہے اور خدا اور رسول سے ہمارے طالب علم کا تعلق بہت کمزور ہوتا ہے، اسلامی عقائد کو جانتا نہیں، صبح سے شام تک اس کا برین واش کیا جاتا ہے، اس بنیاد پر اس کے عقیدے کمزور پڑ جاتے ہیں اور قرآن کریم، خدا اور رسول کے متعلق بھی ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو غیر مسلم بھی نہ کرے، آپ سن چکے ہیں کہ طارق فتح نے ہندوستان میں آکر جی نیوز ٹی وی (Zee News) پر جو جملے کہے، اللہ پاک کا تعارف کروایا کہ آسمان پر نعوذ باللہ خدا بیٹھا ہے، اس کا اس طرح کا تعارف ایک مومن کی ذات سے تصور ہو ہی نہیں سکتا، اس طریقہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ یہودیوں کا قاتل کہنا جبکہ یہودیوں نے آج تک یہ چیز نہیں کہی ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے معاملے میں جو فرمایا: ہندوستان کے ایک لکھنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھ رہے ہیں، ڈاکٹر تاراچند اور پنڈت سندرلال یہ غیر مسلم ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق صاف لکھ رہے ہیں کہ یہودیوں کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، یہ ان کی تورات کے مطابق تھا اور انہوں نے ہی مسلمانوں کے ساتھ جتنے وعدے کئے اور معاہدے کئے تھے، سب کو توڑ دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنایا ہوا مشترکہ نظام

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے، سب سے پہلے کام آپ نے یہ فرمایا کہ مدینہ کو جس میں تین قسم کے لوگ رہتے تھے؛ انصار جو مدینہ کے (اوس اور خزرج) اصلی باشندے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ابھی ایمان نہیں لائے، بعد میں یہ منافق ہوئے اور پھر اللہ تعالی نے ان میں سے کچھ کو ایمان کی توفیق بھی دی اور تیسری جماعت وہ یہودی جماعت جو مدینہ منورہ میں تھی، اس طرح تین قسم کے لوگ مدینہ منورہ میں آباد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد ایک معاہدہ قائم فرمایا کہ کوئی بستی پر حملہ کرے گا تو ہم تینوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے، پھر یہودیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اس کو ذکر کیا،

منافقین جواب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اوس قبیلے کے کیا حقوق ہیں؟ اور خزرج قبیلے کے کیا حقوق ہیں؟ اور انصار جو مسلمان تھے اور مہاجرین جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، سب کے حقوق بتلا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مشترکہ نظام قائم کیا، اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری چیزیں بتلائی، لیکن یہودیوں نے مسلسل چھ سال تک معاہدہ کی خلاف ورزی کی، بدر میں، احد میں، خندق میں کی، بیچ میں بہت سارے مسائل ہوئے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پتھر گرانے گئے، آپ کو زہر دیا گیا اور صحابہ کو کیسے ستایا گیا، حدیث شریف اور تفسیر کی کتابوں میں یہ باتیں موجود ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو برداشت کیا۔

ایک یہودی مؤرخ خود لکھتا ہے کہ یہودیوں کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں سب سے زیادہ اگر ان کو سکون ملا ہے تو مسلمانوں کے دور حکومت میں سکون ملا ہے، اسپین میں مسلمانوں کی حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر یہودی فائز تھے، اس کے علاوہ ملکوں میں بھی یہودی قوم کے ساتھ مسلمانوں نے رواداری کا سلوک کیا، لیکن اس کے بعد بھی اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا اس طرح کی باتیں لکھ رہا ہے۔

شہرت اور لالچ کی نحوست

دوستو اور بزرگو! اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی صحیح تعلیم نہیں ہوئی، لیکن دوسری بھی ایک چیز ہے روپے پیسے کی لالچ اور ایک ہے شہرت، اپنے آپ کی پبلسٹی، Publicity اپنے آپ کی تشہیر کروانا، یہ طارق بھی مسلسل دس سال سعودی عربیہ میں رہا ہے، طارق فتح نے یقیناً سعودی کے اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہاں کے عقیدے اور ایمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور خود پاکستان میں رہا ہے، کینیڈا میں رہا، آپ کو تعجب ہوگا کہ یورپ میں جتنا اسلام مضبوط ہے، یورپ کے ملکوں میں ہمارے یہاں نماز کے وقت پانچ فیصد لوگ نمازی ہوتے ہیں، لیکن ہم نے یورپ میں انگلینڈ میں اور دوسرے ملکوں میں دیکھا کہ نماز کے وقت ہماری برادری ساری کی ساری مسجد میں ہوتی ہے، مرد کو نہ آنا ہو تو گھر کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ گھر سے تو نکل ہی

جانا پڑتا ہے، اتنا شاندار ماحول اس لئے ہے کہ وہاں مسلمان اپنے ایمان کی حفاظت میں اپنی محنت سے آگے بڑھ کر کرتے ہیں، انہوں نے عصر بعد اور مغرب بعد مکتب قائم کئے، اگر ہمارے یہاں حکومت اسکول کا نظام بدل دے، بہت افسوس ہے کہ شاید ہی ہمارے یہاں مغرب بعد مدرسہ چلے، لیکن انگلینڈ کے مسلمانوں نے مغرب بعد مدرسہ چلایا، یورپ کے ملکوں میں عشاء کے بعد بھی مدرسے چلتے ہیں، امریکہ میں، یہی حال نیوزی لینڈ، کینیڈا میں؛ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہاں اس طریقہ سے نہیں رہیں گے تو ہمارے عقائد بگڑ جائیں گے، ہماری آنے والی نسلوں کا کیا ہوگا؟

دوستو اور بزرگو!

اس لئے اس پورے واقعے میں ہمیں یہ عبرت ملتی ہے کہ شہرت اور مال کی لالچ کا ان دونوں چیزوں کا تو کوئی علاج نہیں ہے، شیطان کو بھی اسی نے پھنسایا ہے، اس کا تو ہم کوئی علاج نہیں بتلا سکتے، لیکن شہرت اور مال کی لالچ بھی کیسی ہو؟ اللہ پاک کی ذات عالی کے خلاف بغاوت کرنا ہو، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو غلط انداز میں پیش کرنا، جبکہ یہ جانتا ہے کہ آج کی دنیا جاہل نہیں ہے، اللہ کے نبی ﷺ کی سیرت پر انگلش میں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں بہترین لکھنے والوں نے لکھا اور وہ اسکالر یورپ کے لکھنے والے، کبھی ہندوستان میں، کبھی پڑوسی ملک اور اس طریقہ سے راجستھان کے کچھ ہندو نوجوان لڑکوں نے آپ ﷺ کی سیرت پر کام کیا ہے اور انہوں نے ہندی زبان میں سیرت لکھی ہے۔

دوستوں اور بزرگو! لوگوں نے ایسے انداز میں لکھا ہے، ایک نے تو یہ لکھا کہ اس وقت جو Money Crisis ہے، اس وقت جو دنیا میں اکانومک منڈی ہے، اس کی بنیادی وجہ سود ہے اور پیغمبر ﷺ نے تشریف لا کر سب سے پہلے سود کو مٹایا، اگر آج کی انسانیت کو اپنے آپ کو اچھی Economy پر رکھنا ہے، تو ضروری ہے کہ یہ اپنے آپ کو محمد ﷺ کے بتلائے ہوئے اکونومک قانون Economic Law کے مطابق چلیں، اس کے دل میں اتنا اطمینان ہے، وہ

جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پیغام دیا ہے، وہ سچ ہے۔

اسلام میں آزادیٔ رائے کی اہمیت

دوسری چیز آزادی رائے، Freedom Speech، વાણી સ્વતંત્રતા، جس کو بولتے ہیں، یہ جو اس وقت دنیا میں چل رہا ہے، اور اس کے عنوان سے جس کو جو بولنا ہو وہ بولے اور اسی عنوان پر جو مسلمانوں کے خلاف لکھتے ہیں تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فرد کی آزادی کی بات ہے، کسی کو روکا نہیں جاسکتا، میں نے آپ کے سامنے جو آیت پڑھی تھی، اس میں اللہ پاک نے یہی فرمایا: لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (بقرہ:۲۵۶) اسلام میں کسی کو مجبور نہ کیا جائے، زبردستی نہیں ہے، یہ اللہ پاک نے ضمیر کی آواز کو بھی بتلایا۔

ایک شخص مدینہ منورہ میں آرہا ہے اور پوچھ رہا ہے: مَنْ مُحَمَّدٌ مِنْكُمْ ؟ صحابہ کے ساتھ حضور تشریف فرما ہیں کہ تم میں سے محمد کون ہیں؟ صحابہ نے فرمایا: یہ اللہ کے رسول ہیں، انہوں نے کہا کہ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں اور سوال میں سختی کروں گا، آپ کو مجھے جواب دینا ہے، آپ نے فرمایا: تم کو جو سوال کرنا ہے کرو، میں تمہارا جواب دوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان سے جواب دیا، یہ ہے آزادیٔ رائے؛ ایک شخص اسلام کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے اور اللہ کے رسول فرماتے ہیں جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں رہنے والی ایک باندی جو آزاد بھی نہیں تھی، آپ کو یہ تصور بھی نہیں ہوگا، آج سے سو سال پہلے دنیا میں انسانوں کو ایسے خریدا جاتا تھا، جیسے جانوروں کو خریدا جاتا ہے اور یہ باندی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہے، ان کی شادی ایک شخص سے ہورہی ہے اور پھر وہ آزاد ہوتی ہے، ان کو آزاد کرانے میں پیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دے رہی ہیں، یہ باندی اپنے شوہر سے الگ ہونا چاہتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ درخواست کی کہ بریرہ! مغیث کے نکاح میں رہو، بریرہ پوچھ رہی ہے کہ اللہ کے رسول! آپ مجھے حکم دے رہے ہیں یا مشورہ؟ بخاری شریف کی روایت ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تمہیں

مشورہ دے رہا ہوں، وہ کہتی ہے: اللہ کے نبی تب تو مجھے آپ کا مشورہ منظور نہیں، اللہ کے نبی کو کہہ رہی ہے، مجھے اپنی ذات کا اختیار دے رہے ہیں، مجھے مغیث کے ساتھ میں رہنا نہیں ہے۔
(بخاری: کتاب الطلاق، باب شفاعة النبی فی زوج بریرة)

دوستو اور بزرگو!

جس کو لوگ Freedom Speech کہتے ہیں، آزادئ رائے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو بتائی، قرآن کریم کی یہ آیت اللہ پاک نے نازل فرمائی: قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ:۲۵۶) ہدایت اور گمراہی بالکل واضح ہو چکی ہے، جب ایک صحابی کے دو بیٹے نصرانی ہو گئے اور وہ ان کو زبردستی اسلام میں لانا چاہ رہے تھے، اس موقع پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی، ہدایت اور گمراہی بالکل واضح ہو چکی ہے، جو اللہ کی رسی کو پکڑے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو رسی کو چھوڑے گا وہ ناکام ہوگا۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا (نساء:۱۳۷)

اسلام تمہارا محتاج نہیں

اس لئے ایسے طارق فتح، سلمان رشدی اور عارف محمد خان کو ہم کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی آیت آپ کو کہہ رہی ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لے آؤ، نہیں لائے تو تمہارے جیسے بہت گزرے ہیں، ایمان لائے تھے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا اور پھر اپنے کفر میں مر گئے، اللہ پاک فرماتے ہیں: ہمیں ایسوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۸۶ء میں جب شاہ بانو کا کیس ہوا تھا، اس وقت حضرت مولانا سے کچھ لوگوں نے کہا: عارف محمد خان کو اسلام سے نکالا جائے، تو مولانا نے فرمایا کہ اسلام کا کوئی دروازہ نہیں ہوتا ہے کہ کسی کو نکالا جائے، کسی کو داخل کیا جائے، اسلام کی عقیدہ کی ایک تعلیم ہے، جو ان عقیدوں کو اپنائے گا، وہ مسلمان رہے گا اور جو اس ان عقیدوں کو چھوڑ دے گا؛ چاہے وہ اپنے نام کے آگے کتنے مسلمان نام رکھتا رہے، اللہ کے یہاں وہ مومن نہیں۔

جہاں تک سائنس اور مذہب کی لڑائی کا تعلق ہے، تو اسکی حقیقت یہ ہیکہ سائنسی علوم وفنون کی زمام جب تک مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی وہاں تک سائنس و مذہب میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا، کیونکہ قرآن وحدیث تو مسلمانوں کو خدائی طاقتوں میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں؛ بلکہ آسمان وزمین کی فطری طاقتوں میں غور وفکر کرنے والوں کو عقلمند قرار دیا گیا۔ ان فی خلق السموات والارض۔ ۔۔الآیہ اسپین کے مسلمانوں سے علم حاصل کرنے کی وجہ سے یورپ میں فکر ونظر اور سائنسی ونیچری تحقیقات کا شوق بڑھا تو عیسائی مذہب کو سائنسی علوم اپنے لئے خطرہ معلوم ہوئے۔ کیونکہ اس مذہب میں اتنی جان نہ تھی کہ وہ تحقیق وریسرچ کی حوصلہ افزائی کر سکے، اسکے بہت سے خیالات وعقائد کو سائنس کی وجہ سے خوف لاحق تھا، عیسائی مذہب نے دوربین کی ایجاد کو کفر اور بائبل کا ترجمہ کرنا گناہ کبیرہ قرار دیا تھا، اس طرح چرچ اور سائنس کے درمیان کشمکش شروع ہوئی، ہزاروں سائنس دانوں کو موت کے گھات اتارا گیا، ہزاروں کو پھانسی دی گئی، لیکن اسپین سے قریب ہونے کی وجہ سے سائنس کی طاقت بڑھتی گئی، آج کے ترقی یافتہ یورپ میں خفیہ غاروں اور بند کمروں میں سائنسی تعلیم دی جاتی تھی، بالآخر بہت کچھ ظلم وتشدد برداشت کرنے کے بعد سائنس کو فتح ہوئی ،اور عیسائی مذہب کو شکست ہوئی، لیکن سائنسدانوں کو ماضی کے چرچ کا ظلم وتشدد یاد تھا، انہوں نے اولا تو عیسائی مذہب کو سائنسی ترقی کا دشمن سمجھا ،اور رفتہ رفتہ انتہا پسندی کے جوش اور (Reaction) میں بغیر سوچے سمجھے اسلام کو بھی ایک مذہب کی حیثیت سے رد کر دیا، چرچ کے ظلم وتشدد کی لمبی داستان امریکی مصنف جان ولیم ڈریپر کی کتاب مذہب اور سائنس کا ٹکراؤ (Conflict between science and religion) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ مذہبی عدالتیں (Inqulsition courts of religion) جو رومن کیتھولک چرچ کی جانب سے اٹلی، جرمنی اور فرانس میں قائم کی گئی تھیں، انہوں نے ۳لاکھ آدمیوں کو سزادی، ۳۲ ہزار کو زندہ جلایا گیا، ان ہی زندہ جلائے جانے والوں میں فزکس وفلکیات کا ماہر سائنسداں برونو (Brunde) بھی تھا، جسکا سب سے بڑا گناہ چرچ کے سامنے یہ تھا کہ وہ زمین کے علاوہ

دوسری دنیاؤں کو بھی مانتا تھا، مشہور فزکس کے ماہر گلیلیو (Galelio) کے لئے اس بنا پر موت کی سزا تجویز کی گئی تھی کہ وہ سورج کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا؛ اگر چہ ۷۰ سال کی عمر میں چرچ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بائبل پر اپنے ہاتھ رکھکر معافی مانگنے کے بعد اسکو چھوڑا گیا۔

برسوں کی غلط فہمی کے بعد اسلام کے بارے میں یورپ میں اب حالات بدل رہے ہیں، قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق بڑھ رہا ہے ، ڈاکٹر ماریس بوکائی (Dr.Maurice Bucaille) نے ایک کتاب لکھی ہے، جسکا انگریزی نام (The bible the Qura'n and science) ہے، جس میں انہوں نے قرآن کریم اور سائنسی علوم کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو باتیں سائنس نے ہمیں آج بتائیں ہیں، قرآن کریم نے اسکو ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کی ہیں؛ جبکہ بائبل کی کئی باتیں ایسی ہیں، جو سائنس کی دنیا میں غلط ثابت ہو چکی ہیں۔

بحمد اللہ تعالی حق کا بول بالا ہونے والا ہے	سیاہی چھٹ رہی ہے اب اجالا ہونے والا ہے

اس لئے یہ سبق دیا جارہا ہے کہ ہم اپنی اولاد کی صحیح تعلیم اور تربیت کریں، اللہ تعالی ہمیں اپنی اولاد کی صحیح تعلیم کی فکر نصیب فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

(۲۹) اسکول اور کالج کے طلباء وطالبات کی دینی تعلیم و تربیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یَاأَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَکُمْ وَأَھْلِیْکُمْ نَارًا ○(سورۃ التحریم:۶)

رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا قُرَّۃَ أَعْیُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِینَ إِمَامًا (سورۃ الفرقان: ۷۴)

وَ قَالَ النَّبِیُّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نُحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ. (سنن الترمذی: ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی ادب الولد)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

آیت کریمہ کی تشریح وتوضیح

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جن آیات کی آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے ایک دعاء بتلائی ہے کہ اللہ پاک کے نیک اور صالح بندے ''عباد الرحمٰن'' ہیں، رحمٰن کے بندوں کی بہت

ساری صفات بتلائی ہے، اسی میں ایک صفت ذکر کی ہے، اللہ تبارک وتعالی سے دعا کرتے ہیں:
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (فرقان:۷۴)
اے ہمارے پروردگار! آپ ہماری بیویوں اور ہماری اولاد میں ایسی صفات عطا فرما دیجئے کہ ان کے اخلاق اور ان کے صفات سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک ہو، رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُن یہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (فرقان: ۷۴) اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام، امیر اور سردار بنایئے، یہ دعا اللہ تبارک وتعالی نے انیسوے پارے میں ذکر فرمائی ہے، اور رحمن کے بندوں کی دعاؤں میں اس کو شامل کی ہے، گویا یہ دعا کرنے والا اللہ کا محبوب بندہ ہے، اس میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہے، ایک تو دعا فرمائی کہ آپ ہمیں اور ہمارے بچوں کو اس طرح کر دیجئے کہ ان سے ہمیں کوئی تکلیف اور اذیت نہ ہو، جسمانی تکلیف بھی ہوتی ہے، دماغی اور مزاج کی بھی تکلیف ہوتی ہے، دل کی بھی تکلیف ہوتی ہے، اس طریقے سے تکلیف مختلف قسم کی ہوسکتی ہے، اللہ پاک نے ایک جملہ فرمایا: قُرَّةَ أَعْيُن۔ ان کا عمل اس طریقے سے ہو کہ ان کے اس کام سے ہمیں ٹھنڈک محسوس ہو. قُرَّةَ أَعْيُن۔ اور آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد اس سے دل کا سکون ہوتا ہے، اور آگے فرمایا: متقی لوگوں کا امام بنایئے۔

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اولاد کی طرف سے آدمی کو چین وسکون ملے گا، بیوی کی طرف سے، گھر کی عورتوں کی طرف سے چین وسکون ہوگا تو دینی امور ادا کرنے میں اس کے لئے آسانی ہوگی اور متقیوں کا امام بتلانے کا مطلب یہ ہے کہ جو گھر کے افراد ہیں، وہ تقویٰ اور پرہیز گاری والے ہوجائیں اور اس سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو تو ہم جس کے سردار ہوئے وہ بھی متقی اور پرہیز گار ہوں، آیت کے ظاہر میں تو ایک دعویٰ ہے کہ آپ ہمیں متقیوں کا امام بنا دیجئے، حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ متقی سے یہاں دوسرا کوئی مراد نہیں ہے، متقی سے خود اپنی اولاد اور بیوی مراد ہے کہ آپ ان کو ایسا تقوی والا بنا دیجئے کہ جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا بھی ذریعہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہمیں خوشی اور راحت میسر ہو۔

دوستواور بزرگو!

اس وقت دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ ہے، اولاد کے سلسلے میں دنیا متفکر ہے، آج بھی بچوں کے بڑے ہونے تک، پھر اس کے بعد میں مختلف قسم کے مسائل سے، ان کو جسمانی تکلیف نہ ہو، طبی اور ڈاکٹری اعتبار سے ان کو کوئی بیماری نہ ہو، دماغی اعتبار سے، باہر سے کسی پریشانی کا شکار نہ ہو اور اسی طریقے سے ان کے اخلاق اور ان کا کیریکٹر (Character) ایسا ہو کہ سماج اور سوسائٹی میں جب یہ جائیں تو ان کے کام سے ماں باپ کو سکون اور آرام میسر ہو، لوگ ان کی تعریف کریں، آپ کا لڑکا اس طریقے سے اسکول میں پڑھ رہا ہو، کالج میں ہو، لڑکا ہو، لڑکی ہو سب کے متعلق؛ اس لئے ''اولاد'' فرمایا، اس میں دونوں شامل ہیں۔

ہر نبی نے دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا

اس کی اہمیت یہ سمجھ لیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور سب سے پہلے آپ کو جو حکم دیا گیا: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء: ۲۱۴) پہلا حکم ہے آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ سے ڈرایئے، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ڈالئے، اور گناہ کرنے میں چونکہ انسان اپنی خواہش کے پیچھے کثرت سے ڈورتا ہے، اس لئے آیت کریمہ میں فرمایا: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ڈرانے کا حکم فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رشتے داروں کو صفا پہاڑی کے پاس جمع کیا اور آپ نے ایک ایک کا نام لے کر فرمایا، حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اس وقت بالکل چھوٹی بچی ہے، لیکن آپ کی روایت میں آتا ہے، ''یا فاطمة بنت محمد!'' بخاری شریف میں ہے کہ ان کو بھی خطاب کر رہے ہیں۔ (بخاری: کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب)، ابولہب تو بڑا ہے، چچا ہے اور خاندان کے دوسرے افراد بھی بڑے ہیں، لیکن حضرت فاطمہ چھوٹی بچی ہیں اور اس موقع پر ان کو بھی آپ نصیحت فرما رہے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی اولاد کی اصلاح وتربیت بچپن سے ہی شروع ہو جائے، یہ نہیں کہ بڑی عمر کو پہنچے، اس کے بعد بھی

آپ یوں ہی کہتے رہو کہ یہ تو بچہ ہے، طوفان اور شرارت کرتا ہے اور آپ یہ کہتے رہو کہ یہ بچہ ہے، بچی ہے، یہ شعور نہیں رکھتے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ شعور رکھتے ہیں اور اس لئے قرآن حکیم کی مختلف آیتوں میں اولاد کے سلسلے میں ایک ایک چیز ذکر فرمائی ہے۔

عقد نکاح میں مرد و عورت کے انتخاب کا معیار

سب سے پہلے تو شادی میں جس عورت سے انتخاب کیا جائے، اس عورت کے متعلق نصیحت فرمائی، عورت کو بھی کہا گیا اور اس کے رشتے داروں کو بھی کہا گیا کہ مرد کی طرف سے شادی کا پیغام آرہا ہے، إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَ خُلُقَهُ۔ ایسا لڑکا ہے جس کے اخلاق اور اس کی دین داری پر آپ کو اطمینان اور سکون ہے، تو آپ نے فرمایا: فَزَوِّجُوهُ۔ اچھا ٹھکانہ آجائے تو اپنی بچی کی شادی کروادو إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ، وَفَسَادٌ عَرِيض۔ اگر تم نے اس ٹھکانہ کو چھوڑ دیا اور بداخلاق، مالیات یا کسی بنیاد پر کسی بچے کا انتخاب کیا تو إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ، وَفَسَادٌ عَرِيض۔ اس کے بعد خاندانی زندگی میں ہی فساد نہیں آئے گا، حدیث شریف میں جو جملہ فرمایا: تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ، وَفَسَادٌ عَرِيض. (ترمذی: ابواب النکاح، باب ما جاء اذا جاء کم من ترضون دینه فزوجوه) روئے زمین پر فتنے کا ذریعہ بنے گا، کیوں کہ آپ اپنے لڑکے یا اپنی لڑکی کا صحیح انتخاب ہونے کے باوجود شادی نہیں کرتے ہیں، اسی وجہ سے آپ فرماتے ہیں کہ جب کسی جگہ سے منگنی آجائے، کسی طرح سے اچھا پیغام آجائے، آپ نے ان کے دین اور اخلاق کے گوشے سے دو چیزیں بیان فرمائی، اس لئے کہ دین میں ہم صرف نماز، روزہ عبادت کو ہی سمجھتے ہیں تو آپ نے اخلاق کا ذکر فرمایا، اگر تم کو ان کے اخلاق پر اطمینان ہے اور اخلاق نام ہے کس کا؟ اللہ پاک کو حاضر و ناظر سمجھ کر جو عمل بندہ کرتا ہے، انفرادی زندگی میں بھی لوگوں کے ساتھ برتنے کے جتنے بھی معاملات ہوتے ہیں، آپ نے اخلاق کی فہرست احادیث مبارکہ میں ذکر فرمائی ہے، چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی چیز تک ان تمام اخلاق کا وہ پابند ہوگا اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی ہوگا اور اپنے

لڑکے یا لڑکی کے لئے جو ٹھکانہ آپ نے پسند کیا، وہ آپ کے لئے سکون کا باعث بنے گا۔

اولاد کی دنیوی راحت کی فکر کے ساتھ آخرت کی فکر کریں

اسلام نے تربیت کے سلسلہ کی ابتدا اولاد سے نہیں کی، بلکہ شادی بیاہ کے پہلے سے اس مسئلے کو ذکر کیا اور جب اولاد ہو جائے تو ان کے لئے قرآن کریم نے یہ دعا ذکر فرمائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کے لئے دعائیں فرما رہے ہیں، یہ گویا ماں باپ کو بتایا جا رہا ہے کہ اولاد کی تعلیم وتربیت میں آپ روپیہ پیسہ خرچ کرتے ہیں، اچھی چیز ہے، محبت ہے آپ کی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اولاد کے دین کی بھی فکر کریں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ باتیں تفصیل سے سمجھائی، کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته. (بخاری: کتاب النکاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها) تم میں سے ہر آدمی اور امت مسلمہ کا کوئی فرد بھی ذمہ داری کے بغیر کا نہیں ہے، یہ ایک ایسی چیز فرمائی کہ تم اپنی ذمہ داری کو سمجھو، مسئول عن رعیته۔ جو اس کے ماتحت اور نگرانی میں ہیں، ان سب کے متعلق قیامت کے دن پوچھا جائے گا، اس لئے اپنی اولاد کے سلسلے میں غافل نہ رہیں۔

تربیت ہو تو ایسی ہو

سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام ابھی پیدا ہوئے ہیں، اللہ پاک نے آپ کی زبان سے جو باتیں کروائی، قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللهِ (مریم:۳۰) سب سے پہلے آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور آگے فرمایا: وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا (مریم:۳۲) اللہ پاک نے مجھے میری والدہ کا فرمابردار بنایا، یہ جملے بتلاتے ہیں کہ اولاد کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ آپ کی فرمانبردار ہوں اور وہ ایک ایسی دعا ہے کہ اللہ کے نبی معجزے کے طور پر ابھی پیدا ہوئے ہیں، بچے ہیں، حضرت مریم سے بنی اسرائیل کے لوگوں نے کہا کہ ہم کیسے بات کریں؟ یہ تو ابھی گھوارے میں ہے، ابھی پیدا ہوئے ہیں، لیکن حضرت عیسی علیہ السلام نے جو چند جملے فرمائے ہیں، اس میں یہ جملہ ہمیں نصیحت کر رہا ہے کہ اولاد کی تربیت ایسی ہو کہ وہ خود اپنی زبان سے کہے کہ اللہ پاک کا

شکر ہے کہ میں اپنے والد کا احترام اور عظمت کرتا ہوں اور ان کی باتوں اور ان کی کہی ہوئی چیزوں پر عمل کرتا ہوں اور میری والدہ کا بھی میں اطاعت گزار ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ پاک نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا، اسی لئے یہاں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف نسبت فرمائی۔

اسی طرح اسی سورت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کرنے کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر آ گیا ہے، وہاں بھی یہ اشارے کیے گئے، حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی اولاد کے لئے دعا کر رہے ہیں، وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ (مریم:۵۵) اللہ پاک خصوصی طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں، حضرت اسماعیل کی یہ صفت بھی، وہ اپنی اولاد کو نیکی، نماز، عبادات اور زکوۃ کا حکم دیتے ہیں، يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (تحریم:٦) بچہ پیدا ہو تو پیدا ہوتے ہی اچھے نام رکھنا، اس کی تحنیک کرائی جائے اور اذان واقامت اس کے کان میں کہی جائے، اس کا عقیقہ کروایا جائے، یہ ساری چیزیں آپ نے ذکر فرمائی، سات سال کا ہو تو نماز وغیرہ عبادتوں کا حکم دیا جائے، دس سال پر اس کی ادائیگی نہ کرنے پر ہلکی پھلکی پٹائی اور سرزنش بھی کی جائے، اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، اس کے لئے سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ صحیح اور اچھی تربیت کی جائے، آج بھی دنیا کی وہ قومیں جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہی ہیں، ان کے یہاں لیڈرشپ تیار کی جاتی ہے، وہ اپنے بچوں کو سادہ اسکولوں میں نہیں رکھتے۔

یورپ کے بڑے بڑے سرمایہ دار ممالک اور امریکہ حکومت کے اندر جن کو رکھنا ہوتا ہے ان کی بھی وہ لوگ اچھی اور صحیح تربیت کرتے ہیں، جب دنیا کے لئے، دنیا کمانے کے لئے یہ دنیا میں اپنی ظاہری سکون کے لیے محنت کرتے ہیں، تو یہاں تو ظاہری سکون بھی ہے، اس کے ساتھ ساتھ باطنی سکون بھی ہے۔

مرد وعورت کے حقوق اور ذمہ داریاں

دوستو اور بزرگو!

اصل مسئلہ جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ ہماری بچیوں کا ہے، سب سے پہلے ہر ماں باپ

کو اگر فکر ہے تو اپنی بچیوں کی، اسلامی شریعت کے اندر بچیوں کا حق بہت بڑا ذکر فرمایا، وراثت کے مسئلے میں صاف ذکر فرمایا، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (نساء:۱۱) آپ سن چکے ہیں کہ لڑکے کو کتنا حصہ ملے گا؟ لڑکی کو جتنا ملے گا اس سے ڈبل ملے گا، اس لئے کہ اس کی ذمہ داریاں بھی ہیں، لڑکی کے حصہ کو بطور معیار کے ذکر کیا، اسلامی شریعت نے بتلایا کہ کمزوروں کے حقوق ہیں، اولاد کی تعلیم وتربیت کے حقوق ہیں، لڑکیوں کی تعلیم کے مقابلہ میں لڑکے کی تعلیم بہت کچھ آسان ہے، اسلام نے تعلیم سے عورتوں کو منع نہیں کیا، دینی تعلیم ہو یا دنیوی تعلیم ہو، مسئلہ جو آتا ہے وہ یہ کہ قرآن نے کچھ حدبندیاں فرمائی ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (احزاب:۵۹) اے ہمارے نبی! آپ اپنے گھر کی عورتوں کو قُلْ لِأَزْوَاجِكَ۔ بیویوں کو، ازواج مطہرات کو اور وَبَنَاتِكَ اپنی صاحبزادیوں کو اور وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ۔ ایمان والی عورتوں کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے چہرے کے اوپر اپنے سر کے اوپر ڈوپٹہ ڈالیں۔ وہ اپنی شرم اور حیا کے ساتھ باہر نکلیں، ازواج مطہرات کو حکم ہو رہا ہے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى (احزاب:۳۳) تم اپنے گھروں میں رہو، ازواج مطہرات جیسی پاکیزہ اور مقدس عورتیں؛ ان کو کہا جا رہا ہے۔

اس لئے یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں، جو حقوق اسلام نے عورتوں کے بتلائے اس کی تفسیر میں محدثین فرماتے ہیں کہ دین کا علم حاصل کرنا جیسے مردوں کے لیے فرض ہے، عورتوں کے لئے بھی اس کا حاصل کرنا فرض ہے، **طلب العلم فریضة علی کل مسلم**۔ (ابن ماجه: المقدمة باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم) یہ تو گفتگو ہوئی دینی علم کے سلسلے میں، دنیوی اعتبار سے بھی لڑکی اگر کوئی چیز سیکھتی ہے، نفس سیکھنے سے کوئی منع نہیں فرماتا، سیکھنے کے جو طریقے ہوتے ہیں، جس ماحول میں وہ تعلیم لے رہی ہے، اس ماحول کا سب سے بڑا قصور ہے۔

دوسری بات اسلام میں عورتوں کو کمانے کے لئے تعلیم دینے کا حکم نہیں دیا، کمانے کی

ساری ذمہ داری مردوں پر ہیں، عورتوں کے ذمہ نہیں ہے، یہ جو دنیا میں گڑبڑ شروع ہوئی ہے، عورتوں کو ملازمت کے لئے لی جارہی ہے، پوری انسانی تاریخ میں اسلامی تاریخ کی بات نہیں کر رہا ہوں، پوری انسانی تاریخ میں عورتیں باقاعدہ ملازمت کے لئے گئیں ہوں اور ایک ماحول اور فضا بنائی گئی ہو، یہ صرف اور صرف پہلی جنگ عظیم کے بعد شروع ہوئی، اس سے پہلے دنیا میں کہیں رواج نہیں تھا، ہاں اپنے شوہر کے ساتھ کھیت میں جاتی تھی، عورتیں گھریلو کام کاج کے ساتھ کاروبار میں بھی روزی روٹی کے مسائل میں شوہر کا ہاتھ بٹاتی تھیں، اور آج بھی بٹا سکتی ہے، مسئلہ جو آیا ہے، باہر نکل کر اجنبی مردوں تک پہنچنا، ایک تو نفس کالج اور پڑھنے کے لئے، اور اس کے بعد مسئلہ آتا ہے ملازمت کا، چونکہ زیادہ تر ہمارے سماج میں جن بچیوں کو پڑھایا جاتا ہے، اسکول اور کالج اور گریجویشن تک پہنچایا جاتا ہے، اس کے پیچھے جو ہمارا مقصد ہوتا ہے وہ یہ کہ یا تو اچھا شوہر ملے کمانے والا یا پڑھے لکھے لڑکوں کی طرف سے اس کا پیغام آئے۔

دوستو بزرگو!

آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام نے کمانے کی ذمہ داری لڑکی پر نہیں ڈالی، جو لڑکے والے ہیں ان کو بھی سب سے پہلے یہ سوچنا ہے کہ جو لڑکی ہمارے گھر میں آئے، اس کی اتنی بڑی (گھریلو) ذمہ داری اسلامی شریعت نے دی ہے کہ ان دونوں بوجھ کو وہ برداشت نہیں کر سکتی، اپنے گھر کے کام، بچوں کی تعلیم وتربیت اور گھر کے دوسرے کام کاج کے ساتھ اگر روزی روٹی، کسب و معاش کے ذرائع میں بھی اپنے شوہر کا ہاتھ بٹا دیں، سلائی مشین اور اس طریقہ کی دوسری جو چھوٹی موٹی چیزوں کے ذریعہ روزی روٹی حاصل کر سکتی ہے، ان سب کے اندر کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام نے عورت کو مال کا مالک بنایا ہے، یہی دنیا کا سب سے پہلا تصور ہے کہ اسلام نے عورت کو مال کا مالک بنایا؛ اس سے پہلے کہیں یہ تصور نہیں تھا۔

مسنر اینی بسنٹ ایک انگریز مصنفہ ہے، ہندوستان میں رہتی تھی، انہوں نے لکھا ہے کہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے وراثت کے ذریعے عورت کو حق دیا، اس کے مقابلے میں انگلینڈ

میں گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے عورت کو مال اور وراثت میں شریک ہونے کا قانون طے کیا، ساڑھے بارہ سو سال ایسے گزرے ہیں کہ اسلام آنے کے بعد صرف اور صرف امت مسلمہ میں عورتوں کو وراثت دینے کا مسئلہ تھا اور دنیا کے کسی ملک میں عورت کے پاس مال ہو اور وہ مالکہ ہو یہ تصور نہیں تھا، اسلام نے چودہ سو سال پہلے عورت کو مالک بنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک صحابی کا انتقال ہوگیا، ان کے کھیت اور باغات تھے، ان کی اہلیہ محترمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور یہ کہا کہ اللہ کے رسول! میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، میں عدت گزار رہی ہوں اور میرے کھیت کے لئے کام کاج میں مجھے کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے، تو کیا میں اپنے کھیت میں جا سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جا سکتی ہو۔ (مسلم: كتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدة البائن..)، آج بھی یہی مسئلہ ہے، جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوا ہو وہ عدت کے دنوں میں اگر کوئی کام کاج کرتی ہے، کھیتی باڑی کے کام میں مدد کرتی ہے، کھیت، باغات وغیرہ کے علاوہ کوئی چیز کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، محدثین اور فقہاء کرام نے فرمایا: شام کو اپنے گھر واپس آجائے، اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے، اس کے مال اور اس کے روزگار کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، جس عورت کو طلاق ہوئی ہو اس کی تو عدت کا خرچہ اس کا شوہر دے گا، لیکن جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوا، اگر شوہر کی وراثت میں سے اس کو مال نہیں ملا یا اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے، تو یہ عدت کے دنوں میں بھی کام کاج کے لئے جا سکتی ہے، یہ مسائل شریعت نے بتلائے ہیں۔

دوستو اور بزرگو!

روزی روزگار کے لئے اجنبی مردوں کے ساتھ بیٹھنا، آفسوں میں ان کے ساتھ رہنا، کالج یونیورسٹیوں میں اجنبی لڑکوں کے ساتھ ملنا، اٹھنا، بیٹھنا، جس سے اس وقت ہمارے سماج میں ایک بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے کہ آج مسلمان لڑکیاں کثرت سے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادی کر رہی ہیں۔

دیوثیت کیا ہے؟

ایک مسئلہ تو زنا کا ہے، یہ گناہ بھی اگرچہ بہت سخت گناہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اندر سے نکل آتا ہے اور اس کے سر کے اوپر آجاتا ہے۔ (ترمذی: ابواب الایمان، باب لا یزنی الزانی وھو مؤمن) اور اسی حال میں یہ دنیا سے چلا جائے، تو بڑے خطرے کی چیز ہے، لیکن یہاں دو گناہ ہو رہے ہیں، ایک تو زنا کاری اور اس سے خطرناک مرتد ہونا، کافر ہونا۔ اسلام کے اندر اللہ پاک نے صاف اعلان فرمادیا: وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ (بقرہ:۲۲۱) ایک مشرک مرد اس کے مقابلے میں ایمان والا غلام ہے اور ہمارے زمانے میں غلام ہی نہیں رہا ہے، لیکن آیت کا مفہوم ہے کہ ایک غیر مسلم ہے، مالدار، اچھی ملازمت، اچھی پوسٹ پر ہے، ہماری لڑکی جارہی ہے، اس کے ساتھ تعلق قائم کر رہی ہے، ہم بے خبر ہیں، یہ بڑا قصور ہے اور جاننے کے بعد اگر کرلے تو اس کو اسلامی اصطلاح میں دیُّوثیت کہا جاتا ہے، ہم اپنی اولاد کو غیر کے ساتھ دیکھیں، اجنبی کے ساتھ اور پھر بھی نہ روکیں، ساری چیزیں ہمیں معلوم ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو حدیث شریف میں ''دیوث'' سے تعبیر کیا ہے۔ (سنن نسائی: کتاب الزکاۃ، باب المنان بما أعطی)، اس لئے کہ یہ لڑکی جارہی ہے اجنبی کے ساتھ، اسی کا مذہب قبول کرتی ہے، مرتد ہو رہی ہے۔

دنیا میں کوئی بھی قوم ترقی اسی وقت کرسکتی ہے جب تک کہ وہ اپنا حساب کتاب لے، جو قومیں غفلت کی زندگی گزاریں، جن قوموں کو اپنے مذہب اور اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کے سلسلے میں فکر نہیں ہوتی ہے، وہ تباہ ہوتی ہے، چونکہ لڑکی کی ماں اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے تو بچپن سے جو بچی کی تربیت کرتی ہے، اسی تربیت کے اندر وہ نگرانی بھی کرلے گی، اچھی طریقے سے اپنی اولاد کی تربیت کرلے۔

تربیت اولاد کے دو واقعے

(۱) آج ہم شاہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا نام کتنی عظمت سے لیتے ہیں، اپنے

زمانے کے مجدد، ساٹھ سال تک حدیث شریف کا درس دیا اور لاکھوں لوگوں کو جو مسلمان تھے، لیکن گناہوں میں مبتلا تھے، ان کے ذریعہ اللہ پاک نے صحیح ایمان کی توفیق نصیب فرمائی، ہزاروں لوگ غیر مسلم تھے اور آپ کی مجلس میں آکر اسلام قبول کرلیا، یہ سب کس کے صدقے میں ہوا، آپ ان کے بچپن کا قصہ سن چکے ہیں، جب آپ جیلان سے بغداد علم حاصل کرنے کے لئے نکلے، وہ زمانہ چوڑی اور ڈکیتیوں کا تھا، راستے میں لوٹ لینے والے ہوتے تھے، ایسے ماحول میں آپ کو اور آپ کے قافلہ کو چوروں نے پکڑلیا اور پوچھا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ آپ نے کہا کہ ہاں میرے پاس اتنی اشرفیاں ہیں، اتنا سونا مہر میرے پاس ہے، میری والدہ نے میرے بغل کے اندر اس کو سی دیا ہے اور وہ میری بغل کے اندر ہے، اس نے تو صرف اتنا پوچھا تھا کہ کیا ہے تمہارے پاس؟ آپ نے سچ بولا، اس لئے کہ والدہ نے جو نصیحتیں کی تھی، اس میں بڑی نصیحت سچ بولنا تھا، آج ماں باپ خود اولاد کے پاس جھوٹ بلواتے ہیں، وہ جھوٹ بولے تو اس کو سمجھ داری اور عقلمندی کہا جاتا ہے، حالانکہ سچ بول کر اپنے گناہ کا اعتراف کرنے والا بچہ مستقبل میں صحیح سمت میں سفر کرے گا، اور جو بچے جھوٹ کے بچپن سے عادی ہوگئے ہوں، آپ نے ان کو جھوٹ سکھلایا اور اس کو سمجھ داری سمجھیں، یہ کسی نہ کسی دن آپ کو پریشان کرے گی، اس لئے بچوں کی تعلیم وتربیت میں پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے، شاہ عبدالقادر جیلانی کی تعلیم کس طریقے سے ہوئی؟ ہم سب جانتے ہیں۔

(۲) ہماری اسلامی تاریخ میں ایک اور بزرگ کا قصہ ہے حضرت ربیعۃ الرای رحمۃ اللہ علیہ: ان کی والدہ محترمہ حمل میں تھی، بچہ پیٹ میں تھا کہ حضرت ربیعۃ الرائیؒ کے والد محترم اسلامی جہاد میں آزربائیجان، ازبکستان کے لمبے سفر کے لئے گیا اور جہاد کیا، اتفاق یہ ہوا کہ آپ ۲۷ سال تک گھر واپس نہیں آئے اور تیس ہزار اشرفی اپنی اہلیہ کو دیا تھا کہ آنے والے، پیدا ہونے والے اس بچہ کے اوپر خرچ کیا جائے اور صحیح طریقے سے اس کی تعلیم وتربیت کی جائے، ۲۷ سال کے بعد جب آپ واپس آئے، گھر کا دروازہ آپ نے کھٹکھٹایا، اندر سے ایک نوجوان نکلا، انہوں نے کہا

کہ میرے گھر میں تم کون ہو؟ وہ کہہ رہے ہیں کہ میرے گھر میں تم کون ہو؟ باپ بیٹے ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں تھے، آپس میں گفتگو ہوئی، اہلیہ کو پتہ چلا کہ کوئی اجنبی ہے، کون ہے؟ جب کہا کہ میں فروخ ہوں، بیوی کو یاد آیا کہ میرے شوہر ہی ہوں گے، باہر نکل کر استقبال کیا، اس کے بعد تو نماز کا وقت ہوا، حضرت ربیعۃ الرائ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے، مدینہ منورہ کا قصہ ہے، پھر اس کے بعد شوہر نے اپنی بیوی سے کہا، تیس ہزار اشرفی جو میں آپ کو دے کر گیا، اس کا کیا ہوا؟ بیوی نے کہا کہ پہلے آپ مسجد میں نماز پڑھ کر آئیں، اس کے بعد میں آپ کو حساب دوں گی، اب یہ ربیعۃ الرای کے والد حضرت فروخ مسجد نبوی میں جا رہے ہیں۔

مسجد نبوی میں نماز کے بعد جیسے آج بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ وعظ کے حلقے لگتے ہیں، اس طریقہ سے حضرت ربیعۃ الرائ مسجد نبوی میں حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو چار اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں، وہ بھی ان کے شاگرد ہیں، باپ نے دیکھا :اس وقت ابھی اچھے طریقے سے پہچانا نہیں تھا، اور پھر بیٹے نے اپنے اوپر رومال ڈال دیا تھا تو آپ نے اپنے پڑوسی سے پوچھا کہ یہ کون محدث ہے؟ اس نے کہا کہ تعجب ہے کہ تم مدینہ کے ہو یا باہر کے؟ کہا کہ ہوں تو مدینہ کا مگر آیا ہوں باہر سے، کہا کہ یہ مدینہ منورہ کے سب سے بڑے عالم ربیعۃ الرائے بن فروخ ہے، حضرت فروخ کی آنکھیں کھل گئیں کہ میرا بیٹا ہے، اللہ پاک نے اتنی عظمت والا بنایا کہ مسجد نبوی میں درس دے رہا ہے، گھر واپس آئے، بیوی نے پوچھا کہ آپ کے اشرفیوں کا حساب آپ کو لینا ہے؟ کہا کہ حساب تو نہیں لینا ہے، صرف پوچھنا ہے کہ یہ ربیعۃ الرائے اس مرتبہ تک کیسے پہونچے؟ کہا کہ ان تیس ہزار اشرفی کو میں نے آپ کے بچے کی اچھی تعلیم اور تربیت میں لگایا ہے، یہ وہ قیمتی روپیہ ہوتا ہے جو ماں باپ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے لگائے۔

اولاد کی تربیت میں چند بنیادی باتیں

نیک اولاد قرۃ عین ہے، بچہ کی تحنیک کی جائے، اذان و اقامت کہی جائے، عقیقہ کیا جاوے، اچھا نام رکھا جائے، ختنہ کی جاوے، کسی چیز سے ڈرایا نہ جائے کہ بزدل بن جاتا ہے،

بولنے لگے تو اللہ اللہ سکھانا چاہئے، کھانا پینا سنت کے مطابق سکھائیں، جھوٹ، جھوٹی قسم، چغلی وغیرہ سے روکے، سات سال میں نماز کی تعلیم دے، بستر الگ رکھے، دین کی تعلیم، ادب تہذیب، سلیقہ سکھایا جاوے، **مانحل والد ولده من نحل افضل من ادب حسن.** (ترمذی: ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی ادب الولد)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ (تغابن: ۱۴)

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾ (تغابن: ۱۵)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ښ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾ (عنکبوت: ۶۰)

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (شوریٰ: ۱۲)

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَاۗىِٕنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ (حجر: ۲۱)

بگاڑ کی وجہ یہ ہے کہ خاندان کا بڑا خود تو نیک ہوتا ہے؛ لیکن اولاد کی فکر نہیں کرتے، جس کے نتیجہ میں یہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلا حکم وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ (شعراء: ۲۱۴) نازل ہوا، آپ نے سب خاندان والوں کو جمع کیا اور فرمایا: **لا املك لكم من الله شيئا سلونی من مالی ما شئتم.** (مسلم شریف: کتاب الایمان، باب فی قوله تعالی: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ)

ہر نبی نے دعوت کا آغاز گھر سے کیا، حضرت یعقوب نے وفات سے پہلے اولاد کو جمع کر کے فرمایا: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ. (بقرہ: ۱۳۳) حضرت ابراہیم نے دعا کی: رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿٤٠﴾ (ابراہیم: ۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے دعا بھی کرنی چاہئے، گھر کے ماحول کے بغیر خود بھی دین پر قائم نہیں رہ سکتا تو اپنے کو دین پر باقی رکھنے کے لئے گھر کا ماحول درست کریں، گھر میں دین کی تعلیم کے لئے کچھ

وقت لگائیں، قرآن وحدیث کی تعلیم ہو، بچہ آگ پکڑ لے تو سب پریشان ہو جاتے ہیں؛ لیکن جہنم کی آگ کی ہمیں کوئی فکر نہیں۔

اولاد کی تربیت کی فکر مقام رسالت کے منافی نہیں، حضرت خلیل اپنے فرزند کو ذبح کرنے کے لئے تیار رہے، رہی ان کی بھلائی اور دینی دنیوی آرام تو اس کی دعا کرتے ہیں، ؛لیکن سب سے بڑی دولت ایمان ہے، دنیادار موت کے وقت اولاد کا بیلنس، مل، فیکٹری کی سوچتا ہے؛ لیکن نبی آخرت واعمال صالحہ کی فکر کرتے ہیں، یہ ہم کو تعلیم ہے کہ ان کی دنیوی راحت کی فکر کے ساتھ آخرت کی بھی تیاری کریں، معلوم ہوا کہ اول اولاد کی فکر کریں۔

بے دینی کی وجہ عدم تربیت ہے۔ازواج مطہرات کو جب نصیحت کا حکم دیا گیا قل لازواجك تو امت پر بدرجۂ اولی اہل وعیال کی فکر ضروری ہوگئی، اس آیت سے فقہاء نے اولاد واہل کو حلال وحرام کے احکام سکھانا فرض بتایا ہے۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے غافل و جاہل ہوں، انگریزی تعلیم والے ماحول میں اس تہذیب کا اثر اس کے دل ودماغ پر نہ پڑے، انگریزی کے شوق میں دینی تعلیم ناقص نہ رہے، روس جیسے کمیونسٹ ملک میں دین کے باقی رہنے کی وجہ تعلیم وتربیت ہی ہے، اس وقت خطرہ معنوی نسل کشی کا ہے، نیا کلچر، جہاں حضرت یعقوبؑ کے موت کے وقت بیٹوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے وہاں صرف انتقال کی خبر دینا مقصود نہیں ہے، وہاں سے سبق حاصل کرنا ہے کہ نبی پوچھتے ہیں اپنے بیٹوں کو، دیکھا جائے تو پورا ماحول، خاندان مسلسل نبی والا، اس وقت کا سب سے نیک معاشرہ، آج یہ سوچ کمزور ہوگئی ہے، جبکہ سارے فتنے اسی راہ سے آتے ہیں، آج ہمارا ایمان، اعمال، عقیدے سب کو مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے، قرآن کریم نے حضرت خضر وموسیٰ کا واقعہ جس میں لڑکے کو قتل کرنے کا واقعہ ہے کیوں ذکر کیا؟ یہ ہندو دیومالائی، پھر اس کے دل میں غیر کا تصور نہ آئے، نصاب تعلیم، میتھولوجی، رسم الخط بدلنے سے قوم بدل جاتی ہے، ترکی میں کیا ہوا؟ مصطفیٰ کمال نے ترکی کا رسم الخط جو عربی حروف پر تھا اس

کورومن رسم الخط میں تبدیل کردیا تھا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝۶ (تحریم:۶)وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۝۵۵ (مریم:۵۵)

ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں ہے، باپ خوب عبادت کرتا ہے اور اولاد گناہ میں مبتلا ہے فرائض تک کا احساس نہیں ہے اور پھر بھی باپ مطمئن ہے، اولاد نہ مانے تو خوب کوشش کرو، سانپ، بچھو، شیر، آگ سے کیسے بچاتے ہو، نیند حرام ہوجاتی ہے، تو آخرت کے ان عذابوں سے بھی بچانا ضروری ہے، صرف کہہ دینا کافی نہیں، انتھک کوشش کرنا ہے، پھر بھی نہ مانے تو حضرت نوحؑ کا قصہ تسکین کے لئے ہے نہ کہ بہانہ بازی کے لئے۔ آج دین کے علاوہ ہر چیز کی فکر ہے، تھوڑا سا بے دین ہوگیا؛ لیکن دنیا تو اچھی ہوگئی، آج لوگ یہ کہتے ہیں، دین دار لوگ بھی اولاد کے بارے میں ایسا سوچتے ہیں، تو مردہ کی بھی تھوڑی سی جان ہی تو نکلتی ہے، بدن سلامت ہوتا ہے پھر بھی کسی کام کا نہیں، آج اولاد کو ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم، اخلاق وآداب کی تعلیم نہیں دی تو وہ کل بڑے ہوکر جوتے مارے گی، حدیث میں ہے جو آدمی کسی کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسی آدمی کو اس پر مسلط کردیں گے، آج اولاد مسلط ہے ظلم کرتی ہے، آج اولاد کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا جاتا ہے، پھر بڑی ہوکر یہ اولاد وبال ہوجاتی ہے، Old House میں بھیج دیتی ہے، باپ کے انتقال کے بعد بھی بیٹے کو فرصتِ تدفین نہیں ہوتی، یہ انگریزی تعلیم کا اثر ہے، اولاد کو عمل صالح والی روایت سکھائی ہوتی تو وہ درست ہوتی۔ جیسا کہ اس کے بارے میں مسلم شریف میں روایت ہے: **عن أبي هريرة: إذا ماتَ الإنْسانُ انْقَطَعَ عنْه عَمَلُهُ إلّا مِن ثَلاثَةٍ إلا مِن صَدَقَةٍ جارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صالِحٍ يَدْعُو له.** (مسلم: كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته)

حضرات انبیاء کو اپنی اولاد کی فکر تھی، حضرت ابراہیمؑ کی حضرت اسماعیلؑ و ہاجرہؓ اور حضرت یعقوبؑ کی دعا سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ (بقرہ: ۱۳۲، ۱۳۳)

مکہ مکرمہ کی ہجرت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا قرآن کریم میں ذکر ہے، دنیادار موت کے وقت بیلنس کی فکر کرتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے: كُلُّكُمْ راعٍ و كلكم مَسْئُولٌ عن رَعِيَّتِهِ. (بخاری: کتاب النکاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها) ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا، یہ گناہ حقیقت میں آگ ہے جو ہمیں نظر نہیں آتے، اسی سے دنیا جہنم بنی ہوئی ہے، حرام کا ایک لقمہ جب مولانا یعقوب نانوتویؒ کے پیٹ میں چلا گیا تو دو مہینہ تک گناہ کی خواہش دل میں ہوتی رہی، بزرگوں کو گناہ وبال نظر آتا ہے، ہم تو اندھیرے کے عادی ہے، گناہ نظر نہیں آتے، امام ابوحنیفہؒ کو وضوء کے وقت گناہ نظر آتے تھے، ایک بزرگ کپڑا ڈال کر باہر نکلتے تھے؛ کیوں کہ بداعمالی سے لوگوں کی شکل انہیں جانوروں کی طرح نظر آتی تھی۔

ماں باپ کی ذمہ داری:

بچہ کے کان میں اذان دینے کے فوائد:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن کے کان میں اذان و اقامت پڑھی۔ (ابوداود: اول کتاب الادب، باب في الصبي يولد فيؤذن في اذنه)، ام الصبیان کی بیماری نہیں ہوتی، شیطانی اثرات سے دماغ خالی ہو کر توحید و رسالت کی آواز پڑھی، اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔ موت کے وقت نماز، انسانی زندگی اذان واقامت کے درمیان ہے، نماز کے انتظار میں گذارنی چاہئے، بچہ کا حق اذان واقامت ہے۔

تحنیک:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحنیک کرتے تھے، تالو پر کھجور وغیرہ چبا کر رکھ دیتے تھے، برکت کی دعا کرتے تھے، ابن زبیر جو اول مولود فی المدینہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحنیک کر کے دعا کی، یہود کے جادو سے بچے نہ ہوں گے یہ خبر لوگوں میں مشہور تھی لہٰذا تردید ہوگئی۔ (بخاری: کتاب العقیقة، باب تسمیة المولد غداة یولد لمن لم یعق، وتحنیکه) مستحب ہے کسی بزرگ کے پاس لے جائے۔

عقیقہ:

جاہلیت میں بھی یہ دستور قربانی کا تھا، ولادت کے وقت آپ نے اس کو باقی رکھا، ساتویں دن یا اس کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔ (بخاری: کتاب العقیقة، باب اماطة الاذی عن الصبی فی العقیقة)، بال کے برابر چاندی کا صدقہ کرنے کی بھی روایت ہے۔ (ترمذی: ابواب الاضاحی، باب العقیقة بشاة)، زعفران سے سر کو رنگنا خون کے بجائے۔ عیسائی پیلا رنگ لگاتے تھے، صبغۃ اللہ سے اس کی تردید کی، لڑکے میں دو بکرے لڑکی میں ایک بکرا۔ (مشکل الآثار: رقم: ۱۰۴۴)، گنجائش نہ ہو تو لڑکے میں بھی ایک بکرا چل سکتا ہے، کما فی واقعۃ الحسن۔ بچہ بڑی نعمت ہے، عقیقہ اس کا فدیہ ہے، گویا بچہ اس کے عوض رہن ہے جب تک عقیقہ ادا نہ کیا جاوے۔

تسمیہ:

ساتویں دن بھی اور اول دن بھی نام رکھ سکتے ہیں۔ (اعلاء السنن: ۱۷/۱۱۹)، والد کا یہ حق ہے کہ اولاد کا اچھا نام رکھے، حسن ادب سکھلائے۔ (شعب الایمان: ۱۱/۱۳۳)، اول تحفہ نام کا ہے، لہٰذا اچھا نام رکھو، حدیث میں ہے: قیامت کے دن اپنے اور باپ کے نام سے پکارے جائیں گے لہٰذا اچھا نام رکھو، اچھے نام عبداللہ، عبدالرحمٰن۔ (ابو داود: کتاب الادب، باب فی تغییر الاسماء) اور انبیاء کے نام ہے، عبدیت والے نام پسند ہے۔ ہیرو والے نام پسند نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برے معنیٰ والے نام بدل دیئے، اچھے معنیٰ والے نام رکھے، عاصیہ کی جگہ جمیلہ، حرب کی جگہ سلم۔ (ابو داود:

کتاب الادب، باب فی تغییر الاسم القبیح)، اچھا نام بزرگوں سے پوچھ کر رکھا جائے، آج کل غلط یا غیر مہذب نام رکھے جاتے ہیں، جو اسلامی شعار کے خلاف ہے۔

لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی خوب تاکید فرمائی، اسلام سے پہلے بھی ظلم کا شکار اور آج بھی ظلم کا شکار بن رہی ہے؛ افسوس ہے، لڑکوں جیسے پیار و محبت اور کھانے پینے میں ان کی رعایت نہیں ہوتی حالانکہ کون زیادہ فائدہ مند ہے وہ معلوم نہیں۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ (بقرہ:۱۱) وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ (نحل:۵۸) وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ (بقرہ:۲۱۶)

جس نے ایک لڑکی کے پیدا ہونے پر اس کو تکلیف و اہانت نہ کی، لڑکے کو اس پر ترجیح نہ دی تو لڑکی کی وجہ سے باپ جنت میں جائے گا، بخاری شریف میں ہے: مَنِ ابْتُلِيَ مِن هٰذِه البَناتِ بشيءٍ كُنَّ له سِتْرًا مِنَ النّارِ. بچیوں کی ذمہ داری ادا کی تو آگ سے بچاؤ کا سامان ہوگا، حضرت عائشہؓ کے پاس دو بچیوں کو لے کر عورت کا آنا، آپ کا دو یا تین کھجور دینا، ایک ایک لڑکی کو دینا، خود ماں کا نہ کھانا یا تیسری بھی بچیوں کے مانگنے پر دے دینا، آپ کا اس پر فرمانا کہ جنت میں جائے گی، عذاب سے نجات ہوگی۔ (بخاری: کتاب الزکاۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ)، حدیث میں ہے جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی وہ بلوغ کو پہونچ گئی تو قیامت میں میں اور وہ اس طرح ہوں گے (انگلیوں کو ملا کر فرمایا)۔ (ترمذی: ابواب البر و الصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات)

انعام:

انعام میں اولاد کو برابر دے، کسی لڑکے لڑکی کو زیادہ نہ دے، حضرت نعمان بن بشیر کے والد کے اپنے ایک بیٹے نعمان کو دینے پر آپ نے منع فرمایا، والدہ نے کہا کہ آپ کو گواہ بنائے لیکن آپ نے گواہی سے انکار کیا، البتہ بھائی راضی ہوں یا ایک کمزور ہو، دینی خدمت میں لگا

ہوا ہو تو گنجائش ہے۔

شادی کرانا:

شادی کرانا بھی فریضہ ہے، اگر نہ کرائی اور اولاد گناہ میں مبتلا ہوگئی تو باپ ذمہ دار ہوگا۔

نام:

نام سے عقیدہ وفکر کا اظہار ہوتا ہے، بدفالی والے نام پسند نہ کئے تکبر والے بھی، شرک کا اظہار والے غیروں سے مشابہ، جمشید، آفتاب، نسرین وغیرہ۔

اذان: شیطانی آواز سے پہلے رحمانی آواز پہونچائی جائے۔

عقیقہ: بچے کی پیدائش پر خوشخبری کا اظہار قرآن مجید نے کیا۔ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (ھود:۷۱)، يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى (آل عمران:۳۹) لڑکی کی پیدائش پر ناگواری کرنا گویا خدائی فیصلہ پر راضی نہیں، حالانکہ لڑکی بسا اوقات زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے، خیال رکھتی ہے (عق کاٹنا، قربانی وبال کاٹے جاتے ہیں)

بال منڈوانا: مسامات کھولتے ہیں، دماغ کو قوت ملتی ہے، غریبوں کا فائدہ ہوجاتا ہے، اولاد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، تلاوت، قرآن سکھایا جائے، اسی طرح اہل بیت کی محبت، صحابہ کی محبت، اچھے اخلاق واچھے نام باپ پر ضروری ہے۔

بچہ کے سامنے کوئی غلط حرکت نہ کرے نقش ہوجاتی ہے، بلکہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، اولاد پر زیادہ سختی نہ ہو۔ ابن خلدون کا مقولہ ہے کہ سختی سستی پیدا کرتی ہے، جھوٹ مکر وفریب بچوں کو سکھاتی ہے ڈر کی وجہ سے۔

مرد وعورت کے مخلوط نظام تعلیم کے اخلاقی وسماجی نقصانات

دوستو اور بزرگو! اس لئے ہماری بچیوں کو ہم کالج بھیج رہے ہیں، اسکول بھیج رہے ہیں اور کس کے ساتھ وہ جارہی ہے، کس کے ساتھ آرہی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان ہر جگہ پر اپنے اسکول قائم کرے، لڑکی اور لڑکیوں کی تعلیم الگ الگ دی جائے۔ سب سے بڑی پریشانی جو

آتی ہے، ماہرین تعلیم ایجوکیشن کے جو تجربہ کار لوگ ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ ایک کلاس میں صرف لڑکے ہوں اور لڑکیاں الگ ہو اور ایک وہ کلاس جس میں لڑکے لڑکیاں ملی ہوئی ہوں، دونوں کے درمیان ایجوکیشن میں بڑا فرق ہوتا ہے، خاص کر کے بڑے بڑے کالجوں میں، ہائی اسکولوں میں کیا ہو رہا ہے، چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہے، خطوط لکھے جا رہے ہیں، اب تو موبائل آ گیا جس میں ایک دوسرے سے اس طرح سب کچھ گفتگو ہو رہی ہے، یہ چیزیں بگاڑ کا ذریعہ ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کی چیزوں سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ تعلیم محض ملازمت کے لیے دینا یہ اسلام کا تصور نہیں ہے، ہاں، کام کاج کے لئے یا کوئی ہنر سکھلا کر گھریلو کوئی کام کر لیں، تو اس سے منع بھی نہیں فرمایا، وہ مضاربت اور کاروبار میں شریک ہو سکتی ہے، مکان کرائے پر دے سکتی ہے، یہ ساری چیزیں فقہاء کرام نے ذکر کی ہیں کہ عورت کن کن چیزوں میں کس کس طریقے سے مالکہ بنتی ہے۔

مسلم بچیوں کے ارتداد پر روک تھام کیسے لگائیں: مفید مشورہ

لیکن دوستو! اس وقت سب سے بڑی پریشان کن چیز تو یہ ہے کہ ان گھرانوں کی بچیاں جاتی ہیں، جن کے ماں باپ نے ان کو صحیح دینی تربیت نہیں دی ہے، اگر لڑکی ہو تو ان کی نگرانی بھی کرنی چاہیے، آئے دن اس قسم کے واقعات غیر مسلموں کے ساتھ پیش آتے ہیں، اس لئے ہم اپنے سماج کی فکر کریں، جو لوگ بڑے ہیں، ان تک پیغام پہنچائیں کہ مسلمان اپنے اسکول اور کالج الگ سے کھولیں، لیکن صرف مسلم مینجمنٹ اور مسلم اسکول نہیں، اسلامی اخلاق اور اسلامی آداب بھی ضروری ہے، اس کے ساتھ ہی اولاد کی صحیح تربیت ہے، یہ چیزیں ہو گئی تو سماج اور معاشرے میں جو اس وقت ادھر سے ادھر جانا لڑکیوں کا ہو رہا ہے، ہم صرف بولتے رہیں گے اور سنتے رہیں گے، یہ نہیں ہوگا؛ لوگ اپنی سازشیں کرتے ہیں، ہم ان کے حوالے دیتے ہیں اور اپنی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھ رہے ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں بھی پریشانی ہوگی اور آخرت کی پریشانی اس سے بڑھ کر ہوگی، اللہ پاک سے دعا ہے اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(۳۰) حج اور قربانی کا فلسفہ

بمقام گارڈن مسجد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہ وَ اَصْحَابِہ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِہٖ هُوَ اجْتَبَاکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِیْکُمْ إِبْرَاهِیْمَ هُوَ سَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِی هٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَی النَّاسِ فَأَقِیْمُوْا الصَّلَاةَ وَآتُوْا الزَّکَاةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ هُوَ مَوْلَاکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ○

(سورۃ الحج:۷۸)

وَ قَالَ النَّبِیُّ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَیَّامٍ أَحَبُّ إِلَی اللّٰہِ أَنْ یُتَعَبَّدَ لَهُ فِیهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الحِجَّةِ، یَعْدِلُ صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِنْهَا بِصِیَامِ سَنَةٍ، وَقِیَامُ کُلِّ لَیْلَةٍ مِنْهَا بِقِیَامِ لَیْلَةِ القَدْرِ. (سنن الترمذی: ابواب الصوم عن رسول اللّٰہ ﷺ، باب ما جاء فی العمل فی ایام العشر)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

آیت کریمہ اور حدیث مبارک کی تشریح وتوضیح

محترم اور مکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

گزشتہ جمعہ کو حج کی فضیلت اور اس کا فلسفہ اور اس کی جو حکمتیں ہیں اس کو ذکر کیا، حج کی نسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے، جن کی بنیاد پر اللہ پاک نے ہمیں یہ دن عنایت فرمائے اور انہوں نے اس امت کا نام امت مسلمہ رکھا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے چند اہم واقعات اور وہ چند قصے جن سے ہم کو اپنی زندگی میں سبق ملتا ہے، ان کی طرف اشارہ کرنا ہے، ایک اور آیت آپ حضرات کے سامنے پڑھی: وَالْفَجْرِ ، وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۔ اللہ تعالی نے چند راتوں کی قسم کھائی ہے وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۔ فجر کی قسم اور دس راتوں کی قسم؛ اکثر حضرات نے ذوالحجہ کے دس دن مراد لئے ہیں، جن سے ہم اور آپ گزر رہے ہیں، حدیث شریف میں بھی اس کی بہت بڑی فضیلت ذکر فرمائی گئی ہے، اگرچہ کچھ حضرات نے عاشوراء کے دس دن بھی مراد لئے ہیں، لیکن اکثر مفسرین نے یہاں ذوالحجہ کے دس دن مراد لئے ہیں، اس کی فجر کی قسم اس کی راتوں کی قسمیں کھائیں، هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ (فجر:۵) عقلمندوں کے لئے سمجھ داروں کے لئے ان قسموں میں بڑی عبرتیں ہیں، آگے اللہ پاک نے اپنے فرمانبردار اور نافرمان بندوں کا ذکر فرمایا اور انسان کی ناشکریوں اور ناقدریوں کا ذکر فرمایا، ان راتوں کو اور دنوں کو اللہ پاک نے ان قسموں کے لئے ذکر فرمایا، یہ ان دس دنوں کی بہت بڑی فضیلت ذکر کی گئی۔

نویں ذوالحجہ (عرفہ) کے دن کی فضیلت

تو ہم اور آپ جن ایام سے گزر رہے ہیں، اسی میں ایک دن آنے والا ہے، عرفہ کا دن یعنی ۹ / ذی الحجہ کا دن، اس کی بھی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلتیں ذکر فرمائی، آپ کے سامنے میں نے جو روایت پیش کی، اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اللہ تعالی کے نزدیک بہت قیمتی ہے، **احتسب علی اللہ** ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ پاک سے امید رکھتا ہوں کہ انسان کے ایک سال

کے گناہ معاف ہوں، ایک دوسری روایت میں یہی فرمایا کہ اگلے سال کے اور آئندہ سال کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (مسلم: کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام من کل شھر)، حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ شیطان عرفہ کے دن جتنا ناامید، مایوس اور پریشان ہوتا ہے اتنا اور کسی دن نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اللہ کے بندوں کی معافی اور اللہ پاک کی طرف سے ہونے والی بخشش کو دیکھ رہا ہے، اس لئے عرفہ کے میدان میں حاجی لوگ دعائیں کررہے ہیں، ان دعاؤں میں جو آہ وزاری اور وہاں کا مقام اور قربانی اور ایثار کی پوری تاریخ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ۵۳ سال، سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پوری زندگی گزرتی ہے ان واقعات میں، اس سے ایثار اور قربانی کی طرف اشارہ ہے، تو جب یہ حاجی عرفہ کے دن اللہ پاک سے مانگتا ہے تو اللہ پاک اس کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں، شیطان اس کو دیکھ نہیں سکتا۔ (مؤطا مالک: کتاب الحج، باب جامع الحج)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا جذبۂ اطاعت

اس لئے جن دنوں سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں یاد کریں کہ ان دنوں کو اللہ پاک نے اتنا برکت والا کیوں بنایا؟ حج کے دنوں کو اللہ پاک نے عظمت اور قدردانی سے کیوں قرآن کریم میں ذکر فرمایا؟ وَمَنۡ يُعَظِّمۡ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ (حج:۳۲) اللہ پاک کی نشانیوں میں سے ذکر فرمایا، وَمَنۡ يُعَظِّمۡ حُرُمَاتِ اللهِ۔ اللہ پاک کی عظمت اور حرمت والی چیزوں کے نام سے حج کو کعبہ اللہ کو اور بیت اللہ کو ان سب چیزوں کو ذکر فرمایا، یہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عظیم قربانی ہے جن کے متعلق میں نے آپ کے سامنے آیتیں پڑھی۔ مِلَّةَ أَبِيكُمۡ إِبۡرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الۡمُسۡلِمِينَ (حج:۷۸) رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسۡلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا إِنَّكَ أَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (بقرہ:۱۲۸)

بیت اللہ کی تعمیر ہورہی ہے، باپ اور بیٹے مل کر اللہ کے اس عظیم گھر کو اخلاص اور للٰہیت کے ساتھ آباد فرمارہے ہیں اور اس موقع پر مختلف دعائیں مانگ رہے ہیں، ایک دعا یہ فرماتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں اپنا فرمانبردار بنالیجئے، اسلام کا ترجمہ ہوتا ہے اپنے آپ کو مکمل اللہ پاک کے حوالے کردینا، اسی لئے جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر ذبح کرنے کے لئے منیٰ کے میدان میں پہنچتے ہیں، قرآن کریم نے جن الفاظ سے اس کو تعبیر فرمایا، فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ (صافات:۱۰۳) جب باپ بیٹے نے مکمل فرمابرداری کا آخری نمونہ پیش کردیا، قرآن فرمارہا ہے، فَلَمَّا أَسْلَمَا ۔فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کے لئے باپ خواب میں دیکھ رہے ہیں اور بیٹے سے ذکر کررہے ہیں، باپ بھی تیار ہے اور بیٹا بھی تیار ہے اور اللہ پاک نے ان صبر کرنے والے بندوں کے اخلاص اور للٰہیت کو پیش فرمایا اور اس موقع پر فرمایا: أَسْلَمَا ۔تو اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا سب سے بہترین نمونہ ہے، پوری زندگی آپ نے فرمانبرداری، اطاعت شعاری، محبت، عشق اور اللہ کے حکم کے لئے مرمٹنا، اپنی جان پر آئے تو جان سے کھیلنا، اپنی اولاد پر آئے تو اولاد سے کھیلنا، اپنی اولاد کو ریگستانی علاقے میں بغیر پانی اور بغیر گھاس چارے کے ایسے علاقے میں چھوڑنے کی بات آئے تو اولاد کو اور بیوی کو وہاں پہنچانا، اپنی زندگی کا ہر عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی شرک سے پاک

جب ہم قربانی کے جانور کو ذبح کرتے ہیں، اس وقت یہی دعا ہم پڑھتے ہیں: إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (انعام:۱۶۲) کہ میری نماز، میری ساری عبادتیں، میرا حج اور میری قربانی یہ سب کے سب اللہ کے لئے ہیں اور اس میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی کفر اور شرک اور اللہ کے علاوہ غیروں کے آگے جھکنے کی مخالفت پر گذری تھی، اللہ پاک نے آپ کی پوری زندگی ایسی ذکر

فرمائی، آپ نے سب سے پہلے اپنے والد محترم جو کہ صرف بت بنانے والے نہیں تھے، بلکہ بت کو بیچنے والے، صرف پوجا کرنے والے نہیں تھے، بلکہ اللہ کے علاوہ اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی ان چیزوں سے جس کو قرآن نے فرمایا ہے جو نہ نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتی ہے، ایسی چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں اور ان کو خدائیت کا درجہ دیتے ہیں۔

جن دنوں سے ہم گزر رہے ہیں، کل سے ہم دیکھ رہے ہیں، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ ہمارے بھائی! جو بیچارے اللہ کی وحدانیت کو نہیں جانتے ہیں، اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو لاکر رکھتے ہیں اور ان چیزوں کی پرستش ہوگی، پھر اس کے بعد دریا کے سپرد کر دیا جائے گا، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اسی کے خلاف ہے، آپ فرماتے ہیں کہ تم نے تمہارے سارے بتوں کو تو اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے اور پھر ان کو خدائیت کا درجہ دیا، میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (انعام: ۱۶۳) میں اللہ کا سب سے پہلے فرمانبردار بندہ ہوں، یہ بار بار جملے ارشاد فرمائے۔

دوستو اور بزرگو!

اس امت کو جو قرآن نے نام دیا ہے، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت سب سے پہلے اپنے لئے اور اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لئے دعاء فرمائی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (بقرہ: ۱۲۸) ہمیں فرمابردار بنایئے اور ایک ایسی امت بنایئے جو آپ کے حکم کی فرمانبردار ہو، ایسا بندہ جس نے بچپن ہی میں بادشاہ وقت کی مخالفت کی ہو، اپنے والد کی مخالفت کی ہو، ایسا بندہ جس نے اللہ کے دین کے لئے اپنے گھر سے ہجرت کر کے ایک دور دراز شام کے علاقے میں پناہ لی، عراق کا وہ علاقہ چھوڑا جہاں آپ کی پیدائش ہوئی اور آپ شام پہنچ رہے ہیں، والد محترم نے کہہ دیا کہ نکل جاؤ یہاں سے، فرمایا: سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي (مریم: ۴۷) میں اپنے پروردگار سے آپ کے گناہوں کی معافی چاہوں گا، لیکن کب تک؟ جب تک مجھے یقین ہوگا کہ اللہ کے دین کی

طرف آنے کو اللہ پاک نے آپ کے لئے مقدر فرمایا ہو، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چل گیا، وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ (توبہ:۱۱۴) گھر سے نکلتے ہوئے فرمایا تھا: سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي (مریم:۴۷) میں آپ کے لئے اللہ سے توبہ اور استغفار کروں گا، یہ کرتے رہے، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ (توبہ:۱۱۴) لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مکمل یقین ہو گیا تو پھر آپ نے اپنے والد کے لئے استغفار کرنا بند کر دیا، یہ کتنی بڑی قربانی دی۔

ہجرت کی برکت

قرآن کریم میں سورہ مریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن عزیز کو چھوڑا، سوائے اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی اہلیہ محترمہ کوئی آپ کے ساتھ نہیں ہیں، سب کے سب آپ کے مخالف ہیں، اس موقع پر جب ابراہیم علیہ السلام نے ان سب کو چھوڑا، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ (انعام:۸۴) ہم نے بدلہ میں ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے اور فوراً قرآن نے دوسرا نام لیا کہ آئندہ نسل بھی حضرت اسحاق علیہ السلام سے چلے گی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی ابھی سے ہم نبی کے طور پر ذکر کر رہے ہیں، سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو بھی، اسی طریقے سے نسل کو انبیاء بنایا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور دلائل کا حسن انتخاب

اللہ پاک نے فرمایا: وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ (انعام:۸۳) یہ وہ دلیل ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی تھی، وہ کونسی دلیل ہے؟ اگلے رکوع میں اللہ پاک نے اس کا ذکر فرمایا۔ سورج دیکھا، چاند دیکھا، ستارے دیکھے اور سب کی نفی کر دی کہ ان میں سے کوئی میرا رب نہیں ہو سکتا ہے، جو غروب ہو رہا ہو، جو اندھیرے میں آجاتا ہو، کیا وہ میرا رب ہو سکتا ہے؟ اور اس کے بعد صاف فرمایا، جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی اور اسی طرح إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام:۷۹)

آیت تلاوت کی، آپ نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے اور صرف یہی نہیں فرمایا، بلکہ آگے یہ بھی فرمایا:
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (بقرہ:۱۲۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اور سیدنا عیسی علیہ السلام کی بشارتیں اور میری والدہ محترمہ سیدنا آمنہ کی خواب کی تعبیر ہوں۔ (مسند احمد: ۱۲۸/۴، مستدرک حاکم: ۶۰۰/۲)، میری والدہ نے بھی خواب دیکھے ہیں، اس میں بھی پتہ چل رہا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائیں فرمائی اور حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بشارت دینے کے لئے آیا ہوں اور میرے بعد نبی آنے والے ہیں، جن کا نام احمد ہوگا، یہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو اسلام اور فرماں برداری کی بات چلی، تو اللہ تعالی نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا اور آپ کے لئے یہی فرمایا:
مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ (حج:۷۸) یہ تمہارے والد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اس لئے ہم ان دنوں میں قربانی کا جانور ذبح کر رہے ہیں، قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کی یہ سنت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی کا ایک حصہ ہے، قربانی جو شروع ہوئی ہے، وہ تو اپنے گھر سے شروع فرمائی ہے، والد محترم بت بناتے تھے، بتوں کو بیچتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان سے مقابلہ ہوا اور پھر بادشاہ وقت سے مقابلہ ہوا۔

دعوت کا آغاز اپنے گھر سے ہو

دوستو اور بزرگو!

قرآن کریم نے اس کے ذریعے ہم کو دعوت کے اصول اور دعوت کے اسلوب سکھائے کہ دعوت کی ابتدا سب سے پہلے اپنے گھر سے ہونی چاہئے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو فرمایا گیا وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء:۲۱۴) اپنے قریبی رشتہ داروں

کوڈرائیں،آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سارے آدمیوں کو بلایا اور یہ فرمادیا، آخر میں اس روایت میں یہ جملہ ہے کہ اے میری بیٹی فاطمہ! وہ بہت چھوٹی تھی،ان سب کو جمع کیا تھا،سب کو کہا کہ اللہ کے دین کے لئے اللہ نے میرا انتخاب فرمایا ہے اور اللہ کے علاوہ کی عبادت کرنے سے ڈراؤں، اس لئے میں تمہیں حکم دے رہا ہوں اور یہ ترتیب بتلائی، یہ دعوت دینے کا سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے، کہ آدمی دوسروں کو تو دعوت دیتا ہے،لیکن اپنے گھر میں دعوت دینا ہے،اپنے سماج کے اندر دعوت دینا ہے، یہ سب سے مشکل کام ہوتا ہے،سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام کی سنت رہی ہے کہ سب سے پہلے آغاز اور ابتدا ان حضرات نے اپنے گھروں سے کی ہے،اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے اپنے گھر میں دعوت دینی پڑی اور باپ بت کی عبادت کرتے تھے،ایک مذہبی چیز ہوتی تب تو بات کم تھی،لیکن وہ تو بتوں کو بیچنے والے بنانے والے،اس کے ساتھ یہ گھر کے روزی روزگار کا سبب بنا ہوا تھا، یہ زندگی کا سب سے مشکل وقت ہے،ایک چیز کے ذریعہ روزی روٹی جو چل رہی ہے، مستقبل میں کسی دوسری چیز کو اپناؤ،شاید روزی ملے یا نہ ملے،ایسے موقع پر اپنے گھر میں دعوت دینا انتہائی مشکل عمل ہے۔

قربانی کی اصل روح اطاعت خداوندی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ عمل کر کے ہم کو بتلایا کہ ہماری زندگی کے نمونے بھی نبیوں والا استقلال اور نبیوں والی عزیمت اور نبیوں والے یقین کی کیفیت ہونی چاہئے،کم سے کم زندگی میں جب جانور پر چھری چلا رہے ہو اس وقت یہ بھی دیکھو کہ ہم اپنے جذبات کی بھی قربانی دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑ رہے ہیں،تو اس کو توڑنا بند کریں کہ ایک جانور جو اللہ کے حکم کے آگے جھک کر ہمارے سامنے اپنی جان دے رہا ہے،لیکن ہم نے اپنی پوری زندگی نافرمانی میں گزاری ہے، اللہ پاک کے احکام ٹوٹ رہے ہیں، سماجی زندگی سے احکام ٹوٹ رہے ہیں اور ایسے موقع پر ہم قربانیاں دیں، یقیناً یہ ایک سنت ہے، اس کے بعد بھی جن پر قربانی واجب ہوئی ہے،ان کو قربانی دینی ہے،کوئی یہ بہانہ نہ بنائے کہ چونکہ اللہ کے دوسرے

احکام پر عمل نہیں کررہا ہوں، اس لئے میں قربانی نہیں دیتا ہوں، جن پر یہ واجب ہوئی ہے ان کو ادا کرنا ہے، لیکن کوشش یہ کرنا ہے کہ میری قربانی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے مطابق ہو۔

حج حضرت ابراہیمؑ سے تجدید تعلق اوران کی میراث کی حفاظت

جو جذبات انبیاء کرام کے تھے اور جن کی بنیاد پر پانچ ہزار سال پورے ہونے کے باوجود بھی آج تک سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کی بنیاد پر: وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (حج:۲۷) لاکھوں کا مجمع وہاں پہنچا ہوا ہے اور ہر سال پہنچ رہا ہے اور قیامت تک ان شاء اللہ پہنچتا رہے گا، ان سب کو حج کرنے کے لئے وہاں کیوں بلایا؟ یہی تو قربانی کی جگہ ہے، جہاں سے حاجی جب گزرے گا تو اس کو یاد آئے گا کہ وہ منی کا میدان ہے جہاں شیطان ابراہیم علیہ السلام کے پاس تین تین مرتبہ آرہا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ورغلا رہا ہے، حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو پریشان کررہا ہے، میری زندگی میں بھی بہت سی مرتبہ ایسا ہوگا کہ شیطان مجھے اللہ کے حکم کو توڑنے کی طرف بلائے گا اور اللہ کا حکم مجھے دعوت دے گا، اس طرح کرو، اس موقع پر یہ حاجی کو تین موقع پر حج کے ایک بڑے عمل کے ذریعے شیطان کو کنکری مروائی جارہی ہے، اس کی وجہ سے حاجی کو وہ نقالی کروائی جارہی ہے اور جن جذبات کے ساتھ یہ یہاں پر بلاکر کروائی جارہی ہے، آج سے پانچ ہزار سال پہلے بھی اسی میدان میں شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کے ساتھ اپنے وسوسے والا عمل کیا تھا، لیکن ان سب نے اس کو چھوڑا، آج پانچ ہزار سال کے بعد اللہ پاک ہمارے پاس اس سنت کو جو عمل میں لارہے ہیں، حج کی قربانی یہ سعی اور یہ قربانی یہ سب چیزیں ہیں، رمی ہے، شیطان کو کنکریاں مارنے کا عمل یہ واجب کیوں رکھا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو باقی رکھنے کے لئے، عشق اور محبت کی دنیا کا پہلے سے چلا آیا ہوا معاملہ اور اصول ہے کہ آدمی جب ان جگہوں پر جاتا ہے جہاں عشق وابستہ ہو، ان مقامات سے گزرتا ہے تو

اس کے دماغ میں عشق اور محبت کی پوری داستان گزرتی ہے، اس لئے پانچ ہزار سال پہلے کا ریکارڈ ہمارے سامنے لانے کے لئے حاجیوں کو وہاں بلایا جارہا ہے۔

ایک ایک عمل جو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اضطرار اور بے چینی اور بے قراری کے عالم میں وجود میں آئے ہیں، ہمارے پاس وہ عمل اختیاری طور پر کروایا جارہا ہے، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پریشان ہیں، دور دور تک ریگستانی علاقہ ہے، بالکل بنجر علاقہ ہے، ایک پہاڑی پر چڑھتی ہے کہ کوئی قافلہ گزر رہا ہو اور ان کے پاس سے کچھ پانی مل جائے، جو پانی لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تھے وہ تو ختم ہو چکا ہے اور اس وقت بے چینی اور بے قراری اپنی اور بیٹے کی، اور جب بیچ کے حصے میں آتی ہے تو خطرہ ہوتا ہے کہ شاید بیٹے کا کیا حال ہوگا؟ تو دوڑتی ہوئی آتی ہے، اس کو ہمارے لئے سنت قرار دیا اور میلین اخضرین کی جو گرین لائن ہے مردوں کو دوڑنے کا حکم دیا ہے، یہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی بے چینی اور بے قراری کو یاد رکھنے کے لئے ہے، اب تو وہاں پنکھے لگے ہوئے ہیں اور پانی کے ٹھنڈے کولر بھی لگے ہوئے ہیں، لیکن اللہ کی ایک بندی تھی پانچ ہزار سال پہلے جس نے اپنے بیٹے کی بے چینی اور بے قراری کو مدنظر رکھتے ہوئے کس کیفیت اور کس حال میں یہ چکر لگائے ہوں گے صفا اور مروہ کے درمیان۔

دوستو اور بزرگو!

عشق اور محبت اور اللہ کے حکم کے لئے منوانے کا جو دین کے ساتھ جذبہ ہے، اس جذبے کو شیطان کو کنکریاں مار کر یاد دلایا جاتا ہے، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے ملک شام پہنچتے ہیں اور راستے میں بہت سارے ملکوں سے گزرتے ہیں اور ان ملکوں سے گزرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور بھی امتحان ہوتا ہے، مصر میں آپ کی اہلیہ محترمہ پر بادشاہ کی غلط نظر پڑتی ہے، بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری روایت ذکر کی ہے کہ کس طریقے سے اس نے پریشان کرنا شروع کیا، لیکن اللہ پاک کی طرف سے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی کرامت کا ظہور ہو رہا ہے، جیسے وہ اپنے قریب کرتا ہے، اس کے اوپر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور اس کا پیر زمین کے اندر دھنس جاتا ہے، وہ گرتا جا رہا ہے، ایک مرتبہ دو مرتبہ تین مرتبہ ایسا ہوتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے تم نے میرے پاس کس کو پہنچایا ہے، یہ انسان نظر نہیں آ رہا ہے، یہ کوئی اور مخلوق ہے، اس کے بعد اللہ پاک نے آپ کو رہائی بھی نصیب فرمائی۔

اسی بادشاہ نے ہدیہ میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا عنایت فرمائیں، جن کے بطن سے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور خاتم الانبیاء، احمد مرسل، نبی مرسل، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے اسی سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پیدا فرمایا، اس لئے جو قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لی تھی، اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں تلقین کی: يَابُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى (صافات :۱۰۲) میرے بیٹے! جو میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، قرآن کی تعبیر دیکھیے کہ قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں ذبح کر چکا ہوں، بلکہ فرمایا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، أَنِّي أَذْبَحُكَ۔ مضارع کا صیغہ ہے، جو حال کو بتلا رہا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے تمہیں ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اللہ پاک نے وہی عمل پورا کروایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام چھری چلا رہے ہیں، چھری چل نہیں رہی ہے وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (صافات:۱۰۷) اور اللہ پاک نے آسمان سے ایک مینڈھا بھیجا۔

ذبح کے وقت کیا تصور کریں

بزرگو اور دوستو!

جب ہم قربانی کے جانور کو ذبح کریں، اس وقت ذرا اس میں غور کریں کہ اللہ پاک نے احسان فرمایا سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے اللہ پاک نے آسمان سے ایک جانور بھیجا، قرآن نے فرمایا: ہم نے تمہارا بہت بڑا امتحان لیا، ہم اپنی اولاد کو دنیا سے اس طرح

رخصت کر کے جائیں، تعلیم اور تربیت دے کے جائیں کہ جس کے نتیجے میں وہ اللہ کے احکام کو ماننے والی ہوں، قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں، ان دعاؤں میں ذرا غور و فکر کریں کہ ان ساری دعاؤں میں اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کرنے کی بات ہو رہی ہے، میری زندگی اور میری موت محض اللہ کے لئے ہے، تو اس وقت ہم اپنی اولاد کو دیکھیں کہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی وہ تربیت فرمائی تھی کہ اللہ کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے، آج ہم اپنی اولاد کی ایسی تربیت کریں کہ وہ اللہ کے احکام کے لئے مسجد میں آنے والی بن جائیں، وہ اللہ پاک کے احکام کے لئے اپنی شکلیں اور صورتیں اسلام کے لئے باقی رکھیں، اسلامی شعار اور مسلمان کی جو اسلامی امتیازی شان ہوتی ہے، وہ اللہ تعالی ہماری اولاد میں باقی رکھیں، دین کی ان چیزوں کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جن میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو، اللہ تعالیٰ کے رسول جن سے راضی ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہ وقت کے ساتھ مناظرہ

دوستو اور بزرگو!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے چند احوال میں سے ایک بڑا واقعہ پیش آیا، بادشاہِ وقت کے ساتھ مناظرہ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ میرا خدا وہ ہے جو کسی کو زندگی دیتا ہے اور کسی کو موت دیتا ہے، اس نے کہا کہ میں بھی موت دیتا ہوں اور ایک قصور والے کو چھوڑ دیا اور ایک بے قصور کو قتل کر دیا اور کہا کہ دیکھئے! میں نے بھی ایسا کیا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سمجھ گئے کہ یہ اس کے دماغ سے باہر کی چیز ہے، آپ نے فرمایا کہ میرا پروردگار روزانہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب یعنی پچھّم کی طرف غروب کرتا ہے، تو اگر خدا ہے تو مغرب یعنی پچھّم کی طرف سے نکال کر دکھا، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت سے پہلے کے واقعات میں ہم سب سن چکے ہیں کہ دنیا میں انسانوں کی توبہ وہاں تک قبول ہوگی، جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلے گا، اس وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے،

یہ پوری دنیا کے انسانوں کے اعتبار سے ہے اور ہر انسان کے اعتبار سے حدیث شریف میں فرمایا ہے، جب تک روح غرغرے تک نہیں آئے گی، اس وقت تک توبہ قبول ہوتی رہے گی، پھر توبہ قبول نہیں ہوگی، جب انسان کی موت آجائے، اس کی روح غرغرے تک آجائے تو اب توبہ قبول نہیں ہوگی، فرعون نے توبہ کی تھی لیکن قرآن میں اللہ پاک نے فرمادیا۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس:۹۱)

یہ ہم سب کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے اللہ پاک سورج کو مغرب سے نکالے گا اور کچھ دن پہلے سائنس دانوں کے کچھ اقوال بھی آئے کہ سورج میں ایسی ہلچل مچی ہوئی ہے کہ ایسا لگ رہا ہے کہ یہ اپنی جگہ چھوڑ کر کسی وقت مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا، خیر! یہ تو سائنس کی دنیا ہے، لیکن مجھے اس لئے کہنا ہے کہ وہ بھی ان چیزوں کی طرف آرہے ہیں، جو غیب کی چیزیں ہیں، اللہ پاک نے جو کائنات میں نشانیاں رکھی ہیں، رات دن جو ریسرچ کر رہے ہیں، وہ نشانیاں بھی دیکھ رہے ہیں اور ان کو محسوس ہو رہا ہے کہ سورج کسی وقت اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ سے طلوع ہوگا۔

خیر! حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کو اپنی خدائی ظاہر کرنے کے لئے سورج کو مغرب سے نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائی کی دلیل یہ بتلائی ہے کہ خدا وہ ہوتا ہے کہ جو سورج کو مغرب سے بھی نکال سکتا ہے اور سورج کو مشرق سے بھی نکال سکتا ہے، یہ خدا ہونے کی دلیل پیش کی، تو اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے اس جملے کو اللہ تبارک وتعالی قیامت سے پہلے پورا فرمائیں گے اور سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

بابرکت ایام کی قدر کریں

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ قربانیاں ہیں، اس کے نتیجے میں اللہ پاک نے ہمیں یہ دن عطا فرمائے ہیں، اس لئے ہم ان دنوں کی خاص قدر کریں، خاص کر کے جن دنوں سے ہم گزر رہے ہیں، دوستو اور بزرگو! اگر توفیق ملے تو روزے رکھے جائیں، تلاوت کی جائے،

صدقے کئے جائیں، اور عرفہ کا دن جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ دن ہے اور وہ جمعہ کا دن آرہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ چند دن عنایت فرمائے ہیں، یہ عجیب اللہ کا نظام ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کہ سال میں کچھ دن کچھ مہینے ایسے رکھے ہیں کہ بندے اس میں کچھ مانگے تو اللہ پاک کی طرف سے بہت زیادہ بدلہ ملتا ہے۔

فطرت انسانی میں عشق ومحبت کا عنصر ہے، انسانی تعلقات دوقسم کے ہیں: رابطہ وضابطہ، انسان کا اپنے خالق کے ساتھ رابطہ کا تعلق ہے۔ صرف واجبات وٹیکس کی طرح نہیں بلکہ عشق وقربانی بھی رکھی ہے، صفات خداوندی کا قرآن مجید میں کثرت سے ذکر، نفی مجمل، اثبات مفصل، صفات ہی کے علم سے محبت پیدا ہوتی ہے، اس کا لازمی نتیجہ کسی حسی مشہود کی ضرورت۔

شعائر اللہ: اس محبت کے فطری جذبہ کو تسکین دینے کے لئے کچھ چیزیں رکھی جن کا تعلق ذات خداوندی سے ہو، جو اس کی کہلائے، اس پر اس کی محبت وتجلی کی بارش ہوتی ہو، اور اس کے ساتھ کچھ محبت کی تاریخ بھی وابستہ ہو، جو اس کو اس کی یاد دلائے۔

حج جذبۂ عشق کی تسکین ہے، امام غزالی اور شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے لقاء کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل و اسباب اختیار کرتا ہے، وہ ایسی چیزوں کی تلاش کرتا ہے جن کی نسبت اس کے محبوب کی طرف ہو، کعبہ کی نسبت بھی اللہ عزوجل کی طرف ہے۔

کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ کا اشتیاق ہوتا ہے، اور محبت جوش مارتی ہے، وہ اس شوق کی تسکین کے لئے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج میں ہے۔

عقل و مادیت کے پرستاروں کے خلاف عقل کے ہاتھ سے لگام لے کر جذبۂ دل کے حوالے کردی، صرف عقل پر اعتماد کرنے کو وفادار نہیں کہہ سکتے جو مادی فوائد پر اطاعت کو موقوف قرار دے، مقصد یہ ہے کہ اس کے اندر ایمان بالغیب اور حکم کو محض حکم سمجھ کر بے چون و چرا بجالانے کا جذبہ پیدا کرے، اس لئے حج میں عقل اور نفس کے خلاف نقل وحرکت کا پابند

بنایا جو کمال عبدیت و درجۂ فنائیت کو ظاہر کرے، زکوٰۃ رحم دلی اور غم خواری، روزہ سے خواہشات کی سرکوبی، نماز تواضع اور خدا کی کبریائی بتاتی ہے؛ لیکن حج کے اکثر ارکان عقل کے خلاف خدا کا حکم سمجھکر کئے جاتے ہیں، کمال عبدیت ومجرد اطاعت سمجھ کر کرتے ہیں، رمیٔ جمار کے وقت شیطان یہ خیال بھی لاتا ہے کہ میرے سامنے تو شیطان نہیں ہے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ خیالات بھی شیطانی ہیں؛ تاکہ اس کی ذلت کا تمہارا ارادہ کمزور ہو جائے۔

حاجی حکم کا بندہ اور اشارہ کا غلام ہے، وہ کبھی مکہ میں، کبھی عرفات میں، منیٰ، مزدلفہ میں، سکون وسفر، نہ کوئی مستقل فیصلہ نہ ارادہ جمع تقدیم وتاخیر کر کے بتلانا کہ وہ اپنی عادات وعبادات کا بھی بندہ نہیں، فقط حکم کا بندہ ہے۔

عرفات میں مجمع کثیر کا ایک ساتھ دعا مانگنا بھی اثر سے خالی نہیں، حدیث: عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان حقیر وذلیل اور غصہ سے جلا بھونا کبھی نہیں دیکھا گیا اور یہ صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنی آنکھوں سے رحمت الٰہی کا نزول دیکھتا ہے، بڑے بڑے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (موطا مالک مرسل) حج حضرت خلیل سے تجدید تعلق، ان کی میراث کی حفاظت کا نام ہے۔

تحریف وفساد، عقائد واعمال کی صحت وغیرہ کے لئے بھی مفید ہے، امت کے صلحاء علماء کا اجتماع دین اور امت کو تحریف وبدعات وغیرہ سے پاک کرنا۔

اسلامی اخوت اور لسانی وقومی وطنی عصبیت سے پاکی حاصل ہوتی ہے، سب کا لباس ایک سارے قومی لباس نکال کر سب کا کلمہ بھی ایک (**لبیک اللھم لبیک**) حاکم ومحکوم، فقیر مالدار، عرب وعجم کا فرق اور وطنیت وقومیت ختم ہو جاتی ہے۔

دیگر مذاہب۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا. (حج: ۳۴)

دنیا کی ہر قوم وملت کے مقدس مقامات ہیں جس کی وہ زیارت کرتے ہیں، یہودی بیت المقدس کی ۳ تہوار کے موقع پر زیارت کرتے ہیں۔ عیسائی لوگوں نے فلسطین وروما کی زیارت کو شرک تک پہونچا دیا، ہندو گنگا جمنا کے کنارے سنان کرتے ہیں؛ لیکن سب نے شرک کیا، خدا

کو چھوڑ کر ان چیزوں کو معبود سمجھا، اسلام نے شرک سے روکا، مرض الوفات میں بھی آپ کو اپنی امت کی فکر تھی، **لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مسجدا.** (بخاری: کتاب الجنائز، باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور)

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۸۵﴾ (بقرہ:۱۸۵)

عید دن دنیا کی جامعیت کا نمونہ ہے، عید کی خوشی بھی ثواب کا باعث ہے، اچھے کپڑے پہننا، اچھا کھانا وغیرہ ہوتا ہے۔

عید کے دن زیادہ کام دو رکعت کا دیا، اسے چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا، ساری امتیں اپنا سبق بھولا چکی، اس امت کو اپنا سبق یاد ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، ہولی، دیوالی، کرسمس میں دیکھا جاتا ہے نہ اخلاق، نہ انسانیت وشرافت کا پاس ولحاظ، نہ خدا کی یاد نہ پہچان، ایسا لگتا ہے کہ سارے تہوار بچوں کا کھیل ہے، بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں، دنیا کی قومیں بچوں کی طرح صرف خوشیاں مناتی ہیں، عید شکریہ ادا کرکے اپنے اندر کو درست کرنے سے آئے گی، آج افسوس کہ مسلمان میں غیر سے کوئی فرق نہیں رہا، ہماری کوئی شان امتیازی نہیں رہی، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴿۲۹﴾ (انفال:۲۹)، عراق وشام اور مصر تہذیب وکلچر، زبان کے ساتھ مسلمان ہو گئے، اس وقت دنیا برائی کے بھینٹ چڑھ گئی ہے اس کو بچانا صرف ایمان والوں کا کام ہے۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴿۱۱۶﴾ (ھود:۱۱۶) حضرات انبیاء کرام نے بھی یہ کام کیا اور آپ کے متبعین نے بھی کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ - عید قربان

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴿۳۵﴾ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

(ابراہیم:۳۵-۳۷)

ان آیات میں دعاء کا سلیقہ سکھایا۔

ھٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا: اپنے وطن میں خوف وخطر سے اطمینان دینی دنیوی دونوں لائن سے ضروری ہے، تب ہی دنیوی منفعت اور عبادات میں جی لگ سکتا ہے، غرض دعا میں انسانی فلاح و معاشیات اور ضروریات زندگی کا خیال رکھ کر حق پدری ادا کیا اور بتایا کہ یہ ترک دنیا کے منافی نہیں؛ بلکہ تقاضائے اولاد ہے۔

اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ: شرک سے معذرت کا امکان نہیں، صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انسان کو غافل کردے وہ اس کا بت ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں: ہر خیالے، شہوتے درراہ بتے است۔

اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ: بے آب وگیاہ لق ودق میدان میں اولاد کو چھوڑنا، حکم خداوندی میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرنا، تسلی دینے کا بھی انتظار نہ کرنا، اس نے مقام خلیل اللہ کا حق ادا کیا؛ لیکن پہاڑی سے پیچھے اوجھل ہوتے ہی ان کی حفاظت وامن کی دعا کرنا، طعام وشراب کا مسئلہ حل فرمانا، کیونکہ تعمیل حکم کے بعد مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی، دونوں پہلو کی رعایت کی۔

غیر ذی ماء نہیں فرمایا کیونکہ یقین تھا کہ اللہ ان کو ضائع نہیں فرمائے گا، ذی زرع کہہ کر پھل وثمرات کی درخواست کی، چاہے دوسری جگہ سے عنایت ہو، **یجبی الیه ثمرات کل شیئ** کا معجزہ ظاہر ہے۔

رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ: اولاد کی خستہ حالی کے ذکر کے بعد اولاً دعا ان کی نماز کی پابندی کی ہے، اولاد کی خیر خواہی میں توحید کے بعد نمبر نماز کا ہے۔

مِّنَ النَّاسِ: نہ فرماتے تو ساری دنیا کے لوگ مکہ مکرمہ میں چلے آتے۔مِنَ النَّاسِ کے مِنْ نے اس دعا کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔(ابن کثیر)

مِّنَ الثَّمَرٰتِ: مشینری، فیکٹری وغیرہ بھی ثمرات میں آ گیا۔

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ: ابتداء نماز کی پابندی سے، انتہاء شکر گزاری پر، درمیان میں معاشی راحت کا ذکر کر کے اشارہ کیا کہ مسلمان کے احوال واعمال میں آخرت کا غلبہ ہو، دنیا بقدر ضرورت ہو۔

اپنی دعا کے آغاز میں رَبَّنَآ - کہہ کر اپنی باطنی فکر وغم کو اسی کے حوالے کیا، جیسے حضرت یعقوبؑ کا فرمانا انما اشکو بثی، معلوم ہوا کہ اپنی تکالیف، مصائب کا بیان صرف دعا میں ہو خالق سے، نہ کہ مخلوق سے کہ وہ ہی حل کرے گا، بدلہ دے گا، اور مخلوق بدنام کرے گی۔دعا میں حمد وثنا کی جائے، الحاح وزاری کے ساتھ میں دعا کا رواج اور طریقہ بھی سکھلا دیا۔

قصۂ ابراہیمی کے لطائف

(۱) باپ کا بت تراش ومجاور ہونا۔عقیدہ جب روزگار بھی ہو تو اس کو چھوڑنا دشوار ہوتا ہے۔

(۲) گھریلو زندگی سے دعوت کا آغاز جہاں سے بڑے سے بڑا انقلاب کا بھی گذر نہیں ہوتا۔

(۳) وطن چھوڑا، لیکن ایمان جیسی قیمتی چیز کے ساتھ ہونے سے مطمئن تھے۔

(۴) ملک شام میں سرسبزی وشادابی ہے؛ لیکن جب چلنے کا حکم ہوتا ہے تو کسی جگہ کو اپنا وطن سمجھے بغیر حکم کے بندے وغلام تھے۔

(۵) بیوی بچے کو وادی غیر ذی زرع میں اللہ کے بھروسے چھوڑا، نہ جزع وفزع، نہ وعدۂ الٰہی میں شک وتذبذب بلکہ سراپا اعتماد علی اللہ اور ایمان بالغیب۔

(۶) حضرت ہاجرہ کا پانی تلاش کرنا اعتماد علی اللہ اور توکل کے منافی نہ تھا، نبی کی بیوی ہونے کے باوجود اسباب اختیار کئے۔

(۶) حضرت ہاجرہ کی حرکت کو دوام بخشا، اس کے بغیر حاجی حج مکمل نہیں کر سکتا۔

(۷) دو محبت ایک جگہ جمع نہیں ہوتی، محبت شرکت گوارہ نہیں کرتی۔

(۸) خواب کو حکم سمجھا۔ (۹) راستہ میں شیطان کا پھسلانا جو مؤمن کو اطاعت سے دور رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

(۱۰) مقصود محبت کو ذبح کرنا تھا نہ کہ بیٹے کو۔

(۱۱) حضرت ابراہیم کے زمانہ میں دنیا اسباب کی غلام تھی، آپ کی دعوت اس کے خلاف ایمان وتوحید کی تھی، وہ مسبب الاسباب ہے، آگ کو باغ بناتا ہے، آگ ارادۂ خداوندی کے تابع ہے، جلانے کی صفت اضافی ہے جو امانت کے طور پر ہے، جب چاہے سلب کرے۔

(۱۲) لوگوں کا عقیدہ سرسبزی وشادابی اور خوش گواری کا تھا، تجارت وکاروبار کی سہولت والے مقام کو وطن بناتے ہیں، آپ نے اس کے خلاف عمل کر کے عقیدۂ توحید وتوکل سمجھایا۔

اللہ تعالی کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(۳۱) حالات آزمائش کے لئے آتے ہیں

(بمقام گارڈن مسجد بھروچ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحٰى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِيْنَ ○ (سورۃ ابراہیم: ۱۳)

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يَاشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ ○ (سورۃ اعراف: ۸۸)

وَنُرِيْدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ ○ (سورۃ قصص: ۵)

قال رسول الله ﷺ یوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ؟ قال: بل أنتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، فقال قائل: يا رسول الله، وما الوهن؟ قال: حب الدنيا، وكراهية الموت. (سنن ابی داود: کتاب الملاحم، باب تداعی الامم علی الاسلام)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ والشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

انبیاء کرام کو دعوت دین پر قوم نے کیا کہا؟

محترم اور مکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

کلام پاک کی جن آیات کریمہ کی تلاوت کی، ان میں اللہ تبارک وتعالی انبیائے کرام کے واقعات کو ذکر فرماتے ہیں، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے جب اللہ کے دین کی دعوت دی تو قوم کے بڑے لوگوں نے مخالفت کی، بہت ساری باتیں انبیاء کرام علیہم السلام کو کہی گئیں، اسی میں ان سے یہ کہا گیا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحٰى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِيْنَ (ابراہیم: ۱۳) انبیائے کرام علیہم السلام کو کہا گیا: لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا ۔ضرور بالضرور ہم تمہیں ہماری زمین سے، اس علاقے سے نکال دیں گے، لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۔ یا یہ کہ تم ہمارے مذہب کی طرف واپس آجاؤ، اس کے بغیر تم کو اس زمین پر رہنے کا حق نہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: فَأَوْحٰى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ ۔ اللہ پاک نے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِيْنَ۔ ہم ضرور بالضرور ظالمین کو ہلاک کریں گے، انہوں نے تاکید سے کہا لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا ۔ ہم ضرور نکالیں گے تو اللہ پاک نے فرمایا: لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِيْنَ ۔ ہم ضرور بالضرور ظالمین کو ہلاک کریں گے، آگے اللہ تبارک وتعالی نے یہ بھی فرمایا: وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ (ابراہیم: ۱۴) اور ہم تم کو اس کا وارث بنائیں گے، مالک بنائیں گے، جن جن نبیوں کو بھی اپنی قوموں کی طرف سے کہا گیا، اللہ تعالی نے ان تمام انبیاء کرام کی طرف سے یہ جواب دیا: ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ (ابراہیم: ۱۴)

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ جن ایمان والوں کو ہم سکونت دیں گے، چین اور امن وعافیت دیں گے، ان کے وطنوں میں انہیں بحال رکھیں گے، یہ وہ بندے ہوں گے، ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ۔ جو بندے کل قیامت کے دن میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گئے یعنی اس کا استحضار کیا، اس کا خیال کیا اور پوری زندگی کے ہر عمل کے اندر اللہ تبارک وتعالی کا خوف رکھا، ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ اور جو اس وعید سے ڈر گیا اور ایک آیت میں فرمایا ونہی النفس عن الھوی۔صرف ڈرنا نہیں ہے، عملی شکل میں اپنے آپ کو خواہشات سے جس نے روکا، اللہ پاک نے اس آیت میں فرمایا، ہم اپنے بندوں کو وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۔ضرور بالضرور آباد کریں گے، ایک اور آیت میں اللہ پاک نے فرمایا کہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام اور سیدنا حضرت لوط علیہ السلام کو بھی لوگوں نے اسی طریقے سے کہا: قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَانُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِيْنَ (شعراء:۱۱۶) اے نوح! اگر آپ ہماری نہیں سنیں گے تو ہم پتھر مار مار کر تمہیں ختم کریں گے، موب لنچنگ کا لفظ آج نکلا ہے، قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس وقت کہا تھا کہ الْمَرْجُومِيْنَ۔ اور قوم لوط نے تو مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ کہا اور نوح علیہ السلام کی قوم نے مِنَ الْمَرْجُومِيْنَ پتھر مار مار کر ہم تمہیں ختم کریں گے۔

انبیاء کا اللہ پاک سے دعا کرنا

حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں کیا فرمایا؟ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء:۱۱۸) اے میرے پروردگار! آپ ہمارے اور ان کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دیں، حضرت لوط علیہ السلام کو بھی یہ کہا گیا: قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَالُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (شعراء:۱۶۷) حضرت لوط علیہ السلام نے بھی فرمایا: قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِيْنَ ۔ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُوْنَ (شعراء:۱۶۹) اے میرے پروردگار! آپ مجھے اور میرے گھر والوں کو نجات دیجئے، فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ (شعراء:۱۷۰) آگے اللہ پاک فرماتے ہیں: ہم نے ان کو نجات دی، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ پاک سے دعا مانگی، اس دعا میں بھی آگے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور کشتی میں جو لوگ سوار تھے ان سب کو بچالیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی: قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يَاشُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِي مِلَّتِنَا (اعراف:۸۸) حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا گیا کہ آپ اگر ہمارے دین کی طرف واپس آ گئے، تب تو ٹھیک ہے اور اگر واپس نہیں آئے تو ہم تم کو اپنے گھر سے نکال دیں گے۔

دین قربانیاں مانگتا ہے

دوستو اور بزرگو!

یہ قرآن شریف کی آیتیں، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات قیامت تک انسانوں کو جو حالات اور واقعات پیش آنے والے ہیں اور خاص کر کے امت محمدیہ کو جب اس قسم کے حالات سے سابقہ پڑے گا، چونکہ قرآن کریم کی آیت قیامت تک کی پوری انسانیت کے لئے اور خاص کر کے امت محمدیہ کے لئے اللہ پاک کی طرف سے ہدایت ہے، إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ (اسراء:۹) بالکل درست راستہ ہے، وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ (اسراء:۹) اور ایمان والوں کے لئے بشارت ہے، اس لئے اللہ تعالی نے چودہ سو سال پہلے قرآن کریم کی ان آیتوں کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمایا، آسمان دنیا سے اللہ پاک نے اس قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر اتارا، ان آیات کے ذریعہ اللہ پاک نے مسلمانوں کو قیامت تک کے لئے بتلا دیا کہ جن حالات میں انبیائے کرام علیہم السلام گزرے ہیں، جو جو حالات ان کے ساتھ پیش آئے ہیں، ان کی قوموں نے جو الفاظ ان سے کہے اور نبیوں کے ساتھ انہوں نے جو سلوک کیا، یہ اللہ پاک کا دین اور یہ ہدایت جو انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے نازل فرمائی، وہ کچھ قربانیاں مانگتی ہے، أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (عنکبوت:۲) کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ صرف لا الہ الا اللہ پڑھے ہیں، اور آزمائش نہیں آئے گی، ایسا نہیں ہوگا، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (عنکبوت:۳) تم سے پہلے امتیں آئیں، نبیوں نے دعوت دی اور نبیوں پر حالات آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے کہا کہ میں تمہیں نکال دوں گا، تم میرے سے علیحدہ ہو جاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں: انی مهاجر الی ربی۔ میں اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں، یہ حالات اور یہ واقعات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ پیش آئے، دین کی نسبت سے، دعوت کی نسبت سے، اور جب یہ حالات آئے تو اللہ پاک کی طرف سے مددیں بھی اسی طرح آئیں، اس لئے اس وقت کے جو حالات جو بل پاس ہو رہے ہیں، یا پارلیمنٹ اور راجیہ سبھا میں ہو چکا اور آج ملک کے صدر کی طرف سے اس پر مہر بھی لگا دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو کوئی رد نہیں کرسکتا

دوستو اور بزرگو! یہ انسانی قانون ہے، قانون داں ہمیشہ حال کا سوچتا ہے، ماضی کا علم اس کو کچھ ہوتا ہے، مستقبل کے متعلق اس کو کچھ علم نہیں ہوتا ہے، اللہ پاک کی ذات عالی کے احکام اور اس کے اٹل فیصلے، اس کے قانون اور سنت اللہ جو اس نے اپنے پاک کلام میں ذکر فرمائی، اصولی طور پر بھی ذکر فرمائی اور عملی طور پر بھی اس کی نشانی اور نمونے ہمارے سامنے قرآن کریم نے پیش کئے ہیں، یہ حالات اور واقعات اٹل رہنے والے ہیں، کوئی ذرہ برابر انسانی کوشش اللہ تعالی کے ان فیصلوں کو رد نہیں کرسکتی، مَا يَفْتَحِ اللهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر:۲) جب اللہ پاک اپنے کسی بندے پر رحم کرنا چاہتے ہیں فَلَا مُمْسِكَ لَهَا۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جب اللہ پاک روکتے ہیں تو اللہ کی اس روک کو کوئی دور نہیں کرسکتا۔ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ (یونس:۱۰۷) اللہ فضل فرمانا چاہتے ہیں تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا، اور اگر تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں تو کوئی اس کو کھول نہیں سکتا، دور نہیں کرسکتا۔

امم سابقہ کے قصص عبرت، نصیحت اور ہدایت کے لئے ہیں

دوستو اور بزرگو!

ہمارے سامنے ایک بہت بڑی امت کے حالات قرآن کریم میں سب سے زیادہ ذکر

گئے ہیں، قرآن کریم کے انیسویں پارے میں جس قوم کا ذکر ہے، پہلے پارہ سے لے کر تیسویں پارہ تک اللہ تعالی نے ان کے واقعات اور ان کے حالات کو، ان مسائل کو اتنی تفصیل سے ذکر کیا گویا ایک لطیف اشارہ قرآن کریم کی طرف سے ہے کہ اس امت کو بھی ان حالات سے گزرنا ہوگا، جن حالات سے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل گزرے ہیں، اس لئے قرآن کریم میں جن واقعات کو اتنا اہتمام سے ذکر کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قریب تھا کہ حضرت موسی علیہ السلام کے واقعات قرآن کریم کے ایک تہائی حصہ تک پہنچ جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو فرما رہے ہیں کہ تفصیل سے ان کو ذکر فرمایا، یہ کیوں ہوا؟ صرف ان آیتوں کو پڑھ کر یا ان واقعات کو سن کر گزر جانا نہیں ہے، قرآن کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے، سورۂ یوسف کی آخر میں اللہ تعالی نے فرمایا، یہ واقعات ہم اس لئے بتلاتے ہیں کہ اس کی بنیاد پر ایمان والے حضرات عبرت حاصل کریں، ہدایت، موعظت اور نصیحت حاصل کریں، ان سارے واقعات میں لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف:۱۱۱) ایک اور جگہ پر سورہ قصص میں اللہ پاک نے فرمایا إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (قصص:۴) فرعون کے فساد کو اللہ پاک نے ذکر کیا، اس نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا دعوی کیا، اپنے آپ کو کائنات کا سب سے بڑا ابتلایا، اللہ تعالی فرماتے ہیں: اس نے تکبر کیا، بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کیا، پریشان کیا، ان کے پاس محنت اور مزدوری کروائی اور مزدوری پوری نہیں دی، ہر قسم کے کام کروانے کے لئے ان کو تیار کرتا تھا، إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ۔ انسان کو پیدا کرنے والی ذات فرماتی ہے کہ فرعون فسادی تھا۔

ایمان کی بنیاد پر ستانے پر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے

اللہ پاک نے قرآن کریم میں جن جن فسادیوں کے واقعات کا تذکرہ کیا، اس کے بعد اس کے نتائج کو بھی ذکر کیا، انہوں نے یہ کیا اور ہماری طرف سے یہ ہوا، اس سے قیامت تک آنے والے

ظالموں اور جابروں کو قرآن کریم کی آیت بتلاتی ہے کہ اللہ پاک اٹل فیصلہ کرتے ہیں، ان اللہ لا یحب المفسدین۔ اللہ پاک فسادیوں کو اور فساد کو پسند نہیں فرماتے ہیں، تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (قصص: ۸۳) یہ آخرت کی زندگی ہم اپنے نیک، پرہیزگار اور تکبر نہ کرنے والے بندوں کو عطا فرمائیں گے اور جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی، انبیائے کرام کو ستانے والوں کے متعلق آگے اللہ پاک نے عذاب اور سزا کا ذکر کیا، وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ، مِنْ وَّرَائِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ، يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَائِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ (ابراہیم: ۱۷)

دوسری ایک آیت میں یہ بھی فرمایا: اللہ پاک کا عذاب اور سزا چاہے دنیا میں آئے، جیسے فرعون پر آیا اور سمندر میں اس کو غرق کر دیا، واتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا (دخان: ۲۴) سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہ رہے تھے کہ سمندر کے پانی کو ملا دیں، اللہ پاک نے فرمایا: اے موسیٰ! اسے اسی حال میں رہنے دو، یہ سارے واقعات ذکر کرتے ہوئے سورہ قصص میں اللہ پاک فرماتے ہیں: وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ (قصص: ۵) ہم یہ چاہتے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ ۔ جن ایمان والوں پر ظلم ہوا تھا، اللہ پاک فرماتے ہیں وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ ہم چاہتے ہیں کہ ہم احسان کریں اور زمین کا ان کو وارث بنا دیں۔

دوسری آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں: ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْآخَرِيْنَ (شعراء: ٦٦) فرعون اور فرعونیوں کو غرق کر دیا اور اس کے بعد اللہ پاک فرماتے ہیں وَاَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِيْنَ (دخان: ۲۸) ایک جگہ پر فرمایا کہ ہم نے دوسری قوموں کو ان کا وارث بنایا اور ایک جگہ فرمایا: كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنَاهَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (شعراء: ۵۹) فرعون کو غرق کر دیا، مصر کی زمین جو ان کے لئے تنگ تھی، اللہ پاک نے اسی مصر کا ان کو مالک بنا دیا۔

یہ واقعات اور یہ قرآن کریم کے حالات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کہ جب ایمان کی بنیاد پر اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو ستایا جاتا ہے، إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (غافر:۵۱) ہم ضرور بالضرور مدد کرتے ہیں ہمارے رسولوں کی اور جنہوں نے ان کی مانی، اس دنیا میں بھی وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ اور قیامت کے دن جب گواہیاں قائم ہوگی، اس وقت بھی ضرور بالضرور مدد کریں گے۔

حالات آنے پر مومن کی کیفیت

دوستو اور بزرگو! لیکن ان تمام آیات میں ''ایمان'' کا لفظ بار بار قرآن نے ذکر کیا، اس لئے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ایمان والے اللہ کے بندے ایمان پر جمے رہے، حالات اس لئے آتے ہیں کہ ان کا امتحان ہو جائے، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے:

تو سمجھتا ہے یہ سامان ہے دل آزاری کا	–	امتحان ہے تیرے ایثار کا خودداری کا
کیوں ہراساں ہے صہیل فرس اعداء سے	–	نور حق بجھ نہ سکے گا نفس اعداء سے

جس میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ حالات جو تیرے اوپر آتے ہیں، اس سے گھبرا اور پریشان مت ہو، یہ تیرے ایمان کا امتحان ہے، اور یہ بندوں کی طرف سے نہیں ہے، وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (انعام:۵۹) درخت کا کوئی پتہ ہل نہیں سکتا ہے، وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ۔ زمین کے تہہ میں جو دانہ ہوتا ہے، وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ کوئی تر اور خشک چیز اللہ پاک کے علم سے باہر نہیں ہے، إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔ سب علم الٰہی میں محفوظ ہے، اللہ پاک کے ارادے کے بغیر کائنات کا کوئی ذرہ اور پتہ بھی نہیں ہل سکتا، یہی ایمان والے کا ایمان ہونا چاہیے۔

''وہن'' دشمن کو مسلط کرتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کے دل میں یہ بات ڈالی اور اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کا جو جملہ میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ دنیا بھر کی قومیں تم پر ایسے ٹوٹ پڑے گی، جس طرح کھانے کے پیالے پر یا دسترخوان پر بھوکے کھانے والے ٹوٹ پڑتے ہیں، صحابہ کرام نے فرمایا کہ کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، لیکن دل میں وہن پیدا ہوگا، صحابہ کرام نے پوچھا: ''وہن'' کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: '' حب الدنیا و کراھیة الموت''۔ دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی۔ جتنی محبت دنیا کی آئے گی، خودبخود موت سے دوری پیدا ہوگی اور جتنی موت سے قربت پیدا ہوگی موت کا استحضار ہوگا، اتنا وہ آپ کو دنیا کی چیزوں سے دور کرے گا، ضرورت کی چیزوں کے استعمال کرنے سے منع نہیں فرمایا، لیکن سوچ ہماری وہ نہ ہو جو دنیا داروں کی سوچ ہوتی ہے، جب قرآن کریم کی ان آیات میں جنت کی ہمیشہ ہمیش کی نعمتوں کے متعلق ایمان والوں کو اتنے وعدے کئے گئے ہیں، ان نعمتوں کو عجیب وغریب انداز میں کہیں سورہ واقعہ میں، کہیں سورہ رحمن میں اور دوسری سورتوں میں عجیب وغریب انداز میں اللہ پاک نے ان نعمتوں کو ذکر فرمایا اور یہ ساری نعمتیں ایمان والوں کو دنیا سے جانے کے بعد ہمیشہ ہمیش ملنے والی ہیں۔

فرماتے ہیں: أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (عنکبوت: ۲) کیا تم یہ سمجھ گئے کہ صرف لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد آزمایا نہیں جائے گا، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (عنکبوت: ۳) ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو آزمایا، فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ (عنکبوت: ۳) بہت بڑی وجہ قرآن کریم میں ذکر فرمائی۔

حالات کیوں آتے ہیں؟

دوستو اور بزرگو!

یہ حالات کیوں آتے ہیں؟ مخلص اور گنہگار کو جانچنے کے لئے، ایک آدمی دعویٰ کرے کہ میں پکا مومن ہوں اور جب حالات آئے اور ایک طرف ہو جائے، ان حالات میں اپنے ہتھیار ڈال دے، دلیل ہے کہ یہ اپنے دعوے میں اور ایمان میں سچا نہیں ہے، قرآن کریم نے غزوۂ احد کے واقعہ کو ذکر کیا، کہ اچانک حالات میں تبدیلی آگئی، کہ یہ کیوں ہوا؟ اللہ پاک نے بہت ساری

وجوہات بہت عجیب وغریب انداز میں چوتھے پارے میں اورنووے میں ذکرفرمائی،اس میں یہ بھی فرمایا کہ ہم اپنے مخلص بندوں کو جانچنا چاہتے ہیں کہ وہ اخلاص میں کتنے ہیں؟ انبیائے کرام علیہم السلام سے مخلص کون ہوسکتا ہے؟ ان کا امتحان لیا تو میں اور آپ کون ہوتے ہیں،قرآن کریم کے تمام واقعات میں بتلایا کہ لوگوں نے دھمکیاں دیں،لیکن اللہ پاک کا نظام اور ہوگیا اور وہ فرعون جو ڈنڈنا تا تھا،دھمکیاں دیتا تھا،اللہ پاک نے سمندر میں اس کو غرق کردیا، اللہ پاک ایک اور آیت میں فرماتے ہیں کہ ہم نے سب کو ان کے گناہوں سے پکڑا،کسی کو فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا (عنکبوت:۴۰) آسمان سے پتھر برسائے گئے،وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا (شعراء:۱۷۳) قوم لوط کے اوپر کیسا عذاب آیا۔جو سیدنا لوط علیہ السلام کو کہہ رہے تھے لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (شعراء:۱۶۷) اس لئے مُخرِج جو نکالنے والے تھے،اللہ پاک فرماتے ہیں ان کی اس قسم کی دھمکیوں سے ایمان والوں کو ڈرنا نہیں چاہیے،اس کے ساتھ اس ملک کی پوری چودہ سوسالہ تاریخ قرآن اور حدیث،اہل اللہ اور صوفیائے کرام سے وابستہ ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو مفکر اسلام کہا گیا،یہ فرماتے ہیں کہ پوری اسلامی تاریخ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے اس ملک کی تقدیر میں توحید کو لکھ دیا ہے،ایمان کو لکھا ہے،یہاں سے کبھی ایمان اور توحید والے ختم نہیں ہوں گے،حالات آئے،لیکن ان تمام حالات میں وقتی طور پر ایسا لگا،لیکن اللہ پاک نے ان حالات میں ایمان والوں کو بچالیا۔

مومن اللہ پاک کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا

دوستو اور بزرگو!

حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک سے بڑھ کر ایک واقعہ امتحان اور آزمائش پر دلالت کرتا ہے،اور اللہ تعالی نے ان سارے امتحانات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور یہ جملہ سورہ یوسف میں نقل کردیا گیا: وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (یوسف:۸۷) حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے یہ جملہ نکل رہا

ہے، مومن کبھی اللہ پاک کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا ہے، ناامید نہیں ہوتا ہے، ہاں، جتنی ایمان میں کمزوری ہوگی، یقین میں کمزوری آئے گی، اس لئے ضرورت ہے اللہ پاک کی ذات عالی کے ساتھ پکا یقین کرلیں، جب یقین مضبوط ہوگا تو دوستو اور بزرگو! اللہ تعالی کے فرمان فیصلے بدل جائیں گے، انبیائے کرام علیہم السلام نے دعائیں فرمائیں، یہی ہمارے لئے قرآن حکیم کی آیات سے عبرت ہے کہ جب حالات ناخوشگوار آئے، اسباب کے درجے میں اس کا مقابلہ کرنا ہے اور اسباب کے درجے میں سیکولر ملک ہے، قانونی اور دستوری جتنے بھی حقوق ہم کو ملے ہیں، ان سارے حقوق کے مطابق ایک جمہوری اور لوک شاہی ملک میں اپنی مخالفت ظاہر کرنے کے جتنے طریقے قانون میں ہے اور جس کی قانونی اجازت دی گئی ہے، ایک مسلمان کو بھی ان ساری چیزوں کو اپنانے کا حق دیا ہے، لیکن میں آگے بڑھ کر دوسری چیز کہنا چاہ رہا ہوں۔

حالات ایمان پکا کرنے کے لئے آتے ہیں

دوستو اور بزرگو!

جب ہمیشہ کی جنت ملے گی، اللہ پاک کی رضامندی ملے گی تو حالات تو آئیں گے، مومن اس سے گھبرائے نہیں، یہ عام حالات آتے ہیں، علامہ اقبال کہتے ہیں: تیرا امتحان لینے کے لئے تیرے ایمان کو پکا کرنے کے لئے حالات آتے ہیں، اور قیامت تک آتے رہیں گے، قرآن کریم کی ساری آیات اور انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بندوں کے لئے عبرت ہے، اللہ پاک کے نیک اور صالح بندے جہاں جہاں بھی اللہ کے دین کی دعوت کے لئے پہنچے ہیں، حالات کوئی خوشگوار نہیں آئے، اسی ملک میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، حالات کیسے ناخوشگوار تھے، سید علی ہمدانی کشمیر میں آئے، حالات کیسے ناخوشگوار تھے، ان سارے حالات میں ان بزرگوں نے اللہ کے بندوں تک اللہ کے دین کو پہنچایا، اس لئے ہم یہ سمجھیں کہ اقبال ہی کا ایک شعر ہے، امت محمدیہ کا حال دوسری امتوں سے الگ ہے، ''خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی۔'' تیرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین

کی نسبت ہے، اس لئے اپنے نبی سے جتنا قریب ہوگا، تیرے اوپر اتنے ہی حالات آئیں گے۔

دنیوی اسباب کے ساتھ دعا کا اہتمام کریں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سورہ ھود اور اس جیسی سورتوں نے میری ڈاڑھی کے بال سفید کر دیئے، اللہ کے نبی کو حکم ہو رہا ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (ھود:۱۱۲) اور إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ (فصلت:۳۰) اس لئے یہ ساری خوشخبریاں اللہ پاک کی طرف سے ہمیں دی جارہی ہے، ہمارے بس میں جتنا ہوگا قانونی اعتبار سے ہمیں اس طرح کی چیزوں کی مخالفت کرنا ہے، لیکن اکیلے دنیوی اسباب کی طرف، دنیوی چیزوں کی طرح اس چیز کو سوچیں گے تو ناامیدی اور مایوسی کبھی آسکتی ہے، اس لئے میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں، انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کے ساتھ دعائیں مانگی ہیں، میں نے آپ کے سامنے جتنی آیتیں پڑھیں، ہر آیت میں نبی کو دھمکایا گیا، نبی نے کیا کہا؟ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ ۔اے ہمارے رب! آپ فیصلہ کرنے والے ہیں، بندوں سے فیصلے نہیں ہوتے ہیں، پارلیمنٹ میں راجیہ سبھا میں فیصلے نہیں ہوتے ہیں، فوجیں فیصلے نہیں کرتی ہیں، فیصلے احکم الحاکمین کی طرف سے ہوتے ہیں، وہ جسے حکومت دیتا ہے اس سے حکومتیں چھین لینا بھی آتا ہے، فرعون کو سر میں درد چار سو سال تک نہیں ہوا، اتنا قوت طاقت والا، لیکن جب عذاب آیا تو پانی میں کیسے غرق کیا؟ نمرود کو چھوٹے سے مچھر کے ذریعے کس طریقہ سے ہلاک کیا، غرور اور تکبر کرنے والوں کو چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ہلاک کر کے بتلایا، چھوٹی مخلوق سے یہ ہوسکتا ہو تو میرا اپنا بڑا عذاب آئے گا تو کیا حال ہوگا؟ وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ (فجر:۲۳) جب اس کو جہنم میں لایا جائے گا، اس وقت کی کیفیت کیا ہوگی؟

دوستو بزرگو!

اس لئے سب سے بڑی چیز ہے دعاء مانگنا، دوسرے اسباب بھی اختیار کریں، لیکن صرف دنیوی اسباب نہ سوچیں، اس کے ساتھ ساتھ روئیں اور گڑگڑائیں، ہمارے برے اعمال کی

وجہ سے اللہ پاک کی طرف سے یا تو حالات آتے ہیں یا اللہ پاک ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے، تو یہ دعا کریں رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (بقرہ:۲۸۶) کہ آپ ہمارے اوپر اتنا بوجھ مت ڈالئے جس کی ہم طاقت نہ رکھ سکیں، اس لئے ان حالات میں قرآن کریم کی آیتیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات سے اللہ پاک کی قدرت اور طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو ہلاک کرنے کی کتنی کوشش ہوئی، لیکن اللہ پاک نے کامیاب فرمایا، إِنَّهٗ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (یوسف:۹۰) تقوی اور صبر یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اللہ پاک ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

دوستو اور بزرگو!

اس لئے ابھی نماز کے بعد دعا کا پروگرام رکھا گیا ہے، علمائے کرام کی طرف سے الگ الگ اوقات میں الگ الگ رہنمائی کی گئی، آج کے موقع پر یہی کہا گیا کہ اللہ پاک سے دعائیں کریں، اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، جب یہ ہوجاتا ہے تو وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (آل عمران:۱۳۹) ہم مانگیں کہ ہم امتحان کے لائق نہیں ہے، آپ اپنی رحمت فرمائیں، ہم کمزور ایمان والے ہیں، وہ نبی تھے، وہ آپ کے پسندیدہ بندے تھے، جو برداشت کر سکے، ہم اتنی طاقت نہیں رکھتے ہیں؛ یہ بھی دعائیں اللہ پاک نے ہمیں سکھلائی، اس لئے ہم دعائیں مانگیں۔

حضرت تھانویؒ کا حوقلہ کی تلقین کرنا

انگریز کے زمانہ میں کوئی قانون پاس ہوا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے پاس لوگ گئے، دھرنا اور اس طرح کی چیزوں کی بات کی، حضرت اس طرح کی چیزوں کے قائل نہیں تھے، آپ نے فرمایا کہ میں آپ کو بتلاؤں، لا حول و لا قوہ الا باللہ۔ روزانہ ۵۰۰ مرتبہ پڑھتے رہو، دنیا کے اسباب بم اور بندوق کے اندر طاقت ہے تو یہ جملے اور کلمہ کا یقین ایمان والے کو ہونا چاہیے، اس میں اس سے بڑی طاقت اور قوت ہے، اس لئے کہ ہم اپنی قوت کو کچھ نہیں سمجھ رہے ہیں،

اچھی چیزوں کی طرف ہماری قوت نہیں ہے، بری چیزوں سے بچنے کی قوت ہمارے اندر نہیں ہے، **الا باللہ العلی العظیم**۔اس ذات سے جو بڑی اور عظیم ہے۔

اسلام عقل وشعور کے دورِ بلوغ کا آخری مذہب

یورپ نے علم وفکر، ظلم وتشدد، قومی، وطنی، لسانی اور عصبیت کی ہوا پھونک کر ملت اسلامیہ کے شیرازے کو منتشر کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ کامیاب ہوگئے، لیکن اسلام کی خود یورپ وامریکہ میں بڑھنے والی مقبولیت نے ان کو یہ احساس دلایا کہ صلیبی جنگوں کی ناکامی کی طرح ان کی فکری جنگوں میں بھی وہ ناکامی کے دہانے پر کھڑے ہیں، جن قوموں کو اسلام کی شاہ راہ سے ہٹا کر کفر والحاد کی دہلیز پر لا کھڑا کیا تھا وہ نئے عزم، حوصلوں اور امنگوں کے ساتھ پھر اسلام کی طرف اپنا رخ موڑ رہی ہیں۔ مشنریوں کی مسلسل محنت کے باوجود نتائج الٹے واقع ہو رہے ہیں، خود یورپ کے بڑے بڑے مفکرین ودانشور دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں ہی کو مظلوم بنا کر چھوڑا پھر بھی انکا جوش ایمانی اور بہتر ہو رہا ہے، اور یورپ والوں کو اس حقیقت کا بھی اچھی طرح علم ہے کہ اسلام عقل وشعور کے دورِ بلوغ کا آخری مذہب ہے، انسانی مادی اور روحانی ضروریات کا کفیل ومکمل ضابطۂ حیات ہے، اسمیں اتنی وسعت ہے کہ وہ ہر دور کے صالح انسانی ترقی کا ساتھ ہی نہیں بلکہ رہنمائی بھی کرتا ہے، اگر اسلام کے سچے پرستاروں کو اقتدار وغلبہ حاصل ہوجائے تو دنیا کی حکومت وسیاست کا خاکہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (حج:۴۱) کی روشنی میں اسطرح ترتیب پائے گا کہ بیت المال کے نظام سے کوئی ننگا، بھوکا نہ رہنے پائے گا، عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے گا۔ رشوت، چالبازی، جھوٹی گواہیاں، چوریاں، بدکاریاں، ڈاکے اور قتل وغارت گری کا خاتمہ ہوجائے گا، ایک کمزور ناتواں آدمی رات کے اندھیرے یا صحراء کے ویرانے میں بھی سونے کا ڈلّا یا روپئے کا بنڈل لیکر چلے گا تو کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوگی، غریبوں کا

خون چوس کر تیار ہونیوالی مہاجنی کوٹھیاں اور سود خوار ساہوکاروں اور بنکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں گے، شرابی اور جواری اگر اپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو شہر بدر کردئے جائیں گے۔ ٹی۔وی کے وہ پروگرام جو بے حیائی اور فحاشی کے ذریعہ معاشرہ کی آنکھوں سے شرم ولاج ختم کررہے ہیں، ان تمام شہواتی تماشہ گاہوں کو یک قلم ختم کردیا جائے گا، ظلم وستم کی جگہ شہروں، دیہات، کوچہ وبازار ہر جگہ انسانی شرافت اور پیار ومحبت کی شہنائیاں سنائی دے گی، یہ وہ خطرات ہیں جس نے یورپ کو اتنا خوف زدہ کردیا ہے کہ اسلام دشمنی میں وہ اپنے تمام نام نہاد اصولوں کی بھی دھجیاں بکھیر رہا ہے، لیکن ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ مسلمانوں کی دینی بیداری کسی سے دشمنی وعداوت کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ صرف اپنے رب کو راضی کرنا مقصود ہے۔

ایمانی زندگی کی بنیاد اللہ تعالی پر اعتماد ہو اور احکام کی پابندی

قرآن مجید میں سربلندی اور غلبہ کے حصول کے سلسلہ میں دو آیتوں میں کافی رہنمائی فرمائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران:۱۳۹) تم ہی بلندتر ہوں گے اگر تم ایمان والے ہوئے، اور كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً.... (بقرہ:۲۴۹) جسمیں صبر کی تلقین کی گئی ہے، ایمانی زندگی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالی پر اعتماد ہو، اسکے احکام کی پابندی ہو، اور اللہ تعالی کے دئے ہوئے صبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے بھروسے پر صبر وبرداشت کا ثبوت دینا ہے، آج ہمارے ایمان کی کمی کے ساتھ صبر کی بھی کمی ہے، اگر صبر ہے تو عموماً اللہ تعالی کے بھروسے پر نہیں، اللہ کے بھروسے والے صبر میں غیر اللہ کا خوف نہیں ہوتا، مایوسی اور پست ہمتی نہیں ہوتی، اسکے ساتھ یہ جاننا چاہئے کہ یہ ہماری قوت ایمانی، خود اعتمادی، اخلاقی جرأت اور سیاسی بصیرت کا کھلا ہوا امتحان ہے، اس امتحان سے ہم کو ۱۴۰۰ سو سالہ تاریخ میں باربار گزرنا پڑا ہے، بارہا ایسے مواقع آئے جب یہ محسوس ہونے لگا کہ امت کا چراغ اب اور تب بجھا چاہتا ہے، اس امت کے لئے کارگاہ ہستی کو سجانے والے آقا ومالک نے یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ اس امتحانی طوفان سے گزرتی رہے، یہی اسکا

طرۂ امتیاز ہے، چنانچہ فرمایا گیا: لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف الخ۔۔۔وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ الخ۔۔۔ یہ آیات تمام مسلمانوں سے خطاب کررہی ہیں، لہذا ہندوستانی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جزوی، فروعی اختلافات بھولا کر ان فتنوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہوجائیں۔ جہاں تک جانی مالی خطرہ کا تعلق ہے تو قرآن کریم نے فرمادیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (توبہ:۱۱۱)، لہٰذا ایمان کی حفاظت کرنے کیلئے کیا کرنا چاہئے، اسکو بھی آگے کی آیات سے واضح کردیا ہے۔

اسکے ساتھ یہ بات بھی مدنظر رکھنا ہے کہ دنیا کی ساری قومیں آسمانی ہدایت اور انبیاء کرام کی تعلیم وحکمت کے سرمایہ کو یکسر کھوچکی ہیں، اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں امت مسلمہ ہی سے امید کی شعاع نظر آتی ہیں، کیونکہ ہمارے پاس دینی سرمایہ اور آسمانی ہدایت وحکمت کا سرچشمہ اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے، ہم وہ ملت ہیں جنکے پاس بھٹکی ہوئی انسانیت کی ہدایت، ہر عہد میں کسی ڈوبتے ہوئے معاشرے کو، کسی بجھتے ہوئے چراغ کو، کسی برباد ہوتے ہوئے ملک کو بچانے والا پیغام ہے، ہم نے ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں رومی، ایرانی اور ترکستانی معاشرہ کو اور تیرھویں صدی عیسوی میں نیم وحشی تاتاری قوم کو ایک نیا دین وعقیدہ، مقصد زندگی، ترقی یافتہ تہذیب، علوم وفنون اور اعلی درجہ کی انتظامی وقانونی صلاحیت والی رہنمائی عطاء کی ہے۔

قابل افسوس بات

افسوس ہے کہ ہمارے کچھ سیاسی لیڈروں کے مخصوص سیاسی مزاج اور ناعاقبت اندیشی نے اسلام اور مسلمانوں کو اس ملک میں سیاسی اور سماجی حریف ومقابل بنا کر چھوڑ دیا، جسکے ساتھ کوئی بے غرض وبے لوث دینی دعوت ہے، نہ انسانیت کی فلاح ونجات کا کوئی پیغام ہے۔ نہ سیاسی حقوق سے بلند کوئی مقصد زندگی ہے، جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اخلاقی وروحانی دعوت جسکو ان سیاسی لڑائیوں سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ بھی معیوب اور مخالف معلوم ہونے لگی، ہم کو ملک وملت دونوں زندہ حقیقتوں میں سے کسی سے آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئے، لیکن ہماری

داعیانہ حیثیت اور فرض منصبی جسکی بنا پر ہم کو خیر امت اور شہداء اللہ کا لقب ملا ہے وہ غالب رہنی چاہئے ،مسلمانوں میں دینی شعور اور دینی تعلیم کی ضرورت کا احساس ہونا چاہئے ،قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا عظمت رفتہ کی بدولت نہیں ، بلکہ جہد مسلسل و دائمی سرگرمی، مستقل احساس ذمہ داری اور ہر دم قربانی کے لئے آمادگی ،تازہ دم قوت افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ و تابندہ رہتی ہیں ، ورنہ تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں ، زمانہ انہیں طاق نسیان پر رکھ دیتا ہے ،لہذا امت مسلمہ حالات سے نہ گھبراتے ہوئے اپنے دعوتی ،تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہوں کیونکہ

ناموس ازل راتوامینی توامینی	-	دارائے جہاں راتو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی توزمانی توزمینی	-	صہبائے یقین درکش واز دیرگماں خیز

ازخواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزئ افرنگ	-	معمارحرم بازبہ تعمیر جہاں خیز

دوستو اور بزرگو!

اس لئے اس قسم کے جو بھی حالات آتے ہیں ،سوجھ بوجھ رکھنی چاہئے ،مومن کو حالات کیوں پیش آئے ؟ یہ جاننا ضروری ہے اور اس کے تدارک کے لئے ملک میں کیا کرنا ضروری ہے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس طرح کی جو باتیں ہیں، وہ بھی کرنی ہے،لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک مومن، ایک داعی اور دعوت والا بندہ ہے، ہمارے ہر عمل سے انسانوں کو سبق ملنا چاہئے کہ یہ لوگ عبادت بھی کرتے ہیں،تو کیسی ؟ اس لئے ہم اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ان حالات سے امت کی حفاظت فرمائے ،ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کے ایمان کو مضبوط رکھیں، اللہ تعالی ہم سب کو اور ہماری آنے والی نسلوں کو اس ملک کی ہدایت کے لئے قبول فرمائے ،(آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۳۲) اسراء اور معراج (قسط اول)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰی ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰی ○ (سورۃ النجم: ۱،۲،۳،۴)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

حرمت والے چار مہینے

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور میرے ایمان والے بھائیو!

اللہ تعالی نے اسلامی مہینوں کے اعتبار سے چار مہینوں کو حرمت اور عظمت والا بنایا ہے، جس میں تین مہینے ایک ساتھ ہے، ذو القعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام اور چوتھا مہینہ ہے رجب المرجب کا، یہ عرب کے قبیلے مضر کے یہاں بہت احترام والا سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کو رجب مضر بھی عربی میں کہتے ہیں، ان چار مہینوں کا قرآن کریم میں اللہ پاک نے ذکر فرمایا، إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا

أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (توبہ:۳۶) چار حرمت اور عظمت والے مہینے، اسی میں یہ رجب کا مہینہ ہے، اللہ تبارک وتعالی نے کیسے اس کو حرمت اور عظمت والا بنایا، تاریخی اعتبار سے امت محمدیہ کے ساتھ اس مہینے کو ایک بہت بڑا تعلق اور لگاؤ ہے، محدثین اور سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج کا واقعہ ذکر فرمایا ہے، اور اس سلسلے میں مختلف تاریخیں ذکر فرمائی، اسی میں ایک تاریخ ستائیس رجب ذکر کی ہے، ویسے بہت سے محدثین اور سیرت نگاروں نے اور مہینے بھی ذکر کئے ہیں، لیکن سب سے زیادہ تاریخی اعتبار سے جو معتبر روایت ہے، حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ ستائیسویں رجب کو فضیلت اور ترجیح دیتے ہیں۔

نبیٔ آخر الزماں کی زندگی کا ہر عمل قیامت تک کے لئے نصیحت

دوستو اور بزرگو!

اس امت کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے ساتھ مکمل وابستگی ہے، جب یہ نبی آخری نبی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہے تو آپ کی زندگی کا ہر عمل اور آپ کے ساتھ پیش آنے والا ہر واقعہ یقیناً قیامت تک آنے والوں کے لیے نصیحت اور عبرت کے طور پر ہے، اسی سلسلے میں امت جن حالات سے گزر رہی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان بھی سخت حالات میں گذر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دسویں سال کو حضرات محدثین اور مؤرخین نے عام الحزن فرمایا یعنی غم اور پریشانی کا سال، اس غم اور پریشانی سے اللہ پاک نے کیسے نجات دی؟ دنیوی اور اخروی اعتبار سے آپ کے درجات کو کس طرح بلند کیا؟

آپ کے سامنے میں نے کلام پاک کی جس سورت کی چند آیات کی تلاوت کی، اللہ تعالی نے بڑی عظمت کے ساتھ اور بڑی محبت، عشق اور والہانہ انداز میں آپ کے معراج کے واقعے کو اور آسمان کے سفر کو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات، سدرۃ المنتہی پر پہنچنا، وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰى (نجم:۱۳) حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دو دو مرتبہ دیکھنا، وغیرہ کا ذکر فرمایا، اللہ پاک نے آگے آیت میں فرمایا: لَقَدْ رَاٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (نجم:۱۸) اللہ پاک بہت بڑی بڑی

نشانیاں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر بلا کر بتلا رہے ہیں، سورۂ اسراء میں اللہ پاک نے فرمایا: لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرٰى (طہٰ:۲۳) ہم نے اس لئے بلایا کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں، یہ وہ نشانیاں تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ پاک کی طرف سے آپ کی شان عالی کے اعتبار سے بلند مرتبہ بتلا رہی ہے۔

معراج کے سفر میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر کا آغاز چھت سے ہوتا ہے، دروازے سے گھر کے اندر داخل ہونے کا جو طریقہ تھا، اس سے فرشتے نہیں آرہے ہیں، بلکہ گھر کی چھت کھل رہی ہے۔ (بخاری: کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء)، یہاں سے لے کر اوپر حدیث شریف میں تصریف الاقلام ذکر فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تقدیر کا قلم یعنی تصریف الاقلام جو ہو رہا تھا آپ نے اس کی کھٹ کھٹ کی آواز سنی، تو اللہ پاک نے نشانیاں بتلا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اعلیٰ کو امت اور پوری دنیا کے سامنے واضح کیا، اسی لئے حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پاک کی ذات عالی کے ساتھ انتہائی عبدیت، تواضع، مسکنت، اپنی عاجزی اور بندہ ہونا ظاہر کیا، اس کے صدقے میں معراج کی بلندی آپ کو نصیب ہوئی اور مخلوق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تواضع، انکساری اور عاجزی کا اظہار کیا تو اللہ پاک نے شفاعت الکبریٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب فرمائی۔

انبیاء کی قیامت کے دن عذر خواہی

قیامت کے دن جب ساری مخلوق پریشان ہوگی، ابھی حساب کتاب شروع نہیں ہوگا اور اس موقع پر لوگ پریشانی میں ہوں گے اور سورج کی گرمی اور تپش اپنے شباب پر ہوگی اور ایسے موقع پر لوگ کہیں گے کہ چلو! سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے پاس، سب لوگ جائیں گے اور حساب کتاب کے لئے سفارش کروائیں گے، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، کہ آج حق سبحانہ وتعالیٰ انتہائی غضب میں ہے اور اگر اللہ پاک نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم نے دانہ کیسے کھایا؟ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ اول رسول ہیں، قصہ لمبا ہے، حضرت

موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جتنے بھی اولو العزم من الرسل انبیائے کرام کے سامنے پیش کریں گے، تو سب عذر پیش کریں گے۔

آخر میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو لے کر بارگاہ رب العزت میں تشریف لے جائیں گے، بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس وقت اللہ تعالیٰ میری زبان پر ایسے کلمات کا القاء فرمائیں گے، اللہ پاک کی حمد وثنا کے جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے اور پھر اللہ پاک کی طرف سے آواز آئے گی، اے ہمارے حبیب! **''سل تعطه''** (بخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار) ۔ آپ جو مانگیں گے، عطا کیا جائے گا، اور پھر آپ کی درخواست پر اللہ پاک کی طرف سے مخلوق کے سلسلے کے حساب وکتاب کی کاروائی شروع ہو جائے گی۔

آزمائش کے بعد رحمت کے دروازے کھلتے ہیں

خیر! مجھے بتلانا یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے یہ بلند مرتبہ عطا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج نصیب ہوئی، اس موقع پر اللہ پاک کی طرف سے سے امت کا امتحان اور آزمائش ہوئی ہے، امت کو یہ بتلانا ہے کہ امتحان اور آزمائش کے بعد ہی رحمت اور انعامات کے دروازے کھلتے ہیں، اس لئے امت کے اوپر اگر حالات آتے ہیں، تو اللہ پاک کی طرف سے اپنے اولوالعزم من الرسل، اللہ پاک کے معزز رسولوں کے ساتھ بھی یہ واقعات پیش آئے، لیکن ایسے موقع پر کیا رہنمائی ملتی ہے؟ یہ امت کو سمجھنا ہوگا، پریشانی اور مصیبت دیکھ کر اس کو طریقۂ نبوی کے مطابق حل نہ کیا جائے تو یقیناً اس کے بعد امت کے لئے راحت اور آسانی نہیں آسکتی، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہم سب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور چند سالوں میں مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے سردار آپ کے دشمن ہو گئے، آپ نے صفا پہاڑی پر سے دعوت دی اور آپ کے چچا ابولہب نے کہا: تباً لک، سائر الیوم الهذا جمعتنا. (بخاری: کتاب التفسیر، باب قوله: وانذر عشیرتک الاقربین

...) کیا ہم سب کو اس لئے جمع کیا کہ بہت سارے معبودوں کو چھوڑ کر محض ایک خدا کی عبادت کی جائے اور پھر اس کے بعد انہوں نے اس دعوت کا انکار ہی کر دیا۔

مشرکین مکہ کا مسلمانوں پر سختیاں کرنا

بلکہ ایک صحابی فرماتے ہیں: میں اپنے والد کے ساتھ حج کے موسم میں عکاظ کے بازار میں چل رہا تھا اور وہاں جو خیمے لگائے ہوئے تھے، ایک شخص مختلف قبائل کے پاس جاتا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ'' **یا ایھا الناس قولوا لا الہ الااللہ تفلحوا** ''(مسند احمد: ۳۴۲/۳۱، رقم: ۱۹۰۰۴) کلمہ کہہ لو، کامیاب ہو جاؤ گے اور ان کے پیچھے ایک آدمی ان کو پتھر مار رہا ہے اور لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ لوگو ان کی بات مت سنو، یہ جھوٹا ہے، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ والد محترم یہ کیا ہے؟ کہا کہ یہ بھتیجا ہے اور یہ چچا ہے، انہوں نے ایک اللہ کی دعوت کا اعلان کیا ہے اور یہ ان کا چچا ان کے پیچھے پیچھے ہر قبیلے کے پاس جا کر اس کا انکار کر رہا ہے اور ان سے دشمنی کر رہا ہے، مشرکین کی طرف سے مسلمانوں پر سختیاں زیادہ ہو گئیں، بالآخر تین سال تک آپ اور آپ کے صحابہ کو شعب ابی طالب کے نام سے ایک گھاٹی مشہور تھی، اس میں مکہ والوں نے آپ کا بائیکاٹ کر دیا، کھانا پینا، سونا، سودا- لین دین، بول چال ہر قسم کی چیزوں سے آپ ﷺ اور وہ صحابہ جو ایمان لائے یا آپ کے خاندان کے غیر مسلموں نے باوجود کفر کے آپ کا ساتھ دیا، ان سب سے ان لوگوں نے تین سال تک بائیکات کیا۔

تین سال شعب ابی طالب کے

دوستو اور بزرگو!

ایک دن، دو دن چند دن کا قصہ ہو تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن تین سال کی اتنی لمبی مدت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے ساتھ رہنے والے صحابہ، ان کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں نے کس طریقے سے وہ راتیں اور دن گزارے ہوں گے، کھانے پینے کی چیزوں سے ان کے ساتھ بائیکاٹ اور اگر کوئی چیز ان کو بیچنا ہو تو بہت بڑی قیمت لے کر بیچا جائے اور اس

طریقے سے ان کو پریشان کیا گیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسی زمانے کا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ اسی پریشانی میں ہم لوگ استنجا کے لئے جاتے تو جیسے اونٹ اور بکری وغیرہ جانوروں کو مینگنی جیسا سخت پاخانہ ہوتا ہے، درختوں کے پتے کھانے کی وجہ سے ہمارا پاخانہ بھی اسی طرح ہوگیا، بچے بلک بلک کر رو رہے ہیں، یہ ساری پریشانی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی مکہ مکرمہ میں جو آپ کا وطن عزیز ہے، آپ کے قبیلہ کے سردار آپ کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہیں، تو ایمان کی بنیاد پر یہ حالات اور مصائب اللہ پاک کے اس نبی پر آرہے ہیں، جن کے متعلق اللہ تعالی فرماتے ہیں: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (نجم:۹-۱۱) معراج کے واقعے کو اللہ پاک کتنی محبت اور عظمت سے ذکر فرما رہے ہیں اور ذکر ہی شروع ہو رہا ہے وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (نجم:۱-۴) اللہ پاک ستارے کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں فرماتے ہیں، اپنی خواہشات اور چاہت سے کبھی نہیں بولتے، جو کچھ کہتے ہیں اللہ پاک کی وحی کے ذریعے کہتے ہیں اور پھر وحی لانے والا فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کی اللہ پاک نے عظمت بیان کی۔

سب سے پہلے اللہ پاک نے یہ بتلا دیا کہ نبی جو بات فرمائیں گے، تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی، معراج کا واقعہ جو آگے ذکر ہو رہا ہے یہ تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو یاد رکھو! إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (نجم:۴) یہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرما رہے ہیں، یہ اللہ پاک کی طرف سے فرما رہے ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور فضیلت ہے، لیکن اس کے باوجود تین سال (شعب ابی طالب) مکہ مکرمہ میں اس طریقہ سے گزارے اور تین سال پورے ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین اور آپ کی چہیتی بیوی صاحبِ مال و دولت اور خود قبائل عرب اور مکہ کے مشرکین میں ان کا ایک مقام تھا، ان کے انتقال کے بعد چند دنوں میں آپ کے چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہو جاتا ہے، یہ دونوں بزرگ ہستیوں کے انتقال کے بعد مکہ کے مشرکین کے لئے

آپ کو ستانا آسان ہو گیا، اتنی تکلیف اور مصیبتیں دی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ چھوڑ کر طائف تشریف لے گئے، ہجرت کر رہے ہیں، طائف کا قصہ تو مشہور ہے کہ کس کس طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا گیا، آزمایا گیا اور کس طریقے سے بچوں کو آپ کے حوالے کر کے آپ کو زخمی کیا گیا، سب کچھ ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف سے واپسی کی جو دعا ہے "الی ان تکلنی" آپ مجھے کس کے بھروسے پر چھوڑ رہے ہیں، "الی عدو یتجھمنی" (مجمع الزوائد: ۳۸/۶) ایسا دشمن جو میرے او پر حملہ کرے یا ایسا قریب جس کو آپ میرا مالک بنا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس موقعے پر بھی اگر آپ راضی ہیں تو مجھے کسی کی ناراضگی کی کوئی فکر نہیں ہے، ایسے پریشانی کے عالم میں نہ مکہ مکرمہ آپ کا وطن عزیز آپ کے لیے رہا اور نہ طائف والوں نے آپ کا اکرام کیا، ایک شخص مطعم ابن عدی کی سفارش پر دوبارہ مکہ مکرمہ میں واپسی ہوئی۔

یہ سارے حالات ایک طرف، اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطن نخلہ میں قیام فرمایا، آپ نماز پڑھ رہے ہیں، آپ کا قرآن جنات کی ایک جماعت سن رہی ہے، وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ (احقاف: ۲۹) اللہ پاک خوشخبری سنا رہے ہیں کہ ہم نے ایک جنات کی جماعت کو ابلیس نے جن کو بھیجا تھا، آسمان کے دروازے کیوں بند ہو رہے ہیں؟ یہ کونسا واقعہ پیش آیا کہ جنات جو آسمان پر جاتے تھے اور آسمان کی خبریں لے آتے تھے، اب ان سارے دروازوں کو بند کر دیا گیا؟ اس تحقیق میں ایک جماعت ادھر آئی، انہوں نے آپ کا قرآن سنا، اللہ پاک نے اس جماعت کو جو تحقیق کے لیے آئی تھی، ایمان کی توفیق سے نوازا، انہوں نے آپ کا قرآن سنا: يَاقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (احقاف: ۳۱) صرف سنا ہی نہیں، خود ایمان لانے کے ساتھ اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی، یہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی موقع پر فرمایا،

جب مکہ والوں نے اور طائف والوں نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی، اللہ پاک نے فرمایا ہے:
اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح:٦) تنگی کے ساتھ اللہ پاک نے آسانی رکھی ہے۔

دین کے آگے دنیوی نقصان قابل برداشت

اس امت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے ذریعے بتایا جارہا ہے، اس پورے مرحلے میں حالات آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے خاندان والوں پر، آپ کے صحابہ پر، خود آپ کی دو دو صاحبزادیوں کی طلاق ہورہی ہے، یہ سارے واقعات ہورہے ہیں، لیکن ذرہ برابر دشمن کی بات پر مصلحت اور ان کی بات کو قبول کرلینا یہ کسی مسلمان کی طرف سے نہیں پایا گیا، ستایا اسی لئے گیا تھا، وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوْا بِاللهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيْدِ (بروج:٨) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی، مکہ کے سرداروں کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو سنا اور یہ سنا کہ ایک اللہ کی دعوت دے رہے ہیں، تو ابوجہل، ابولہب اور یہ سارے سردار اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کھڑے ہوگئے، یہ جملہ کہا: أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص:٥) ہاں یہ عجیب چیز ہے، ہم تو ہزاروں معبودوں کو مان رہے ہیں، الگ الگ نفع اور نقصان کی چیزوں کا الگ الگ مخلوق کو ہم نے خدا مان لیا ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ایک ہی خدا میں ساری طاقت اور قوتیں ہیں، یہ ہماری سمجھ سے باہر کی چیز ہے، اس طرح کی بات کہنے والوں کے مقابلہ میں ایک ایمان والا ایک اللہ کو مان رہا ہے، اللہ کے نبی کی باتوں کو مان رہا ہے، دنیا ساری ان کی دشمن ہوگئی، دنیا کی سپر پاور طاقتیں اور ہر زمانے کے چودھری لوگوں نے نبیوں کی مخالفت کی ہے، آج بھی کریں گے، اور کرتے رہیں گے، لیکن نبیوں نے شکست نہیں کھائی ہے، اللہ پاک نے فرمایا: إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْأَشْهَادُ (غافر:٥١) ہم نے انبیائے کرام کی مدد کی ہے اور ضرور بالضرور کرتے رہیں گے، دنیا میں بھی اور کل قیامت کے دن جب گواہیاں قائم ہوگی، تب كَتَبَ اللهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (مجادلہ:١٩) اللہ پاک نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے انبیائے کرام کامیاب ہوں گے۔

دوستو اور بزرگو!

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، اسی میں اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے لئے راہوں کو آسان فرمایا، انسان نہیں سن رہے ہیں تو جناتوں کو کھڑا کیا، آپ کو پتہ بھی نہیں ہے، پھر اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہوتا ہے، قُلۡ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الۡجِنِّ فَقَالُوٓا إِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡآنًا عَجَبًا (جن:۱) آپ فرمادیجئے کہ میری طرف اللہ پاک کی طرف سے وحی آئی ہے کہ میرا کلام جنات نے سنا اور انہوں نے اپنی قوم میں جا کر ان کو ایمان کی دعوت دی، سورہ جن میں آگے آیتوں میں شرک اور کفر کے متعلق جتنی باتیں جنات میں چل رہی تھیں، ان سب کا انہوں نے پورا بیان دیا، اللہ پاک نے اس کو قرآن کریم میں نقل کر کے بتلایا کہ اللہ پاک نے جنات جیسی مخلوق کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید میں کھڑا کر دیا، حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور اسی طائف کے قصے میں عذاب کے فرشتے آئے تھے، لیکن آپ نے ان کو معاف کر دیا۔

ہندوستان میں ایمان قبیلۂ طائف کی برکت

دوستو اور بزرگو!

ہندوستان میں جو ایمان آیا ہے، اسلام آیا ہے، اسی طائف کے قبیلے کی وجہ سے آیا ہے، قبیلہ بنی ثقیف کے محمد بن قاسم جو آئے، حجاج ابن یوسف بلکہ اس سے پہلے بھروچ میں ۱۵ سے لے کر ۲۲ ہجری تک میں صحابہ کرام کی جو جماعت تشریف لائی، حضرت عثمان ابن ابی العاص، جو بحرین کے گورنر ہیں، انہوں نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص کو ہندوستان (بھروچ) روانہ کیا، یہ طائف کا قبیلہ ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں نے بتلایا کہ کس کس طریقے سے حالات بدلتے ہیں، جو دشمن قبیلہ ہے، طائف فتح نہیں ہو رہا ہے، ایک ایک مہینے تک محاصرہ ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محاصرہ چھوڑ کر واپس آ رہے تھے، ان کو توفیق دی اور یہ ایمان لے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں اثر کر رہی ہیں، اور ایک لمبی مدت تک قبیلہ بنو ثقیف نے امت کے لئے قربانیاں دیں، بتلانا ہے کہ جب امت پر حالات آتے ہیں تو اللہ پاک کی طرف سے ان

مسائل اور مشکلات کا حل بھی آتا ہے۔

معراج کے واقعہ سے اصل میں مجھے یہ بتلانا تھا کہ نماز اسی معراج کے سفر میں آئی، اللہ کے رسول کی معراج تو اوپر کی تھی اور ہمیں معراج کا لطف اٹھانا ہے تو یہ نماز ہے، اے بلال! مجھے راحت پہنچاؤ، قرة عيني في الصلاة (سنن کبری، بیھقی: ۷/۷۸) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ أقم الصلاة أرحنا يا بلال. (ابو داود: كتاب الادب، باب في صلاة العتمة).

اے بلال! مجھے نماز سے راحت پہونچاؤ۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① (اسراء)

اس آیت میں معراج کا عظیم الشان واقعہ کا ذکر کیا ہے، رجب کے مہینے میں جہاں اور بہت سی برکات وانوارات اور خزانے اپنے محبوب کو عطا کئے ان میں سے معراج بھی ہے، آپ کے تمام معجزات بے مثال اور بے نظیر ہیں، مگر معراج کا واقعہ تو سب میں انوکھا اور اچھوتا ہے جس نے آپ کی عظمت ورفعت کو زمین وآسمان میں منقش کر دیں۔

معراج کا معنی

معراج کا معنی ہے چڑھنا، حدیث میں عرج بی کے لفظ ملتے ہیں، ہجرت سے پہلے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد راجح قول کے مطابق ۲۷ رجب کو ہوئی، سورۂ بنی اسرائیل سے اسراء کا ثبوت اور معراج کا ثبوت سورۂ نجم اور دیگر احادیث سے ہے اور تاریخ سے بھی ہے۔

عند البیت اور حطیم بھی روایت میں ہے، سب مسجد حرام میں شامل ہیں، گھر کی چھت کھلی، انوکھا سفر، دروازے سے نہیں، شق صدر، انوارات و جواہرات، آب زمزم سے دھویا، پھر سونے کی طشت سے ایمان وحکمت سے سینۂ مبارکہ میں ڈالکر بند کر دیا، انبیاء کرام سے ملاقات، انبیاء کا عزت و وقار سے پکارنا، امامت انبیاء، یوم میثاق کا وعدہ پورا ہوا، براق، سیڑھی، سدرة المنتہٰی، حضرت جبرئیل رک گئے، سدرہ سے آگے رفرف، کوئی نہیں جانتا کہ پھر کیا

ہوا، محب ومحبوب کی سرگوشی، سدرہ کا عجیب وغریب نقشہ۔

واقعۂ معراج کا خلاصہ

واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حطیم کعبہ میں یا حضرت اُمِّ ہانی کے گھر پر آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور نیند سے بیدار کیا، سینۂ مبارک کو چاک کیا، آبِ زم زم سے دھویا اور سونے کا ایک طشت جو ایمان اور حکمت سے بھرپور تھا، سینۂ مبارک میں اُنڈیل دیا، ان کے ساتھ ایک تیز رفتار سواری بھی تھی، جس کو ''بُراق'' کا نام دیا گیا ہے، یہ گدھے سے بڑا، خچر سے چھوٹا، سفید رنگ کا لمبا سا جانور تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوار کرایا گیا، یہ ایسی تیز رفتار سواری تھی کہ حدِّ نگاہ پر اس کا قدم پڑتا تھا، اس سواری سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس پہنچے، وہاں تمام انبیاء پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر تھے، آپ کے تشریف لاتے ہی صف بن گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کی گئی، انبیاء کی تشریف آوری کی کیا شکل پیش آئی؟ یہ اللہ کو معلوم ہے یا تو انبیاء جسم سمیت وہاں لائے گئے یا ان کی روحیں لائی گئیں، یہاں سے سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل کے ساتھ آسمان کی طرف تشریف لے گئے، اس موقع پر حضرت جبرئیل نے آپ کی خدمت میں دو پیالے پیش کئے، جن میں سے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کا پیالہ قبول فرمایا، حضرت جبرئیل نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرت کو پسند کیا، اگر شراب کا پیالہ لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت گمراہ ہوجاتی، پھر حضرت جبرئیل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان پر چڑھے، جب پہلے آسمان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا، فرشتوں نے دریافت کیا: کون؟ حضرت جبرئیل نے اپنا نام بتایا، پھر پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے کہا: محمد! استفسار کیا گیا کہ کیا انہیں بلایا گیا تھا؟ کہا گیا: ہاں! پھر دروازہ کھلا، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل کے ساتھ اندر داخل ہوئے، یہی بات ہر آسمان پر پیش آئی۔ پہلے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات انسانیت کے جدِّ امجد حضرت آدمؑ سے ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو

سلام کیا، حضرت آدمؑ نے پُر تپاک طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیر مقدم فرمایا اور کہا: فرزند صالح اور نبی صالح کو خوش آمدید ''مرحباً بالنبیِّ الصالِح و الِابْنِ الصالح'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدمؑ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے دائیں بائیں بہت سے لوگ ہیں، جب آپ دائیں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے اور مسکراتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو غمگین اور رنجیدہ ہوتے اور روتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے اس کا سبب دریافت فرمایا، تو بتایا گیا کہ دائیں طرف آپ کی جنتی اولاد ہیں اور بائیں طرف دوزخی، اسی طرح مختلف آسمانوں سے آپ کا گذر ہوا، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ، تیسرے پر حضرت یوسُفؑ، چوتھے پر حضرت اِدریسؑ، پانچویں پر حضرت ہارونؑ، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی، جہاں ''بیتِ مَعْمُوْر'' بنا ہوا تھا کہ ہر دن ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی سیر کرائی گئی اور اس مقام تک پہنچے، جہاں قلم تقدیر کے چلنے کی آواز آتی تھی، آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''سِدْرَۃُ المنتھیٰ'' نامی مقام پر پہنچے، جس سے آگے فرشتوں کا بھی گذر نہیں، حضرت جبرئیلؑ یہیں رُک گئے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بھی آگے بلائے گئے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا شرف بخشا، سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں نازل ہوئیں اور پچاس نمازوں کا تحفہ اُمت کے لئے حوالہ کیا گیا، اس شرف واعزاز اور تحفۂ ربانی کے ساتھ جب واپس ہوئے تو پھر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، حضرت موسیٰؑ کو پچاس نمازوں کی فرضیت کا حال معلوم ہوا تو بنی اسرائیل کے تلخ تجربہ کی روشنی میں مشورہ دیا کہ بارگاہِ الٰہی میں تخفیف کی درخواست کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار تخفیف اور کمی کی درخواست فرماتے رہے اور نمازیں کم کی جاتی رہیں، یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں؛ لیکن مژدۂ رحمت سنایا گیا کہ اجر پچاس نمازوں ہی کا ہوگا، حضرت موسیٰ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزید تخفیف کی درخواست کریں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارۂ خداوندی سمجھ چکے تھے، کہ ان پانچوں نمازوں کی فرضیت کو باقی رکھنا ہی مقصود ہے؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب پھر مجھے اللہ تعالیٰ سے مزید تخفیف کی

درخواست کرنے میں حیا آتی ہے، اس طرح پانچ نمازوں کی فرضیت باقی رہی۔ (بخاری: کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء)

سورۂ نجم میں آپ کی سرگوشی کا عجیب وغریب نقشہ کھینچا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ (نجم:۸) تفصیل میں اجمال، توضیح میں ابہام، ضمیریں محذوف، فاعل کا ذکر یا مفعول کا ذکر، مرجعوں کی تفصیل نہیں، متعلقات فعل کی تشریح؛ کیونکہ مقام کا مقتضی یہ تھا۔

دوستو اور بزرگو! حالات کو بدلوانا ہے تو یہ نماز بڑی موثر ہے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے، (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(۳۳) اســـراء اور معـــراج (قسط دوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنٰی ○ فَأَوْحٰی إِلٰی عَبْدِہٖ مَا أَوْحٰی ○ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰی ○ أَفَتُمَارُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ○ وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَۃً أُخْرٰی ○ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی ○ (سورۃ النجم:۹ -۱۴)
سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۔ (سورۃ الاسراء:۱)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

گزشتہ جمعہ میں معراج کے متعلق کچھ ابتدائی باتیں ذکر کی تھیں، چونکہ یہ رجب کا مہینہ چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بہت سارے معجزات سے نوازا گیا، ان میں ایک بڑا معجزہ معراج ہے، چونکہ اس معراج کے سفر میں اللہ

پاک کی طرف سے آپ کو رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں اپنے گھر سے لے کر مسجد حرام تک اور وہاں سے لے کر مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کروائی۔

ساری قوت اور تصرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

دوستو اور بزرگو!

ہم سب کا ایمان ہے کہ اللہ تعالی اس کائنات کے خالق اور مالک ہیں، ساری قوت اور سارا تصرف اسی کے اختیار میں ہے، مخلوقات اپنے اعتبار سے کتنی ترقی کر جائے، لیکن مخلوق عاجز ہے، کہیں جا کر اس کی طاقت اور قدرت ختم ہوجاتی ہے، اس کے اسباب اور وسائل اس کو کام نہیں دیتے ہیں، رات دن ہماری آنکھوں کے سامنے جو واقعات پیش آتے ہیں، ٹیکنالوجی میں ترقی کرنے کے باوجود اور میڈیکل سائنس کے اتنے عروج کے باوجود انسانی بیماریوں کا علاج کماحقہٗ نہیں ہو پاتا ہے، آج تک سائنس اس کو حل کرنے سے عاجز ہے، اسی سورۃ اسراء کے آخر میں آرہا ہے وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (اسراء:۸۵) کہ یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (اسراء:۸۵) وہ میرے اللہ کا ایک خصوصی معاملہ ہے اور آگے ارشاد فرمایا: وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا (اسراء:۸۵) یہ ایسے علوم میں سے ہیں کہ انسان وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا، ہم نے تم کو چھوٹا سا اور تھوڑا سا علم دیا ہے۔

چودہ سو سال پہلے جو آیت پڑھی گئی، یہودیوں کے کہنے پر مکہ کے مشرکین کے اعتراضات پر اللہ پاک کی طرف سے نازل ہوئی، چودہ سو سال کے بعد آج بھی آیت اپنے اعتبار سے انسانوں کو یہی کہہ رہی ہے: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ کہ انسانی روح اللہ پاک کا ایک باطنی معاملہ ہے، انسان اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا اور آگے فرمادیا: وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا۔ جو انسان اپنے بدن میں رہنے والی ایک روح، اس کے مادہ کے متعلق نہیں بتلا سکا، یہ کس چیز سے بنی ہے؟ اور جسم کے کس حصے میں وہ روح ہے؟ پورے جسم میں ہے؟ آج تک میڈیکل سائنس اس کو حل نہیں

کر سکی اور فیلوسوفر لوگ اپنی فکری اور بھوتیک واد کی دنیا میں اس کو حل کرنے سے عاجز آ چکے ہیں۔

تجربات پر یقین؛ تو معجزہ پر کیوں نہیں؟

جب انسان کی زندگی کا بقاء ایک چیز کے ساتھ ہے، باقی رہنے کا دار و مدار اسی پر ہے اور اسی چیز کے متعلق ہمیں کچھ معلومات نہیں، وہ انسان اللہ تعالی کی طرف سے پھیلی ہوئی کائنات کی نشانیاں یا انبیائے کرام کے ذریعے کسی معجزہ کا ظہور ہو جائے تو انسان اس معجزے کے سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے انکار کر دے، تو لاکھوں چیزیں اس طرح کی سائنس کی دنیا میں پڑھنے والے بلکہ دنیاوی تجربے میں رات دن دیکھ رہے ہیں، کسی بھی چیز کی ابتدا میں ہماری معلومات کم ہوتی ہے، کاروباری حضرات ہوں یا ملازمین ہوں، مختلف سرکاری آفسوں میں یا پرائیویٹ کمپنیوں میں کام کرنے والے ہوں، شروع میں انسان کا تجربہ نہیں ہوتا ہے، آگے بڑھتے بڑھتے تجربہ ہوتا ہے، تو انسانی علم اور انسانی تجربہ اللہ پاک نے اس طریقہ سے رکھا ہے کہ اس میں بھی وہ دھوکہ کھا جاتا ہے، بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے کبھی آپریشن فیل ہو جاتا ہے، ساری ٹیکنالوجی اپنا کام کر رہی ہے، لیکن کہاں رکاوٹ آ گئی؟ کوئی بتلا نہیں سکتا۔

اللہ پاک انبیائے کرام کے ساتھ جو معجزہ کا ظہور فرماتے ہیں اور خاص کر کے جس معجزے کی گفتگو میں آپ کے سامنے کرنا چاہتا ہوں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے یہ سفر کروایا، اور جو کچھ اعتراض اس پر چودہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے، اور آج بھی ہو سکتے ہیں، ان سارے اعتراض کا جواب ایک ہی جملے میں فرمایا: سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ۔ پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندے کو لے چلی، یعنی بلایا گیا۔

علامہ اقبال کا ایک شعر ہے:

عبد دیگر ، عبدہ چیزے دیگر، ایں سراپا انتظار و ایں منتظر

عبد بننا، بندہ بننا ایک الگ چیز ہے، اور اللہ پاک کے خاص بندے بننا یہ الگ چیز ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ، صرف بعبد نہیں فرمایا بِعَبْدِہٖ فرمایا، عربی زبان میں اس کو ضمیر

کہتے ہیں، یعنی ان کا بندہ، اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ پر عبد نہیں فرمایا، دوسری جگہ پر عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی۔ آپ کے لئے عبد آیا، اس جگہ پر جہاں معراج میں لے جایا جارہا ہے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ان کے انتظار میں ہیں، علامہ اقبال اپنے شعر میں یہی کہہ رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انکساری

اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ نبیٔ ملک بننا چاہتے ہیں یا نبیٔ عبد، آپ نے فرمایا کہ میں نبیٔ عبد بننا چاہتا ہوں۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۳۱۶) یہ میرے لئے سب سے زیادہ اچھا ہے، یہ ہے نبیوں کی تواضع اور انکساری، اللہ پاک کے ساتھ عبدیت کا اظہار، اپنی سادگی، اپنا کچھ نہ ہونا اور اللہ پاک کی ذات کا سب کچھ ہونا، اس لئے عبدیت سے اشارہ بھی فرما دیا کہ میں اسی کا بندہ ہوں، اس کے علاوہ کسی کا نہیں، میری جبین نیاز اور میری پیشانی اسی کے آگے جھکے گی اور کسی کے آگے نہیں جھکے گی، تو اللہ پاک کی طرف سے اشارہ فرمایا یعنی ہمارا بندہ۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

جب پہلے آسمان پر حضرت جبرئیل کے ساتھ تشریف لے گئے، تو پہلے آسمان کے دروازے پر پوچھا گیا کہ کون؟ تو بتایا: جبرئیل، تو کہا: یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فوراً سوال ہوا کہ وہ آئے ہیں یا بلائے گئے ہیں، جواب دیا گیا: بلائے گئے ہیں، آنے کا تو سوال ہی نہیں تھا، اللہ پاک بلاتے ہیں تو بلائے گئے ہیں، پھر **مرحبا بالنبی الصالح**۔ (بخاری: کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء) آسمان پر ایک ایک نبی نے آپ کا استقبال کیا، اس جگہ پھر اشکال ہوگا کہ نبیوں کی تو تدفین ہوچکی اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے روح اور جسم دونوں کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیے گئے، پھر ان کی روحیں کیسے آئیں۔

دوستو اور بزرگو!

یہ سارے اشکالات کا جواب قرآن اور حدیث میں تو ہے ہی، بندے بنو تو سب سمجھ میں آئے گا اور اشکال کروگے تو ہر چیز میں تمہیں اشکال پیدا ہوگا، اس لئے لفظ سبحان سے جانے والی

ذات کو مت دیکھو، جو ذات لے جا رہی ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے، اگر نیچے سے اوپر لے جایا گیا تو سرد علاقے آتے ہیں، گرم علاقے آتے ہیں، بہت سارے اور دوسرے مناظر آتے ہیں، لفظ سبحان میں چودہ سو سال پہلے اعتراض جن لوگوں نے کیا ان کا جواب دے دیا، تمہارا جانا عجز والا ہوتا ہے، تم نہیں جا سکتے، لیکن جب اللہ پاک لے جائے، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، یا آسمان پر ایک کرہ زمہریر یعنی ایک ٹھنڈا علاقہ اوپر آتا ہے، اور نہ معلوم کون کون سی رکاوٹیں آتی ہیں، سب کچھ رکاوٹیں انسان کے لئے ہے، اس لئے اس سے پہلے میں آپ کو عرض کر چکا ہوں کہ اس زمین کے نچلے حصے میں سائنٹسٹ پہلے پانچ چھ کلومیٹر نیچے پہنچے ہیں، اس سے نیچے نہیں جا سکے، کچھ اور ذرائع سے انہوں نے نیچے جانے کی کوشش کی، اور اب یہ گیارہ بارہ کلومیٹر تک نیچے اور جا سکے، ایسے دعوے کر رہے ہیں، اس میں یہ محسوس ہوا کہ کسی مخلوق کا وہاں پر وجود ہے، یہ سائنسدان کہہ رہے ہیں، مجھے یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی زمین، انسان کے بنائے ہوئے ہتھیار مشینریاں باریک سے باریک نیچے کی چیزیں دیکھنے والے لیکن آج تک انسان آٹھ یا دس کلومیٹر سے نیچے کی حقیقت نہیں جان سکا۔

اللہ پاک کا آسمان اور زمین کو الگ الگ کرنا

اس سے پہلے آپ سن چکے ہیں، أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (انبیاء:۳۰) اللہ پاک نے فرمایا: آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے، ہم نے ان دونوں کو الگ کیا، اور اسی پر سوئزرلینڈ اور جرمنی کی بارڈر پر ستائیس کلومیٹر کی (زمین کے اندر) ایک لمبی چوڑی ٹنل ہے اور اس کے اندر سائنسی مشینریاں لگی ہوئی ہیں، کئی ہزار سائنٹسٹ وہاں کام کر رہے ہیں اور وہ رات دن اس چیز کی دریافت میں لگے ہوئے ہیں کہ زمین اور آسمان جب ایک دوسرے سے الگ ہوئے ہیں، تو وہ کونسا مادہ ٹوٹا اور جس کی بنیاد پر زمین کا اس کیفیت میں وجود ہوا، ابھی تو اس تحقیق میں بے چارے لگے ہوئے ہیں، اللہ پاک نے پہلے سے اس کو فرما دیا: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا.

اللہ پاک کو (کن فیکون) حکم کی بھی ضرورت نہیں

مجھے بتلانا یہ ہے کہ اللہ پاک نے لفظ سبحان فرما کر بتایا کہ اے انسانو! انسان اگر کوئی کام کرنے لگیں تو ہزار قسم کی رکاوٹیں آسکتی ہیں، لیکن میرا تو کام ہی ہے کہ جب ہم کسی چیز کے متعلق ارادہ کرتے ہیں ہم اس کو کہتے ہیں کن فیکون۔ تو وہ چیز ہو جاتی ہے، یہ بھی سمجھنے کے لئے ہے، ورنہ اللہ پاک کو حکم کی بھی ضرورت نہیں ہے، اللہ پاک اپنے بندوں کو نیک اور صالح عمل کے ذریعے جنت میں پہنچائیں گے تو قرآن کریم نے فرمایا: قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ۔ آدمی بیٹھا ہوا ہے، درخت کا پھل اس طریقے سے آئے گا کہ بالکل انسان کے سامنے آئے گا، سویا ہوا ہے تو وہ ٹہنی خود بخود نیچے آئے گی اور پرندہ اڑ رہا ہوگا اور اس کو کھانے کا خیال آئے گا تو بھونا ہوا گوشت اس کے سامنے آجائے گا، آج کا انسان اپنی ٹیکنالوجی اور سائنس کی دنیا میں کچھ عجیب وغریب چیزیں کرتا ہے تو دنیا میں تہلکہ مچ جاتا ہے۔

معجزہ کے ظہور سے خدائی ثابت نہیں ہوتی

آگے ارشاد فرمایا: سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ۔ اپنے بندے کو لے گئے، یہ لفظ عجیب وغریب اللہ پاک نے فرمایا، سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر جب حضرت مریم علیہ السلام آپ کو لے کر آئی اور بے شادی شدہ عورت کے ساتھ بچہ ہو تو اس کو عیب دار سمجھا جاتا ہے، ان لوگوں نے کہا: یہ کیا ہو گیا؟ حضرت مریم علیہ السلام نے اشارہ فرمایا: فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ (مریم:۲۹) بچہ جواب دے گا، انہوں نے کہا: كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم:۲۹) ہم کیسے بات کریں جو ابھی گہوارے میں ہے، اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کی زبان سے پہلا جملہ نکلوایا جو آپ نے فرمایا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ (مریم:۳۰) میں اللہ کا بندہ ہوں۔

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ جملہ اللہ پاک نے اس لیے نکلوایا کہ بعد میں اللہ پاک نے آپ کے ہاتھوں ایسے معجزے ظاہر فرمائے جو بظاہر خدا کی صفت معلوم ہوں، وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران:۴۹) کہ

بیمار کو شفا دینا، نابینا ہے اس کی بینائی واپس آجاتی ہے، مردہ زندہ ہوجاتا ہے، یہ معجزہ دیکھ کر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان بیٹھے، بلکہ عیسائیوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے آج بھی سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام کو-نعوذ باللہ- اللہ کے درجہ پر پہنچادیا ہے، اللہ پاک نے سورہ اسراء میں معراج کے اس واقعے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''بعبدہ'' کا لفظ لاکر اشارہ فرمادیا کہ آسمانی دنیا کا سفر کرنے کے بعد نعوذ باللہ وہ خدا نہیں ہے، وہ بندے ہیں۔ اور صرف بندے ہی نہیں، بلکہ ''بعبدہ'' فرمایا، اللہ کے خصوصی بندے ہیں، اور آگے ارشاد فرمایا، ''لیلا'' رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر کیا۔

مومن پھل دار درخت کی طرح ہے

دوستو اور بزرگو!

ہمیں اس سفر سے جو نصیحتیں اور عبرتیں ملتی ہیں، سب سے پہلے تو اس سے اگلے جمعہ کو کہہ چکا ہوں، انسان پر ناخوشگوار حالات کا آنا یہ اس کی ایمان کی دلیل ہوگی، انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسے حالات پیش آئے ہیں، حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بیمار ہوئی، انتقال کرگئیں، حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ مسائل آئے، حضرت زکریا اور حضرت یحیی علیہما السلام کو ستایا گیا، خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ولقداوذیت فی اللہ مایؤذی أحد.** (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ، رقم: ۲۴۷۲۰) مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اتنا نہیں ستایا گیا، اس لئے ایمان والا ہونا پھل دار درخت کی طرح ہے کہ پھلدار درخت کے اوپر ہی پتھر ڈالا جاتا ہے، جس درخت پر پھل نہ ہو اس پر پتھر ڈال کر کوئی فائدہ نہیں، اس لئے جس کے اندر ایمان ہوتا ہے اسی کی آزمائش ہوتی ہے، اللہ پاک کی طرف سے ایمان والوں کے مرتبے کے اعتبار سے مختلف درجات کے اعتبار سے امتحان ہوتا ہے، لیکن کامیابی اللہ پاک کی طرف سے ایسی آتی ہے کہ دنیا ششدر اور حیران رہ جاتی ہے، یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات نے ہمیں بتلایا۔

واقعۂ معراج کے لطائف

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر میں قرآن کریم نے فرمایا: لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا (اسراء:۱)) ہم نے اس لئے بلایا کہ ہماری کچھ نشانیاں آپ کو دکھلائیں، سورہ والنجم اذا ھوی میں یہ فرمایا، اَفَتُمَارُوْنَهُ عَلٰى مَا يَرٰى (نجم:۱۲) جو چیزیں آپ نے دیکھی ہیں، مکہ کے مشرکین نے صبح میں اعتراض کیا، اللہ پاک اس کا جواب دیتے ہیں، جو چیزیں نبی نے دیکھی ہیں، اس پر تم اعتراض کرتے ہو۔

خیر! مجھے یہ بتلانا ہے کہ وہ کون سی نشانیاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ مجھے مکہ مکرمہ سے لے جایا گیا، مسجد اقصیٰ تک، وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی آپ نے امامت فرمائی، مفسرین کا اختلاف ہے کہ امامت انبیاء جاتے وقت ہوئی یا واپسی میں ہوئی، حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا رجحان واپسی کے وقت کا ہے، یہ اشارہ کر دیا کہ وہ آخری نبی ہیں، اب ان کے بعد کوئی نبی آنے والے نہیں ہیں اور خاتم النبیین نبیوں کی نبوت کی جو آخری اینٹ باقی تھی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ وہ آخری اینٹ میں ہی ہوں، اس طریقے سے نبوت کے محل کی آخری اینٹ مکمل ہو چکی، اب کوئی نبی بن کر آنے کا دعویٰ کرے یہ ساری چیزیں غلط اور رد ہوں گی، کسی قسم کی کوئی نبوت اب باقی نہیں رہی ہے، نہ ظلی، نہ نائب، کوئی نہیں؛ بس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تو انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا، لیکن آپ کی خصوصیت یہ ہوئی کہ جو چیزیں اپنی امت کو بلکہ قیامت تک کے انسانوں کو بتلانی ہے، اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے خود جنت بتلائی، جہنم بتلائی، صرف جہنم اور جنت نہیں بلکہ وہ اعمال جس کی بنیاد پر جنت والے جنت میں اور وہ اعمال جس کی بنیاد پر جہنم والے جہنم میں جائیں گے، حضرت جبرئیل علیہ السلام لیکر جارہے ہیں اور پھر اسی میں اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ فلاں گناہ کرنے کی وجہ سے یہ سزا ہوتی ہے، غیبت کی سزا ہو رہی ہے، اسی طرح سے مختلف اعمال زکوۃ ادا نہ کرنے کی سزا

بتلائی کہ اس قسم کی چیزیں دکھا کرامت کو یہ بتلایا کہ جس نبی نے تمہیں دعوت دی، یہ وہ دعوت ہے جس کا اللہ پاک نے آسمان پر بلا کر اپنی طرف سے مشاہدہ کروایا، جنت کو دیکھا، جہنم کو دیکھا اور نہ معلوم حدیث شریف میں ہے کہ تصریف الاقلام، قلم جو لکھ رہا تھا، کٹ کٹ کی آواز بھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ بھی میں نے سنی، یہ ساری چیزیں بتلائیں گئیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقات ہوئی اور ہر نبی نے آسمان پر آپ کا استقبال فرمایا اور ہر ایک نے الگ الگ طریقے سے استقبال فرمایا، اور سب سے بڑی چیز کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو اللہ پاک کی طرف سے معجزے کا ظہور ہوا، اللہ پاک نے مکہ والوں کے سامنے پیش کیا، مکہ والوں نے انکار کیا کہ رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں بیت المقدس جانا اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کرنا یہ سمجھ میں نہیں آتا، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق سوال شروع کئے اور حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ پاک نے پورا بیت المقدس میرے سامنے کردیا، دروازہ کھڑکیاں سب بتایا، ہم برسوں سے کسی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں، اچانک کوئی پوچھے کہ کتنی کھڑکیاں ہیں؟ ہم نہیں بتلا سکتے، لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ساری چیزیں ان کو بتلائیں، اللہ پاک نے آپ کے سامنے بالکل کھول کر رکھ دیا اور آپ نے بتلایا۔

وحی الٰہی مافوق العقل ہوتی ہے

دوستو اور بزرگو!

انسانی طاقت، انسان قدرت، انسانی ٹیکنالوجی کہیں نہ کہیں جا کر رک جاتی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات اس سے آگے ہیں، اس لئے وحی کو کہا جاتا ہے ''مافوق العقل''۔

جہاں عقل ختم ہوتی ہے وہیں سے انبیائے کرام علیہم السلام کی باتیں شروع ہوتی ہیں، قرآن کریم نے ہمارے سامنے کئی مناظر پیش کئے اور بتلایا کہ ہمارے سامنے سائنس کی اسپیس اور ٹائم یہ مستقل اصطلاح ہے، مدرسے میں فلوسوفی کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، حکمت میں یہ چیزیں سکھلائی جاتی ہیں کہ کسی بھی طرح کا کوئی بھی کام کوئی مخلوق کرے گی، کسی وقت میں

کرے گی اور کسی جگہ میں کرے گی، اس کو کہا جاتا ہے اسپیس اور ٹائم (Space And Time)،عربی زبان میں زمان اور مکان کہا جاتا ہے، پہلے تو یہ تھا کہ ہرایک کے لئے زمان اور مکان ایک ہے، لیکن آئنس ٹائن جواس صدی کے سب سے بڑے سائنسدان گزرے ہیں، انہوں نے یہ کہا کہ یہ جو ہماری کائنات کے بعد والی جو دنیا ہے وہاں ہمارا یہ ٹائم کوئی ایک اثر نہیں کرتا، یہ ٹائم گویا اضافی (Relativity) ہے، یہ انہوں نے کہا ہے، ابھی چند دن پہلے ایک بڑے سائنسدان کا انتقال ہوا، اسی کی طرف اس کی نسبت کی گئی، بگ بینگ کا نظریہ اسی کی طرف منسوب ہے، اس نے بھی یہ کہا: زمان اور مکان یہ اضافی ہے، مثال آپ سمجھئے۔

زمان ومکان اضافی ہے: مثالیں

سیدنا حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق قرآن نے فرمایا: أَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (بقرہ:۲۵۹) حضرت عزیر علیہ السلام گزر گئے، ایک بستی والے اپنی چھتوں کے بل اوندھے گرے ہوئے تھے، یعنی زلزلہ آیا اور بستی تباہ ہو چکی تھی، قَالَ أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (بقرہ:۲۵۹) اللہ پاک بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کریں گے؟ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (بقرہ:۲۵۹) اللہ پاک نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک سلائے رکھا، بلکہ موت دے دی اور اس کے ساتھ جب سو سال کے بعد اٹھے، زمانہ آپ کے لئے سو سال کا ایسا کر دیا جب وہ نیند سے اٹھے ہیں، زندگی نئی ملتی ہے، اللہ پاک نے پوچھا: قَالَ كَمْ لَبِثْتَ۔ آپ کتنا سوئے؟ اور تمہارا موت کا وقت کتنا ہوا؟ فرمایا: بعض یوم۔ تھوڑا سا۔

اس کی ایک اور مثال ہم سمجھیں کہ ہم لوگ سوتے ہیں، کبھی ایک آدمی آٹھ دس گھنٹے سوتا ہے اور پھر بھی اس کو پتہ نہیں چلتا ہے کہ اتنا لمبا سویا، ابھی سویا اور ابھی نیند سے اٹھا، بس بات پوری ہوگئی، آٹھ دس گھنٹے اسی طرح گزر گئے اور وہی آدمی بیدار ہوتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تکلیف ہوتی ہے تو سیکنڈوں کے حساب سے اپنے وقت کو گنتا ہے، ڈاڑھ درد کر رہی ہو، اور رات کا وقت ہو، کوئی دوا نہ ہو، صبح تک انتظار ہو تو آدمی ایک ایک سیکنڈ گنتے ہوئے پریشان ہو جاتا ہے اور

دن اور رات میں اس لئے بتلانا چاہتا ہوں کہ جیسے ہمارے بہت سارے دوست یہ اعتراض کرتے ہیں کہ فرشتے ایک ہی سیکنڈ میں ہندوستان میں بھی روح قبض کررہے ہیں اور امریکہ میں بھی کسی کا انتقال ہوتا ہے، فِجی میں کسی کا انتقال ہوتا ہے، ساؤتھ افریقہ میں بھی کسی کا انتقال ہوتا ہے، دنیا کے کونے کونے میں ملک الموت کس طرح پہنچ جاتے ہیں؟ اسی کا سائنس کی روشنی میں جواب دیا، اگرچہ وہ مطلق کہہ رہا ہے، لیکن اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معراج کے واقعے کا ثبوت ہو رہا ہے کہ یہ وقت جو ہے وہ اسی دنیا سے متعلق ہے، اس وقت کا تعلق اوپر کی دنیا سے نہیں، فرشتوں کے لئے وقت کا گھٹنا اور بڑھنا یہ ان کے حساب سے ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا: فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (معارج:۴) قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، دنیا کے جو پچاس ہزار سال ہے اس کے برابر؛ اللہ تبارک وتعالی نے ایک اور آیت میں فرمایا کہ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کہ ایک ہزار سال کے برابر۔

اسی لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ جس آدمی کے لئے جیسا وقت ہوگا اس کے مطابق اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس کے لئے فیصلے ہوں گے، سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے دربار میں کہہ رہے ہیں کہ بلقیس کا تخت میری اس مجلس کے ختم ہونے سے پہلے یا اور جلدی کون لائے گا؟ تو ایک جنات نے کہا: میں اس کو آپ کے پاس لا سکتا ہوں۔ لیکن ایک اور اہل علم اٹھے، انہوں نے کہا: قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (نمل:۴۰) آپ ادھر ادھر نظر کرو اور میں فوراً لا دوں گا، اور فوراً حاضر ہو گیا، کہاں بلقیس یمن میں تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں تھے، شام کا اتنا لمبا فاصلہ، لیکن ایک پلک جھپکنے کی مقدار میں وہ تخت آپ کے پاس آپ کے سامنے حاضر کر دیا، یہ زمان کا کم ہونا، مکان کا کم ہونا اللہ پاک نے اس قسم کی آیتوں کے ذریعے صاف کر دیا۔

واقعۂ معجزۂ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے طیٔ مکانی وزمانی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزۂ معراج اپنے اندر نوع انسانی کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے بہت سے سبق رکھتا ہے، وقت کے ایک نہایت قلیل لمحے میں مکان ولامکان کی سیر اور اسی قلیل

ساعت میں کرۂ ارضی کی طرف واپسی عقل انسانی سے ماوراء ایک ایسا راز ہے جسے کسی دور کی سائنس افشاء نہ کر سکی، معجزہ نام ہی اس فعل کا ہے جو عقلی کسوٹی سے پرکھا نہ جاسکے، شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت کی ایک قلیل جزئی میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پہنچے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم بالا کی طرف روانہ ہوئے اور مکان ولا مکان کی حدود کے اس پار سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے رب ذوالجلال کی رحمت بے پایاں سے اس کی ملاقات سے شرف یاب ہوئے۔

اربوں نوری سال سے زیادہ وسیع مادی کائنات کی آخری حدود سے بھی پرے اس محیر العقول رفتار کا سفر اور مکان ارضی کی طرف واپسی، یہ سب کچھ وقت کے محض ایک لمحہ میں ہو گیا، وقت کا ایک لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یوں پھیلا کہ اس میں یہ طویل عرصۂ دراز گم ہو گیا، اور جب آپ واپس تشریف لائے تو دروازے کی کنڈی ابھی ہل رہی تھی۔ یہ سب کیا تھا؟ یہ اللہ رب العزت کی قدرت کا ایک نظارہ تھا اور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا جامع معجزہ تھا جسے عقلی وسائنسی بنیادوں پر پرکھنا اور سمجھنا قیامت تک ممکن نہیں؛ کیوں کہ فزکس کے تمام قوانین اسی طبعی کائنات کی حدود سے متعلق ہیں، جب اللہ رب العزت کا کوئی فعل طبیعی کائنات کے عام ضابطوں سے ہٹ کر ظاہر ہوتا ہے تو اسے ہماری دانش سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔

معجزۂ معراج طیِّ زمانی ومکانی دونوں کا جامع ہے، اس کا صدور نظریۂ اضافیت میں ملنے والے وقت کے ٹھہراؤ کی ممکنہ صورت کے برعکس ہوا، نظریۂ اضافیت کے مطابق روشنی کے قریب قریب رفتار سے بھاگنے والے مادی جسم پر وقت کرۂ ارضی پر معمول کی زندگی کی نسبت انتہائی تیزی سے گزر جاتی ہے۔

ایک اور معجزہ جس نے سائنسی نظریہ کو مات دی

نظریۂ اضافیت اور مکان وزمان کے نئے نظریات کے مطابق ہم نے دیکھا کہ روشنی کے قریب رفتار سے سفر کرنے پر وقت زیادہ تیزی سے گزر جاتا ہے اور ایسا سفر کرنے والا مادی جسم وقت کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہے جب کہ معراج کے دوران تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت کو

پچھاڑ دیا، عام روشنی سے ہزاروں گنا تیز رفتاری سے سفر کرنے پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت کی رَو میں پیچھے رہ جانے کے بجائے آگے نکل گئے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے کہ عام سائنسی و عقلی قوانین کے برخلاف نہ صرف روشنی سے زیادہ رفتار حاصل کر لی بلکہ صحیح سلامت سفر کے بعد وقت کے اسی لمحے میں واپس بھی تشریف لے آئے، یہ اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا اظہار تھا جس کی بدولت آپ سے یہ معجزہ صادر ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت بھی اپنی ہی طرف کی اور فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا. (بنی اسرائیل)

ترجمہ: وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے (محبوب اور مقرب) بندے کو لے گئی۔

سفر معراج میں اس محیر العقول رفتار سے روانگی کا راز عقل انسانی میں نہیں سما سکتا، یہ اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ ہی کا ظہور تھا جس کی بدولت ایسا ممکن ہوا۔

مکان و زمان (space-time) کے نظریئے میں وقت کی اضافیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، مختلف افراد یا مختلف مکان پر وقت کا مختلف رفتار سے گزرنا باقاعدہ ایک علمی حیثیت میں تسلیم کیا جا چکا ہے، اضافیت زمان پر اللہ رب العزت کی آخری و حتمی وحی میں بہت سی آیات موجود ہیں، طیّ زمانی و مکانی کے ضمن میں آنے والی امثلہ کا تعلق بھی اضافت زمان ہی سے ہے؛ تاہم کچھ اور آیات بھی ہیں جن میں واضح طور پر یہ بیان ہوا ہے کہ وقت اور اس کے گزرنے کی رفتار کی حیثیت محض ہمارے ادراک تک محدود ہے، ہمارا ادراک ہی وقت کی تعریف کرتا ہے اور یہی اس کی رفتار کو تیز یا آہستہ قرار دیتا ہے، دراصل وقت محض ایک ایسا ادراک ہے جس کا انحصار واقعات کی ترکیب پر ہوتا ہے اور واقعات کی ترتیب ہی وقت کے ایک سلسلے کا باعث بنتی ہے۔

تین انعام

(۱) الصلوٰۃ الخمس (۲) خواتیم سورۃ البقرہ (۳) غفر لمن لا یشرک باللہ شیئاً۔

امت کو مانگنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھا دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے امت کو مالک نے

اپنے سے مانگنے کا انداز بھی بتایا کہ میں اس طرح تمہاری دعا قبول کروں گا۔

مصدق: حضرت ابوبکرؓ کا غیب پر ایمان لانا بلکہ سب سے پہلے تصدیق کرنا صدیقیت کا مقام پاتا ہے۔

سبحان مصدر ہے، وہ ذات جہاں بندہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے اور اللہ تعالیٰ کے غلبۂ کامل کا معترف ہو، غرض کائنات کی طاقت کا اختتام جس مقام پر ہو اس مقام سے جس کی طاقت اور غلبے کا آغاز ہو، وہ سبحان ہے۔

لفظ سبحان سے معلوم ہوا کہ لفظ سبحان اس مقام پر بولا جاتا ہے جہاں خداوند قدوس کی عظمتوں اور قوت غلبہ کا اعتراف کرنا مقصود ہو۔ حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں جو دعا کی اس میں سبحان ہے۔

نمازی نماز سے پہلے مولانا، محدث، مفسر، تاجر، حکمران، وزیر اعظم، بادشاہ سب کچھ ہوتا ہے، لیکن دربار الٰہی میں حاضر ہو کر اپنی عاجزی وکوتاہی کا اعتراف لفظ سبحان سے کرتا ہے، منکرین معراج کو سبحان سے تمام اعتراضات دور کردئے کہ اس ذات کی قدرت تو دیکھو سبحان اللہ

عبدیت: انسان کا وہ جوہر ہے جو اس کو تمام اوصاف سے بلند و بالا کرتا ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ، پھر پہلے آسمان، سدرۃ المنتہیٰ وہاں سے قاب قوسین کی بلند منزلوں تک جانا اور پھر اس قدر جلد واپس آنا، پھر آفتاب رسالت کی شعاؤں سے سرزمین مکہ کو منور کرنا، اس قدر عجیب وغریب حیران کن بات تھی جو لوگوں میں شبہ پیدا کرسکتی تھی کہ جانے والا کہیں خدا کی صفات کا حامل نہ ہو، ان شبہات کے ازالے کے لئے بعبدہ فرمایا۔

عبد: جسم وروح کے مجموعے کا نام ہے، دیگر آیت میں بھی صرف روح مراد نہیں۔

عبداً اذا صلی: روح نماز نہیں پڑھتی، بلکہ جسم روح دونوں مراد ہے، خوابی دنیا نہیں تھی۔

لیلاً: رات سکون کا وقت ہے، اکثر تحفے رات کو عطا کئے، اربعین لیلۃ، قرآن کا تحفہ پھر رات کو انا انزلناہ فی لیلۃ القدر، ہجرت کا سرور بھی رات کو، صدیق کی صحبت بھی رات میں، امامت

انبیاء بھی رات میں ۔یایھا المزمل قم اللیل کیوں کہ ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا (مزمل:٦) لہٰذا رات کو آیا کریں، عبادت وریاضت کیا کریں، پھر تنوین تقلیل کے لئے یعنی رات کا تھوڑا سا وقت۔

سبحان کا لفظ معراج کے جسمانی ہونے پر دال ہے، کیوں کہ روحانی کوئی عجیب نہیں، خواب کو ہر مسلمان بندہ دیکھتا ہے، نیز کفار کا مذاق کرنا، تمسخر کرنا بھی جسمانی پر دال ہے، روحانی پر خواب کی کوئی مذاق نہ کرتا۔حضرت عائشہ اور عبداللہ ابن عباس کی روایات میں جواب کا ذکر ہے، جسمانی کے علاوہ روحانی بھی ہوئی ہے، اسراء کی روایات متواتر ہیں۔

اسلامی مہینوں میں رجب کو امتیازی مقام حاصل ہے، نماز کی فرضیت، تحویل قبلہ اور غزوۂ تبوک رجب کے مہینے میں ہوئے۔

سبحان امر عجیب کے لئے بولا جاتا ہے، اس سے اشارہ ہے کہ واقعۂ معراج کو عقل وخرد کی روشنی سے جانچنے کے بجائے قدرت اور طاقت خداوندی کے آئینے میں دیکھو، جانے والے کے بجائے لے جانے والے کی قدرت کو دیکھو۔

ہر نبی کو زمانہ کے مطابق معجزہ عطا کیا گیا، ہوگا وہی جو خدا چاہے گا، فرعون بھی ھذہ الانھار تجری من تحتی کہتا تھا اسی میں غرق کیا گیا، بڑی سے بڑی طاقت خدا کی طاقت کے مقابلہ میں مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے۔

اقصیٰ دور ہونے کی وجہ سے اور آیا تنا بغیر لے جائے بھی ممکن تھا لیکن اس میں اور پھر رکوب میں اکرام وشان تھی، لیلا عادۃً خلوت کا وقت ہے، مسجد اقصی سے مراد مسجد کی زمین ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ تک عمارت باقی تھی۔

معراج محبوب ومحب، ساجد ومسجود، عابد ومعبود کی داستان محبت اور اسرار شریعت کا ذخیرہ ہے۔

ارسل الیہ: آپ کو بلا بھیجا، لہٰذا اولاً دعوت خداوندی ہوگی۔انبیاء کرام سے ملاقات، انبیاء کا آپ کو عزت ووقار سے پکارنا۔

معراج کے تین تحفے: التحیات، الصلوات، الطیبات گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین حلف اٹھائے، قولی، بدنی، مالی عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، یہ توحید کا حلف پوری امت کے لئے مشعل راہ ہے، قول، بدن، مال اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تین تحفے، سلام، رحمت، برکت۔ معلوم ہوا کہ توحید پر پختگی کے بعد انعامات الٰہیہ نازل ہوں گے۔ رحمت خداوندی کے نزول پر آپ نے امت کو فراموش نہیں کیا، یہ ہماری خوشبختی ہے؛ لیکن ہم آقا کو بھول گئے، آقا کے ارشادات کی فکر نہیں کرتے۔

سفر معراج میں ملے ہدایا کو غنیمت جانیں

دوستو اور بزرگو!

اس لئے ہمیں اس میں سے جو عبرت لینی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سفر میں نماز ملی، ہم اس کی پابندی کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سفر کے اندر سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ملی، اور اس کے اندر رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (بقرہ:۲۸۶) گویا کہ ہم عجز و نیازمندی سے اللہ کے پاس مانگیں، خود اللہ تعالی نے بتلا دیا، ربنا ربنا ان دعاؤں کے ذریعے مانگو، یہ بھی کرم اور فضل ہے کہ مانگنے کا سلیقہ سکھلایا۔ تیسری چیز فرمائی آپ کی امت میں سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرے گا، میں اس کی بخشش اور مغفرت کردوں گا۔

یہ تین بڑے ہدیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے اس سفر میں ملے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کی اہمیت کتنی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ دعاؤں کی قبولیت کا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے اور دعا مانگنے سے اللہ تعالیٰ کتنے خوش ہوتے ہیں، جو لوگ اللہ پاک سے نہیں مانگتے، قرآن کریم نے ان کے لئے فرمایا: يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي (غافر:۶۰) تکبر کرتے ہیں، ہم سے نہیں مانگ رہے ہیں، ایسے لوگوں کو متکبر کہا، دنیا میں بڑے سے بڑے دوست ہو،

بڑے سے بڑا تعلق والا ہو، ایک مرتبہ آپ نے قرض مانگا وہ دے دے گا، لیکن دوسری مرتبہ تیسری مرتبہ جاؤ گے تو اس کی نظروں سے گر جاؤ گے، اللہ پاک کی نظروں سے وہ گرے گا جو اس کے دربار میں نہیں آئے گا، جو نہ مانگے وہ اللہ کے دربار سے گرتا ہے، انسانوں کا حال یہ ہے کہ انسان سے مانگے تو وہ انسان کو ناقدرہ بنا دیتا ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: مجھ سے مانگو، حدیث شریف میں ہے کہ چپل کا تسمہ یعنی پٹی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگے۔ (ترمذی: ابواب الدعوات، رقم: ۳۶۰۴)، اس لئے اس سفر کے ذریعے ہمیں جو چند چیزیں ملیں، دوستو اور بزرگو! اس میں سب سے بڑی چیز اللہ کی طرف جھکنا، اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۳۴) سالِ نو کا پیغام؛ وقت کی قدر کیجئے

(گارڈن مسجد، بھروچ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ علٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى اٰلِه وَ اَصْحَابِه اَجْمَعِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وتَعَالٰى فِى الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ○ (سورۃ لقمان:٦)

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَصِيْرٍ ○ (سورۃ فاطر:۳۷)

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ.

(سنن الترمذی: ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: رقم الحدیث:۲۳۱۷)

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.(بخاری شریف: کتاب الرقاق، باب الصحۃ والفراغ، رقم الحدیث: ٦٤١٢)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

انگریزی سال کے حساب سے دسمبر کا مہینہ ختم ہوا اور نیا سال شروع ہوا، اسلامی شریعت نے ہمیں ہر چیز کے سلسلے میں احکام اور آداب سکھلائے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کی دوسری قومیں سال ختم ہوتا ہے اور نیا سال شروع ہوتا ہے تو جشن مناتی ہیں، بلکہ تعجب ہے کہ جس قوم کا سال ختم ہوتا ہے وہ تو اتنا زیادہ شور شرابہ نہیں کرتی ہے، یورپ والے اور عیسائی مذہب والے، اس کے مقابلے میں ہمارے ملک میں اور ہماری قوم میں بھی ہمارے کچھ نوجوان سال منانے کی خوشیاں اور گناہوں میں مبتلا ہیں۔

وقت اللہ پاک کی بڑی نعمت

دوستو اور بزرگو! وقت کا ختم ہونا اور نئے سال کا شروع ہونا یہ انسانی زندگی میں وقت کی اہمیت بتلا رہا ہے، اسلام میں سب سے زیادہ وقت کی اہمیت کو بیان کیا ہے، دنیا کے کسی مذہب میں اتنی زیادہ وقت کی اہمیت نہیں بیان کی ہوگی، جتنی قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، قرآن کریم میں اللہ پاک نے وقت کی قسم کھائی ہے، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى (لیل:۱) رات کی قسم کھائی، دن کی قسم کھائی، وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى (ضحیٰ) دن کے بھی مختلف اوقات کی قسم کھائی، وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ (فجر) یہ مختلف اوقات کی قسم کھائی اور ایک سورت میں اللہ جل شانہ نے زمانے کی قسم کھائی، وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (عصر) یہ مختلف اوقات کی قسم کھانا ان اوقات کی اہمیت کو ہمارے سامنے واضح کرتا ہے، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جن روایتوں کو آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے ہمارے سامنے وقت کی اہمیت کو بیان کیا ہے، قرآن کریم کی جو آیت تلاوت کی، اس میں آپ نے ہمیں وقت کی اہمیت کو بیان کیا ہے، قرآن کریم کی جو آیت تلاوت کی: أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ (فاطر:۳۷) اس میں اللہ پاک انسانوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ کیا ہم نے تم کو عمر نہیں دی؟ جس

میں نصیحت حاصل کرنے والا، عبرت حاصل کرنے والا، یاددہانی کرنے والا یادرکھے اور اپنے اوقات کو صحیح طور پر استعمال کرے، اسلامی شریعت کی جتنی عبادتیں ہیں، ان کو اوقات کے ساتھ اللہ تعالی نے ذکر کیا، جمعہ کی نماز میں ہم جمع ہوئے، ہفتے میں ایک ہی وقت ہے، پانچ نمازیں اور ان کے اوقات متعین ہے، ان اوقات کے علاوہ اگر ادا کریں گے تو وہ ادا نہیں ہوگی بلکہ اس کو قضا کہا جائے گا، إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (نساء: ۱۰۳) نماز کو ہم نے ایمان والوں پر ایک خاص متعین وقت پر مقرر فرمایا، روزہ رمضان المبارک میں ہی ادا ہوگا، اگر اس کے علاوہ دن میں روزہ رکھیں گے تو ادا نہیں ہوگا، اس کا وقت رمضان ہے، زکوۃ کی ادائیگی سال میں ایک مرتبہ کی، حج کے لئے وقت اور جگہ متعین فرمائی، یہ ساری عبادتیں ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ اسلام نے وقت کی اہمیت کو سب سے زیادہ بیان کیا ہے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو روایت آپ کے سامنے پیش کی، اس میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ. دو نعمتیں ہیں جس میں بہت سارے انسان دھوکہ کھائے ہوئے ہیں، ان اوقات کی وہ صحیح قدر نہیں کرتے ہیں، دو چیزیں ذکر فرمائی: الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ۔ تندرستی اور انسان کا کسی مصیبت میں، کسی پریشانی میں اور کسی بڑے کام میں مشغول نہ ہونا۔ جو اس کو بددل کردے، جو اس کے دل پر ایک بوجھ ڈال دے، اس کے دل پر چھا جائے، اللہ تعالی مشغولیت کو دور کرتے ہیں اور فراغت عطاء فرماتے ہیں، ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو، جب بڑھاپا آئے گا تب عبادتوں کی ادائیگی میں کوئی لذت نہیں مل سکتی، عبادتیں ادا ہوتی ہیں آسانی اور سکون کے ساتھ۔

اوقات کو غنیمت سمجھو

دوستو اور بزرگو! میں اور آپ بہت سارے بھائیوں کو دیکھ رہے ہیں جو بیچارے کسی مجبوری کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، ذرا ہم اس پر غور کریں کہ اللہ تعالی نے ہمیں توفیق دی

ہے کہ ہم اچھی طرح سجدہ کر سکتے ہیں اور ہم اس سے دور رہیں، بڑی ناقدری کی بات ہے، ہم نمازوں کی ناقدری نہ کریں اور جب بیماری بڑھاپا آجائے کہ ہم سجدہ کرنا چاہیں پھر بھی سجدہ کرنے سے محروم رہتے ہیں، زمین پر سر ٹیکنے سے محروم رہ جائے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روایت میں فرمایا ہے کہ اس سے پہلے کہ پریشانی آجائے، بڑھاپا آجائے، خدانخواستہ کوئی پریشانی آجائے اور عبادتوں سے تم عاجز ہو جاؤ کہ عبادت ادا کرنا چاہو لیکن ادا نہ کرسکو، اس سے پہلے پہلے اپنے اوقات کو غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ یہ تندرستی میں انسان اچھی طریقے سے عبادت کرسکتا ہے، بیماری آجائے، کوئی پریشانی آجائے، جس سے انسان محروم ہو جائے، اس لئے اس کو غنیمت سمجھنے کا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا، مالداری کو غریبی سے پہلے غنیمت سمجھو، غربت فقر وفاقہ آجائے، کوئی ٹینشن آجائے، حدیث شریف میں فرمایا: کاد الفقر ان یکون کفراً. (مشکاۃ: کتاب الآداب، باب ماینھی عن التھاجر..)، فقیری آدمی کو کفر تک پہنچادیتی ہے، جو کام اسلام میں جائز نہیں ہے، فقیری کی وجہ سے وہ کام کرنے والا بن جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مالداری کو فقیری سے پہلے غنیمت سمجھو، اللہ پاک نے جن حالات میں تم کو رکھا ہے، اس کو غنیمت سمجھو۔

یہ چیزیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمائی کہ ہم اوقات کی پابندی کریں، اوقات کا لحاظ کر کے ہی ہمارے علماءِ سلف نے، صحابہ کرام نے، تابعین نے، تبع تابعین نے، علماء مجتہدین نے اتنا بڑا دین کا کام کیا، انہوں نے وقت کو غنیمت سمجھا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بستر مرگ میں مسئلہ بتلانا

اس بنیاد پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے، آپ بیماری کے آخری ایام میں آخری گھڑیوں میں بستر پر پڑے ہوئے ہیں، لوگ مسئلہ پوچھنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اس مسئلہ کا جواب بتاؤ جو سائل نے پوچھا تھا کہ حج کے دنوں میں شیطان کو کنکری ماری جاتی ہے تو وہ سواری پر بیٹھ کر

ماری جائے یا پیدل چل کر ماری جائے ؟ اس زمانے میں شیطان کو کنکریاں مارنے کی جو سہولتیں ہیں وہ اُس زمانے میں نہیں تھیں، اور لوگ سواریوں پر ہی حج کرتے تو سواری اور بغیر سواری کے کنکری مارتے تھے، تو کون سا طریقہ اپنائیں؟ ان کے شاگرد نے کہا کہ سواری کی حالت میں مارنا، تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحیح نہیں ہے، تو پھر انہوں نے کہا: پیدل مارنا، تو آپ نے کہا: یہ بھی صحیح نہیں ہے، انہوں نے کہا: حضرت کیا مسئلہ ہے؟ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس رمی کے بعد دوسری رمی نہیں کرنی ہے، تین جمرات ہے، تین شیطان ہے، ایک کو کنکری ماری جاتی ہے۔ پھر دوسرے دو کو ماری جاتی ہے تو پہلے دو کو پیدل ماری جائے گی اور تیسری کو سواری کی حالت میں ماری جائے گی، جس کے بعد پھر کنکری نہ ماری جائے اس کو سوار ہو کر مارا جائے، یہ مسئلہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، وہ شاگرد مسئلہ سننے کے بعد گھر سے باہر نکلے اور اندر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی، انہوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔

ہمارے اکابر اور وقت کی قدر

دوستو اور بزرگو!

جو دین ہم تک پہنچا ہے آج چودہ سو سال کے بعد دنیا اور سائنسی ٹیکنک نے جتنی بھی ترقی کی ہے، میڈیکل لائن سے جو ترقی کی، لیکن ہر مسئلہ کا جواب ہمیں مل رہا ہے، یہ بزرگوں کا صدقہ ہے، جنہوں نے اپنے اوقات کو اس طرح صرف کیا اور آج دین پر عمل کرنا ہمارے لئے آسان ہو گیا، دین کے مسائل کو یاد کرنا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہو گیا، زندگی کی آخری گھڑیوں تک مسئلہ پوچھا جا رہا ہے، علمائے کرام لکھتے ہیں کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے سکرات کے عالم میں موت کی اس حالت میں کہ شیطان انسان کو اللہ سے دور کرنے میں مختلف حیلے اور تدابیر کرتا ہے، لیکن آپ مسئلہ بتاتے ہیں شیطان کو کنکریاں مارنے کا، گویا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کی تمام چالبازیوں کا مکمل طور پر یقین کر لیا اور اس کے بعد آپ

اس مسئلہ کو ذکر کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے اوقات کو ضائع نہیں کیا، اسلام کے پیچھے لگے،تو شیطان کی چال سے محفوظ رہے، مسلمانوں نے اپنے آپ کو علم کے پیچھے لگایا، اور ایک محدث ومفسر حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے تفسیر اور تاریخ لکھی، چھ ہزار صفحات میں آپ نے کتاب لکھی، دو کتابیں ہیں تفسیر میں بھی اور تاریخ میں بھی، اور دونوں میں تین تین ہزار صفحات ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ وہ سارے حضرات ہیں جنہوں نے دو ہزار اور تین ہزار اور چار ہزار صفحات میں ایک ایک کتاب لکھی ہے، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دن میں اٹھائیس صفحات اور چودہ اوراق لکھتے تھے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کم عمر پائی، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ چالیس کے اندر ہیں اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۹ سال کی عمر پائی، ان تمام علمائے کرام سے اللہ تعالی نے اتنا کام لیا کہ آپ حیران رہ جائیں گے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہزار سے زیادہ کتابیں لکھیں، ان حضرات نے اپنے اوقات کی قدر کی اور یہ تو صرف علم ہے، عملی زندگی، حقوق العباد ان سب میں بھی ان حضرات نے اپنے اوقات کو قرآن و سنت کی روشنی میں استعمال کیا۔

ابوریحان سائنٹسٹ کا واقعہ

دوستو اور بزرگو!

یہ ہے اوقات کی قدر، جو ہمارے بزرگوں نے کی، ابوریحان جو ایک سائنٹسٹ ہے، لیکن اپنے زمانے میں ایک بزرگ ابوالحسن ولوالجی رحمۃ اللہ علیہ کو جو فقہ کے امام ہیں، ان سے مسئلہ پوچھ رہے ہیں، زندگی کے آخری ایام میں مسئلہ پوچھ رہے ہیں کہ نانی کو وراثت میں سے کتنا حصہ ملے گا ؟ بزرگ نے مسئلہ بتانے سے پہلے کہا کہ آپ کے سینے میں تکلیف ہے، زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہے ہو، اور اب آپ کو اس مسئلہ پر عمل نہیں کرنا ہے، فرمایا کہ یہ علم لے کر جاؤں، اور جہالت سے محفوظ رہوں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت معلوم ہو اور اس کے ساتھ دنیا سے

رخصت ہوں، یا جہالت کے ساتھ ساتھ رخصت ہو جاؤں، یہ اچھا ہے، یہ ہمارے علماء جو علم کی قدر کرنے والے تھے، ابوریحان نے ہندوستان پر بہت کچھ لکھا، یہاں کا سفر کیا، محمود غزنوی کے زمانے میں تاریخ الہند میں ہندو مذہب کے سلسلے میں بہت کچھ باتیں لکھیں۔

پروفیسر مسٹر آرنلڈ کی بات

حضرت علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وہ شام اور مصر کا پانی کے جہاز میں سفر کر رہے ہیں اور اسی جہاز میں علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک بڑے پروفیسر مسٹر آرنلڈ تھے، اتفاق سے ہوا کا رخ بدلنے لگا اور ہوائیں چلنے لگیں کہ ان کا اسٹیمر ڈاں واں ڈول ہونے لگا، کپتان نے اعلان کیا کہ ہم خطرے میں ہیں، جس کو جو کچھ کرنا ہو اپنے اعتبار سے کرلے، اپنی عبادت کے اعتبار سے جو کچھ کرنا ہو کرلے، علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ جہاز میں افراتفری مچ گئی، لوگ ادھر سے ادھر دوڑنے لگے، تو میں نے دیکھا آرنلڈ کونے میں کچھ لکھ رہے ہیں، میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ سب لوگ پریشان ہیں اور آپ لکھنے میں مشغول ہیں، انہوں نے کہا کہ زندگی کی جو گھڑیاں ہمیں ملی ہیں، ان کو کام میں لائیں۔

ایک ایک لمحہ اللہ پاک کی طرف سے سرمایہ

دوستو اور بزرگو!

انگریز اور یورپ کی قوم پر لعنت کرتے ہیں، ان کے اسلام دشمنی پر ہم باتیں کرتے ہیں، لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کی جو قدر بتائی، اس کو یورپ والے ہم سے زیادہ جانتے ہیں، دنیا میں دن بدن سائنسی ترقی کیسے ہوئی؟ انہوں نے دنیا میں اپنے اوقات لگائے، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت:۶۹) وہ لوگ اس میں مجاہدہ کریں گے، تو اللہ تعالی ان کو بدلہ دے گا، ہم تو آخرت والے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا: هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ (صف:۱۰) اللہ پاک نے فرمایا: ایک ایسی تجارت ہے، اس تجارت میں تم نے اپنے سرمائے کو لگایا ہے، یہی زندگی کا ایک ایک منٹ ایک

ایک سیکنڈ یہی ہمیں اللہ پاک کی طرف سے سرمایہ ملا ہے، اس تجارت کو لگانا ہے اللہ پاک کے دین کے لئے، ہمارے اوقات صحیح طور پر استعمال ہوئے تو ہم کامیاب ہیں، اگر ہم نے اوقات کو ضائع کیا تو افسوس کی بات ہے۔

تاریخ پڑھیں اور محاسبہ کریں

دوستو اور بزرگو!

ہندوستان کے حالات آپ جانتے ہیں اور دنیا بھر کے حالات بھی آپ جانتے ہیں، لیکن اوقات کا ہم سے زیادہ بگاڑ کسی قوم میں نہیں ہے، افسوس ہے کہ ہم تجارت میں لگے ہیں، لیکن تجارت کے اصول وضوابط کے ساتھ ساتھ مشغول نہیں ہوتے ہیں، ہم ملازمت میں لگے ہوئے ہیں، ہمارا طالب علم پڑھتا ہے، ماشاءاللہ کچھ ہوتے ہیں، جو محنت کرتے ہیں، مگر عام مسلم طلبہ سائنس وانجینئر نگ کے شعبے میں پیچھے ہیں، Top Ten جب آتے ہیں تو اس میں مسلم طلبہ نہیں ہوتے ہیں، بہت ساری وجوہات ہیں، آج ہم یہودیوں کا رونا رورہے ہیں، دنیا بھر کی ساری طاقتیں، کوٹھیاں، ٹیکنالوجی ان کے پاس ہے، ساری دنیا کو جمع کرلیا ہے، ذرا آپ ان کی تاریخ پڑھیں، آئن سٹائن کس طرح امریکہ گئے؟ جرمنی کی یہودی قوم کس طرح امریکہ گئیں اور کیسی کیسی محنتیں کیں، کتنے گھنٹے اور اوقات اسکول اور کالج میں لگائے ہیں، اس لئے ہم اپنے اوقات کا صحیح استعمال کرکے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

نفع بخش چیز باقی رہتی ہے

اللہ پاک نے قرآن میں اصول فرمایا ہے: وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (رعد:۱۷) یہ دنیا کا نظام اللہ تعالی نے فرمایا کہ جو چیزیں نفع دیتی ہیں، اللہ تعالی اس کو باقی رکھتے ہیں اور جو چیزیں نفع نہیں دیتی ہیں، جو کچڑا ہوتا ہے اس کو ایک طرف کردیتے ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: پانی کے اندر اللہ تعالی نے دریا کے اندر قیمتی نعمتیں رکھیں کہ سارے کے سارے جواہرات موتی اور قیمتی چیزیں اندر رہتی ہیں، اور کچڑا پانی کے اوپر آجاتا ہے، اللہ پاک اس ضابطہ

سے بتلاتے ہیں کہ جو بھی دنیا میں جس کو نفع دینے والا ہوگا، دنیا کی قومیں اس کے سامنے جھکے گی، ہم دنیوی اعتبار سے رونا رو رہے ہیں، تو دوستو اور بزرگو! ہم اپنے اوقات کی صحیح قدر کریں۔

مسلم نوجوان اور وقت کا ضیاع

ایک مرتبہ راستے میں مسلم آبادی والے شہر سے گزر رہا تھا، رات کا وقت تھا، بارہ-ایک بجے تھے، اتفاق سے بارہ سے ایک بجے کے درمیان ایسا لگ رہا تھا کہ دن نکلا ہوا ہے، گلیوں کے کونے پر ہمارے مسلم نوجوان بیٹھے ہوئے ہیں، کچھ لوگ چوڑوں اور اوٹلوں پر موبائل لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، اپنے اوقات کو ضائع کر رہے ہیں اور رات کے بارہ ایک بجے سویا نہیں جاتا اور رات کو بارہ ایک بجے موبائل میں اتنا وقت ضائع کرے گا، وہ ان چیزوں میں لگا رہے گا تو سائنسی کلاس میں کس طرح حاضری دے سکے گا، رات کا مطالعہ نہیں ہوگا، دنیوی علوم کے لئے رات کو مطالعہ کرنا پڑتا ہے اور پروفیسر کے سامنے سننا اور سمجھنا پڑتا ہے، اگر ہم اپنے اوقات کو ضائع کریں گے، اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں، ان سارے حالات کے باوجود رات دن حالات کا رونا رویا جا رہا ہے، لیکن صرف رونے سے کیا فائدہ؟ جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو اپنے اوقات عزیز کو دنیا میں جو چیزیں ہیں اس کے پیچھے نہیں لگاتی؛ ترقی نہیں کرسکتی ہے۔

جس چیز میں فائدہ نہ ہو اس میں نہ لگیں

تعلیم وتجارت (Education اور Business) یہ دو چیزیں ایسی ہیں، جس میں قومیں دنیوی اعتبار سے آگے بڑھتی ہے، میں نے آپ کے سامنے حدیث شریف پڑھی: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ. (ترمذی: ابواب الزھد، رقم: ۲۳۱۷) آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ہے کہ وہ لایعنی؛ یعنی ایسی چیزیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو اس میں نہ لگے، ایسی چیزوں کو ترک کریں، یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتلایا، آپ کے سامنے میں نے ایک آیت پڑھی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ○ (لقمان: ٦) جو لوگ باتوں کو خریدتے ہیں، موبائل ہے، سینما

ہے، یہ سب کیا ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے: غناء یعنی ناچ گانا دل میں منافقت پیدا کرتا ہے، یہ اس کی خاصیت ہے، جو آدمی ناچ گانا اور اس قسم کی چیزیں دیکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں، یہ چیزیں اس کو منافقت تک پہنچا دیتی ہیں، قرآن کریم کی آیت کا شان نزول بھی یہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم سناتے تھے اور نضر ابن حارث گانے والیوں کو لاتا تھا، جہاں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی وہاں لاتا تھا، اللہ پاک نے شان نزول میں فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَشۡتَرِى لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ○

علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس واقعے کا تعلق تو نضر ابن حارث کے ساتھ تھا، لیکن اس میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ قیامت تک کے لئے ہے کہ جب بھی کوئی چیز ذکر سے غافل کر دے، نمازوں سے غافل کر دے، بلکہ سماجی زندگی کے مسائل سے غافل کر دے، شوہر بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا، بیوی شوہر کے حقوق ادا نہیں کر رہی ہے، شوہر بھی موبائل میں مشغول ہے اور وہ بھی مشغول ہے، سماجی زندگی کے مسائل میں باپ اپنے بیٹے کی تعلیم پر توجہ نہیں دیتا ہے، بیٹا تعلیم پر توجہ نہیں دیتا ہے، اس کی باپ کو بھی فکر نہیں ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو قوموں کے زوال کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، مغل سلطنت ہندوستان سے ختم ہو گئی، ان میں جو آخری بادشاہ محمود شاہ رنگیلا جیسے آئے، انہوں نے ناچ گانوں میں اپنے آپ کو مشغول رکھا، اور انگریز نے چہار سمت سے حملے کئے، ملک کو چھین لیا، دہلی کی سلطنت بھی چلی گئی۔

سورۂ عصر کو برف بیچنے والے کی مثال سے سمجھنا

اس لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ ہم اپنے اوقات کی قدر کریں، اپنے وقت کو صبح سے لے کر شام تک دین کے کام میں مشغول رکھیں، امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ والعصر کی تفسیر ایک برف بیچنے والے سے سمجھ میں آتی ہے، لوگ اس کا برف نہیں خریدیں گے تو وہ خود بخود پانی بن جائے گا، برف سے اچھی چیزیں بناؤ یا اس کو چھوڑ دو، وہ پگلنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور وقت کی قدر

دوستو اور بزرگو!

ہمارے اوقات اتنے قیمتی ہے کہ جن اوقات میں ہم ایک مرتبہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ قبرستان سے گزر رہے ہیں، کونے پر کھڑے ہو گئے اور دو رکعات نماز پڑھی، کسی نے پوچھا: حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ قبر والا یہ دو رکعات سے محروم ہے، اللہ پاک نے مجھے توفیق عطا فرمائی، کہ میں ابھی زندہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا چلوں، اور پروردگار راضی ہو جائے، اس لئے دینی اعتبار سے دنیوی اعتبار سے امت مسلمہ کی بدحالی کا مسئلہ ہے، ہم ہر چیز میں صرف رونا روتے ہیں اور صرف رونا رونے سے کچھ نہیں ہوگا، جب تک عملی اقدام نہ کریں۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں اپنے اوقات کی صحیح قدردانی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۳۵) اسلام کا نظام طہارت ونظافت

ہاتھی خانہ مسجد، بروڈہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین ،قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی الکلام المجید والفرقان الحمید.

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ۝۱۰۸ (توبہ:۱۰۸) قال تعالیٰ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًی ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۝۲۲۲ (بقرہ:۲۲۲)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الطهور شطر الایمان. (مسلم: کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء)

صدق اللہ العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذلك لمن الشاهدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

اللہ پاک کے یہاں پاکیزہ طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا انتہائی شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں پیدا کیا، ایک ایسا دین اور ایک ایسی شریعت دے کر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا، جس دین کے اندر انتہائی برکت اور

سعادت مندی ہے، جس دین کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا: وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ (آل عمران:۸۵) دوسری جگہ فرمایا: اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (آل عمران:۱۹) یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: زندگی گزارنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اگر کوئی پاکیزہ اور صاف طریقہ ہے تو یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا طریقہ ہے اور اس طریقہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ لے کر آئے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

دین اسلام مکمل دین ہے

دوستو اور بزرگو! یہ ایک ایسا دین ہے، اللہ پاک نے اس کے متعلق اپنے کلام میں یہ اعلان فرمایا: اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ (مائدہ:۳) اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج کے لئے تشریف لے گئے، عرفات کا میدان ہے اور عصر کے بعد کا وقت، انتہائی قیمتی اور برکت والے وقت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ صحابہ کرام کو اور ان کے واسطہ سے ہم سب کو یہ خطاب فرمایا: اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ تمہارے لئے میں نے دین کو مکمل کیا وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ اور میری نعمتوں کو تمہارے اوپر مکمل اور تام فرمایا، وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور نمونہ کے بطور آئیڈیل کے، زندگی گزارنے کے لئے میں نے اسلام پر پسندگی کا سکہ لگا دیا، گویا اب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے علاوہ دنیا میں جو طریقہ ہے؛ چاہے وہ پچھلے انبیاء کرام کے طریقے ہوں، اللہ پاک نے اس آیت کے ذریعہ ان تمام کو منسوخ فرمایا، دوستو اور بزرگو! اسلامی عقائد کے اعتبار سے دیکھا جائے، اعمال کے اعتبار سے دیکھا جائے، عبادات کے اعتبار سے اس میں دیکھا جائے، معاملات و معاشرت، سماجی اور سوسائٹی کی زندگی کے مسائل کے اعتبار سے دیکھا جائے، معیشت، روزگار اور اکونومک کے اعتبار سے دیکھا جائے، زندگی کے ہر مسئلہ میں اسلام کی تعلیم صاف اور واضح ہے، کوئی پریشانی والی بات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں اللہ پاک نے رکھی ہی

نہیں، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک روایت میں فرماتے ہیں: میں تمہارے پاس بالکل صاف آسان دین لے کر آیا ہوں، جس کی رات اور جس کا دن دونوں برابر ہے۔ (ابن ماجہ: المقدمة، باب اتباع سنة رسول اللہ) رات میں اندھیرا ہوتا ہے اور دن میں اجالا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: میری تعلیمات میں کوئی بھی ایسی بات نہیں ہے جس میں بدگمانی ہوتی ہو، یہاں ہر چیز میں اعتدال، زندگی کے ہر مسئلہ میں تمہارے لئے آسانی ہے، آپ حضرات کے سامنے اس وقت کے جو حالات ہیں پوری دنیا جس مسئلہ میں پریشان ہیں، انسان کی زندگی کی ظاہری پاکیزگی اور صفائی اسلام نے اس سلسلہ میں کیا رہنمائی فرمائی؟ یہ مجھے عرض کرنا ہے۔

یورپ میں صاف ستھرائی کس کی دین؟

دنیا بہت مدت کے بعد پاکیزگی اور صفائی کی لائن پر آئی ہے، یورپ اور امریکہ کی تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یورپ میں سب سے زیادہ گندہ پن تھا، صاف صفائی اور ستھرائی یہ گزشتہ تین سو چار سو سال سے یورپ میں آئی ہے، اس وقت دنیا میں صفائی ہیلتھ ڈپارٹ مین میں یورپ کو سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جاتا ہے؛ لیکن یہ ہی یورپ تھا جہاں غسل کرنا اور صفاف صفائی کرنا اور لکھا ہے کہ جس وقت اسپین میں اسلامی حکومت قائم تھی اور اس کے ساتھ انسانی فلاح وبہبوت، رفاہی، ریلیف کے کاموں کے لئے انہوں نے جس طریقہ سے کارنامے انجام دیئے، سائنس اور ٹیکنولوجی میں مسلمان آگے بڑھے، یہ تمام چیزیں لکھی گئی ہے، یورپ اس وقت بہت پیچھے تھا، مجھے آپ کے سامنے یورپ میں ہیلتھ ڈپارٹ مین کیسا تھا؟ اس کے بارے میں عرض کرنا ہے اور اس وقت وہاں کے راجا مہاراجہ ہوتے تھے ان کا کم چلتا تھا اور اس کے بجائے عیسائی مذہب، ان کا چرچ اور ان کے پادری ہوتے تھے، اس وقت حکومتوں پر بٹھانے کی ذمہ داری ان لوگوں کو ہوتی تھی، ان کے چرچ کا اتنا پاور تھا؛ حضرت مولانا سید حضرت ابوالحسن علی ندویؒ اپنی ایک کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج وزوال کا اثر'' یعنی جب انسانی دنیا پر مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، کیا پرگتی (ترقی) تھی اور جب سے دنیا سے مسلمانوں

کی حکومت ختم ہوگئی، ایک بڑے علاقے سے اور اس کے بعد دنیا میں کیا زوال آیا، مولانا نے اس کو بہت تفصیل سے اپنی اس کتاب میں نقل فرمایا، ایک جگہ پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ صاف صفائی کے عنوان پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یورپ میں غسل کرنے کو گناہ اور پاپ سمجھا جاتا تھا، کوئی غسل کر لیتا اس کو چرچ کی طرف سے سزا دی جاتی، اور صابون کا تصور ان کے یہاں نہیں تھا، سب سے پہلے اسپین کے مسلمانوں نے صابون کو ایجاد کیا اور اسپین سے یورپ کے دوسرے ملکوں میں صابون پہنچا اور صفائی ستھرائی کی باتیں اسپین سے مسلمانوں نے یورپ میں پہچائی، یہ ہی حال اس ملک میں جہاں ہم اور آپ آباد ہیں یہاں کا بھی یہی حال تھا، اس ملک میں بھی صاف صفائی اور ستھرائی نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور آپ یہ سمجھئے صاف صفائی کا تعلق انسان کی ظاہری جسم سے بھی اور انسان کے دل سے بھی ہے، ان دونوں چیزوں کی طرف سے توجہ دی ہے، قرآن کریم کی آیتیں جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی اللہ تبارک وتعالیٰ آیت میں فرماتے ہیں، پہلی آیت ہے قباء کے مسلمانوں کے متعلق اور اس کے مقابلہ میں منافقین نے مسجد ضرار کو تعمیر کرنے کی کوشش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے بارے میں دعوت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیتیں نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا:

پاکی محبت الٰہی کا ذریعہ

لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ۝۱۰۸ (توبہ:۱۰۸)

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر ڈالی گئی ہے، آپ اسی مسجد میں قیام کیجئے، اسی مسجد میں تشریف رکھئے، یہ تقویٰ اور ان کے باطنی صفائی کی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے رہنمائی فرمائی اور آگے اللہ پاک فرماتے ہیں: فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا (قبا) میں ایسے لوگ ہیں جو صفائی رکھنا چاہتے ہیں، پاکی رکھنا چاہتے ہیں، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ اور اللہ پاک پاکی حاصل کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

اسلام کا پاکیزگی سکھلانا

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک فرماتے ہیں: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ پاکی حاصل کرنے والوں سے اللہ پاک محبت فرماتے ہیں دوسری آیت جو آپ حضرات کے سامنے میں نے پڑھی تھی اس میں اللہ پاک ایک مسئلہ ذکر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھتے ہیں: ہم اپنی بیویوں کے ساتھ صحبت کریں اور ان کو خون آجائے تو ان دنوں ہم اپنی عورتوں سے صحبت کر سکتے ہیں؟ قُلْ هُوَ اَذًى (بقرہ:۲۲۲) اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: آپ بتلا دیں کہ یہ گندگی ہے، فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ (بقرہ:۲۲۲) ان دنوں میں عورتوں سے دور رہے، وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ اور ان سے قریب نہ ہو، ان سے صحبت نہ کیجئے جب تک وہ مکمل پاک نہ ہوجائے، بار بار قرآن فرماتا ہے، طہارت، پاکیزگی، صفائی جب وہ پاک ہو جائے تو پھر تم ان سے صحبت کر سکتے ہو اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (بقرہ:۲۲۲) اللہ پاک توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، جن لوگوں کو مسئلہ معلوم نہیں تھا اور ناپاکی کے دنوں میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی تو اس گناہ کو اللہ پاک معاف فرمائیں گے، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ اور اللہ پاک پاکی حاصل کرنے والے سے محبت فرماتے ہیں۔

دوستو! معلوم یہ ہوا کہ محبت الٰہی کا یہ سب سے پہلا ذریعہ ہے، تو وہ انسان اپنے ظاہر کو بھی پاک کرے اور اپنے باطن کو بھی پاک کرے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ (مدثر:۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا: اپنے کپڑوں کو پاک رکھیو، یہ احکام قرآن کریم جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ساری انسانیت کو بتلا رہا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو پاکیزگی اور صفائی اتنی پیاری اور اتنی پسندیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: جب آپ غسل کر کے نماز پڑھیں گے، صاف کپڑے، اسلام نے بہت عمدہ کپڑے یعنی بہت مہنگے کپڑے کا ذکر نہیں فرمایا، صاف ستھرے کپڑوں کا

ذکر فرمایا ہے، اس لئے جمعہ کے دن یا عام دنوں میں آدمی غسل کر کے اچھے کپڑے پہن کر نماز پڑھتا ہے تو جتنی دل لگی اس نماز میں ہوتی ہے، میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ اتنی دل لگی نہیں ہوتی، حضرت قاری صاحبؒ نے روایتوں کے حوالے سے اس مسئلہ کو ذکر فرمایا، اسلام نے ہمیں صاف صفائی کے لئے اسی چیزوں کا ذکر فرمایا، آپ دیکھئے اسلام کے فقہ کے مسائل کی سب سے پہلے شروعات ہوتی ہے وہ طہارت اور پاکی کے مسائل سے ہوتی ہے، بچہ مکتب میں جا رہا ہے، اسلامی عقائد کو تو بتلایا، شرک اور بت پرستی، اللہ کے علاوہ غیروں کے آگے جھکنا، یہ باطنی گندگی ہے، اس لئے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (توبہ:۲۸) قرآن نے اس باطنی گندگی کو آیت میں بھی فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ظاہری گندگی میں سب سے پہلے اللہ کے گھر میں آنے کے لئے پاک اور صاف ہونا ضروری بتلایا، انسان اپنی حاجت پوری کرتا ہے، پیشاب اور پاخانہ کی اور اس کے بعد صاف صفائی کے ساتھ اس کو پہلے صاف کرتا ہے، اس کے بعد استنجاء کرتا ہے، حدیث شریف میں "عشر من الفطرة" (مسلم: کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة) فرمایا، دس چیزیں فطرت میں سے ہے، انسانی طبیعت اور نیچر میں سے ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کے اندر زیادہ اہتمام فرمایا، اس لئے آپ کا ذکر اس کے ساتھ کثرت سے احادیث کی کتابوں میں آتا ہے، دس چیزوں میں استنجاء کا لفظ بھی موجود ہے، ایک تو گندگی جس کی صاف صفائی ہو، پیشاب پاخانہ کی، اور جنابت کا غسل کرتا ہے، یہ چیزیں وہ ہے جن کا کتاب اللہ میں احادیث مبارکہ میں ذکر موجود ہے، جب آدمی استنجاء کے لئے بیت الخلاء میں جائے اس وقت اندر گندگی کی وجہ سے دعا تو پڑھ نہیں سکتا ہے، تو کیا کرے؟ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں اس دعاء کا تصور کرے کہ اے میرے مولیٰ! جیسے آپ نے میرے جسم کی ظاہری گندگی کو دور کیا، اسی طریقہ سے آپ میرے باطن کی گندگی کو بھی دور فرمایئے، ایک طرف تو استنجاء خانہ ناپاکی اور گندگی کی جگہ ہے، یہاں شیطانی قوتیں زیادہ رہتی ہے اس لئے "من الخبث والخبائث" اس گندگی اور ناپاکی سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا۔

مرحوم حضرت شیخ الحدیث (ماٹلی والا) کا ایک واقعہ

دوستو اور بزرگو! یہ چیزیں ہم معمولی نہ سمجھیں، ایک چھوٹا سا واقعہ میں آپ حضرات کے سامنے نقل کردوں، ہمارے (ماٹلی والا کے) شیخ الحدیث صاحبؒ اللہ پاک نے ان کے ہاتھوں میں شفاء ظاہری بھی اور باطنی بھی رکھی تھی، کچھ لوگ جنات اور اس طرح کی چیزوں کے علاج کے لئے آپ کے پاس آتے رہتے تھے، ایک مرتبہ سورت سے ایک صاحب اپنے آٹھ سالہ بچہ کو لے کر آئے، بچہ کی تکلیف کو بہت شرم وحیا کے ساتھ نقل کی کہ یہ آٹھ سال کا چھوٹا بچہ ہے، اپنی والدہ کو یہ کہتا ہے کہ جیسے میرے ابا سے تعلق ہے ویسے میں بھی آپ کے ساتھ تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، آٹھ سال کا بچہ اب یہ لوگ پریشان ہے، خیر حضرت کے پاس اس کو لائے، دوائیاں اور تعویذ وغیرہ دیا اور فرمایا یہ چھوٹا سا ڈنڈا ہے، حضرت نے اس پر دعا، حدیث شریف وغیرہ لکھ دی اور کہا: جب یہ کوئی ایسا جملہ بولے اس کو ایک دو لکڑی مارنا، اللہ پاک نے شفاء دی، وہ آدمی آئے اور انہوں نے کہا: سمجھ میں نہیں آیا، یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: حضرت تو بڑی عمر کے ہیں، بڑے علم والے ہیں، آپ سے یہ بات نہیں کہیں گے؛ لیکن میں قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ سے یہ بات کہتا ہوں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کہیں بھی تنہا نہیں چھوڑا، میاں بیوی شادی کے بعد جب صحبت کرتے ہیں، اس وقت جو دعا ہے وہ دعائیں بھی سکھائی اور ان دعاؤں میں یہ بھی ہے'' آپ ہمیں شیطان سے دور کیجئے'' (بخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده) خیر میں تو استنجاء کی بات کہہ رہا تھا، اس میں من الخبث والخبائث گندگیاں ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی، اس وقت دنیا ظاہری گندگی کے سلسلہ میں ساری چیزیں ٹیلی وزن پر میڈیا کے ذریعہ، موبائل کے ذریعہ آپ سن رہے ہیں کہ ظاہری صفائی کس طرح کرے؟ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس ظاہری گندگی کے ساتھ اس باطنی گندگی کا بھی کثرت سے ذکر فرمایا ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باطنی گندگی کا سب سے پہلے شیطان کا ذکر فرمایا کہ شیطانی قوتیں اور شیطانی طاقتیں انسان کو پریشان کرتی ہے، جب دعائیں نہیں پڑھی جاتی تو

آنے والی اولاد شیطانی تصور میں پیدا ہوتی ہے، اس لئے حدیث شریف میں صفائی اور پاکیزگی کا بیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کو جب مغرب کا وقت ہو تو اپنی اولاد کو باہر جانے سے روک دو، اس لئے کہ یہ شیطانوں کے آنے کا وقت ہے، جانور کھیت سے دیہات میں آتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانک لو، چراغ کو بجھالو (بخاری: كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده)، یہ ساری وہ چیزیں ہیں جس کا باطن سے تعلق نہیں ہے، خیر باطنی اور کبھی ظاہری چیزوں کو ذکر فرمائی ہے، ان سب چیزوں کو ہماری جسمانی، بدنی اور سوشل لائف کی تکلیفیں دور کرنے کے لئے اور راحت رسانی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمائی، اور یہ گندگی اور برائیوں سے بچنے کی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ساری تاکید فرمائی، آپ کے سامنے میں نے ایک روایت پڑھی جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "الطهور شطر الایمان" (مسلم: كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء) کہ طہارت یہ ایمان کا ایک حصہ ہے، آدھا ایمان ہے، پاکیزگی، طہارت اور صفائی کا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا، جنابت کا غسل فرض کے درجہ میں رکھا، یہ کیوں رکھا؟ ہمیں تو کوئی حکمت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت بیان نہیں کی، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریعی نبی بن کر تشریف لائے، شریعت لے کر آئے؛ لیکن آج کے سائنس نے اس بات کو قبول کیا کہ جب مرد کے جسم سے مادہ منویہ (વીર્ય) نکلتا ہے تو زہریلا مادہ جسم کے اندر پھیل جاتا ہے اور جب تک پانی سے اس کو صاف نہیں کیا جاتا وہ بدن سے نہیں نکلتا، جو وائرس سائنٹس کو نظر آتا ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۴۰۰ سال پہلے ان چیزوں کو ذکر فرمایا؛ لیکن یہ امت غیب پر ایمان لانے والی ہوئی يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ یہ سب سے بڑی چیز ہے، دنیا ادھر سے ادھر ہو؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی چیز جو صحیح سند سے صحیح روایت سے ثابت ہوتی ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب زنا کثرت سے ہوگا تو اللہ کی طرف سے بلاء، مصیبت یہ سب بیماریاں آئے گی، پہلے تو نظر نیچی کرنے کا قرآن نے حکم دیا؛ لیکن آج نظر نیچی کر کے بھی گناہ ہو رہے ہیں، موبائل کے اندر دیکھ کر ساری

ننگی فلمیں دیکھی جارہی ہے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظاہر کی بھی صفائی اور باطن کی بھی صفائی کرو، تو اسلام نے پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت دھونے کا، صاف کرنے کا حکم فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں آپ سن چکے ہیں، آپ گزرتے ہیں قبرستان کے پاس سے اور دو آدمیوں کو جو قبر میں عذاب ہورہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا تذکرہ فرمایا کہ کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا تھا؛ یعنی لوگ جس کو معمولی سمجھ رہے تھے، اس میں پیشاب کے چھنٹوں سے نہ بچنا (بخاری: کتاب الوضوء، رقم: ۲۱۸)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کے متعلق فرمایا جو ظاہری گندگی ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو صفات ذکر فرمائی اور سب سے بہترین صفات ذکر فرمائی اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ (اعراف: ۱۵۷) اور آگے فرمایا يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (اعراف: ۱۵۷) اچھی چیزوں کا حکم دیتے اور بری چیزوں سے منع فرماتے، وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف: ۱۵۷) حلال اور پاکیزہ چیزوں کو وہ حلال فرماتے ہیں اللہ پاک نے جملہ ذکر فرمایا الطَّيِّبٰتِ صرف صاف نہیں، پاکیزگی ظاہری اعتبار سے بھی اور باطنی اعتبار سے بھی، اور وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ گندی اور بری چیز، ناپاک نہیں فرمایا، الْخَبٰٓئِثَ فرمایا قرآن نے، اس میں شیطانی قوتیں بھی آ گئی اور ظاہری اعتبار سے نقصان دینے والی قوتیں بھی آ گئی اور روح اور قلب کو نقصان دینے والی بیماریاں بھی اس کے اندر آ گئی، اللہ کے رسول کی صفات بتلائی، یہ پاکیزہ چیزوں کو حلال فرماتے ہیں، جتنی پاکیزہ چیزیں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حلال فرمائی اور وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ جتنی گندگی اور بری چیزیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حرام فرمائی، قرآن کریم کی آیتوں میں فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ (مائدہ: ۳) کو اللہ پاک نے حرام فرمایا، الْمَيْتَةُ مردار جانور کو کھانے سے منع فرمایا، اس سے مردار کیا ہے؟ آگے آیت میں فرمایا وَالْمَوْقُوْذَةُ جو سینگ مار کر جانور نے مار دیا ہو یا پہاڑ پر سے گرا ہو یا کہیں ایکسڈنٹ میں ٹکرا کر مر گیا ہو، اس قسم کے جانور کے کھانے کو حرام قرار دیا، یہ سب موقوذہ ہے،

آ گے فرمایا: والدم اور خون کواللہ تبارک وتعالیٰ حرام فرماتے ہیں، ۱۴۰۰ سال پہلے جب یہ خون کے حرام ہونے کی آیت نازل ہوئی تھی، صحابہ کرام نے اس کواللہ پاک کا حکم سمجھ کر مان لیا؛ لیکن آج کی سائنس نے بتایا کہ ساری بیماریاں ہوتی ہے وہ خون میں نظر آتی ہے،خون کا ٹیسٹ کیوں کروایا جاتا ہے، ساری بیماریاں اس میں نظر آتی ہے، سارے جراسم اس میں نظر آتے ہیں،تو اللہ پاک نے جانور ذبح کرنے کا ہمیں حکم دیا، اس طریقہ سے اس کے بدن سے خون نکل جائے، ان رگوں کو کاٹنے سے ساری اس کے اندر سے گندی چیزیں نکل جاتی ہے،خون کثیر تعداد میں نکل جاتا ہے، اوپر سے جھٹکا مارنے کا نہیں فرمایا، سائنس بتلاتی ہے اگر جانور کو جھٹکے سے مار دیا تو ایک دم وہ مرتا نہیں، اس کے دماغ پر اس کا اثر ہوتا ہے،خون گوشت میں سرایت کر جاتا ہے، اب کیا مطلب یہ گوشت ان سب بیماریوں والا ہو گیا جو خون کے اندر ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے صدقہ میں گوشت ہم کھا رہے ہیں ایسا پا کیزہ دیا کہ اس کے اندر جو گندی چیزیں تھیں نکال دیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات ہماری کھانے پینے کی چیزوں میں رہنمائی فرماتی ہے، اس کے بعد قرآن کریم کی آیت میں جو ذکر فرمایا، خنزیر کا گوشت، آج کی دنیا میں مختلف قسم سے اور مختلف چیزوں کی ماہیت کو بدل کر ملا کر عمومی طور پر خنزیر اور دوسری چیزوں سے بنائی جاتی ہے، مجبوری کے طور پر علماء کرام نے اس طریقہ سے دوائیوں کے استعمال کرنے کی گنجائش دی ہے، جب اس کے علاوہ کوئی علاج نہ ہو؛ لیکن بغیر ضرورت شدیدہ آدمی اس قسم کی چیزوں کو کھاتا ہے، اس قسم کی چیزوں کو استعمال کرتا ہے تو یہ بدن کے اندر جا کر بدن میں اس طریقہ کی چیزیں پیدا کرتی ہے، خنزیر کو اللہ تعالیٰ نے نجس العین فرمایا، مکمل اس کو حرام فرمایا، کتے کے لعاب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا، جرمنی کا سائنسدان لکھتا ہے کہ کتے کے لعاب کے اندر ایسے جراسیم ہے کہ جو پانی صابون سے دور نہیں ہوتے، ایک اور مادہ سے صاف ہوتا ہے ؛ لیکن یہ مادہ مارکیٹ میں ملتا نہیں، ہاں، یہ مادہ اللہ تعالیٰ نے مٹی میں پیدا کیا اور مٹی میں ایسا مادہ ہے کہ کتے کے جراسیم اس سے مر جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سات مرتبہ

دھونے کا حکم فرمایا اور مٹی سے مانجنے کا حکم فرمایا(مسلم : کتاب الطھارۃ، باب حکم ولوغ الکلب)،اس کے اوپر یہ جرمنی کا سائنسدان ریسرچ کررہا تھا،اور وہ تفصیل سے لکھ رہا ہے کہ صفائی اور پاکیزگی اسلام نے جتنی بتلائی ہے دنیا کے کسی مذہب نے نہیں بتلائی، میں پیشاب پاخانہ اور اس سے صفائی اور اس کے بعد وضوء کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی بات کررہا تھا۔

کامیابی اتباع نبوی میں ہے

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میری امت کے لئے دشواری نہ ہوتی تو ہر وضوء اور نماز کے وقت میں اپنی امت کو مسواک کرنے کا واجبی حکم دیتا یعنی میری امت کو مسواک کرنا واجب کردیتا۔(بخاری: کتاب الجمعة، باب السواك یوم الجمعة) دوستو اور بزرگو! اس پر بھی ریسرچ ہورہی ہے، منھ کی صفائی یہ اندر کے خون کی صفائی ہے، اگر یہاں گندگیاں ہے اور آدمی اپنے منھ کو اور مسوڑوں کو اچھی طرح صاف نہیں کرتا تو نتیجۃً خون کے اندر بیماریاں پیدا ہوتی ہے؛ لیکن یہ ساری چیزیں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مادی طور پر فرماتے تو دین اور شریعت جس کا تعلق یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ پر ہے، سمعنا واطعنا پر ہے، تو سننا اور ماننا صحابہ کرام کی سب سے بڑی صفت تھی، قرآن کریم نے ان کی جو تعریف فرمائی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط (توبہ:۱۰۰) کہ جب جو حکم دیا سمجھ میں آئے یا نہ آئے پریشانیاں آئے صلح حدیبیہ کے موقعہ اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح:۲۹) صحابہ کرام کی تعریف اس موقع پر کیوں فرمائی؟ انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے لئے چھوڑا تو اس کا بدلا اللہ پاک نے دیا، جب تم نے ان چھوڑا تو میں تم سے راضی اور تم مجھ سے راضی ہو، رضامندی کا پروانہ دے دیا، یہ معراج کا مہینہ چل رہا ہے، ۲۷ رجب کے متعلق علماء نے لکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے معراج پر بلایا، حضرات محدثین فرماتے ہیں: ایک طرف مکہ والوں نے نہیں سنا، طائف والوں نے واپس بھیجا، مکہ میں پناہ لے کر آنا تھا مطعم بن عدی کی، اور اس طریقہ سے انسانوں نے آپ کو

تکلیف دی، پریشان کیا، آپ کی بات نہیں سنی، اللہ پاک نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، انسان اگر آپ کی نہیں سن رہے ہیں، تو ہم ایک مخلوق کو تیار کر رہے ہیں آپ کی سننے کے لئے، اللہ پاک نے فرمایا قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱ (جن:۱) جنات آرہے ہیں اور اسلام قبول کر رہے ہیں اور اپنی قوم میں جا کر کہہ رہے ہیں يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ (احقاف:۳۱) اے میری قوم اللہ کی دعوت کو سن لو، ایک طرف یہ انتظام فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوپر بلایا، اللہ پاک نے انبیاء کی امامت کروائی اور مکہ میں نہیں کی، ان کے گھر جا کر جو مسجد اقصیٰ ان کا قبلہ ہے، یہود و عیسائیوں کا قبلہ ہے، آپ ﷺ کو انبیاء کی امامت کے لئے وہاں لے جایا گیا اور وہاں سے ساتوں آسمان کی سیر کروائی اور وہاں انبیاء نے آپ کا استقبال کیا، ایمان والے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر عمل کرنے جائیں گے، نفس اور شیطان رکاوٹ ڈالیں گے، باہر سے لوگوں کی طرف سے مسائل کھڑے ہوں گے؛ لیکن جب اللہ پاک کے دین پر مضبوطی سے ہم قائم ہوں گے تو دوستو اور بزرگو اللہ تعالیٰ نے ۳۰۹ سال تک سلانے کا انتظام اصحاب کہف کے لئے کیا وہ ہی ہمارے لئے غیب سے انتظام فرمائیں گے اور دشمنوں کی تکلیفوں سے ہم کو نجات دیں گے، تو ایک طرف تو ایسا دین جس کے اندر اللہ کے رسول صاف صفائی لے کر آئے۔ ناخن کاٹنے کا اللہ کے رسول نے حکم فرمایا، اللہ کے رسول نے مسواک کے ساتھ ناک کو صاف کرنے کا حکم فرمایا، ہاتھ پیر صاف کرنے کا حکم فرمایا، وضوء کی شکل میں، آج وہی چیز یہ لوگ کہہ رہے ہیں، بار بار ہاتھ دھویا جائے، منھ کو دھویا جائے، وضوء کی کیفیت کو ذکر کر رہے ہیں، اللہ پاک قرآن میں فرماتے ہیں: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ (اسراء:۸۵) تمہیں ہم نے جو علم دیا ہے یہ بہت تھوڑا علم ہے، سیدنا موسیٰؑ سیدنا خضرؑ سفر کر رہے ہیں، دریا کے کنارہ پر کھڑے ہیں، ایک چڑیا نے سمندر سے اپنی چونچ میں پانی کے دو تین قطرے لیے، حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: اے اللہ کے نبی، میرے اور آپ کے اور اس کائنات کی تمام مخلوق سب کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنا

بھی نہیں ہے جتنا اس چڑیا نے اپنی چونچ کے اندر یہ پانی لیا اور سمندر سے کچھ کم نہیں ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم ایسا ہے، ان لوگوں نے پوچھا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (اسراء ۸۵) یہ روح کیا ہے، اللہ پاک نے فرمایا: تم نہیں سمجھو گے، آج بھی سائنس نہیں سمجھ رہی ہے، آج بھی سائنسدان حیران ہے کہ کون سی چیز نکلتی ہے، ایسا کیا ہوا، پورا جسم صحیح سالم ہے؛ لیکن انسان مردار پڑا ہے، کہاں سے نکلتی ہے؟ جسم کے روح کا مقام کیا ہے؟ روح کس چیز سے بنی ہے، آج کا سائنس اس کو بتا نہیں سکتا، قرآن نے صاف فرمادیا: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ یہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے، یہ امر ربی ہے، وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (حجر: ۲۹) حضرت آدم کی پیدائش پر اللہ پاک فرماتے ہیں: میں نے اپنی طرف سے روح پھونکی۔

دوستو اور بزرگو! انسانی علم ناقص ہے، اس لئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو صاف صفائی کا علم دیا گیا اگر انسان اس پر عمل کریں گے، ختنہ کو سنت قرار دیا (بخاری: کتاب اللباس، باب قص الشارب)، آج سائنس قبول کر رہی ہے، جس جگہ کینسر ہوتا ہے اس کی عمومی وجہ یہی ہوتی ہے، ختنہ نہیں کی، ظاہر سی بات ہے اس میں جو چیز رہ جائے گی، میل کچیل اس کے ساتھ رہے گا تو بیماریاں پھیلے گی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ختنہ کو اپنی سنت قرار دیا۔

شریعت میں فطرت کا لحاظ

دوستو اور بزرگو! میں پیلو کا مسواک کرتا ہوں، پیلو تو بہت نازک ہے، اس وقت تعجب ہوتا ہے کیسے نبی ہے جنہوں نے ایک سنت بتائی وہ (مسواک) بھی نرم کہ جسم میں کوئی تکلیف نہیں، بہت سارے برش Brush ایسے Such ہوتے ہیں جو سخت ہوتے ہیں اور انسان کے مسوڑوں میں سے خون نکلنے لگتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو پیلو کا مسواک بتایا وہ بھی اتنا نرم اور نازک، یہ اللہ کے رسول کی شریعت اور طبیعت اور آپ کی فطرت کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ نبی ہمارے لیے ہر اعتبار سے رحمت بن کر آئے ہیں، صرف ہمارے لئے نہیں عالمین کے لئے بھی، اس لئے دوستو اور بزرگو! اس وقت جو گندگیوں کی باتیں چل رہی ہے، ایک مسلمان کو

جناب نبی اکرم ﷺ نے صفائی کا حکم دیا ہے؛لیکن افسوس آج مسلمانوں کے محلہ میں اور مسلمانوں کی گلیوں میں سب سے زیادہ کچڑا ہوتا ہے،آنکھ بند کرکے کہو یہ مسلمانوں کا محلہ ہے، جن کے نبی نے فرمایا ''تمہارے گھر کے صحن کو صاف رکھو،آنگن کو صاف رکھو،اس لئے کہ یہودی آنگن کو صاف نہیں رکھتے تھے۔(مجمع الزوائد:۱/۲۹۱)،آپ ﷺ نے ان سے فرق کرنے کے لئے صحابہ سے فرمایا: ہم اپنے گھروں کی صاف صفائی رکھیں،اس لئے ہم اللہ پاک سے دعا بھی کریں گے اور کرتے بھی رہیں گے،جو بیماریاں آرہی ہے اللہ پاک انسانوں کی اس سے حفاظت فرمائے،اللہ پاک سب کو پاکیزگی والی زندگی نصیب فرمائے؛لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہیں گے کہ ان کو صرف ظاہر پر محمول مت کرو،علام الغیوب اور مسبب الاسباب کے جو فیصلہ ہوتے ہیں وہ بہت نتیجہ خیز ہوتے ہیں اور اس نے جناب نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ ان چیزوں کو بتلایا،اس لئے زنا جتنا عام ہوا اور سوّر کا کھانا مختلف شکلوں میں جتنا عام ہوگا اور حرام غذاء کو جتنا عام کروگے اللہ پاک کی طرف سے اس حرمت کی نحوستیں بھی آئے گی،اس لئے انسانوں کو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکی حاصل کرنی ہے۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا۝(توبہ:۱۰۸)وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۝(مدثر:۴) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ.(بقرہ:۲۲۲) يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ.(اعراف:۱۵۷)

لا يقبل الله صلوٰة بغير طهور. (مسلم: كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة) الطهور شطر الايمان. (مسلم:كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء)لولا ان اشق على امتى. (بخارى: كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة) من كان له شعر، فليكرمه.

(ابوداود:کتاب الترجل،باب فی اصلاح الشعر)حیض نفاس جنابت کا غسل،خوشبو کا استعمال، کپڑے میلے تھے،تو فرمایا کہ پانی سے صاف کرو،کنگھی کا حکم فرمایا،طہارت کے احکامات وضو غسل تیمم،کپڑے،غلیظہ خفیفہ،حدث اصغر اور اکبر،مسواک،ناک کی صفائی،عشر من الفطرۃ،بال مونچھ،ناخون،زیر ناف،لہسن کی بدبو،خوشبو کا استعمال۔(مسلم : کتاب الطہارۃ،باب خصال

الفطرة)، اسلام سے زیادہ کسی مذہب میں صفائی کا اہتمام نہیں ہے، یورپ وہندوستان کو مسلمانوں نے صفائی وحمام خانے دیئے، گندے رہنے کے عادی تھے، اسلام ظاہر وباطن کی صفائی چاہتا ہے، تندرستی وصحت کے لئے حدث ونجاست سے دور رکھا، کھانے پینے کی چیزوں میں حلال وحرام، سور، شراب کی ممانعت، جانور کے خون میں بیماری کی وجہ سے حرمت، خدا وبندے کے درمیان صفائی و طہارت کی خاص اہمیت، عبادت میں حلاوت، قربت ومعرفت الٰہی کا حصول، ولادت سے لے کر موت تک صفائی، گلی محلہ، سوسائٹی اجتماعی صفائی بھی مطلوب ہے، صفائی سے بیماری، غم سے نجات ملتی ہے، دل کی بیماریاں حسد، غیبت، کینہ، بغض، چغلی اور تکبر سے منع کیا، پاک صاف لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں (ترمذی: ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی الکبر)، وحشی نہ بنو، میلا کچیلا بدن بکھرے بال کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے ہیں۔ ماحول کی (પર્યાવરણ) صفائی بھی ضروری ہے، فقہ میں سب سے پہلے طہارت پڑھائی جاتی ہے، عقیدے کی صفائی کو مقدم کیا، صاف لوگوں کی آیات میں تعریف فرمائی، ہر ہفتہ غسل کرنا، **أما كان يجد هذا ما يسكن به شعره ورأى رجلا آخر وعليه ثياب وسخة فقال: أما كان هذا يجد ماء يغسل به ثوبه.** (ابوداود: کتاب اللباس، باب فی البیاض) آنگن کی صفائی، سایہ میں (ابوداود: کتاب الطهارة، باب المواضع التی نهی النبی عن البول فیها) اور ٹھہرے پانی میں پیشاب سے منع کیا (مسلم: باب النهی عن البول فی الماء الراکد)، کتے، سور کو نجس قرار دیا، ۷ مرتبہ دھونا، مٹی سے مانجنا، روزہ مال کی صفائی، خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا پانی کی طہارت، قول وعمل واخلاق کی طہارت، عقیدہ رجزیت پرستی گندگی ہے، صحت وطہارت لازم وملزوم ہے، حَتّٰى يَطۡهُرۡنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرۡنَ (بقرہ:۲۲۲) جاہلیت میں عدت کیسی گذاری جاتی تھی، جانور بھی مرجاتا تھا، طہارت جسم، لباس، قلب، لَمۡ يُرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يُّطَهِّرَ قُلُوۡبَهُمۡ ؕ (مائدہ:۴۱) نماز قلب کی پاکیزگی ہے، فَتَرَى الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ (مائدہ:۵۲) کھانا پینا حلال وحرام کی فہرست بتائی، طیبات خبائث کو ذکر دیا، بیت الخلاء کی دعاء کپڑے کھانا وغیرہ کی دعاء، جسم، کپڑے، جگہ، بستر

برتن سواری گاڑی کی صفائی، راستہ میں پیشاب نہ کرے، پانی لینے کی جگہ، راستہ اور سایہ میں پاخانہ کرنا لعنت والی چیزیں ہیں (ابو داود: کتاب الطھارۃ، باب المواضع التی نھی النبی عن البول فیھا)، بچے جانور کو بھی راستے سے دور رکھے، حضرت مدنیؒ نے ٹرین میں پاخانہ کو صاف کیا، مولانا تقی عثمانی صاحب نے پلیٹ فارم پر انگریز عورت کو کھڑا دیکھا تو اس نے کہا کہ گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہے۔ پانی کے استعمال سے پیشاب کے قطرات نکل جاتے ہیں، پیشاب کی نالی سکڑ جاتی ہے۔

ظاہری صفائی کے ساتھ باطنی صفائی بھی حاصل کریں

دوستو اور بزرگو! اور ابھی جو ملک کے حالات ہیں، اس کو بھی ہم جانتے ہیں، ہم اس کے لئے بھی دعا کریں NPR اس طرح کی دوسری سازشوں میں مسلمانوں کو پریشان کرنے کی شکلیں پیدا ہو رہی ہے، ہماری ان کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں ہے **وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝** (بروج:۸) اس لئے کہ ہم عزیز اور حمید پر ایمان لائے، ان کو ہمارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں، اگر ان کی تہذیب پر آجائے، ان کی طرح اللہ کے علاوہ غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے والے ہو جائے تو یہ سب پسند کریں گے، اللہ پاک نے فرمایا: **وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط** (بقرہ:۱۲۰) یہود و نصاریٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہیں کرو گے اور پیروی کرنے کے بعد بھی راضی نہیں ہوں گے، دنیا میں بڑے بڑے مسلمان حکمران تھے جنہوں نے ان کی سن کر مسلمان امت کو نقصان پہنچایا؛ لیکن بالآخر ان کو بھی انہوں نے مروا دیا، جب ان کے فائدہ کے لئے نہیں رہا، یہ مفاد پرست قوم ہے، اس لئے دوستو اور بزرگو! ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی بھی دعا کرتے ہیں اور باطنی گندگی غیبت ہے، چغلی ہے، حسد ہے، ایک دوسرے سے عداوت ہے؛ ان سب سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، اللہ پاک سے دعا ہے، کہی سنی باتوں پر اللہ پاک ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(۳۶) درس ختم بخاری شریف

(۸، مارچ، ۲۰۲۰) بمقام ماٹلی والا بھروچ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ .

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○

(سورۃ الحشر:۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام، طلبہ عزیز اور مہمانان عظام!

اللہ تبارک وتعالی کا شکر واحسان ہے کہ اس نے آج اس مجلس میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ؛ اس روئے زمین پر قرآن مجید کے بعد جو سب سے صحیح کتاب ہے ''الصحیح البخاری'' اللہ تعالی نے اس کا ختم کروایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اخیر میں صفت سبحان وحمد لانے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اخیر میں صفت سبحان وحمد لانے کا مقصد اور اخیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اللہ پاک کی ان دو صفات کی کثرت سے ذکر کرنے کی تلقین فرمائی

''سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم'' اللہ پاک کی منفی صفات سبحان کے ذریعے ان سب کی نفی کی گئی۔اور''وبحمدہ'' حمد کے ذریعے اللہ پاک نے اثباتی تعریف کی۔گویا کہ ان دونوں صفات میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید سے جو اللہ تبارک تعالیٰ کی مختلف صفات کو ذکر کیا، اخیری باب میں اخیری جملہ کے ذریعے آپ نے ہمیں یہ فرمایا کہ اللہ پاک کی تعریف سبحان کے ذریعے بھی ہو اور حمد کے ذریعے بھی ہو اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں صفات میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو یکجا کیا، تمام صفات اس میں جمع ہو گئیں۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا قول

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: ''سبحان'' اللہ پاک کی منفی صفات یعنی ہونا نہ ہونا یہ سب کو سبحان میں اللہ پاک نے ذکر فرمایا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو نقل کیا اور''وبحمده''میں اللہ پاک کی جتنی اثباتی تعریف ہو سکتی ہے ان تمام کو ذکر کر کے گویا ہمیں اس بات کی تلقین کی کہ کثرت سے اللہ پاک کا ذکر، اللہ پاک کی تسبیح اور تحمید یہ ہماری زندگیوں میں چین وسکون اور امن وعافیت لانے والی ہے۔

سَبَّحَ ،يُسَبِّحُ، سَبِّحْ ۔تینوں زمانے کے صیغوں کو لانے کا مقصد:

آپ کے سامنے میں نے کلام پاک کی ایک آیت کی تلاوت کی، جس میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن کریم میں لفظ''سبح'' ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا اور سورہ جمعہ میں''يسبح لله'' مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا اور ایک آیت میں فرمایا''فسبح بحمد ربك'' امر کا صیغہ استعمال فرمایا، جملہ خبریہ جملہ انشائیہ، اور اسی طریقے سے اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں تسبیح کو ماضی بھی میں، حال میں بھی اور مستقبل میں بھی کرنے کا ذکر فرمایا، ان آیات کے ذریعے بتلایا کہ اللہ پاک کی تسبیح وتحمید ماضی میں بھی ہو، حال میں بھی ہو اور مستقبل میں بھی ہوتی رہے، اس لئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا''وهو العزيز الحكيم''

اللہ پاک کی ذات عالی بڑی زبردست ہے، غالب ہے، قادر ہے، قاہر ہے اور ساتھ میں فرمایا علیم، خبیر، بصیر، ہے۔ حکمت کے ساتھ اس کائنات میں تمام امور انجام دیئے جاتے ہیں۔

صفت عزیز وحکیم کا قرآن مجید میں تین مقامات پر کثرت سے استعمال

مجھے آپ کے سامنے اللہ پاک کی ان دو صفتوں کے متعلق کچھ گفتگو کرنی ہے، اس لیے کہ اس وقت پورے عالم میں مسلمان جن حالات سے نبرد آزما ہیں، جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں، اس میں اللہ پاک کی شان عزیزیت میں یقین کی کمی آچکی ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ پاک کی شان حکیمیت جو ہے اس میں بھی ہماری طرف سے وسوسے، ناامیدیاں، مایوسیاں، بے چینیاں، اور بے قراریاں پائی جاتی ہیں۔ اللہ پاک نے قرآن کریم کی مختلف آیات میں جیسے سبحان اور الحمد فرمایا، اس طریقے سے العزیز اور الحکیم ان دونوں صفات کو قرآن کریم میں پینتالیس آیات کے اخیر میں ذکر فرمایا، اللہ پاک نے ان دو صفات کو تین مواقع پر کثرت سے ذکر فرمایا (۱) ایک ہے اللہ پاک کی نصرت اور مدد، دشمنوں کی طرف سے جب مسلمانوں پر چہار سمت سے یلغار ہو، دشمنوں کی طرف سے جب ان کو دسترخوان پر جس طریقے سے ٹوٹ پڑتے ہیں، اس طرح ٹوٹ پڑنے والی شکلیں پیدا ہو، ایسے موقع پر اللہ تعالی نے مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر چوتھے پارے میں، نوے پارے میں اور دسوے پارے میں اور اسی طریقے سے سورہ فتح میں فتح مکہ کے موقع پر صلح حدیبیہ کے بعد کے احوال میں اللہ پاک نے کثرت سے ان صفات کو ذکر کیا ہے۔

صفت عزیز کی تعریف ووضاحت

عزیز کس کو کہتے ہیں؟ ایسی ذات جو ہر اعتبار سے قدرت رکھتی ہو، جس کے لئے مکمل طور پر فعالیت ہو، جو ہر ایک پر غلبہ رکھتی ہو، اور جس کی طاقت اور قدرت کے آگے کائنات کی طاقتیں ہیچ ہو، ایسی ذات کو کہا جاتا ہے عزیز۔

صفت عزیز خود کئی معانی کو متضمن ہے، یہ عزت، قدرت وعظمت اور مخلوق پر قہر وغلبہ کا مفہوم ادا کرتی ہے، اسی طرح صفت حکیم بھی حکمت، علم اور احکام کے معانی کو شامل ہے، لہٰذا

عزیز ذات قادر، قوی، قاہر اور عظیم بھی ہے اور حکیم ذات علیم وخبیر اور بصیر بھی ضرور ہوگی۔عزیز کی قوت وطاقت اور تصرف وغلبہ کے پیش نظر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ کبھی غلو وانحراف بھی ہو جائے تو صفت حکیم نے اس وہم کو دور کر دیا، صفت حکیم کو ساتھ میں لانا ہماری فکر کو کام میں لانے کی دعوت ہے کہ ہر چیز اور ہر کام کے پیچھے غور وفکر کرنا ہے، اور اشیاء کی علتوں میں غواصی کرنا ہے، کیونکہ بعض انسان جب علتوں کے ادراک سے عاجز آجاتے ہیں اور ان کی طبیعتیں حکمت خداوندی کو نہیں سمجھ پاتی ہے، تو وہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے بدظن ہو جاتے ہیں، صفت حکیم اس فکری انحراف وکجی کو دور کرنے کے لئے بھی ایسے مواقع پر مستعمل ہوتا ہے، صفت عزیز اس کو مزید تقویت پہونچاتی ہے اور تسلیم ورضا میں مؤید ہوتی ہے۔

دونوں صفات کی بہت قریبی مناسبت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کی زبانی حق تعالیٰ کی تعریف وثناء میں ان کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

یہ دونوں صفات ہمیشہ ساتھ ساتھ ہی آئی ہے، کبھی انفرادی طور پر نہیں آئی ہے۔

العزیز الحکیم پر ختم ہونے والی آیات اشارہ کرتی ہیں کہ ان تمام میں ایک معین ترتیب ہے؛ چاہے وہ آیت سے ہی متعلق ہو یا سیاق سے تعلق رکھتی ہو، یہ مناسبت کبھی آگے پیچھے کی ایک یا دو آیت سے مربوط ہوتی ہے، صفت عزیز قدرت، غلبہ، قوت اور غالب ہونے پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا آیات میں مذکور یہ امور صفت عزیز پر ہی ختم ہوں گے اور صفت حکیم عالم، خبیر اور بصیر کے مفہوم کو ادا کرتی ہے؛ کیونکہ حکیم فعل کی حکمت کی وجہ، اس کے ختم ہونے کو، اس کے عواقب وانجام کو اور اس کی تعلیل کو جانتا ہے، لہٰذا وہ کسی بھی فعل کو انتہائی سلیقہ وحسن ترتیب سے انجام دیتا ہے۔

حکمت کے مختلف محور:

(۱) جیسے یہ تین آیات (آل عمران:۱۲۶، الانفال:۱۰، التوبۃ:۴۰) نصرت و مدد کے محور پر گھومتی ہے کہ کیسے اللہ پاک نے اپنے رسول اور مؤمنین کی مدد فرمائی، دشمنوں کو کیسے شکست دی اور ایسے لشکروں (فرشتوں) سے مؤمنین کی مدد کی، جن کو مؤمنین نے نہیں دیکھا

تھا، لہٰذا اس قدرت عظیمہ اور قوت باہرہ کے بیان کرنے کے لئے صفت عزیز سے بہتر کوئی صفت نہ تھی، پھر مدد کے طریقے، ان اسباب کو پیدا کرنا؛ پھر ملائکہ کے ذریعہ مدد کی وجہ؟ ان کے علاوہ سے کیوں مدد نہیں کی گئی؟ یہ وہ امور ہیں جن کا تعلق حکیم کی تدبیر وحکمت تامہ سے تھا۔ جب ہم ان سوالات کا جواب نہیں پا سکتے ہیں تو ہمارا ذہن اس بات کو قبول کرے گا کہ اس کے پیچھے حکیم کی حکمت ہی کارفرما ہے، جس سے ہم ناواقف ہیں۔

(۲) محور ثانی نزول قرآن کریم کے موقعہ پر بھی صفت عزیز وحکیم ساتھ میں آئی ہے، (الزمر:۱، الجاثیۃ:۲، الاحقاف:۲) نزول قرآن؛ یہ صفت قدرت کے ساتھ دشمنوں کے مکر وتدبیر کو ناکام بنانا اور ان پر فصاحت و بلاغت و اعجاز کے ذریعہ غلبہ پانا وغیرہ کو شامل ہے، نیز قرآن کریم حکمت کی تمام اقسام کو شامل ہے اور حکیم اس کتاب عزیز کے نازل کرنے کی علت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، گویا سائل سوال کرتا ہے کہ یہ کتاب کیوں نازل کی گئی، تو اس کا جواب دیا گیا کہ حکیم نے اپنی حکمت کی وجہ سے اس کو نازل کیا۔

(۳) عزیز وحکیم کے ختم ہونے کا تیسرا محور تسبیح کا ہے، یعنی کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ الحدید:۱، الصّف:۱، الحشر:۱، ۲۴ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی تسبیح پر مشتمل ہے، اس میں اللہ پاک کی ربوبیت والوہیت کی طرف اشارہ ہے، مخلوقات کی تسبیح یہ صفت عزیز کی طرف دلالت ہے کہ ساری مخلوق کو تابع کر کے تسبیح پر لگانا؛ یہ اسی کی شان ہے، اگر اس کائنات کا اس کے علاوہ کوئی رب والہ ہوتا تو وہ ضرور مخلوقات کو اس تسبیح سے روک دیتا۔ اور حکیم بھی ہے کہ اس نے صرف تسبیح کا ہی مطالبہ کیا، اس کے علاوہ پر ان کی فطرت کو نہیں لگایا، وہ حکیم ہے؛ لہٰذا اس نے ان مخلوقات کی فطرت میں تسبیح کا جذبہ پیدا کیا اور ان کے لئے اس کو آسان بھی کر دیا۔

ان آیات میں انسان کو بھی اشارہ ہے کہ وہ ان غیر شعوری مخلوقات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہے۔

عزت وغلبہ سب اسی کو حاصل ہے اور اس کی حکمت کبھی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی چھپی ہوئی

ہوتی ہے اور اس کی مختلف کیفیات ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ بہترین تدبیر سے اس کو انجام دیتا ہے۔ (آل عمران:٦) ماں کی رحم دانی میں بچے کی تصویر بنانا یہ صفت عزیز کی طرف مشیر ہے اور جن کیفیات سے ان کو مکمل کرتا ہے وہ صفت حکیم کی طرف مشیر ہے، لہٰذا یصور کم فعل مضارع صفت عزیز سے متعلق ہوگا اور کیف یشاء کا تعلق صفت حکیم سے ہوگا، اور دوسرا کوئی الٰہ ومعبود نہیں ہے جو تصویر ارحام میں مخالفت کر کے یہ کہے کہ مجھے یہ صورت پسند نہیں ہے؛ لہٰذا میں دوسری صورت بنانا چاہتا ہوں، شان عزیزیت سے مخالفت کی نفی ہوتی ہے، اسی طرح کوئی یہ کہے کہ مخلوقات کی کچھ صورتیں عجیب وغریب ونادر اور غیر طبعی ہے، تو اس کا جواب دیا کہ وہ حکیم ہے، اس کی حکمت نے جو تقاضہ کیا اس کے مطابق تصویر کو کیفیت دی، اس کی وضاحت درج ذیل دو آیات (البقرہ:٢٦٠، النساء:١٥٨) سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

البقرہ:٢٦٠ میں مذکور احیاء موتی کی صفت عزیز ذات کی ہی صفت ہوسکتی ہے، صفت قدرت سے زیادہ بڑھکر یہ صفت عزیز سے تعلق رکھتی ہے، پرندوں کو دوبارہ زندہ کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کے پاس اڑنے کے بجائے ''سعیاً'' چلتے ہوئے آنا، پرندوں کی تواضع ومسکنت اور اطاعت آپ کے قلب کو قدرت الٰہیہ سے مطمئن کرنے کی طرف مشیر ہے، حضرت ابراہیم کا ان کو پکارنا اور ان کا زندہ ہو کر آنا؛ یہ بھی صفت قدرت کا استحضار کروانا ہے؛ ورنہ حضرت ابراہیم کے پکارے بغیر بھی اللہ پاک ان کو زندہ کرسکتے ہیں، جیسے حضرت عزیرؑ کے واقعہ میں ہوا۔

قال الآلوسي - حكيم ذو حكمة بالغة فليس بناء أفعاله على الأسباب العادية لعجزه عن خرق العادات بل لكونه متضمنا للحكم والمصالح .وهو مذهب جميل يؤكد ما ذهبنا إليه فيما سبق. (روح المعاني: ٣/٤٩)

اسی طرح دوسری آیت ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ﴾ (نساء:١٥٨) بھی حضرت عیسیٰؑ کے خلاف یہود کی سازش کو ناکام کر کے زندہ آسمان پر اٹھا لینے کی طاقت وقدرت کا استحضار ہے، جو شان عزیزی کی بہترین مثال ہے اور آسمان پر اٹھانے کی حکمت وہی جانتا ہے جو حکیم مطلق وکامل

ہے، وہ دنیا میں رکھ کر بھی بچا سکتا ہے، جیسے کئی واقعات میں ہوا۔

﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵﴾ (الممتحنہ:۵)

اس آیت میں بھی واغفرلنا ربنا کے بعد صفت عزیز وحکیم آئی ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کو بھی مشکلات الفواصل میں سے شمار کیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت کو غفور رحیم پر ختم کرتے تو فساد معنیٰ لازم آتا؛ کیونکہ آیت کا جوہری معنی یہ ہے کہ مؤمنین کو کافرین کی طرف سے فتنہ نہ پہونچے، یعنی ان کو غلبہ نہ حاصل ہو کہ جس کی بنیاد پر وہ یہ سمجھنے لگے کہ نعوذ باللہ ہم حق پر ہیں، یا ان کے ہاتھوں ہمیں تکلیف نہ پہونچے اور نہ خود اپنی طرف سے ہمیں عذاب دے کہ کفار کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو ان کو یہ عذاب نہ پہونچتا، جب آیت میں یہ درخواست ہے تو اس کے مناسب صفت عزیز وحکیم ہی تھی؛ کیونکہ اس وقت عزیز وغالب کی طرف نسبت ہی مناسب ہے جو اپنے اولیاء کی اپنی شان کے مطابق مدد کرے، اگر وہ دعاء قبول کرتا ہے تو بھی اس کی شان ہے اور اگر دعاء قبول نہیں ہوتی ہے اور ان کے لئے ذخیرہ ہوتی ہے تو یہ بھی حکمت خداوندی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا قصہ ذکر کیجئے جس وقت کہ ابراہیم نے کہا کہ اے پروردگار! آپ مجھ کو یہ دکھلا دیجئے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں؛ تا کہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ آپ قیامت کے دن کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ مردوں کو زندہ فرمائیں گے، آپ کی قدرت کی کوئی نہایت نہیں، آپ جس کیفیت کے ساتھ چاہیں مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں، آپ کے زندہ کرنے کی عقلاً بے شمار کیفیتیں ممکن ہیں، معلوم نہیں کہ قیامت کے دن مردوں کے زندہ کر دینے کی کیا کیفیت ہوگی؛ اس لیے اس کی تعیین چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ کس کیفیت کے ساتھ مردے زندہ ہوں گے؛ کیونکہ کیف کے ذریعہ سے جو سوال کیا جاتا ہے اگر چہ اکثر وبیشتر وہ کیفیت دریافت کرنے کے لیے ہوتا ہے، اصل شئ تو یقینی ہوتی ہے، فقط کیفیت کی

تعیین مطلوب ہوتی ہے؛ لیکن بعض مرتبہ کیف کا استعمال انکار اور تعجب کے موقعہ پر بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یہ بوجھ اور وزن اٹھا سکتا ہوں اور تمہارا گمان یہ ہو کہ یہ شخص اس وزن کے اٹھانے سے قاصر ہے تو ایسے موقعہ پر اس سے یہ کہتے ہو، ارنی کیف تحمل ھذا [مجھ کو دکھلاؤ کہ تم اس بوجھ کو کس طرح اٹھاؤ گے]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا پس چار پرندے لے لو اور پھر ان کو اپنے نزدیک کر لو یعنی ان کی صورت پہچان کر اپنے پاس کر لو اور اپنے سے ہلا لو؛ تا کہ ان کی خوب شناخت ہو جائے اور وہ بھی زندہ ہونے کے بعد تم کو پہچان لیں اور تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں، بعد ازاں ان کو ذبح کر کے اور ان کے گوشت اور پوست کو خلط ملط کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ، سب زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تیرے پاس چلے آئیں گے، اس طرح سے تم اپنا اطمینان کر لو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور زبردست ہے، کوئی اس کی مشیت اور ارادہ کو روک نہیں سکتا، یعنی جس طرح خدا تعالیٰ ان جانوروں کے متفرق اجزاء کو دوبارہ جوڑ کر اور گوشت اور پوست چڑھا کر زندہ کر سکتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن مردوں کے جسموں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے ان میں روح ڈال سکتا ہے، اور بڑی حکمت والا ہے، کوئی اس کے افعال کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس کی حکمت کہ اس نے چار پرندوں کے ذبح کر کے پہاڑوں پر رکھنے کا کیوں حکم دیا، اسی کو معلوم ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (نساء:۱۵۸)

اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کو مستبعد نہ سمجھو، اس لیے کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے، اس کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین سب برابر ہیں، اور اس کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں، اس نے اپنی کسی حکمت کی بناء پر کسی شخص کو حضرت عیسیٰؑ کے ہم شکل بنا کر ان کی جگہ قتل کرا دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور آسمان میں ان کو دشمنوں سے محفوظ کر دیا، رہا یہ امر کہ کیا خدا زمین پر حفاظت نہیں کر سکتا، حفاظت کے لیے رفع الی

اسماء کا طریقہ کیوں اختیار کیا؟ اس میں کیا حکمت ہے؟ سو اس کا علم سوائے خداوند علیم وحکیم کے کسی کو نہیں، یہ سوال تو ہر طریقۂ حفاظت میں جاری ہوسکتا ہے، کیا کوئی یہ بتلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مکہ سے مدینہ اور ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ ان کو اپنے وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور وہیں ان کی حفاظت فرماتا، اس طرح کے ہزاروں سوال ہوسکتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (فتح:٧)

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اللہ کے واسطے ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ ان آیات میں دو جگہ ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آیا ہے، پہلی جگہ ان الفاظ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت ہی مخلوقات کے تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اپنی حکمت کے تقاضے سے جس طرح چاہتا ہے ہر امر طے فرماتا ہے، اس بناء پر وہاں اللہ رب العزت نے اپنی صفت عَلِيْمًا حَكِيْمًا فرمائی؛ لیکن یہاں مقصود مجرمین و نافرمانوں کو تہدید و دھمکی ہے، اس وجہ سے اس موقعہ پر وصف عَزِيْزًا حَكِيْمًا ارشاد فرمایا۔ (روح المعانی) (معارف القرآن ادریسی)

﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (فتح:١٩)

بے شک اللہ خوش ہوا ان ایمان والوں سے جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اے ہمارے پیغمبر اس درخت کے نیچے جو ایک کیکر کا درخت تھا مقام حدیبیہ میں، جہاں کھڑے ہو کر آپ نے بیعت کا اعلان فرمایا تھا، اور صحابہؓ نے اس درخت کے نیچے بیعت کا سلسلہ شروع کیا، پھر جان لیا اللہ نے اس چیز کو جو ان کے دلوں میں تھی، اخلاص و ایمان اور ایثار و جہاد کے جذبات سے، تو اتارا ان پر سکون واطمینان، اور انعام دیا ان کو ایک نزدیک فتح کا اور بہت سی غنیمتوں کا، جن کو وہ حاصل کریں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی عزت وحکمت والا ہے کہ اس کے ارادہ اور عطاء کو کوئی طاقت روکنے والی نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عطا فرماتا

ہے، اس لیے اگر اس نے مقام حدیبیہ میں فتح اور غنائم کے بجائے معاہدہ اور صلح کو مقدر فرما دیا تو یہ اس کی شان حکیمی ہے کہ فتح و غنائم کو قریب وقت کے لیے مؤخر کر دیا جو فتح خیبر کی صورت میں فوراً ہی ظاہر ہوئی۔ (معارف القرآن ادریسی)

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (روم:۲۷)

اور وہی اللہ عز و جل ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر مار ڈالتا ہے، پھر اس کو وہ دو بارہ زندہ کرے گا اور وہ دوبارہ زندہ کرنا اس پر بہت آسان ہے، تو پھر تم دوبارہ پیدا کرنے کے کیوں منکر ہو؟ اور اسی کے لیے شان اور صفت سب سے اعلیٰ اور برتر ہے آسمانوں اور زمین میں، اور وہی غالب ہے، عاجز اور مغلوب نہیں، اور وہی حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، جن کے دل زنگ آلودہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں، اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

اللہ تعالی نے فرمایا: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (آل عمران:۱۲۶) غزوہ بدر کے موقع پر اللہ پاک نے دو آیتوں میں العزیز اور الحکیم کے ذریعے غزوہ بدر کے اس پورے منظر کو بیان کیا۔ إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ (انفال:۴۲) کہ تم ایک کنارے پر تھے اور یہ دوسرے کنارے پر تھے وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ اور ابوسفیان کا قافلہ نیچ میں تھا، ابوسفیان کا قافلہ بچ گیا، نکل گیا اور وہ پہنچ رہا ہے مکہ مکرمہ کی طرف لیکن ابوجہل کو معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے راستے پر ہمارے قافلہ کو مدینہ منورہ سے آتے ہوئے آگے سے روک لیا گیا ہے اور اس پر حملہ ہو رہا ہے، ایسے موقع پر ابوسفیان نے کہلوایا کہ ہمارا قافلہ بچ کر نکل چکا ہے اور آپ واپس مکہ مکرمہ چلے جائیں، لیکن ابوجہل نے سب کو تیار کیا اور ایک لشکر جرار لیکر مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا، ایسے موقع پر اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (سورۃ

الانفال: ۴۷) تکبر اور اتراہٹ کے ساتھ اگر تم ان سے کوئی وعدہ کرتے اور مکہ والے تم سے وعدہ کرتے ، ہوسکتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی وعدے کی پابندی نہ کرتے ہوئے شاید بدر کے میدان میں نہ پہنچتے۔

اللہ پاک نے دونوں کو وہاں پہنچایا، حالات اس طریقے کے ہوئے مسلمان۔غیر الشوکۃ۔ وہ بغیر تکلیف ومصیبت والا جو قافلہ تھا اس کو چاہ رہے تھے اور اللہ پاک ابوجہل اور سارے جتنے بھی کفر کے سرغنے ہیں، اللہ پاک ان سب کو مدینہ منورہ کی طرف لا رہے ہیں۔ یوم الفرقان اللہ پاک نے فرمایا: وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ (سورۃ الانفال: ۴۴) عجیب وغریب اللہ پاک نے اس غزوہ کا منظر بیان فرمایا۔تم مشرکین کو دیکھ رہے تھے، ان کی تعداد تمہیں کم نظر آرہی تھی، تمہاری تعداد تو کم تھی ہی اور ان کو تم کم نظر آرہے ہو، لیکن تمہاری نگاہوں میں ان کو کم کر کے بتلایا، یہ آیات کے ذریعے اللہ پاک بتلاتے ہیں اپنی شان عزیزیت، مسلمانوں کو اپنا ایمان ویقین مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت پر یقین رکھیں

دوستو اور بزرگو!

اس وقت جو حالات ہیں، اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت کے اوپر ہمارے یقین میں جو کمزوری آگئی ہے۔ قرآن کریم کے ان واقعات کے ذریعے اللہ پاک ہمیں فرماتے ہیں، یہودیوں نے اعلان کیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا، قتل کردیا، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۔ بَلْ رَفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (نساء: ۱۵۷، ۱۵۸) اس جگہ پر بھی اللہ پاک نے اپنی شان عزیزیت کو ذکر کیا کہ رومی جو بادشاہ ہے اس کو ورغلایا گیا یہودیوں اور عیسائیوں کے ذریعے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے سارے اسباب مہیا ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا یہودیوں نے اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، اگلی آیت میں فرمایا: وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اللہ پاک ہمیں بتلاتے

ہیں کہ اللہ پاک جب مدد کرنے پر آتے ہیں تو دشمنوں کی ساری طاقتیں، سارے ایجنڈے اور ساری کوششیں اللہ تعالی اس طریقے سے ملیا میٹ کردیتے ہیں۔ ابوجہل کو لایا گیا اور یوم الفرقان کے ذریعے ان سب کے متعلق اللہ پاک نے فیصلے کرر کھے ہیں، اس طریقے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا عیسی علیہ السلام کے اس واقعے کو ذکر فرمایا۔

ایک اور آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (ممتحنہ:۵) وہاں بھی اللہ تعالی اپنی شان عزیزیت کو ذکر فرماتے ہیں۔ ایمان والوں کو یہ دعا سکھلائی گئی، کثرت سے اس وقت ہمیں یہ دعا کرنی ہے کہ اے ہمارے پروردگار! لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا، مشرکین اور آپ کے دشمنوں کے لئے ہمیں آزمائش اور تختۂ مشق نہ بنا، ایسا نہ ہو کہ یہ اعلان کرے کہ تمہارا اللہ کہاں ہے؟ یا ہمارے دل میں وسوسہ پیدا ہوجائے کہ اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی۔ حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا (یوسف:۱۱۰) اللہ پاک کی مددیں آتی ہیں۔ اللہ پاک کی ان ساری صفات کے ذریعے اور صفت عزیزیت کے ذریعے بار بار ہمیں متوجہ کررہے ہیں کہ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا ہمیں آزمائش نہ بنائیے۔ وَاغْفِرْ لَنَا۔ آگے فرمایا: ہماری بخشش فرمایئے۔ لیکن حضرات مفسرین خصوصاً حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اس آیت کو مشکلات القرآن میں سے ذکر کیا کہ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا جب آتا ہے تو اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ کی صفت آتی ہے؛ لیکن اس جگہ پر وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا کے بعد إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہ صفت ذکر کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت تو اللہ پاک کی طرف سے آتی ہی ہے، اس وقت مسلمانوں کو اللہ پاک کی ذات عالی پر جو یقین کرنا ہے، اس یقین کے لیے صفت رحمت کے بجائے صفت عزیزیت کو ذکر کرکے بتلایا کہ اللہ پاک کی ذات غالب ہے، کس وقت چاہے ایسے حالات پیدا کرے، ساری کی ساری حکومتیں اس کے اختیار میں ہے۔

ایک طرف تو وہ عزیز ہے تو دوسری طرف وہ حکیم ہے، اس لئے دوستو اور بزرگو! اللہ

پاک کی شان عزیزیت کو سمجھنا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُ کُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ (سورۂ آل عمران:۶) اللہ تبارک تعالی کیسے انسان کو ماں کے پیٹ میں بناتے ہیں، کیسے اس کی تخلیق کے مرحلے گزرتے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُ کُمْ فِی الْاَرْحَامِ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے ذریعے اللہ پاک نے اپنی شان عزیزیت کو بتلایا اور کَیْفَ یَشَآءُ کے ذریعے اپنی شان حکیمیت کو بیان کیا، اس لئے جو حالات ہم پر باہر سے آرہے ہیں، ایسے موقع پر اللہ کے ان ناموں کے ذکر کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تسبیح اور تحمید کے ذریعے ہم کو بتلایا کہ جتنی زیادہ اللہ پاک کی تسبیح وتحمید ہوگی، اللہ تعالی کی طرف سے دلوں میں اللہ کی طاقت سے ہونے کا یقین پیدا ہوگا۔

لایعنی باتوں سے دور رہیں

ونضع الموازین القسط : اور آپ اپنے قول وعمل کے ذریعے،؛ رات دن ہماری زبان چلتی ہے، ہمارے اعمال سے مختلف چیزیں سرزد ہوتی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں متوجہ کیا غیبتوں سے، چغلیوں سے، لایعنی کاموں سے، اور بے کار کی بکواسات سے، اس وقت امت کا ایک بڑا وقت ضائع ہورہا ہے موبائل میں، حضرت مفتی صاحب نے ابھی فرمایا: موبائل یہ اہم شئی کو چھوڑنا ہوگا، آج کا مسلمان مرد ہو یا عورت، بچے ہوں، یا جوان بوڑھے ہوں؛ سب کے سب اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ان لایعنی کاموں کے اندر صرف کررہے ہیں، ایک طرف دشمن کی اسکیمیں اور دوسری طرف ہمارے مسلمانوں کا حال۔

ترقی میں محنت کا کردار

دوستو اور بزرگو!

باہر کے حالات کیا ہے؟ اس کو سوچنا چاہئے، یہ زمانے میں پنپنے کی اور ترقی کرنے کی چیزیں نہیں ہے، دنیا کی قومیں اپنی دنیا کے لیے ترقی کررہی ہے، ہمیں اپنی دنیا کے ساتھ اپنی آخرت کو بھی بنانا ہے، رات کے بارہ بجے ایک بجے مسلمانوں کی آبادی سے اور بڑے شہروں

سے آپ گزر یئے، چوراہوں پر، اوٹوں پر بیٹھ کر ہمارے نوجوان اپنے وقت کو ضائع کر رہے ہیں، دشمن کیسے کیسے ہمارے خلاف اسکیمیں بنا رہا ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنی دنیا میں مست ہے، یہ قوموں کے لیے زندگی گزارنے کے اور پنپنے کے، ترقی کرنے کے یہ حالات نہیں ہوتے، یہودیوں نے جرمنی چھوڑا اور امریکہ گئے اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں محنت ایسی کی کہ ایک صاحب سنا رہے ہیں کہ رات کے وقت وہ گشت لگا رہے ہیں یونیورسٹی کا، وہاں یونیورسٹی کی ہوسٹل کے اندر گئے، کچھ بچے بیٹھے بیٹھے پڑھ رہے ہیں، رات کا ایک-دو بجا ہوا ہے، انہوں نے کہا: اتنے لمبے وقت سے تم لوگ پڑھ رہے ہو، سارے بچے سوئے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم جرمنی سے ہجرت کر کے امریکہ میں آئے ہیں، ہمارا کوئی وطن نہیں، اس لیے ہمیں اس ملک میں ایسی محنت کرنی ہے کہ ہم اس ملک کے بچوں سے اپنے آپ کو تعلیم وتجارت وغیرہ میں اپنے آپ کو آگے کریں اور دنیا میں سربراہی اور اپنا مقام رکھنا ہے تو اس لیے ہمیں اپنے آپ کو آگے کرنا ہے۔ **رهبان بالليل و فرسان بالنهار** ۔اس ملک میں دنیوی ضرورتیں بھی ہیں، ایجوکیشن میں بھی ہمارے نوجوان پیچھے ہیں، سائنس انجینئرنگ کے جو سبجیک (subject) ہے، اس میں مسلمان کتنے آگے بڑھتے ہیں؟ رات دن ہم جانتے ہیں۔

استغفار پریشانی سے نجات کا ذریعہ

اسی طرح یہ دنیا کی آپ سے بات کر رہا ہوں اور دین کے لیے، نمازوں کے لئے اور عبادتوں میں، ذکر میں، تلاوت میں ہمارا کتنا وقت مشغول ہوتا ہے؟ یہ سب ہم جانتے ہیں۔ دوستو اور بزرگو! قومیں اس طرح ترقی نہیں کرتی **رهبان بالليل و فرسان بالنهار** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاسوسی کی جاتی ہے، رومی لشکر اور ایرانی لشکر تحقیق کر رہے ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ یہ دن میں مویشی سوار ہیں اور راتوں میں عبادت گزار ہیں، اس لئے اس وقت کے جو حالات ہے؛ ایک طرف تو ہم ناامید نہ ہو اور دوسری طرف اللہ تعالی کی طرف اپنے آپ کو متوجہ کریں، استغفار کی کثرت کریں: **من لزم الاستغفار جعل الله له من كل هم فرجا و من**

كل ضيق مخرجا ورزقه من حيث لا يحتسب.(ابن ماجه:كتاب الادب، باب الاستغفار) اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ کثرت سے جنہوں نے اپنے آپ کو استغفار میں لگایا تو ہر پریشانی، ہر تکلیف سے اللہ پاک نجات دیں گے اور چین اور سکون کی زندگیاں نصیب فرمائیں گے، اور رزق ایسی جگہ سے دیں گے، جہاں کا وہم وگمان نہیں ہوگا۔ آج رزق کے لیے حلال وحرام کا ذکر کئے بغیر مسلمان کہاں کہاں پھانپھے مار رہا ہے۔

بیماریوں کے جنم لینے میں غذاؤں کا اثر

دوستو اور بزرگو!

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان سے لیکر توحید تک میں زندگی کے سارے مسائل ذکر کئے، کتاب الطب، کتاب الاطعمہ ہمیں بتلائیں گے کہ کھانے کی کون سی چیزیں کھائی جائے؟ اس وقت جو کورونا وائرس corunaviras دنیا میں پھیلا ہوا ہے یا اس کی ہوا پھیلائی جارہی ہے، یہ کیا ہے؟ ماہر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ خبیث اور حرام غذاؤں کے کھانے ہی سے یہ بیماریاں جنم لیتی ہیں، اسی طرح اس وقت کا جو فوڈ FOOD، فاسٹ فوڈ FAST FOOD اس کے اندر جو چیزیں استعمال ہوتی ہیں، اس میں کثرت سے سور کی چربیاں اور مختلف جانوروں کی حرام چیزوں کو استعمال کیا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں یہ نحوست پھیلتی ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ کی صفت اللہ پاک نے بتلائی ۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (اعراف: ۱۵۷) پاکیزہ اور حلال چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے۔

حلال اور حرام

آپ نے پاکیزہ چیزوں کو حلال فرمایا اور گندی اور خبیث چیزوں کو آپ ﷺ نے حرام فرمایا، اس وقت وہ کہہ رہے ہیں: بار بار ہاتھ دھوئیں، منہ دھوئیں۔ وضو کا عمل جو ہمارا ہے، وہ اس کی طرف راغب کرر ہے ہیں، دنیا کو ادھر سے ادھر سے گھوم پھر کر اللہ پاک کی ان ہی چیزوں کی طرف جانا ہے جن کو اللہ پاک نے بیان کیا، چاہے نہ چاہے وہ مجبور ہے۔ امام بخاریؒ

اطعمہ اور ان چیزوں کے ذریعے ہمیں اس کی طرف متوجہ کررہے ہیں، پورا دین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ پاک نے ہمارے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی کے ذریعے بخاری شریف اور حدیث شریف کی دوسری کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

دنیا کی کسی قوم کو کسی چیز پر عمل کرنا ہو تو اپنے نبی کی کوئی بات یا اپنے بڑے کی کوئی بات صحیح سند کے ساتھ ان کے پاس نہیں ہے، یہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری سندیں کس کس طریقے سے حضرت امام بخاریؒ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہیں، ایسا برکت والا، مبارک، ایسا مستند اور ایسا جامع دین اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمایا ہے، ہم ان احادیث کی قدر کریں، ان محدثین کی قدر کریں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو ہمارے سامنے پیش کیا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ